مراۃ سکندری

اصل فارسی متن کا اردو ترجمہ

مؤلف

سکندر ابن محمد عرف منجھو ابن اکبر

مترجم

پروفیسر مرحوم عرشی حسین قریشی

نظر ثانی

پروفیسر محی الدین بمبئی والا

گجرات اردو ساہتیہ اکادمی، گاندھی نگر

مرآۃ سکندری

اصل فارسی متن کا اُردو ترجمہ

مؤلف

سکندر ابن محمد عرف منجھو ابن اکبر

مترجم

پروفیسر مرحوم مرتاض حسین قریشی

نظرِ ثانی

پروفیسر محی الدین بمبئی والا

ناشر

گجرات اردو ساہتیہ اکادمی، گاندھی نگر، گجرات

ناشر : ہرشد بھائی تریویدی (رجسٹرار، گجرات ساہتیہ اکادمی، گاندھی نگر)
صغرا بیگم بخاری (نائب رجسٹرار، اردو ساہتیہ اکادمی، گاندھی نگر)

MIRAT-E SIKANDARI

مجلہ : مراۃ سکندری

Year of Publication	: 2013	۲۰۱۳ء	: سال اشاعت
Pages	: 576	۵۷۶	: صفحات
Quantity	: 500		: تعداد
Price	: Rs. 288	۲۸۸ روپے	: قیمت

طباعت و سرورق : ISB Digital ۲۸۲۸، شاہپور، احمد آباد۔

گجرات اردو ساہتیہ اکادمی، گاندھی نگر
ابھی لیکھا گار بھون، نزد گلاب باغ،
سیکٹر ۱۷، گاندھی نگر، گجرات۔ پن: ۳۸۲۰۱۷
فون : 23256798

حرفِ چند

فنِ تاریخ نویسی سے مسلمانوں کو خاص طور پر دلچسپی رہی ہے۔ شمالی ہند میں مسلم دورِ حکومت میں پچاسوں تاریخوں کا لکھا جانا یا مرتب کیا جانا ثابت ہے۔ اس لحاظ سے گجرات کو بھی امتیاز حاصل ہے۔ پٹن سے دار الخلافہ احمد آباد کو منتقل ہونے کے بعد بانی شہر سلطان احمد شاہ کے زمانہ سے تاریخوں کا لکھا جانا معلوم ہوا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ان میں سے کئی ایک اہم تاریخیں دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہیں رہ سکیں، دیگر تاریخی کتابوں میں ان کا حوالہ ملتا ہے مگر ان تاریخوں تک رسائی نہیں ہو پائی۔ بعض فہرستوں کے اندراجات سے اُن تاریخوں کا ہونا ثابت ہے یا پھر دیگر تاریخوں میں ان کے اقتباسات اور تذکرے مل جاتے ہیں جن کی بنا پر ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان میں خاص طور پر، تاریخ مظفر شاہی، تاریخِ احمد شاہی (حلوی شیرازی)، تاریخ محمود شاہی، تاریخ مظفر شاہی (دوم)، تاریخ بہادر شاہی، تاریخ ظفر الوالہ (حاجی دبیر)، تحفۃ السادات (آرام شاہ کشمیری)، مآثرِ محمود شاہی، طبقاتِ محمود شاہی، تاریخ صدر جہاں، گنج معانی، تاریخِ گجرات (ابوتراب ولی)، تاریخ سلاطین گجرات اور مراۃِ سکندری و مراۃِ احمدی وغیرہ کا ذکر ہوا کرتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے چند تاریخیں ایسی ہیں جن کا قطعی پتہ نہیں چلتا، بعض چند فہرستوں کے اندراجات سے ان کا احوال معلوم ہوتا ہے۔

اِن حقائق کے پیشِ نظر گجرات اُردو ساہتیہ اکادمی نے غور وخوض کے بعد ایک منصوبہ تیار کیا تھا جس کی رو سے جتنی بھی تاریخیں جو گجرات اور سلطنت گجرات کے متعلق لکھی گئی ہیں انہیں شائع کرنا قرار پایا۔ اصل متن کا ترجمہ کروا کر گجرات کی سیاسی، تہذیبی، ثقافتی اور علمی سرگرمیوں کے بارے میں واقفیت پہنچانا اس منصوبہ کا مقصد تھا۔ لہٰذا مراۃِ سکندری کا ترجمہ اس بیچ کی پہلی کڑی تھا۔ اب نظرِ ثانی کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن تاریخ کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے۔

پروفیسر مرتاض حسین قریشی فارسی کے استاد تھے، اکادمی کے رکن تھے، جنہوں نے بڑی محنت اور دقیقہ رسی سے مراۃِ سکندری کو اردو کا جامہ پہنایا۔ عام فہم زبان میں مستند ترجمہ پیش کرنے کے لئے اکادمی ان کی شکر گزار ہے۔

ہرشد ترویدی
(رجسٹرار، گجرات ساہتیہ اکادمی، گاندھی نگر)

تاریخ: ۱؍فروری ۲۰۱۳ء

دیباچہ

'مراۃ سکندری' فنِ تاریخ نویسی کے اعتبار سے صفِ اول میں اپنا مقام رکھتی ہے۔ جہاں تک گجرات کے سیاسی، سماجی اور عسکری تعلقات کا اِحاطہ کرنے کا سوال ہے اور اب تک جو تاریخیں دستیاب ہوئیں ہیں۔ ان میں زیادہ مستند اور قابلِ اعتبار 'مراۃ سکندری' ہے۔

'مراۃِ سکندری' محض سیاسی، سماجی سرگرمیوں اور معاشیات کی کھتونی نہیں ہے بلکہ اپنے دَور کا تہذیبی منظر نامہ ہے، اپنے عہد کی ثقافتی اور معاشرتی داستان ہے۔ مراۃ پندرھویں سولھویں صدی کے روحانی عقائد اور مذہبی اخلاقیات کا دلچسپ مرقع ہے۔ ان تمام مندرجہ بالا اُمور کو بہت ہی فصیح و بلیغ انداز میں بزبان فارسی میاں سکندر نے اپنی یادگار تاریخ میں پیش کیا ہے۔ دیکھا جائے تو حکمران گجرات اور ان کے دورِ حکومت کے واقعات اور حادثات کا تقریباً دو سو (۲۰۰) سال یعنی ۸۰۰ھ سے ۱۰۰۰ھ تک کا بالاستیعاب تذکرہ ہے۔ مشہور و معروف دانشور اور کتبہ شناس ڈاکٹر ضیاء الدین دیسائی اس قابلِ ذکر تاریخ کے بارے میں بالکل صحیح فرماتے ہیں:

"The Sultanate period of Gujarat which lasted for about two centuries (1403-1572 A.D.) presents a brilliant study in the history of India, both politically and culturally. The achievements of the Gujarat Sultans as builders, bibliophiles and patrons of art and letters gave them a place of honour and distinction among their contemporaries and spread their fame of to Hijaz, Yaman and other Muslim countries. Attracted by their patronage and munificence, learned savants from different parts of

Islamic countries travelled to and, in some cases, settled in Gujarat which soon became a seat of learning and knowledge. Not only some of the kings and their ministers were themselves men of letters and liberal patrons of learning, but their nobles also were devotees of knowledge whose assemblies were adorned by learned men."

استاد گرامی دیسائی صاحب نے گجرات کی تاریخ نویسی پر قابلِ ذکر تحقیقی کام کیا ہے۔ اور اس موضوع پر پچاسوں مقالات بزبان انگریزی سپردِ قلم کیے ہیں۔ 'مراۃ سکندری' اور اس کی تاریخی، تہذیبی اور تمدّنی اہمیت پر پچاس صفحات کا گراں قدر مقالہ تحریر کیا ہے۔ جو اب ان کے مجموعۂ مقالات A Quest for truth میں شامل ہے۔

'مراۃ سکندری' صحیح معنوں میں گجرات کی پندرھویں صدی کے سیاسی، سماجی، تہذیبی، ثقافتی، مذہبی اور روحانی سرگرمیوں نیز علمی، ادبی اور فنّی کارناموں کا تذکرہ ہے۔ جسے قریب العصر تاریخی شہادتوں اور مقتدر اربابِ علم و ادب اور ارکانِ دولت کے معتبر اقوال کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔

مراۃ سکندری کو انگریزی کا جامہ پہنانے والا کرنل بیلے نے تاریخ خدا کے بارے میں عمدہ رائے کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "یہ قطعی طور سے کہا جاسکتا ہے کہ سکندر ایک غیر جانبدار ہی نہیں بلکہ بہت ہی مشاق مصنف کی حیثیت سے تعریف کا مستحق ہے"۔ سکندر کی بحیثیت ایک مورّخ مشاقی اور فنّی مہارت کو واضح کرتے ہوئے ہمیں شہنشاہ جہانگیر کی رائے کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ مغلیہ سلاطین میں جہانگیر تاریخی شعور کے ساتھ ادبی شعور بھی رکھتا تھا۔ دربارِ اکبری کی شان و شوکت اور عظمت کا صحیح طور پر اس نے اپنے آپ کو وارث ثابت کیا ہے۔ جہانگیر کا دربار بھی چند درخشاں ستاروں سے رونق افروز تھا۔ ان اُمور کی روشنی میں سکندر کے بارے میں اس کی یہ رائے بڑی اہم اور بامعنی ہے، اسے ملاحظہ کیجیے۔

شیخ سکندر اصلاً گجراتی ہے اور معقولیت میں ہیٹا نہیں ہے۔ اسے سلاطین گجرات

کے بارے میں مکمل معلومات حاصل ہیں۔ اب ایک عرصے کے بعد آٹھ نو برس گذرنے کو ہیں کہ وہ مغلیہ حکومت کے ملازمین میں شامل ہے"۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ میاں منجھو بذات خود پڑھا لکھا عالم رہا ہوگا۔ جب ہی تو وہ شہنشاہ ہمایوں کی لائبریری کے مہتمم کے عہدے پر فائز تھا۔ جہاں رہ کر اس نے کافی تاریخی مواد جمع کیا۔ جو بعد ازاں سکندر کے لیے از حد مفید مطلب ثابت ہوا۔

سکندر کا تعلق جہاں کہیں سے بھی رہا ہو مگر اسے گجراتی ہی متصور کیا جاتا تھا۔ بہت حد تک یہ سچ بھی ہے اس لئے کہ اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ گجرات میں بسر کیا اور یہاں کے سرد وگرم کو اپنی افتادِ طبیعت کا ناگزیر حصّہ قرار دیا۔

اسی کے ساتھ یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ گجرات کی دانشوری اور علم وفضل سے مغل متاثر رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ سکندر کے مانند کچھ اور بھی صاحبِ سیف وقلم مغل دربار سے وابستہ رہے ہیں مثلاً گجرات کے نامور روحانی پیشوا حضرت سراج الدین شاہ عالم کے خلیفہ سید جلال بن محمد مقصود عالم حکومتِ شاہجہاں کے صدر الصدور رہ چکے ہیں۔ اسی طرح فتوحاتِ عالمگیری کا مصنف ایشر داس ناگر جس کا تعلق پٹن گجرات سے تھا، اورنگ زیب بادشاہ کے دربار سے وابستہ تھا۔ سکندر دہلی میں زیادہ عرصہ نہیں رہے مگر اپنے شاہکار مراۃ سکندری کا آغاز دہلی میں کیا ہو یہ گمان کیا جاسکتا ہے۔

'مراۃ سکندری' کے مطالعہ کی روشنی میں سکندر کی شخصیت اور کردار کے بارے میں ضروری معلومات مرتب کی جاسکتی ہیں۔ وہ بہت ہی شریف النفس، نیک سیرت اور اوصاف حمیدہ کا مالک تھا۔ گجراتی آب وہوا میں پروان چڑھتے ہوئے سکندر کو سلاطین گجرات سے دلی وابستگی، لگاؤ اور ہمدردی تھی۔ شاید یہی وجہ رہی ہو کہ اس سے ماقبل لکھی گئی تواریخ کی بہ نسبت سلاطین گجرات کے بارے میں سکندر کے یہاں حسنِ ظن کا پایا جانا ایک فطری امر ہے۔

گجرات کے سادات بخاریوں، مذہبی پیشواؤں اور بزرگوں کا از حد احترام اس کے یہاں پایا جاتا ہے۔ سکندر نے اپنے اس تاریخی کارنامے میں بھرپور عقیدتمندی کے ساتھ اولیاء

کرام اور صوفیاء عظام کے اُن چند واقعات و حادثات کا ذکر کیا ہے جن کا کسی اور حوالے سے
تلاش کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ ان اہل اللہ کے ملفوظات اور وظائف کے مخطوطات
تک رسائی نہ صرف دشوار تھی بلکہ اُن کا ذکر بھی اب داستان پارینہ بنتا جا رہا ہے۔ گجرات کے
بزرگ اولیاء کرام جن کے فیضِ باطنی سے سلاطین گجرات کے شیشہ ہائے دل ہمیشہ لبریز
رہے ہیں۔ اُن میں سید برہان الدین قطب عالم، حضرت محمد سراج الدین شاہ عالم، شیخ احمد گنج
بخش کھٹو، ملک اختیار الملک، سید مبارک بخاری، سید میران، سید علی، وغیرہ کے روحانی کشف
و کرامات کے واقعات کا ذکر جن ضمنی کتابوں میں ہم دیکھتے ہیں انہیں اپنے عہد کے فاضل
بزرگوں اور قابل اعتبار شہادتوں کی مدد سے بیان کرنے کا شرف سکندر کو حاصل رہا ہے۔ اس
طرح مراۃ اپنے دَور کے باطنی رُشد و ہدایات کا دلفریب مرقعے کے طور پر خصوصی مقام رکھتی
ہے۔

ان بزرگوں کے ملفوظات میں مندرج ان کے اقوال جو بزبان گجری پائے جاتے
ہیں ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اگر مراۃ نے انہیں پیش نہیں کیا ہوتا تو اولیاء کرام سے وابستہ
واقعات اور ان کے گراں قدر اقوال سے اہل علم اور اہل تجسس کا بے بہرہ رہ جانا بہت ممکن
تھا۔ کیوں کہ یہ تمام مخطوطات کا سرمایہ اُن مشائخ کے تحویل میں ہونے کے باعث آج بھی
پردۂ خفا میں ہے۔ سکندر بن منجھو نے اِن قیمتی روایات کو ہم تک پہونچا کر بڑا احسان کیا ہے۔

مراۃ کی بحیثیت ایک تاریخی دستاویز بڑی اہمیت رہی ہے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ
یہ ہماری تہذیبی، معاشرتی اور سماجی سرگذشت ہے۔ احمد آباد کی آبادی، رہائشی علاقے، محلے،
بستیاں، چھوٹی چھوٹی گلیاں اور کھڑکیاں وغیرہ کا اور اُن کے تعمیر کرنے والوں کا اس ماخذ سے
پتا چلتا ہے۔ کالو پور، دریا پور، سارنگپور، فتح پور وغیرہ اور محلّے جیسے سوداگر، ملّا جیون، شیخ ابرجی،
بھنڈیری، مانڈوی، جوہری واڑ وغیرہ اور علاقے جیسے پان کور، بھدر وغیرہ کے بارے میں
معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ حویلیاں جیسے اعتماد خان، عالم خان، اعظم خان، پان کنور، شانتی
داس وغیرہ کی حویلیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ مراۃ میں گجرات کی کاشتکاری، زراعتی پیداوار اور

تجارتی منڈیوں کا احوال ملتا ہے۔ جس سے گجرات کی خوشحالی کا اندازہ ہوتا ہے۔ پیداوار میں باجرہ، چاول، گیہوں، وافر تعداد میں ہوا کرتا تھا اور یہاں کے کسان بڑے خوش حال تھے۔ گجرات کی آب وہوا، موسم اور بارشوں کے بارے میں بخوبی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ گجرات کے بندر اور دریائی تجارت وغیرہ کے باری میں بھی تفصیلات ملتی ہیں۔ گجرات کی غذائی فصل کے علاوہ یہاں پیدا ہونے والے پھل، پھول، درخت، پودے اور میوہ جات کا حال معلوم ہوتا ہے۔ گجرات کے خاص وعام لوگوں کا طرز زندگی، ان کے سماجی رسومات، روز مرّہ کی سرگرمیاں، ذریعۂ معاش اور گھریلو زندگی کے طور وطریقے نیز طبقۂ امراء کی وضع داریاں، لباس، سواریاں اور آپسی میل جول کا بھرپور خاکہ سکندر نے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ گجرات میں منائے جانے والے تہوار جو باہمی اتحاد کا نتیجہ ہوا کرتے تھے جس میں جوق در جوق علوم شامل ہوا کرتے تھے۔ سلاطین کے لطف وکرم کی بارشیں ہوا کرتی تھیں وغیرہ جیسے دلکش بیانات سے مرآۃ سکندری بھری پڑی ہے۔

پروفیسر محی الدین بمبئی والا
ڈائریکٹر،
حضرت پیر محمد شاہ لائبریری اینڈ ریسرچ سینٹر، احمد آباد

باسمہٖ تعالیٰ

دیباچہ[1]

سکندر ابن محمد عرف منجھو ابن اکبر کی مؤلفہ مراۃ سکندری تاریخ گجرات کے معتبر ماخذوں میں سے ہے۔ یہ کتاب ۱۳۰۸ھ میں بندر بمبئی کے مطبع فتح الکریم میں طبع ہوئی تھی لیکن بعد ازاں یہ نایاب ہوگئی۔ ہماری آرزو تھی کہ مراۃ سکندری کو ہم اس نہج سے شائع کریں کہ ہر کسی کے لیے اس سے استفادہ کرنا ممکن ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ہم نے پونے کے مخطوطہ کا جو اس کتاب کا قدیم ترین نسخہ ہے دوسرے چار نسخوں کے ساتھ مقابلہ اور مطابقہ کیا۔

۱۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کے نسخے کو ہم نے نسخۂ (الف) قرار دیا۔

۲۔ انڈیا آفس کے نسخے کو (ب)

۳۔ حیدرآباد کے نسخے کو (ج)

۴۔ اور بمبئی کے مطبوعہ نسخے کو (ز)

بعد بسیار کوششوں کے بعد جو نسخہ تیار کیا گیا وہ اغلاط سے خالی نہیں ہے اور اس لیے غلط نامہ کی حاجت محسوس ہوئی۔ جو اغلاط پونے کے نسخے میں ہیں، انہیں ہم نے اس طباعت میں ویسا ہی باقی رکھا ہے لیکن صحت نامہ میں ان کی تصحیح کر دی ہے۔

---

[1] یہ دیباچہ یا مقدمہ فارسی زبان میں پروفیسر محمد لطف الرحمٰن کے قلم کا مرہون منت ہے جو انہوں نے ڈاکٹر مصرا صاحب کے رفیق کار کی حیثیت سے لکھا۔ وہ پٹنہ کے متوطن تھے ریٹائر ہونے کے دوسرے ہی سال اپنے وطن میں انتقال فرمایا۔ خدا غریق رحمت کرے، آمین! (مترجم)

اخیر میں ہم اسے اپنا فریضہ سمجھتے ہیں کہ علوم وفنون کی مُجسّمہ سریمتی ہنسا مہتا، سابق وائس چانسلر، بڑودہ یونیورسٹی اور جناب ڈاکٹر جوتیندر مہتا، موجودہ وائس چانسلر، اور جناب ڈاکٹر سی۔ ایس۔ پٹیل، نائب وائس چانسلر اور جناب پروفیسر شیخ عبد الرشید، ڈائریکٹر ادارۂ تحقیق تاریخ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی مساعی جمیلہ کا شکریہ ادا کریں۔ یہ تمام ارباب علم وتحقیق اس کام میں معاون رہے ہیں۔ ہم ان تمام حضرات کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر اِس عظیم کارنامہ کو ممکن الحصول بنایا۔ ہم ان کے ہمیشہ رہینِ منت رہیں گے۔ ہم ان اصحاب کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے جنس علم وادب کی اس کساد بازی کے دور میں اپنا وقت عزیز دے کر ہماری مدد فرمائی۔

ہم اپنی بے بضاعتی کے معترف ہیں اور کئی دوسرے مشاغل کی موجودگی میں ہم نے یہ کام انجام دیا ہے۔ چنانچہ قارئین کرام اور محققین واجب الاحترام سے امید ہے کہ جو غلطیاں اس کتاب کی ترتیب میں رہ گئی ہیں۔ ان کی تصحیح وہ خود اپنی علمی استطاعت کی روشنی میں کرلیں۔ ان سے وہ ہمیں مطلع کریں گے تاکہ طبع میں حتی المقدور انہیں دور کردیا جائے۔

ج۔س۔ مصرا
م۔ل۔ رحمٰن

شعبۂ تاریخ
جامعہ بڑودہ،
۲ راگست ۱۹۶۱ء

مقدمہ

مرآۃ سکندری ــ کے دستیاب مخطوطات

اپنی قابلِ قدر مقبولیت کی وجہ سے مرآۃ سکندری کے مخطوطات ہندوستانی اور غیر ملکی کتب خانوں میں خاصے عام ہیں۔ چند مشہور کتب خانوں میں محفوظ ان مخطوطات کی ایک تاریخ وار فہرست حسب ذیل ہے:

نمبر	تاریخ مخطوطہ	کتب خانہ کا نمبر	کتب خانہ
۱	۱۰۲۲/۱۶۱۳	بلوچیٹ آئی ۶۲۲	ببلیوتھیک نیشنل، پیرس[۱]
۲	۱۰۲۲/۱۶۱۳	نمبر ۶۵	بھارت اتیہاس سنشودھک منڈل، پونے[۲]
۳	۱۰۳۸/۱۶۲۸	نمبر ۱۶۵	ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ[۳]
۴	۱۰۴۲/۱۶۳۲	ایڈ (.Add) ۲۶،۲۷۷	برٹش میوزیم، لندن[۴]
۵	۱۰۴۳/۱۶۳۳	نمبر ۴۲۵۴	سالار جنگ لائبریری، حیدر آباد[۵]

۱ سی اے اسٹوری: ''پرشین لٹریچر ـ اے ببلیو گرافیکل سروے'' (لندن، ۱۹۳۹ء)، ص ۴۲۸، ایم اے چغتائی نے بھی اس کا حوالہ ''سورسیز آف دی مرآۃ سکندری'' جرنل آف دی گجرات ریسرچ سوسائٹی، ج ۶، نمبر ۱، ص ۱۶، فٹ نوٹ میں دیا ہے۔

۲ ایم اے چغتائی: ''اے مینو سکریپٹ آف دی مرآۃ سکندری'' بلیٹن آف دی ڈکن ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ج ۴، نمبر ۲، ص ۳۵-۱۲۷۔

۳ ڈبلیو آئی ایوانو: ''کنسائز ڈسکرپٹیو کیٹیلاگ آف دی پرشین ایم ایس ایس اِن دی کلیکشن آف دی ایشیاٹک سوسائٹی'' ـ (کلکتہ، ۱۹۲۴ء)، ص ۲-۱۶۔

۴ سی ریو: ''کیٹیلاگ آف پرشین ایم ایس ایس اِن دی برٹش میوزیم'' ـ ج ۱ (برٹش میوزیم، ۱۸۷۹، ص ۸-۲۸۷)

۵ چغتائی، بلیٹن میں، محولہ بالا، ص ۱۲۹۔

۶	۱۶۲۷/۱۰۳۶	نمبر ۴۳۹/۹۳۷	انڈیا آفس لائبریری، لندن[1]
۷	۱۶۲۷/۱۰۳۶	نمبر ۲۷۲	بوڈلین لائبریری، آکسفورڈ[2]
۸	۱۶۳۹/۱۰۴۹	نمبر ۴۴۲/۳۳۷۸	انڈیا آفس لائبریری، لندن[3]
۹	۱۶۴۷/۱۰۵۶	نمبر ۲۷۳	بوڈلین لائبریری، آکسفورڈ[4]
۱۰	۱۶۴۷/۱۰۵۶	نمبر ۴۳۸/۱۰۳۸	انڈیا آفس لائبریری، لندن[5] غیر مورخہ لیکن نمبر تاریخ کے مطابق، انڈیا آفس میں بہترین اور قدیم ترین
۱۱	۱۶۶۲/۱۰۷۲	نمبر ۴۴۰/۳۰۰۲	انڈیا آفس لائبریری، لندن[6]
۱۲	۱۶۶۸/۱۰۷۹	نمبر ۲۷۴	بوڈلین لائبریری، آکسفورڈ[7]
۱۳	۱۶۸۸/۱۱۰۰	نمبر ۳۰۴۴	سالار جنگ لائبریری، حیدر آباد[8]
۱۴	۱۷۰۷/۱۱۲۰	نمبر ۳۰۴۳	ایضاً[9]
۱۵	۱۷۲۶/۱۱۳۹	نمبر ۲۷۵	بوڈلین لائبریری، آکسفورڈ[10]
۱۶	۱۷۴۹/۱۱۶۲	ایڈ (.Add) ۲۷،۲۵۳	برٹش میوزیم، لندن[11]

۱۔ ایچ ایتھے: ''کیٹلاگ آف پرشین ایم ایس ایس ان دی لائبریری آف انڈیا آفس۔'' ج ۱، (انڈیا آفس کے لیے، آکسفورڈ، ۱۹۳۰) ص ۱۶۹)

۲۔ ای سخاؤ اور ایچ ایتھے: ''کیٹلاگ آف پرشین، ٹرکس، ہندوستانی اینڈ پشتو ایم ایس ایس ان دی بوڈلین لائبریری'' حصہ اول، (آکسفورڈ، ۱۸۸۹)، ص ۱۴۴-۵

۳۔ ایتھے محولہ بالا، ص ۱۶۹

۴۔ سخاؤ اور ایتھے، محولہ بالا، ص ۱۶۸-۹

۵۔ ایتھے: محولہ بالا، ص ۱۶۸-۹

۶۔ ایضاً: ص ۱۶۹

۷۔ سخاؤ اور ایتھے: محولہ بالا، ۱، محولہ بالا ص ۱۳۵

۸۔ چغتائی: بلیٹن میں، محولہ بالا ص ۱۳۹۔

۹۔ ایضاً: ص ۱۳۹

۱۰۔ سخاؤ اور ایتھے: محولہ بالا، ۱، ص ۱۳۵

۱۱۔ ریو: محولہ بالا، ۱، ص ۲۸۸

۱۷	۱۷۷۶/۱۱۹۰	نمبر ۴۰۳/۴۴۱	انڈیا آفس لائبریری، لندن[1]
۱۸	۱۷۸۲/۱۱۹۶	ای جی ۶۹۷	برٹش میوزیم، لندن[2]
۱۹	۱۷۸۸/۱۲۰۲	ایڈ (.Add) ۶۵۸۰	برٹش میوزیم، لندن[3]
۲۰	۱۷۹۷/۱۲۱۱	ایڈ (.Add) ۲۶۲۷۸	برٹش میوزم، لندن[4]
۲۱	۱۸۴۹/۱۲۶۵	پرشین ۸	بی بی آر اے ایس لائبریری، بمبئی[5]
۲۲	غیر مورخہ	نمبر ۶۱۰	اورینٹل پبلک لائبریری، بانکی پور، پٹنہ[6]
۲۳	غیر مورخہ	ای ایکس نمبر ۱۸	ستارہ میوزیم، ستارہ[7]
۲۴	غیر مورخہ	ایڈ (.Add) ۶۵۹۵	برٹش میوزیم، لندن[8]
۲۵	غیر مورخہ	پرشین ۹	بی بی آر اے ایس لائبریری بمبئی[9]
۲۶	غیر مورخہ	-	حضرت پیر محمد شاہ لائبریری، احمد آباد[10]
۲۷	اٹھارویں صدی	-	ہندو یونیورسٹی لائبریری، وارانسی[11]

۱۔ اسپرنگر: محولہ بالا، ۱، ص ۱۶۹ ۲۔ ریو: محولہ بالا، ۱، ص ۲۸۸

۳۔ ایضاً: ۱، ص ۲۸۸ ۴۔ ایضاً: ۱، ص ۲۸۸

۵۔ اے اے اے فیضی: ''ڈسکرپٹیو ہینڈ لسٹ آف عربیک، پرشین اینڈ اردو ایم ایس ایس ان دی بمبے برانچ آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی'' جرنل آف دی بی بی آر اے ایس (جدید سلسلہ)، ج ۸، ص ۲۔۲۱

۶۔ خان صاحب مولوی اے مقتدر: ''کیٹلاگ آف عربیک اینڈ پرشین ایم ایس ایس ان دی اورینٹل پبلک لائبریری، بانکی پور'' ج ۷ (انڈین ہسٹری، پٹنہ، ۱۹۲۱)، ص ۵۔۱۴۳۔

۷۔ سی ایچ شیخ: ''ڈسکرپٹیو ہینڈ لسٹ آف دی عربیک، پرشین اینڈ ہندوستانی ایم ایس ایس۔ بلانگنگ ٹو دی ستارہ ہسٹاریکل میوزیم جو فی الحال دکن کالج ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پونے میں رکھ دیے گئے ہیں۔ بلیٹن آف دی ڈی سی آر آئی، ج ۶، ص ۳-۲۵۲۔

۸۔ ریو: محولہ بالا، ۱، ص ۲۸۸

۹۔ فیضی: محولہ بالا، ص ۲۲

۱۰۔ اڈیٹر تجو داس کا معائنہ کیا ہے۔ ۱۱۔ محولہ بالا۔

۲۸	۱۸۲۷/۱۲۴۳	نمبر ۶۳۸	نیشنل آرکائیوز، نئی دہلی[1]
۲۹	۱۵۹۱/۹۹۹	نمبر ۶۳۹	نیشنل آرکائیوز، نئی دہلی[2]

(Sic = ھکذا)

مرأۃ دوبار لیتھوگراف (سنگی طباعت) میں شائع ہوئی ہے۔ ''تذکرۂ مدھیہ بھارت'' (Memoirs of Central India) کے مصنف جان مالک کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کے ساتھ کپتان جاروِس نے اس کا پہلا اڈیشن بمبئی میں اتنے پہلے یعنی ۱۸۳۱/۱۲۴۶ میں تیار کیا تھا۔ یہ اڈیشن اب کسی بھی قیمت پر دستیاب نہیں۔ تقریباً پچاس سال بعد جب کہ ابتدائی اڈیشن کمیاب ہو چکا تھا اس کا لیتھوگراف اڈیشن دوسری مرتبہ فتح الکریم پریس بمبئی سے ۱۳۰۷/ ۱۸۹۰ میں شائع ہوا۔ یہ ابتدائی متن کا بعینہٖ چربہ تھا۔ بہت ہی حقیر قسم کے گھٹیا پیلے کاغذ پر چھاپا گیا اور غیر معتبر ہے۔ اب یہی اڈیشن ملتا ہے اگرچہ بہت کمیاب ہے اور موجودہ متن کی تیاری میں یہی استعمال کیا گیا ہے۔

مرأۃ کا ترجمہ دوبار انگریزی میں ہوا ہے اور ایک مرتبہ گجراتی میں بھی۔ ابتدائی انگریزی ترجمہ ایلیٹ اور ڈاؤسن کی ''ہسٹری آف انڈیا بائی اِٹس اون ہسٹوریز'' (تاریخ ہند اس کے اپنے مورخوں کے قلم سے) کے تسلسل میں سر ایڈورڈ کلائیو بیلے نے تیار کیا تھا۔ یہ نویں جلد ''لوکل محمڈن ڈائنیسٹیز'' (مقامی اسلامی سلسلہ ہائے سلاطین) کے نام سے موسوم تھی۔ ترجمہ کے علاوہ اس میں طبقات اکبری، تاریخ الفی اور گلشن ابراہیمی (تاریخ فرشتہ) کی بنیاد پر بے شمار حواشی اور اضافات تھے۔ بہر حال کچھ مقامات پر اس کا ترجمہ کمزور تھا اور یہ محمود شاہ سوم کی وفات پر دفعتاً ختم ہو گیا۔

---

[1] مجھے نیشنل آرکائیوز کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر شری اے آئی ترمذی کا اس کے اور مندرجۂ ذیل مخطوطہ کے متعلق معلومات بہم پہنچانے پر شکریہ ادا کرنا ہے۔

[2] یہ تاریخ بظاہر غلط ہے۔ اس مخطوطہ کا خاتمہ متن کے مقابلے میں کسی دوسرے کے خط میں ہے جیسا کہ شری ترمذی نے لکھا ہے۔ مزید برآں مرأۃ اس وقت تک مکمل نہیں ہوئی تھی۔

دوسرا انگریزی ترجمہ فضل اللہ لطف اللہ فریدی نے جو انیسویں صدی میں گجرات کے صفِ اول کے فارسی فضلاء میں سے تھے کرنل واٹسن کی مدد اور حوصلہ افزائی سے تیار کیا تھا۔ انہی واٹسن کی رہنمائی میں فریدی نے گجرات کے مسلمانوں پر گزیٹیر کی فصول (یعنی گزیٹیر کی نویں جلد تیار کی تھیں۔ اگرچہ یہ ترجمہ مکمل ہے لیکن دیباچہ کے چھوڑ دینے کے باوجود فریدی کے ترجمہ نے ایک مکمل ترجمہ کی بہ نسبت مطلب و معنی کے ایجاز کی صفت اختیار کرلی۔ علاوہ ازیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے لیتھوگراف اڈیشن پر ہی خاص طور پر بھروسہ کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ یہ عمدہ ہے لیکن فریدی کا ترجمہ مطلوبہ معیار تک نہ پہنچ سکا۔ اور اس وجہ سے اس پر پوری طرح اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

گجرات میں اس کا ترجمہ آتمارام موتی رام دیوانجی نے کیا ہے اور حاجی سلیمان لودھیا سیریز میں نمبر ۴ پر اس وقت کی گجراتی ورنا کیولر سوسائٹی (جواب گجرات وڈیا سبھا ہے) نے ۱۹۱۴/۱۹۷۰ء میں احمد آباد سے شائع کیا۔

مرآۃ کا موجودہ نسخۂ مصححہ: اس اڈیشن میں مرآۃ کا متن مندرجۂ ذیل مخطوطات کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے:

۱۔ مندرجۂ بالا فہارس میں نمبر ۲، بھارت اتیہاس سنشودھک منڈل، پونے کا مخطوطہ مورخہ ۱۰۲۳/۱۶۱۳ء۔

۲۔ مندرجۂ بالا فہرس میں نمبر ۳، رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا مخطوطہ مورخہ ۱۰۳۸/۱۶۲۸۔

۳۔ مندرجۂ بالا فہرس میں نمبر ۴، سالار جنگ لائبریری، حیدرآباد کا مخطوطہ مورخہ ۱۰۴۳/۱۶۳۳۔

۴۔ مندرجۂ بالا فہرس میں نمبر ۱۰، انڈیا آفس لائبریری کا قدیم ترین غیر مورخہ مخطوطہ جس پر ۱۰۵۶/۱۶۴۷ کی مہر ثبت ہے۔

۵۔ لیتھوگراف اڈیشن کا متن۔ اس متن میں مختلف عبارات کا فٹ نوٹ میں حوالہ دیا گیا ہے۔

مندرجۂ ذیل متون وتراجم بھی استعمال کیے گئے ہیں:

۱۔ احمد آباد کے غیر مورخہ متون۔

۲۔ بیلے کا مرآۃ کا ترجمہ اور،

۳۔ فضل اللہ لطف اللہ کا ترجمہ۔

پونے کے مخطوطے کو ایم اے چغتائی نے جن کی اس کی دریافت کے لیے تعریف کی جانی چاہیے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ خوبصورت نستعلیق خط میں ایسے کاغذ پر لکھا گیا ہے جس نے سالخوردگی کا باوقار زنگ حاصل کرلیا ہے۔ وسط میں تقریباً پندرہ اوراق غائب ہیں۔ متن میں ۱۰۴ سے ۱۳۳ تک کے صفحات دوسرے مخطوطات سے تیار کیے گئے ہیں۔ مخطوطہ کے سرورق کے مقابل صفحہ پر اعتماد الدولہ کے کتبہ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ نسخہ خود مصنف نے جب وہ ان کی خدمت میں بروز بدھ، ۵رشعبان ۱۰۲۳ھ مطابق ۱۰رتمبر ۱۶۱۴ء حاضر تھا انہیں پیش کیا تھا۔

مخطوطہ کے خاتمہ میں کاتب نے اپنا نام مرتضٰی بن شیخ طاہر بن میاں خاں بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ مخطوطہ ۳رجمادی الثانی ۱۰۲۳ھ مطابق ۱۱رجولائی ۱۶۱۴ء کو مکمل ہوگیا تھا۔ مخطوطہ میں ۲۵۶ اوراق ہیں۔ طولاً عرضاً ہر ایک "۱۰ × "۷ ہے اور ہر صفحہ ۱۷ سطریں ہیں۔ ابواب کے عنوان سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں۔ ہمارے استعمال کے لیے یہ مخطوطہ عاریتاً منڈل کے ارباب حل وعقد نے دیا تھا جن کی اس عملی کام میں آمادگی اور فراخدلی کے ساتھ پورا تعاون دینے پر وہ ہمارے تشکر کے مستحق ہیں۔

پُونے کا یہ مخطوطہ مرآۃ کی قدیم ترین روایت (version) پیش کرتا ہے۔ جس میں کئی وہ حکایات جو بعد کی روایات میں ملتی ہیں چھوڑ دی گئی ہیں۔ اس میں مقامات کے نام تقریباً تمام مخطوطات سے سب سے زیادہ صحیح اور بہتر ہجّوں کے ساتھ ملتے ہیں۔ اس میں شخصی نام بھی عموماً دوسروں کے مقابلے میں صحیح ہجّوں میں ہیں اور تصحیف سے بری ہیں۔

غالباً اس کو یہ فوقیت بھی حاصل تھی کہ خود سکندر نے اس کی تصحیح کی تھی کیونکہ بہت سے صفحات پر یہ تصحیحات موجود ہیں۔

چنانچہ پُونے کا مخطوطہ موجودہ متن کے لیے بنیادی حیثیت کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔ آر اے ایس کے متن کو ایفاناؤ (آئیوانو) نے اس کے ذخیرہ کے کیٹیلاگ میں بیان کیا ہے۔ بیلے نے اپنے اِس ترجمہ کی تیاری میں اِسے اہم ترین متن کے طور پر استعمال کیا تھا۔ ان کی رائے میں "یہ (مخطوطہ) مصنف کے اپنے الفاظ سے بہت ہی قریب ہے۔ کیوں کہ کچھ فقروں میں دوسرے نسخوں کی زبان اتنی مختصر ہے کہ ان کا صحیح معنیٰ مخطوطہ اے کے حوالے ہی سے واضح کیا جاتا ہے۔" یہ دراصل مرآۃ کی مصحح روایت کو پیش کرتا ہے کیونکہ اس میں اور پُونے کے مخطوطہ میں جو امتیاز ہے وہ ظاہر ہے جیسا کہ متن کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ یہ ۳ رجمادی الثانی ۱۰۳۸ھ مطابق ۱۸ رجنوری ۱۶۲۹ء کو پورا کیا گیا۔ لکھنؤ میں خریدا گیا اور اے میلیٹ نے رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ کا ہدیہ کیا[1]۔

انڈیا آفس کا متن جو غیر مورخہ ہے لیکن اس پر ۱۰۵۶ھ مطابق ۱۶۴۶ء کے سال کی مہر لگی ہوئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس سال سے بہت پہلے تکمیل کر لیا گیا ہوگا۔ اِیتھے نے اسے "بہترین اور انڈیا آفس کے ذخیرہ میں سب سے زیادہ صحیح اور اگر زیادہ پرانا نہیں تو کم سے کم اتنا پرانا جتنے کہ حسب ذیل" بیان کیا ہے۔ خاتمہ میں مصنف کا نام سکندر پورا دیا گیا ہے لیکن کاتب کا نام نہیں اگرچہ اس کے لیے دعائیں کی گئی ہیں۔[2]

انڈیا آفس کا مخطوطہ کلکتہ کے مخطوطہ کی بہ نسبت پُونے کے مخطوطہ سے ملتا جلتا ہے۔ اس کی زبان جیسا کہ بیلے نے کہا ہے بعض جگہوں پر موٴخر ہے اور اس میں اس کی پیشرو کے مقابلہ میں حکایات اور داستانیں کم تر تعداد میں ہیں۔ بیلے نے اسے بھی استعمال کیا تھا۔

---

[1] ایفاناؤ: محولہ بالا، ص:۳۰-۱۶۔

[2] اِیتھے: ۱، ص ۹-۱۲۸

حیدرآباد کا متن بھی بیلے نے استعمال کیا تھا جس کے بارے میں اس نے لکھا ہے کہ "مختلف ہاتھوں سے خاصا اچھا لکھا گیا اور دوسروں کی بہ نسبت ایک کامل تر متن پیش کرتا ہے، خاص طور پر جو کہانیاں سنائی گئی ہیں۔"[1] اس میں زیادہ کہانیاں ہیں اور کسی بھی دوسرے مخطوطہ سے زیادہ مواد بھی جس نے بیلے کو تحریفات فرض کر لینے پر اکسایا۔ اس میں سکندر شاہ اور محمود شاہ سوم کے قتل کی مختلف روایتیں درج ہیں۔ مختصراً یہ کہ یہ مخطوطہ کلکتہ کے متن کی قسم سے تعلق رکھنے والا کہا جا سکتا ہے اگرچہ یہ اس سے زیادہ مکمل ہے۔

مرأة: اس کے نسخ، اختلاف قرأة اور اسلوب بیان

مرأة کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہوئے بیلے نے یہ رائے زنی کی ہے کہ "یہ کہنا مشکل ہے کہ مصنف کا اسلوب کیا تھا کیونکہ مختلف متون جدا جدا زبان استعمال کرتے ہیں۔" جو چھ متون انہوں نے اپنے ترجمہ کے لیے استعمال کے لیے ان میں آر اے ایس کا متن ایسا ملا ہے جو اگرچہ "مصنف کے اپنے الفاظ سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا" لیکن "اس کی زبان طمطراق دار تکرار بالمعنیٰ سے بھرپور تھی جیسی کہ فارسی مضمون نگاری کے چند اسلوبات کی خصوصی صفات ہیں۔" جو متن سالار جنگ نے بھیجا تھا وہ "مجموعی طور پر کامل تر متن تھا" جب کہ "چند دوسری عبارات میں، دوسرے نسخوں کی زبان اتنی موٴخر ہے کہ اس کا اصلی معنی مخطوطہ اے کہ حوالہ ہی سے واضح کیا جاتا ہے۔"

ان اختلافات نے متاخر موٴرخوں کو چکرا دیا ہے اور مدیروں کے کام کو بھی مشکل بنا دیا ہے۔ ایسی عبارت غلط نہیں کہی جا سکتی تھیں کیونکہ وہ مطلوبہ مطلب ادا کرتی تھیں اگرچہ الفاظ مختلف تھے۔ دراصل انہیں خود مخطوطہ میں مکمل کیا گیا تھا۔ مزید برآں، یہ قیاس کرنا مشکل تھا کہ یہ عبارات کاتبوں نے تحریفاً داخل کر دی ہوں گی کیونکہ نہ صرف کاتبوں

---

[1] بیلے: محولہ بالا، ص: ۵-۶۴۔ اس کے لکھنے کی تاریخ شوال ۱۰۴۳ھ مطابق اپریل ۱۶۳۴ء دی گئی ہے۔

کے متعلق اتنی معلومات اور باضابطہ شرکت کا جو ایسی اُپج کی تصدیق کرے باور کرنا بلکہ اُس کے لیے کوئی کما ینبغی باعث دریافت کرنا بھی مشکل تھا۔

چنانچہ سی ایچ شیخ سچائی کے بہت قریب آگئے جب انہوں نے یہ بیان کیا کہ ''اس کا (پُونا کے مخطوط–مدیر) ہمارے نسخے (ستارہ کا مخطوط–مدیر) سے مقابلہ کرنے اور جو کچھ ریو، ایتھے اور ایفانا ؤنے اس کتاب کے دوسرے نسخوں کے بارے میں کہا ہے ان اقوال پر محتاط غور وفکر کرنے سے میں یہ باور کرنے کی طرف مائل ہوا ہوں کہ غالباً اس تصنیف کے دو نسخے تھے، ایک قدیم اور ایک جدید تر، جن پر خود مصنف نے نظر ثانی کی۔ جگہ کی کمی مجھے اجازت نہیں دیتی کہ میں اُن حقائق کی تفصیل میں جاؤں جو مجھے مندرجۂ بالا یقین پر مجبور کرتے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ اس مسئلہ پر ایک علیحدہ مضمون میں مزید روشنی ڈالوں۔

شیخ غالباً اپنا وعدہ پورا نہ کرسکے لیکن یہ نتیجہ ہم مدیر بھی جداگانہ طور سے قبول کرنے پر مجبور ہوئے جب ہم نے موجودہ کام کے لیے مخطوطات کا مقابلہ کیا۔ موجودہ متن کی تیاری میں استعمال کیے گئے مخطوطات ہی کا بجنسہٖ متن پیش کرتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ جبکہ پُونے اور انڈیا آفس کے مخطوطے اسلوب میں کہیں کہیں موجز تھے اور اتنی ساری کہانیاں بھی ان میں نہیں تھیں، کلکتہ اور حیدرآباد کے مخطوطات کامل تر تھے، ان میں زیادہ کہانیاں تھیں اور وہ زیادہ تفصیلات مہیا کرتے تھے۔ موخر الذکر صورت میں زبان بھی زیادہ مفصل اور کہیں کہیں مزین ومرصع تھی۔

مثلاً فیروز شاہ اور اس کے جانشینوں کے احوال اور مالوہ کے شہزادہ اور ایرانی سفیروں کا قصہ پونے کے مخطوطہ میں قلم انداز کردیے گئے ہیں۔ مظفر شاہ ثانی کی مالوہ کی مہم کے احوال اختصار کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ پُونے کے مخطوطہ میں بہادر شاہ کی ایک کہانی کہ ایک شیخ کے حکم سے مافوق الفطرت ہستیاں اس کی خدمت بجالاتی تھیں قلم انداز کردیا گیا ہے۔ حیدرآباد کے متن میں ایک طویل اضافی داستان ''گجرات کے باعلم لوگوں'' کی

سند پر شامل ہے جو قطعی طور پر بعد کا اضافہ معلوم ہوتی ہے۔ اسی سند پر حیدرآباد کے متن میں محمود شاہ سوم کے قاتل برہان کا احوال شامل ہے جو دوسرے متون سے مختلف ہے۔ ان دونوں مخطوطوں میں تین فرمانرواؤں، محمود شاہ سوم، اسلام شاہ اور نظام شاہ اور نظام الملک بحری کی ایک ہی سال میں وفات پر ایک قطعہ شامل ہے۔

یہ چند بڑے اضافے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اضافوں کی مثالیں پورے متن میں پھیلی ہوئی ہیں۔ جہاں تک ان اختلافات کا تعلق ہے متن کے ۴۷۵ صفحات میں چند ہی صفحات ان سے خالی ہیں۔[1]

چنانچہ یہ نتیجہ ناگریز معلوم ہوتا ہے کہ مرأۃ کے دو مختلف نسخے تیار کیے گئے تھے جن میں بعد کے نسخہ کو خود سکندر کے اضافہ کردہ مواد کی فوقیت حاصل تھی۔ اس میں زبان کے نوک پلک بھی درست کیے گئے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نسخے گو بادیٔ النظر میں یکساں تھے متن اور دیگر تفصیلات میں بہت زیادہ مختلف ہوگئے۔ کئی مقامات پر وہ مختلف زبان کے ساتھ متوازی تھے لیکن دونوں کا مطلب ایک ہی تھا۔

اٹھارویں اور انیسویں صدیوں میں ایک یا دوسرے متن کی کئی نقلیں بنائی گئیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخطوطات ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف ہوگئے۔ یہ حقیقت مرأۃ کے اختلافات کی جس کی بیلے نے شکایت کی ہے توضیح کرتی ہے۔ موجودہ متن منقح میں ہم نے ایک مربوط متن پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو ابتدائی اور بعد کے نسخوں میں امتیاز کر کے مصنف سے قریب ترین باتوں کو ظاہر کرے گا اور بعد میں اضافہ کیے گئے مواد کو بھی واضح کرے گا۔

مرأۃ کا اسلوب بیان یقیناً مرصع ہے، یہ حقیقت اگر ہم اس کا مقابلہ طبقات اکبری، منتخب التواریخ بلکہ گلشن ابراہیمی سے بھی کریں تو سامنے آتی ہے۔ لیکن بیلے کی یہ رائے کہ "یہ طمطراق دار بالمعنی سے بھرپور ہے" ذرا مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے جب ہم اس

---

[1] صفحات کی یہ تعداد ڈاکٹر معصر اور رحمٰن صاحب کے تیار کردہ متن کی ہے۔ مترجم۔

کا مقابلہ اس کی پیشرو محمود شاہی یا مظفر شاہی سے کرتے ہیں۔

اصلاً سکندر مؤرخ نہیں بلکہ اسے حکایتیں بیان کرنا پسند تھا۔ حقائق کی چھان بین کرنا نہیں۔ چنانچہ ہر مضمون کے ساتھ اس کے طرز تحریر میں ایک لطیف تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً عہد بہادر شاہی میں جس میں تاریخ بہادر شاہی کا ٹھپہ واضح ہے اس کی تحریر روکھی پھیکی اور سادہ ہو جاتی ہے۔ یہاں اس کی فطری مرصع زبانی ماخوذ مواد کے مطلب سے دب جاتی ہے۔ اور وہ پوری حکایت مرصع کاری کے بغیر سنا دیتا ہے۔

اسلوب بیان میں تغیر و تبدل اس وقت نظر آتا ہے جب وہ ایسی حکایات بیان کر رہا ہو۔ جن میں وہ عموماً بیان کے مکالماتی نمونہ کا استعمال کرتا ہے اور اپنی داستان کو اخلاقی اقوال، خوبصورت ادبی جملوں اور الفاظ اور ایسی ہی دوسری باتوں سے سنوارتا ہے۔ ازمنۂ وسطی کے تمام مورخوں کی طرح وہ بھی شعر کا دلدادہ ہے اور اپنے بیان میں کسی بدیہی صداقت کو ذہن نشین کرنے یا نکتہ کو نمایاں کرنے کے لیے وہ ان کا آزادی سے استعمال کرتا ہے۔

تاہم سکندر، محمد شاہ سوم کے ساتھ اپنی مرضی کا مختار بن جاتا ہے کیونکہ یہاں وہ دوسری سندوں پر انحصار نہیں رکھتا بلکہ ان بلاواسطہ معلومات پر رکھتا ہے جو اس نے اپنے والد اور بھائی سے حاصل کی تھیں۔ یہاں طرز تحریر نمایاں طور پر حکایتی ہے۔ زبان بھی تفصیلی تمثیلی اور بیانات میں زیادہ پُر اثر بن جاتی ہے۔

مجموعی طور پر سکندر کا طرز تحریر مرصع تھا لیکن اچاٹ کر دینے والا یقیناً نہیں۔ وہ مدحیہ القاب کی لڑی سے جو درباری وقائع نگاروں کو جیسے کہ محمود شاہی اور مظفر شاہی کے مصنفوں کو کئی جگہوں پر ناقابل برداشت بنا دیتی ہے پرہیز کرتا ہے اور نہ تو اس کا اسلوب ان جیسا الجھا ہوا اور پیچیدہ ہے جو قاری کے لیے الفاظ کی بھرمار سے معنی کا استنباط کرنا واجب کر دیتا ہے۔ وہ عموماً سادہ نویس ہے اور اپنی متلون مزاجی کے لمحات میں بھی جو زیادہ نہیں ہیں وہ حقیقت سے قریب رہتا ہے۔

مآخذ

اپنی کتاب کے آغاز میں سکندر مندرجۂ ذیل کتابوں کے حوالے دیتا ہے جو پہلے لکھی گئی تھیں:

(۱) تاریخ مظفر شاہی جو کسی ''عزیز'' کی تصنیف کردہ ہے۔ احمد آباد کے متن میں اس تاریخ کا ذکر دو بار آیا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اس نام کی دو تاریخیں تھیں۔ ایک اس خاندان کے بانی سے بحث کرتی ہے اور دوسری اس کے مشہور جانشین مظفر شاہ ثانی کے دور حکومت سے۔ لیکن دوسرے متون سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

(۲) حلوی شیرازی کی تاریخ احمد شاہی - پونے، آر اے ایس اور دوسرے متون اسے تنہا احمد شاہ کی تاریخ بتلاتے ہیں لیکن احمد آباد کے متن میں لکھا ہے کہ یہ مظفر شاہ اور احمد شاہ دونوں کی تاریخ تھی۔

(۳) فاضل کی لکھی ہوئی تاریخ محمود شاہی جو مظفر شاہ اول کے دور حکومت سے لے کر محمود شاہ بیگڑہ کے عہد تک کی تاریخ کا ذکر کرتی ہے: یہ فقرہ آر اے ایس کے متن میں قلم انداز کر دیا گیا ہے۔

(۴) ''ملا'' کی لکھی ہوئی تاریخ مظفر شاہی جو سلطان مظفر بن محمود شاہ کے دور حکومت سے بحث کرتی ہے۔ پُونے کے متن میں اس کا ذکر ہے۔

(۵) کسی ایک شخص کی لکھی ہوئی تاریخ بہادر شاہی جو مبہم اسلوب میں لکھی گئی ہے اور آغاز (سلسلۂ شاہی) سے عہد بہادر شاہ تک کے واقعات سے بحث کرتی ہے۔

اپنی تالیف کے دوران سکندر ایک اور تاریخ کا قدرے حقارت سے ذکر کرتا ہے۔

(۶) تحفۃ السادات مصنفہ آرام کشمیری، جو سید مبارک کے مرید کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں ان کے خاندان کے احوال درج ہیں۔

ان تاریخی کتابوں کے علاوہ سکندر بے شمار موقعوں پر ''اہل علم اشخاص'' - ''ثقہ

اہل گجرات''، ''صاحبان تمیز'' اور ایسے دوسرے لوگوں کے حوالے دیتا ہے جن سے وہ زحمتیں اٹھا کر ملا تھا، اور جنہوں نے اُسے اس کی معلومات کا بڑا حصہ فراہم کیا تھا۔ ایک موقع پر۔ سلطان محمود شاہ اول کی وفات سے متعلق۔ ''سرکاری'' روایت کو جو کتابوں میں مندرج ہے، سکندر بناوٹی کہہ کر ٹال دیتا ہے اور پسندیدگی کے ساتھ وہ احوال پیش کرتا ہے جو اُس نے ایسے شخصوں سے حاصل کیے تھے۔

آخر میں، مرأۃ کا آخری حصہ جو محمود شاہ دوم اور اس کے جانشینوں کے ادوار حکومت سے بحث کرتا ہے اور جو کتاب کا تقریباً نصف حصہ ہے وہ ان معلومات پر لکھا گیا ہے جو سکندر نے پہلے تو اپنے والد اور بھائی سے حاصل کی تھیں اور پھر خود اپنے ذاتی تجربہ سے۔ یہ حقیقت مرأۃ کو ایک سلطنت کے متاخر حصہ کی تاریخ کے بارے میں ایک بلاتوسط سند کی اہمیت سے مزین کرتی ہے۔

اب ان خاص اسناد کا جن کے سکندر نے حوالے دیے ہیں ایک مختصر تجزیہ کر لیا جائے:

تاریخ مظفر شاہی: اس نام کی کسی کتاب کا جو مظفر شاہ اول کے عہد حکومت کی بابت ہو نہ تو سکندر نے حوالہ دیا ہے اور نہ اس کا کوئی وجود معلوم ہوتا ہے۔ مزید برآں، خود مرأۃ کے ابتدائی نسخون میں اسے قلم انداز کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ اغلب ہے کہ اگر کوئی ایسی کتاب وجود میں تھی بھی تو سکندر نے اس کی طرف رجوع نہیں کیا اور متاخر متون میں اسے مظفر شاہ ثانی کے عہد حکومت سے بحث کرنے والی زیادہ مشہور کتاب کے ساتھ گڈمڈ کر دیا گیا۔

تاریخ احمد شاہی : سابق کتاب کی طرح اس کا بھی کوئی نسخہ وجود میں نہیں لیکن اسے مرأۃ میں اس کے بہت زیادہ حوالے دیے جانے کی فوقیت حاصل تھی لہٰذا یہ ان اقتباسات کی بنا پر جو مرأۃ اور ''تاریخ سلاطین گجرات'' میں موجود ہیں جانی جاتی ہے۔

احمد شاہی فردوسی کی بلند پایہ تصنیف یا عصامی کے کم مشہور شاہنامہ کی شکل میں منظوم تاریخ تھی۔ مرآۃ میں اس کے حوالے مندرجۂ ذیل مقامات پر ملتے ہیں:

(۱) احمد آباد شہر کے موقع محل کی عمدگی کا احوال اور وہ اسباب جن کی وجہ سے احمد شاہ نے اپنے دار السلطنت کی بنیاد وہاں رکھی۔ عمارات اور ان کی بنا اور ان سے متعلق رسومات کا شاعرانہ بیان، اور آخر میں شہر اور اس کی تونگری کا بیان۔

(۲) گرنار کے خلاف احمد شاہ کی مہم۔

(۳) سدھ پور کے خلاف احمد شاہ کی مہم

(۴) سون کھیڑا اور چانپانیر کے خلاف احمد شاہ کی مہم

(۵) گرنار کا محمود شاہ بیگڑہ کے ہاتھوں فتح ہونا۔

ذیل کے مواقع پر شاعر کے حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلوی کی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔ محمود شاہ بیگڑہ کا گرنار کی مہم کے لیے روانہ ہونا۔ اوپر نمبر (۵) میں حوالہ حلوی شیرازی کا ہے لہٰذا اس جگہ کا حوالہ بھی اسی کی کتاب سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔

بالآخر، ابیات کا رنگ بھی یہ مضبوط امکان ظاہر کرتا ہے کہ ذیل کی جگہوں پر جو شاعرانہ اقتباسات ہیں وہ بھی حلوی ہی کی کتاب سے لیے گئے ہیں۔ یہ اور بھی اغلب ہے کیونکہ اس قسم کی کوئی دوسری کتاب نہ تو لکھی گئی تھی اور نہ سکندر کو معلوم تھی۔

(۱) زہر کا پیالہ پینے سے قبل بوڑھے مظفر شاہ کا اپنے پوتے کو آخری نصیحت کرنا۔

(۲) احمد آباد کی تعریف میں اور زیادہ ابیات جو بظاہرہ مذکورۂ بالا نمبر (۱) میں منقول ابیات کے تسلسل میں ہیں۔

(۳) محمود شاہ بیگڑہ کی تخت نشینی کی یادگار میں مدحیہ اشعار۔

یہ اقتباسات ظاہر کرتے ہیں کہ اگرچہ یہ کتاب احمد شاہ اول کے نام پر لکھی گئی تھی تاہم وہ اس کے جانشین محمود شاہ بیگڑہ کے عہد حکومت میں اختتام پذیر ہوئی۔ یہ استنباط جس کی بنا ابیات کے رنگ پر ہے کی احمد آباد کے منتخ نسخہ کے بیان سے تائید ہوتی ہے۔

یہ کہنا ممکن نہیں کہ یہ کتاب کب پوری کی گئی یا یہ کہ حلوی کب تک زندہ رہا۔ تاہم وہ محمود شاہ بیگڑہ کی مہم کے سال (۸۷۸/۱۴۷۳) تک زندہ تھا۔ کیونکہ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ جو ابیات یہاں مقتبس ہیں وہ تحریف ہیں۔ انتہائی رسمی پابندی جو کہیں اور بھی حلوی کی امتیازی خصوصیت ہے یہاں بھی بہت زیادہ نمایاں ہے۔[1]

اس شاعر کی کسی اور کتاب کے وجود کا پتہ نہیں۔[2]

تاریخ احمد شاہی ایک نادر کتاب معلوم ہوتی ہے۔ یہ نظام الدین یا فرشتہ کسی کو بھی دستیاب نہیں ہوئی تھی جو نہ تو اسے ایک حوالہ کی کتاب کی طرح پیش کرتے ہیں اور نہ ہی اس کے اقتباس دیتے ہیں۔ صرف تاریخ سلاطین گجرات کے مصنف نے اس کا استعمال کیا اور وہ بھی زیادہ تر احمد آباد کی تعریف میں نظم کے اقتباس دینے کے لیے جو مرأۃ میں بھی منقول ہے۔[3]

اس بانسبت نامقبولیت کا سبب غالباً اس کتاب کی نوعیت تھی۔ تاریخ احمد شاہی تاریخ کم تکلف آمیز اور معین نمونہ کے مطابق ڈھلا ہوا بیان ہے جو اتنا مرصع ہے کہ اس

---

[1] بی ایم گائی: ڈیولپمنٹ اینڈ کیرکٹر آف پرشین لینگویج اینڈ کیرکٹر ان دی سٹیٹ آف بمبے" اسلامیک کلچر، ج ۳۰، نمبر ۳، ص ۲۱۳۔ "میں شری ترمذی کے ساتھ اتفاق نہیں کرتا جو ان ابیات کو تحریف سمجھتے ہیں۔"

ایس اے اے ترمذی: "دی کانٹیمپرری کرانیکلز آف دی سلطانز آف گجرات۔ اے اسٹڈی" اسلامک کلچر، ج ۳۲، نمبر ۲، ص ۱۲۳۔

[2] دیوان بہادر کے بی جویری سے مقابل کیجیے: "گجراتی اور اے لکھیلا فارسی گرنتھو" (احمد آباد، گجرات ودیا سبھا، ۱۹۵۴ء) ص ۱۰۴، فاضل مصنف ابوظفر ندوی حلوی کے ایک دیوان کا حوالہ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نظام الدین نے اس کا حوالہ دیا ہے۔ مجھے ان دونوں میں سے کسی ایک بیان کا بھی ثبوت نہیں ملا۔

ترمذی سے مقابلہ کیجیے: محولہ بالا، ص ۱۲۳۔

[3] ایم ایس یونیورسٹی، بڑودہ میں اس کی فوٹو نقل موجود ہے۔ ص ۶-۵ اور ۹-۸ ترمذی، محولہ بالا، ص ۵-۱۲۴۔

نے مثالی نمونہ کے مطابق اس کی تحسین و تجید کی خواہش میں اصل واقعہ کے بغیر کام چلا لیا ہے۔ چنانچہ احمد آباد کی تعریف و توصیف میں جو طویل نظم ہے وہ تبدیلیوں کے بغیر کسی بھی شہر پر منطبق کی جا سکتی ہے۔ احمد شاہ کی مہموں کے رواجی بیان جو کچھ واقعتاً ہوا ہوگا اس کے ساتھ کوئی قدر مشترک نہیں رکھتے۔ نمونہ کے مطابق ڈھلی ہوئی مدح و ثنا جس کی حلوی نے کوشش کی ہے اس درجہ مکمل ہے کہ واقعیت کا ایک شمہ بھی اس کے مبالغہ آمیز بیان میں رہنے نہیں دیا گیا ہے۔ چند تاریخیں (dates) جو اس کی ضرورت سے زیادہ خوشامدانہ ابیات میں منتشر ہیں بس وہی مستثنیٰ ہیں۔[1]

بہر حال یہ ممکن ہے کہ حلوی کو اپنے کم غنائی لمحات میں اصلی واقعات کا بہتر اندازہ تھا اور ان انتخابات میں جو موزوں عمدگی کے پاس و لحاظ کی بنا پر تیار کیے گے تھے ایسے حصوں کے لیے باقی رہنا مقسوم نہ تھا۔ باوجود اس کے حلوی کی شعر گوئی کا رنگ اس یقین کی تائید نہیں کرتا۔

تاریخ محمود شاہی : عرصہ دراز تک اس کتاب کا مستند ہونا مشتبہ رہا لیکن یہ قطعی طور پر مسلّم ہوگیا ہے کہ یہ دو مخطوطوں کی شکل میں باقی رہی ہے۔ پہلا تو جو بے نام ہے برٹش میوزیم میں ہے اور دوسرا جو انڈیا آفس لائبریری میں ہے وہ بھی وہاں کی فہرست (کیٹیلاگ) میں مندرج نہیں ہوا ہے۔[2] اس کی مصنف گری بھی جو مدتوں محل نزاع میں رہی اب ملا عبدالکریم ہمدانی سے منسوب کی جاتی ہے جو محمود گاوان کا ہم نشین اور پیرو تھا اور کچھ مدت محمود شاہ بیگڑہ کی ملازمت میں بھی رہا تھا۔[3]

---

[1] مرآۃ احمدی میں اس کا حوالہ مرآۃ سکندری کے ابتدائی جملوں کی دوبارہ لفظی نقل کے سوا کچھ بھی نہیں چنانچہ یہ اس کتاب کے مصنف کا احمد شاہی سے رجوع کرنے کا ثبوت نہیں۔ مرآۃ احمدی، فارسی متن، گائیکواڑ اورینٹل سیریز، بڑودہ، ج ۱، (اورینٹل انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۲۱ء)، ص ۴۱

[2] بی ایم اور (.Or)، ۱۸۱۹ء، انڈیا آفس نمبر ۳۸۴۲: ترمذی، بحوالہ بالا، ص ۱۳۶۔

[3] ریو: ''کیٹیلاگ آف پرشین ایم ایس ایس ان دی برٹش میوزیم'' ج ۳، ص ۹۶۷: فرشتہ، ''گلشن ابراہیمی'' لکھنؤ متن، ص ۳۵۷، ترمذی، بحوالہ بالا، ص ۷-۱۳۶۔

تاریخ محمود شاہی ایک سال بسال کی آفاقی تاریخ ہے جو ۷۹۲ھ مطابق ۱۳۸۹ء سے شروع ہوتی ہے جو ظفر خان کے گجرات میں آنے کا سال ہے۔ برٹش میوزیم کا مخطوطہ جو نامکمل ہے محمود بیگڑہ کے عہد حکومت کے آغاز کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے لیکن انڈیا آفس کا مخطوطہ ۸۹۲ھ مطابق ۱۴۸۶ء کے سال کے اندراج کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔[1] یہ معلوم نہیں کہ مصنف نے گجرات کب چھوڑا لیکن وہ بیدر میں اپنے آقا کے پہلو میں مدفون ہے۔[2]

برٹش میوزیم کا مخطوطہ ۱۴۴ کے جزوں پر مشتمل[3] ہے اور دہلی کے ایک نامور فاضل نیر رخشاں کے الحاق کردہ نوٹ مورخہ ۷ر جولائی ۱۸۵۱ء کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ انڈیا آفس کا دوسرا مخطوطہ زیادہ مکمل ہے اور اس میں ۲۱۰ جز ہیں جن میں سے ۱۰۷ وہی ہیں جو برٹش میوزیم کے مخطوطہ ۱۴۴ جز ہیں۔ ممکن ہے یہ وہ نسخہ ہو جو سر سالار جنگ نے سر کلائیو بیلے کو بھیجا تھا جس کا وہ حوالہ دیتے ہیں۔[4]

اس کتاب کے مصنف کی سکندر تعریف نہیں کرتا بلکہ وہ اس پر الزام دھرتا ہے کہ اس نے محمد شاہ کی تخت نشینی اور وفات کا احاطہ کرنے والے واقعات پر قلمی پھیر دی ہے۔ مزید برآں، مرآۃ میں اس کے حوالے بہت ہی کمی کے ساتھ دیے گئے ہیں اور ان میں سے ایک بھی محمود شاہ کے عہد حکومت سے بحث نہیں کرتا۔

(۱) تاتار خان کا گجرات آنا اور ہم عصر دہلی کی درہم برہم حالت۔

(۲) تاتار خان کی تخت نشینی اور وفات (محولہ بالا)۔

یہ حوالے مرآۃ اور محمود شاہی کے مناسب حصوں کا مقابلہ کرنے میں مددگار ہیں۔

۱۔ ترمذی: محولہ بالا، ص ۸۔۱۲۷۔

۲۔ اتچ کے شروانی: ''محمود گاوان''، ص ۴۷، فٹ نوٹ ۴

۳۔ بی ایم اور ۱۸۱۹ء، اجزا ۱۴۴/b۱۲: ترمذی، محولہ بالا، ص ۱۲۸۔

۴۔ ای سی بیلے: ''مقامی مسلم شاہی سلسلے (تاریخ گجرات)''
''لوکل محمڈن ڈائی نیسٹیز (ہسٹری آف گجرات)''۔ لندن، ڈبلیو ایچ ایلن اینڈ کو، ۱۸۸۶ء، مقدمہ، ص ۸، ترمذی، محولہ بالا، ص ۱۲۸۔

جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتاب زیر بحث وہی ہے جس کا سکندر حوالہ دیتا ہے۔[1]

قدیم ماخذ کے طور پر محمود شاہی نہ صرف گجرات کی تاریخ کے لیے بلکہ اس زمانہ کے ہندوستان کے دوسرے شاہی سلسلوں کے لیے بھی بہت قابل قدر ہے۔ یہ بغداد، ایران اور وسط ایشیا کے متعلق بھی بہت معلومات فراہم کرتی ہے۔ سال بسال طریقہ کے مساعد عمل سے فہرست بنانے کا انداز اس لحاظ سے بہت مفید تھا۔

دوسری حیثیتوں سے بہر کیف محموشاہی پر سکندر کا ادعائے فضیلت کا الزام صادق آتا ہے۔ یہ اُکتا دینے والے ضرورت سے زیادہ خوشامدانہ قصیدوں سے جو فقط کوئی درباری شاعر ہی لکھ سکتا تھا لبریز ہے۔ برٹش میوزیم کے متن میں وہ مقامات جہاں سنین داخل کرنا چاہیے تھا خالی چھوڑ دیے گئے ہیں اور یہ بات متن کی قدر و قیمت بہت زیادہ گھٹا دیتی ہے۔ مزید برآں، اس میں محمود شاہ بیگڑہ کی مدح میں بس ایک ہی قصیدہ ہے لیکن تفصیلات سے عاری۔

تاریخ مظفر شاهی : اس عنوان سے اشارہ ہے اس تاریخ کی طرف جو مظفر شاہ دوم کے عہد حکومت میں لکھی گئی۔ چنانچہ مرأۃ کے اکثر مخطوطات میں اس کے حوالے ملتے ہیں اگرچہ پُونے کا متن جو قدیم ترین ہے اس کا ذکر نہیں کرتا۔[2]

یہ معلوم ہے کہ اس نام کے دو مخطوطے موجود ہیں اور یہ تصنیف دو مرتبہ شائع بھی ہو چکی ہے۔ ایک تو ۱۹۳۲ء میں جناب ابوظفر ندوی اور شری سی آر نایک کی ادارت میں احمد آباد سے اور دوسری مرتبہ ایم اے چغتائی نے اسے پُونے سے ایڈٹ کیا۔[3] احمد آباد کا متن اس مخطوطہ پر مبنی ہے جس کی تاریخ ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۸۰۷ء ہے اور جو بھولا ناتھ

---

[1] راقم الحروف نے ایک مقالہ میں جو انڈین ہسٹری کانگریس کے آگرہ اجلاس ۱۹۵۶ء میں پڑھا تھا اس شناخت کی کوشش کی ہے۔

[2] یہ حوالہ موجودہ صورت میں آر اے ایس، حیدرآباد، انڈیا آفس اور احمد آباد کے مرأۃ کے نسخوں میں ملتا ہے۔

[3] گجراتی ترجمہ کے ساتھ: مظفر شاہی: متن اور گجراتی ترجمہ از ابوظفر ندوی اور سی آر نایک، احمد آباد، گجرات ودیا سبھا، ۱۹۳۲ء مطابق ۱۹۹۸ اس۔

لائبریری میں موجود ہے اور پونے کا مخطوطہ جس کا برٹش میوزیم کے مخطوطہ کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف ڈاکٹر ایم اے چغتائی نے قاضی سے منسوب کی ہے جو شاعر تھے اور جس کا پورا نام میر سید علی کا شانی تھا اور جو کچھ عرصہ گجرات میں گذار کر اصفہان واپس چلا گیا تھا۔[1] مرآۃ میں مصنف کا نام درج نہیں اور نہ اس کتاب کے متن میں ملتا ہے۔ سکندر اس کے مصنف کو "ملاّ" کہتا ہے۔[2]

بدقسمتی سے اس تصنیف کے بلند بانگ نام کے باوجود یہ سلطان مظفرشاہ کی بس ایک مہم سے بحث کرتی ہے۔ محمود شاہ (خلجی۔ مترجم) کو اس کے راجپوت نائب میدنی رائے کے خود پسندانہ قابو سے چھٹکارا دلانے کے لیے مالوہ پر حملہ۔ یہ یقین کرنا بھی ممکن نہیں کہ یہ ایک ضخیم تصنیف کا حصہ ہو جو بدقسمتی سے اب گم ہو چکی ہے کیونکہ یہ چار صفحوں کے مناسب خوش آیند بیان سے شروع ہوتی ہے اور تصنیف کے آخر میں ایک نوٹ کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔[3] دعا اور خاتمہ دونوں اس کا ایک مکمل تصنیف ہونا ظاہر کرتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ یہ ایک ضخیم تصنیف کا حصہ ہو۔

اسلوب بیان میں مظفر شاہی تمام تواریخ میں سب سے زیادہ مرصع، رنگین اور طوالت آمیز ہے۔ اس کا بڑا حصہ اشعار پر مشتمل ہے جن میں آمد سے زیادہ آورد ہے جبکہ وہ شاعرانہ مزاج کی عمدہ مثالیں ہیں جیسی کہ ازمنۂ وسطیٰ میں ہندوستان میں ظاہر ہوتی تھیں لیکن تاریخ قدر وقیمت سے خالی ہیں۔ مصنف کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ نثر میں اس کی پہلی

---

[1] ایم اے چغتائی: "سورسیز آف ودی مرآۃ سکندری" جرنل آف دی گجرات ریسرچ سوسائٹی، ج ۶، نمبر ۱ (جنوری ۱۹۴۴ء)، ص ۱۸، فٹ نوٹ ۲۳۔

[2] سید ابوظفر ندوی نے اس نام کو "ملائی" پڑھا جو صحیح نہیں تھا۔ مظفر شاہی ص ۴، جوہری محولہ بالا، ص ۵-۴-۷۔ اس غلطی کی نشاندہی ترمذی نے کی ہے۔ سید اکبر علی اے ترمذی: "کرانیکلز آف دی لیٹر سلطانز آف گجرات"، اسلامک کلچر، ج ۳۲، نمبر ۳ (جولائی ۱۹۵۸ء)، ص ۲۲۳۔

[3] مظفر شاہی، احمد آباد (فارسی متن)، ص ۹-۱ اور ۸۸

تصنیف ہے اور یہ کہ اس نے یہ خود مظفر شاہ کے ایماء پر قلمبند کی تو پھر کوئی تعجب نہیں کہ وہ ایک ایسا منقش نگینہ بنانے میں جو وہ اپنے بلند مرتبت مربی کے قدموں میں رکھ سکے سبقت لے گیا۔[1]

اپنی رنگین، انشائیہ اور القاب زدہ نثر اور طولانی نظم کے باوجود مظفر شاہی مظفر شاہ کے عہد کا ایک قیمتی اور معاصر احوال ہے، خاص طور پر مہم مالوہ کا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصنف مظفر شاہ کے ساتھ مالوہ گیا تھا اور اس نے واقعات اور تاریخیں بیحد محتاط طور پر لکھی ہیں۔ درباری آداب کا بیان معلومات افزا ہے۔ اسی طرح درباریوں کے نظام اور آداب ورسوم کی تفصیل ہے۔

اس تصنیف کی یہ حقیقت کہ یہ ایک ہی مہم تک محدود ہے سکندر کے اسی تصنیف کے اقتباسات سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ مندرجۂ ذیل مقامات پر اس کے حوالے دیے گئے ہیں:

(۱) مالوہ کی مہم پر سلطان کا روانہ ہونا اور اس سے متعلق رسومات۔

(۲) ان راجپوت سرداروں کے نام جو محاصرۂ منڈو میں مارے گئے۔

بہت ہی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ پُونے اور حیدرآباد کے نسخوں میں موزوں حصے چھوڑ دیے گئے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس ماخذ سے لیا ہوا مواد مرآۃ میں بعد میں شامل کیا گیا۔ یہ حقیقت ایک اور ثبوت اس امکان کا فراہم کرتی ہے کہ سکندر نے اپنی تصنیف کے دو نسخے تیار کیے جن میں سے ایک دوسرے کی بہ نسبت زیادہ مکمل تھا۔

فرشتہ اور نظام الدین دونوں مظفر شاہی کے حوالے دیتے ہیں لیکن وہ اپنی تصانیف کے متن میں اس کا نام نہیں دیتے۔[2] تو ظاہر استنباط یہ ہے کہ وہ اس تصنیف کی

---

[1] ایضاً، ص ۹-۶۔

[2] نظام الدین احمد کی طبقات اکبری، ج ۳، جس کا انگریزی ترجمہ بی این ڈے نے کیا اور اس پر بینی پرساد نے نظر ثانی کی۔ کلکتہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۳۹ء، دیباچہ ص ۳۰، تصنیف نمبر ۲۰۔

طرف رجوع کرتے ہیں کیونکہ ان کے مہم مالوہ کے بیانات مظفر شاہی بیان پر منطبق ہوتے ہیں۔ مرآۃ احمدی میں بھی اس کا حوالہ دیا جاتا ہے لیکن یہ حوالہ لفظ بہ لفظ مرآۃ سکندری کے ابتدائی فقروں سے لیا گیا ہے۔[1]

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا یقینی معلوم ہوتا ہے کہ سکندر اور دوسرے مؤرخ بس اسی ایک مظفر شاہی سے واقف تھے۔ اور اگرچہ یہ یقین کرنا تعجب خیز ہے تاہم محمود شاہ بیگڑہ کے نامور جانشین کا عہد حکومت ایک ایسے وقائع نگار سے محروم رہا جو اس کے پورے عہد کا احاطہ کرتا۔ کسی حد تک یہ خلا اس تاریخ سے پُر ہوا جو غالباً سلاطین گجرات کی بہترین تاریخ ہے اور جو اس کے بیٹے کے نام سے اس کے عہد میں لکھی گئی۔

تاریخ بہادر شاہی : سلاطین گجرات کی تاریخ پر تمام تصانیف میں یہ تاریخ یقیناً سب سے زیادہ مفصل اور شاید سب سے زیادہ معروضی تھی۔ یہ اٹھارویں صدی تک معرض وجود میں رہی اور یہ یقین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی میں بالکل ناپید ہوگئی ہے۔

سکندر کو اس تصنیف سے بدظنی تھی اگرچہ اس نے بہت سا مواد اس سے مستعار لیا ہے۔ ان اقتباسات کی روشنی میں اس کا یہ الزام کہ یہ تصنیف الجھی ہوئی اور پیچیدہ ہے بے اصل معلوم ہوتا ہے۔ حاجی الدبیر زیادہ غیر متعصب تھا۔ نہ صرف اُس نے اِس تصنیف سے بہت زیادہ مستعار لیا بلکہ اس نے اِس کی قدر و قیمت کا اعتراف کیا اور مصنف کا نام بھی فراہم کیا۔ وہ حقیقت جو سکندر نے نظر انداز کردی تھی۔[2] نظام الدین اور فرشتہ نے بھی اس کا استعمال کیا اور ایک غیر معمولی خراج تحسین اسے عبدالحق دہلوی نے ادا کیا جب

---

1. مرآۃ احمدی، بحوالہ بالا، ص ۱۴۱۔
2. ظفر الوالہ بمظفر و آلہ (گجرات کی عربی تاریخ) مصنفہ عبداللہ محمد بن عمر المکی الآصفی الغ خانی (جو عموماً حاجی الدبیر کے نام سے مشہور ہیں۔ انڈین ٹیکسٹس سیریز، لندن، جون مرے، ج ۱، ۱۹۱۰ء، ج ۲، ۱۹۲۱ء، ج ۳، ۱۹۲۹ء، ج ۲، مقدمہ ص ۲۹-۳۶۔

انہوں نے اِس کا حوالہ یہ کہہ کر دیا کہ ''سلطان فیروز کے باقی وقائع کے لیے (ضیا برنی کی تصنیف کے بعد) اور اسی طرح فرماں روایان گجرات کے لیے ''مستند ماخذوں میں سے ایک ہے۔[1]

ایک دوسرا مصنف جس نے بہادر شاہی کو اپنی تصنیف میں استعمال کیا سجان رائے ہے جو خلاصۃ التواریخ کا، جو ۱۱۰۷ھ مطابق ۶-۱۶۹۵ء میں لکھی گئی تصنیف ہے۔[2] یہاں اس کا ''سلاطین گجرات احمد آباد اور صوبۂ ہند جو ٹھٹھہ کے نام سے مشہور ہے'' کے ماخذ کے طور پر حوالہ دیا گیا ہے۔ صوبۂ گجرات کی تاریخ کا بھی اسی تصنیف سے اختصار کیا گیا ہے جیسا کہ اس باب کی ابتدا میں مذکور ہے۔

دوسرے دو مصنفوں نے بھی اس کے حوالے دیے ہیں۔ غلام باسط کی اٹھارویں صدی کے اواخر کی تصنیف ''تاریخ ممالک ہند'' جو ایک انگریز افسر کی تجویز پر لکھی گئی اور انیسویں صدی کے اوائل میں نواب محبت خان[3] کی ''اخبار محبت'' میں۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہادر شاہی کا نام ان کتابیات میں سے جو معروف تصانیف جیسے کہ نظام الدین کی طبقات اکبری اور فرشتہ کی گلشن ابراہیمی میں پیش کی گئی ہیں اٹھالیا گیا ہے۔ یہ دونوں خاص تاریخ نہیں بلکہ خلاصہ ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سہل الحصول عام تصانیف پر زیادہ اعتبار کیا گیا ہے بہ نسبت اس کے کہ مخصوص ادوار کی تفصیلات کی تحقیق کی گئی ہو۔

یہی معاملہ علی محمد خان مرآۃ احمدی کے مصنف کا بھی معلوم ہوتا ہے۔ وہ بہادر شاہی کا صرف ایک مرتبہ حوالہ دیتے ہیں اور یہ حوالہ بہ لفظہ مرآۃ سکندری سے لیا گیا

۱۔ ایچ ایم ایلیٹ اور جے ڈاؤسن: ''دی ہسٹری آف انڈیا بائی اِٹس اون ہسٹاریز'' (۸ جلدیں) لندن ٹریز اینڈ کو، ج ۶، ص ۳۸۲۔

۲۔ ظفر حسن، مدیر، الجان رائے بھنڈاری کی خلاصۃ التواریخ، دہلی، ۱۹۱۸ء؛ ترمذی، محولہ بالا، ص ۲۳۶۔

۳۔ ایلیٹ اور ڈاؤسن، محولہ بالا، ج ۸، ص ۳۱۰ اور ۳۷۷؛ ترمذی، محولہ بالا، ص ۲۳۶۔

ہے۔ سلاطین گجرات کی بقیہ تاریخ کا بیان مرأۃ سکندری کے اختصار کے سوا کچھ نہیں جس میں آخر میں ابوتراب ولی سے ماخوذ اضافے ہیں۔[1] یہ ممکن ہے کہ بہادر شاہی ان کے لیے قابل حصول تھی لیکن یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے اس کا استعمال نہیں کیا۔

اس تصنیف کی مصنف گری جیسا کہ پہلے عرض کردیا گیا صرف حاجی الدبیر نے ظاہر کی ہے اور یہ سر ڈینی سن راس تھے جنہوں نے بہادر شاہی جس کے مرأۃ میں اکثر حوالے دیے گئے ہیں اور اس تاریخ میں جس کے حوالے ظفر الوالہ میں مختلف ناموں سے جیسے کہ بہادر شاہی، طبقات بہادر شاہی اور طبقات حسام خانی، دیے گئے ہیں، یکسانیت محسوس کی۔ حاجی الدبیر نے اس تاریخ کے مصنف کو اکثر ''المورخ'' کے فرضی نام سے منسوب کیا ہے اور جیسا کہ سر راس نے بتلایا اس کے دل میں اس مصنف کے لیے پورا احترام تھا۔[2]

ایک مشتبہ معاملہ کے سوا جہاں مرأۃ کا ایک غیر معمولی مخطوطہ ایک گجراتی امیر حسام خاں کا ذکر کرتا ہے جسے مندسور کی بھگدڑ کے بعد سکندر کے والد میاں منجھو نے پناہ دی تھی۔ سکندر کہیں بھی حسام خان کا اس کے نام کے ساتھ ذکر نہیں کرتا۔[3] یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ سکندر کی یہ فروگذاشت بلا قصد تھی کیونکہ سکندر جس تاریخ کے بار بار اور اتنے زیادہ حوالے دے رہا تھا اس کی اس ابتدائی تفصیل سے ناواقف نہیں ہوسکتا تھا۔ اگر تحفۃ السادات کے معاملہ کی طرح اس نے اس معاملہ میں بھی ایک اہم پیشہ مورخ کو نا قابل توجہ سمجھنا پسند کیا اور اسے جو اس کی بہ نسبت زندگی میں ایک ممتاز مقام پر فائز تھا تو اس سے اس کی سیرت کا ایک ناخوشگوار پہلو ہم پر منکشف ہوتا ہے۔

---

[1] سر ڈینی سن راس، مدیر، تاریخ گجرات ابوتراب ولی، کلکتہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۹ء۔

[2] راس لکھتے ہیں کہ سکندر کی طرح فرشتہ کو بھی حسام خان کے بیان کے الجھاؤ کی شکایت ہے لیکن میں فرشتہ کی تاریخ میں اس کا یہ بیان نہیں پاسکا۔ ظفر الوالہ، ج ۲، فٹ نوٹ ۲۷۔

[3] بیلے: محولہ بالا، ص ۳۸۶۔

اب جو بھی ہو یہ بات زیادہ نا قابل توجیہہ ہے کہ سکندر کے علاوہ دوسرے مصنفین نے بھی جن کا بہادر شاہی پر کم انحصار نہ تھا خاموشی جاری رکھنا پسند کیا جسے سر راس نے بڑی معقولیت کے ساتھ "سازش سکوت" کہا ہے۔[1] سکندر کی سلاطین گجرات کی کھلم کھلا حمایت نہ ہوتی تو یہ گمان اور ترقی کر لیتا کہ سلاطین گجرات کی تواریخ عہد مغلیہ میں مقبول نہ تھیں اور کبیر الدین کے "فتح نامہ" کی طرح جو علاء الدین خلجی کی گمشدہ تاریخ تھی بہادر شاہی کا بھی وہی حشر ہوا ہوتا۔

کیونکہ حسام خاں ایک قابل مؤرخ ہی نہ تھا۔ سلاطین گجرات کی امتیازی خدمت کی خاندانی روایت کے ساتھ وہ ایک درباری، افسر اور عمدہ فوجی سردار بھی تھا۔ اس کے دادا جمال الدین، محمود شاہ بیگڑہ کے سلحدار تھے۔ چانپانیر کے خلاف سلاطین کی مہم کے دوران اسے محافظ خاں کے خطاب سے نواز کر دار السلطنت کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس مختصر سے دور میں اس نے ڈاکہ زنی میں تخفیف کر دی اور سرکش راجپوت سرداروں کو اس درجہ قابو میں کر لیا تھا کہ اس کی اس کے منصب پر مستقل توثیق کر دی گئی۔ اس حیثیت سے اس کی خدمات اس درجہ سراہی گئیں کہ اسے مستوفی الممالک کے عہدہ پر فائز کر دیا گیا اور بالآخر اس نے محمود شاہ بیگڑہ کے منصب وزارت تک ترقی کی۔[2]

اس کے بیٹے کے متعلق ہم بہت کم جانتے ہیں لیکن اس کے پوتے حسام خاں نے اپنی خاندانی روایت جاری رکھی۔ وہ مظفر شاہ کی مہم مالوہ میں سلطان کے ہمراہ گیا۔[3] جب رانا سانگا نے گجرات پر حملہ کیا تو وہ قوام الملک کے ساتھ خدمت انجام دے رہا تھا اور مبارز خاں کے طلب کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ شاید وہ ملک ایاز کے ساتھ چتوڑ بھی گیا۔ بہادر شاہ کے بھائی کے قتل کے بعد بہادر شاہ کی تخت نشینی کے لیے زمین ہموار کرنے

1۔ ظفر الوالہ، ج ۲، ص ۲۸۔

2۔ ظفر الوالہ: ج ۱، ص ۲۱، ۲۵، ۸-۲۷، حاجی الدبیر صاف لکھتا ہے کہ وہ مؤرخ حسام خاں کا دادا تھا۔

3۔ ظفر الوالہ: ج ۱، ص ۱۰۰۔

میں بھی وہ ممد و معاون تھا۔

حسام خان اس دربار تاجپوشی میں بھی شریک تھا جس میں بہادر شاہ نے دریا دلی کے ساتھ خطابات بخش کر اپنے عہد حکومت کا آغاز کیا۔[1] پھر سلطان نے اسے اپنے باغی بھائی کو مقرر کرنے کے لیے تاج خان کو بلانے بھیجا۔[2] جس وقت بہادر شاہ نے اسے اپنی دکن کی مہم میں شریک ہونے کے لیے بلایا وہ کھمبایت میں داروغہ کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ وہ مالوہ کے خلاف فوج کشی میں اس کے (سلطان کے) ہمراہ تھا اور چتوڑ پر حملہ کے وقت تاتار خاں کے ساتھ تھا۔[3] یہ آخری واقعہ ہے جو اس نے قلمبند کیا۔ بعد میں اس کا سلطان بدنصیبی کی جھپٹ میں آ گیا اور جب گجرات پر مغل حملہ نے سلطنت گجرات کے زوال کی ابتدا کا اشارہ کیا حسام خاں کا قلم، حاجی الدبیر کے تصویر کش مقولہ کے مطابق "خشک ہو گیا"۔[4] شاید وہ بہادر شاہ ہی کے ہمراہ غرقاب ہوا۔ اس کا نام ان امراء کے سلسلے میں نہیں ملتا جنہوں نے گجرات کی بادشاہت کو اپنا کھلونا بنا لیا تھا۔

مندرجۂ بالا مواقع پر بہادر شاہی اور اس کے مصنف کا ذکر ان کے ناموں کے ساتھ مراۃ اور ظفر الوالہ میں ہوتا ہے۔ الحاقاً مراۃ مظفر شاہ اول کی وفات کی سرکاری روایتوں کے لیے بہادر شاہی کی سند پیش کرتی ہے۔ اس جگہ سکندر لکھتا ہے کہ یہ واقعہ بہادر شاہی میں موجود ہے لیکن اس کا باعث بتلانے میں وہ ناکام ہے۔ محمد بن احمد شاہ کی وفات کے بارے میں بھی سکندر مروجہ رائے پیش کر کے کام چلاتا ہے۔ قطب الدین شاہ کی موت کے لیے بھی سکندر حضرت شاہ عالم کی تعریف و توصیف کی خاطر پہلی روش اختیار کرتا ہے اور محمود شاہ بیگڑہ کے گرنار پر حملہ کرنے اور اس کے سرکاری و جمہوری اسباب کے لیے بھی بہادر شاہی کے حوالے دیتا ہے۔

---

[1] ایضاً، ص ۱۱۲۔

[2] ایضاً: ج ۲، مقدمہ ص ۲۸

[3] ایضاً: ج ۱، ص ۲۲۷۔

[4] ایضاً: ج ۲، مقدمہ ص ۲۸۔

ظفر الوالہ میں وہ مواقع جن میں بہادر شاہی کا حوالہ نام کے ساتھ آتا ہے بہت کم ہیں اگرچہ حاجی الدبیر نے سلطنت دہلی کی تاریخ کے لیے بھی اس کا استعمال کیا۔[1] گجرات کے لیے بہادر شاہی کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں وہ مرأۃ کی تصدیق کرتی ہے۔ بہادر شاہی کی بنیاد پر حاجی الدبیر بیان کرتا ہے کہ حسام خاں مظفر شاہ کے ہمراہ مالوہ گیا۔ دوسرے مقامات پر وہ مرأۃ کی تصدیق کرتا ہے۔[2]

نظام الدین اور فرشتہ جیسے پہلے کے مصنف جن کی مرأۃ تک رسائی نہ تھی زیادہ تر بہادر شاہی پر انحصار رکھتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرصۂ دراز تک سلاطین گجرات کی ''معیاری'' تاریخ رہی ہے۔ یعنی وہ مقام جہاں سے مرأۃ نے اسے برطرف کردیا۔

دراصل اس عہد میں اکبر و جہانگیر کے ادوار حکومت میں لکھی گئی پانچ بڑی تاریخوں — طبقات اکبری، تاریخ الفی، گلشن ابراہیمی، مرأۃ سکندری اور ظفر الوالہ — کی گہری مشابہت ایک مشترک ماخذ کا پتہ دیتی ہے۔ دراصل اگر ہم ان دوسری تاریخوں کے بیانات کو حسام خاں کی گمشدہ تاریخ میں جو کچھ مندرجات رہے ہوں گے ان کی ایک معقول مثال سمجھتے ہیں تو ہم محسوس کرسکتے ہیں کہ سکندر نے اپنے بنیادی بیان کو ان قصوں سے سجایا ہے جو اس نے ''ثقہ اور واقفکار لوگوں'' سے حاصل کیے اور جو کچھ بہادر شاہی میں مندرج تھا اس کے بدل کی روایتیں فراہم کیں۔ تاہم وہ اپنی تاریخوں، اپنے دروبست اور اپنے بنیادی حقائق کے لیے بہادر شاہی کا مرہون احسان رہا۔

اب آخر میں بہادر شاہی کی مصنفی کے بارے میں — راس نے ''اندرونی شہادت کے کئی نکتوں کا ذکر کیا ہے جو حسام خاں کی انفرادیت ثابت کرتے ہیں اور یہ ان کنایات کے سلسلہ میں ہیں جو بہادر شاہی کے مصنف نے خود اپنی ذات کی طرف کیے ہیں۔'' ایک ایسی نظیر سے یعنی مرأۃ اور ظفر الوالہ میں چتوڑ کے واقعہ کے حوالہ جات میں جہاں سکندر،

---

1. ظفر الوالہ: ج ۲، ص ۷۵۶، ۷۹۰، ۸۰۰، ۸۶۲، دیباچہ ص ۳۔
2. ایضاً: ج ۱، ص ۱۱۲، ۱۳۱، ۱۶۰، ۱۹۳، ۲۱۷، دیکھیے فٹ نوٹ ۱ سے ۵، ص ۳۴، عبارت بالا۔

بہادر شاہی کے مصنف کا ذکر کرتا ہے اور حاجی الدبیر حسام خاں المؤرخ کا، راس نے اس کی شخصیت کو مسلّم کر دیا۔[1]

دو دوسری نظریں بھی پیش کر دی جائیں۔ مرأۃ محافظ خاں کا بہادر شاہی کے مصنف کے دادا کی حیثیت سے ذکر کرتی ہے جب کہ حاجی الدبیر اسے صریحاً المؤرخ حسام خاں کہتا ہے۔[2] سکندر لکھتا ہے کہ بہادر شاہی کے مصنف کو قوام الملک نے کمک طلب کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ حاجی الدبیر اسے المؤرخ حسام خاں کہہ کر اس کا نام لیتا ہے۔[3]

تحفۃ السادات

تحفہ ایک اور تاریخ ہے جس سے سکندر نے بہت کچھ عاریتاً لیا لیکن اس زیر باری کے تسلیم کرنے میں بخل سے کام لیا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہ تاریخ آرام شاہ کشمیری نے سید مبارک بخاری کے لیے لکھی تھی اور اس نے (آرام کشمیری نے) محمود شاہ دوم کے عہد کے آغاز کے واقعات کو محض تین جملوں میں بطور تلخیص اختصاراً لکھ دیا ہے اور اس لیے سکندر کو اس دور کی تاریخ میں اپنے والد اور بھائی سے گہری چھان بین کر کے واقعات کو پورا پورا لکھنا پڑا۔

یہ الحاق جو اُس نقطہ پر سکندر کے بیان میں یقیناً معقول نہیں تھا بس اسی صورت میں داخل کیا جا سکتا تھا کہ سکندر اپنی کسی ذاتی وجہ سے اس تاریخ کی وقعت کو گھٹانا چاہتا تھا۔ یہ قیاس کرنا حیران کن ہے کہ یہ بغض کیا ہو سکتا تھا۔ کیا یہ وہ حسد تھا جو ایک ہی مربی کے زیر حمایت دو اشخاص میں معمولاً پایا جاتا ہے؟ کیا اس کا سبب یہ تھا کہ سید مبارک نے آرام کشمیری کو ایک ایسے فرض کا اختیار دیا جو سکندر یا اس کے والد خود اپنے لیے تصور کرتے تھے؟ کیا یوں تھا کہ سکندر نے اپنا شاہکار آرام کشمیری کی کوشش کی کلہ شکن تردید میں لکھا؟

---

[1] ظفر الوالہ، ج ۲، مقدمہ ص ۲۷۔

[2] مندرجۂ بالا فٹ نوٹ دیکھیے۔ ظفر الوالہ: ج ۱، ص ۲۵۔

[3] ظفر الوالہ: ج ۱

آرام کشمیری اور اس کی تصنیف کی عمداً برائی کرنے میں سکندر کی جو بھی نیت رہی ہو، تاہم یہ بات یقینی ہے کہ اس کے زمانہ میں آرام کی تاریخ اتنی غیر مشہور نہیں تھی جتنی وہ بعد میں ہوگئی۔ حاجی الدبیر اس کے حوالے دیتا ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ یا نظام الدین یا تاریخ الفی کے مصنف کو اس کا علم نہیں تھا اور نہ ہی کوئی متاخر مصنف اس کا حوالہ دیتا ہے۔

حاجی الدبیر تین مرتبہ تحفۃ کے حوالے دیتا ہے۔ پہلا تو وہ موقع جب ملک ایاز چتوڑ پر فوج کشی کے لیے مامور ہوتا ہے۔ حوالہ یہ ہے: "تحفۃ السادات میں حسام خاں کی سند پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان (مظفر شاہ دوم) نے اسے ایک سو ہزار سواروں اور سو ہاتھیوں کے ساتھ تیار کیا"[1]

یہ سمجھنا ذرا مشکل ہے کہ حاجی الدبیر ایک حقیقت کے لیے ایک تیسری سند کا حوالہ کیوں دے جب کہ وہ اصلی ماخذ سے آسانی سے دریافت کرسکتا تھا اور اس کا بلاواسطہ حوالہ دے سکتا تھا۔ یہی بیان مرآۃ میں بہادر شاہی کی سند سے تقریباً حرف بہ حرف نقل کردیا گیا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں تحفۃ کا ایک اہم ماخذ کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا: اس کا حوالہ دینے سے حاجی الدبیر کا مقصد شاید مزید ایک ماخذ کا حوالہ دینا تھا۔

دوسرے دو حوالے بہادر شاہ کے عہد حکومت کے لیے ہیں جو مرآۃ کے بیان سے ہو بہو مشابہ ہیں۔[2] لیکن آخر کا جو طویل ہے زیادہ مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔[3]

ان صفحات میں حاجی الدبیر تقریباً اسی موضوع سے بحث کرتا ہے جو مرآۃ میں سکندر کے تحفۃ کے متعلق کٹیلے حوالہ سے قبل کے صفحات میں ہے۔ لہٰذا اگر یہ بیان میں اس تصنیف میں اس عہد سے متعلق تقریباً اتنا ہی کامل ہوتا جتنا کہ مرآۃ میں ہے اور پھر سکندر

---

[1] ظفر الوالہ: ج۱، ص ۱۱۲؛ ترمذی، محولہ بالا، ص ۲۳۰۔

[2] ایضاً: ص ۲۱۷، مرآۃ میں یہ حوالہ رومی خان کے گجرات میں آنے کے بارے میں ہے۔

[3] ایضاً: ص ۳۲-۳۲۰۔

کے ادعا کے لیے کوئی بنیاد نہ ہوتی۔ بہر حال یہ قریب بہ صحت نہیں معلوم ہوتا کہ سکندر ایک بے بنیاد بیان محض آرام کشمیری کی برائی کرنے کے لیے عمداً گھڑ رہا تھا۔ چنانچہ یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ یہ طویل حصہ حاجی الدبیر نے مرأة سے اس حوالہ کے ساتھ جو اس میں تھا لے لیا۔

تاہم یہ بات یقینی ہے کہ حاجی الدبیر نے اس تصنیف سے ضرور رجوع کیا اور سکندر کی طرح اس سے بڑی حد تک کام لیا۔ بہر حال چونکہ مرأة اور ظفر الوالہ دنوں میں اس کے حوالے اتنے کم دیے گئے ہیں کہ ان کے اس پر انحصار کرنے کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔[1]

تحفۃ جیسا کہ ترمذی نے بتلایا ہے بہادر شاہی کے ۱۵۳۳/۹۴۰ میں مکمل ہو جانے کے بعد اور سید مبارک بخاری جن کے نام یہ معنون تھی کے ۱۵۵۷/۹۶۵ میں شہید ہو جانے سے قبل لکھی گئی تھی۔ یہ خاص طور پر گجرات کے سیّدوں کی تاریخ معلوم ہوتی ہے لیکن اس میں بے شمار سیاسی تفصیلات بکھری ہوئی ہیں، خاص طور پر متاخر سلاطین کی۔ چونکہ سیّد محمود بخاری نے محمود شاہ دوم کے عہد حکومت میں اہم کردار ادا کیا تھا اس میں اُس عہد حکومت کے واقعات بھی قلمبند کیے ہوں گے لیکن اگر ہم سکندر کا اعتبار کریں تو اس نے اپنے والد اور بھائی سے جو اس امیر کے اہم نائب تھے دور کی تاریخ دریافت کر کے اسے اور زیادہ سدھارا تھا۔ چنانچہ مرأة اس دور کی مطابق واقعہ تاریخ ہونے کا دعویٰ کر سکتی ہے۔

دوسرے ابتدائی وقائع نگار

پچھلی تواریخ کے علاوہ جن سے سکندر نے رجوع کیا ہے چند وہ ہیں جو اس نے نظر انداز کر دی ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ سکندر ان سے واقف نہ تھا۔ ان تصانیف کا ایک مختصر

---

[1] ترمذی، محولہ بالا، ص ۳۰-۲۲۹۔ ظفر الوالہ، ج ۲ میں راس: ص ۳۔ سید ابوظفر ندوی آرام کشمیری کے بارے میں اور زیادہ تفصیل فراہم کرتے ہیں لیکن بقول ترمذی وہ کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے۔ جویری: محولہ بالا، ص ۳-۱۰۲۔

معائنہ مرأۃ سے ان کا تعلق اور تاریخ گجرات کے لیے ان کا ماخذی مواد ہونا ظاہر کرنے کے لیے ضروری ہے۔

مآثر محمود شاہی

نظام الدین اور فرشتہ دونوں ایک مآثر محمود شاہی کا حوالہ اس کے مصنف کا نام دیے بغیر دیتے ہیں۔[1] طبقات محمود شاہی کے ایک مخطوطہ میں مصنف کا نام عبدالحسین درج ہے اور دوسرے میں عبدالخالق۔ مصنف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ محمود شاہ بیگڑہ کے درباری تھے اور ۸۹۵/ ۱۴۸۹ میں انہوں نے وفات پائی۔[2]

اس تصنیف کا کوئی مخطوطہ وجود میں معلوم نہیں ہوتا بجز اس صورت کے کہ یہ انڈیا آفس لائبریری کے مخطوطہ ضمیمہ محمود شاہی[3] جیسا ہی ہو۔ یہ مماثلت اغلب ہے لیکن یقینی نہیں جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں:

عارف حکمت نے لائبریری، مدینہ میں ایک مخطوطہ "تاریخ سلاطین گجرات" نامی موجود ہے جس کی ایک نقل جناب حبیب الرحمٰن غزنوی، ایڈیٹر "آب حیات"، احمد آباد نے دوران حج حاصل کی تھی۔ یہ نقل انہوں نے ہم مدیروں میں سے ایک کو عاریتاً دی تھی۔ اس کی ایک دوسری نقل بنائی گئی، بعد میں انڈیا آفس کے مخطوطہ کی ایک مائیکروفلم حاصل کی گئی اور مطالعہ سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں مخطوطات ایک ہی طبعزاد تصنیف کی نقلیں ہیں۔

مدینہ کے متن کی نقل میں خاتمۃ الکتاب نہیں ہے کیونکہ دو حصوں میں سے فقط پہلا ہی حصہ نقل کیا گیا تھا لیکن اس تصنیف کے آغاز میں ایک نوٹ اس طرح کا درج ہے:

"ظفر خاں کے بچوں سے اور ظفر خاں کی سلطنت کے آغاز سے جو تخت نشینی کے بعد سلطان مظفر شاہ کے لقب سے ملقب ہوا لے کر خلیل شاہ بن محمود شاہ جو سلطان مظفر شاہ

---

[1] طبقات ترجمہ، ج ۳، مقدمہ ص ۲۹؛ فرشتہ ج ۱، ص ۶-۵۔

[2] ترمذی: محولہ بالا، ص ۱۲۸، طبقات محمود شاہی مرتبہ ۵، طبقہ ۹ (مذکورۂ بالا میں حوالہ)۔

[3] فہرس میں درج نہیں۔ نمبر ۳۸۴۱۔

کے لقب سے ملقب ہوا کے عہد حکومت تک۔ مصنف فاضل وکامل مولانا عبد الحسین مؤرخ۔ اور ان کے علاوہ گجرات کے دوسرے مؤرخین مولینا عبد الکریم نے تواریخ لکھی ہیں اور ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مولینا عطاء اللہ نے اپنے والد کی تاریخ ۱۵۶۲/۹۷۰ تک جاری رکھی۔ یہ بہت کارآمد ہے۔ الملک الوہاب یعنی خدا کی مدد سے یہ کتاب مکہ کے مقدس شہر میں ۷/رشوال ۹۸۷ھ (مطابق ۲۷/نومبر ۱۵۷۹ء) کو پوری ہوئی"۔[1]

یہ نوٹ اور تمہیدی شعر انڈیا آفس کے مخطوطہ میں نظر انداز کر دیے گئے ہیں لیکن خاتمۃ الکتاب میں درج ہے: خدا کی مدد سے (یہ) تاریخ مآثر محمود شاہی ۱۲/رشوال ۱۲۹۹ھ (مطابق ۷/رستمبر ۱۸۸۱ء) کو حیدر آباد میں دفتر میر نواب نظام الملک آصف جاہ میں پوری ہوئی۔ عبد الرزاق کے قلم سے۔[2]

دونوں متون میں مصنف اپنی تصنیف کو مآثر کہتا ہے لیکن اندرونی طور پر اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں۔ مدینہ کے متن میں جو نوٹ ہے وہ یا تو کاتب نے لکھا ہے یا پھر کسی دلچسپی لینے والے قاری نے۔

یہ ظاہر ہے کہ دونوں مخطوطات کاتبین اور قارئین اس تصنیف کو مآثر سمجھتے تھے۔ نوٹ صراحت کے ساتھ اس کی مصنفی مولنا عبد الحسین سے منسوب کرتا ہے جو طبقات محمود شاہ میں دی ہوئی مصنفی سے متفق ہے تاہم یہ تشریح کرنا مشکل ہے کہ یہ تصنیف محمود شاہ بیگڑہ کے عہد حکومت کے متاخر حصہ ہی سے کیوں بحث کرتی ہے اور پورے عہد سے نہیں جیسا کہ نوٹ میں درج ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مولینا عبد الکریم اور عطاء اللہ کا ذکر کیوں کیا گیا؟ اور اگر مولینا عبد الحسین ۱۴۸۹/۸۹۵ تک وفات پا چکے تھے اور بیان کا سر رشتہ ۱۴۹۰/۸۹۶ سے اس تصنیف میں لیا گیا تو مذکورہ نوٹ میں اصلی مصنف کا ذکر کیوں

---

[1] مہاراجہ سیاجی راؤ یونیورسٹی نقل، ص ۱

[2] انڈیا آفس مخطوطہ، آخری فولیو۔

نہیں کیا گیا؟

اس مسئلہ کی ایک مختصر نوٹ میں تشریح کرنا ممکن نہیں اور ہم اسے کسی آئندہ موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں جب ہم اس تصنیف کے بارے میں مستقل طور پر بحث کریں گے۔ یہ بے شک محمود شاہ بیگڑہ کے دورِ حکومت کی ایک بیش بہا تاریخ ہے، خاص طور پر اس کے عہد بادشاہی کے متاخر حصہ کی۔ ۸۹۶/۱۴۹۰ سے ۹۱۶/۱۵۱۰ تک، ایسا معلوم ہوتا ہے یہ ۹۳۰/۱۵۲۳ کے لگ بھگ مظفر شاہ کے عہد میں لکھی گئی۔ مصنف بیان کرتا ہے کہ اس نے یہ کتاب دو حصوں میں لکھی ہے جن میں سے ایک محمود شاہ سے بحث کرتا ہے اور دوسرا اس کے معاصرین سے۔ اس کا فقط پہلا ہی حصہ ہمیں دستیاب ہے۔

طبقاتِ محمود شاہی

اس تصنیف سے نظام الدین اور فرشتہ دونوں نے استفادہ کیا ہے[1]۔ مذکورۂ بالا نوٹ میں یہ خود کے نام سے نہیں بلکہ اس کے مصنف کے نام سے مذکور ہے۔

گلزارِ ابرار میں جو علماء و فضلاء کی سترہویں صدی کی تاریخ ہے اس کے مصنف مولنا محمد غوثی اس نام کی ایک تصنیف کا ذکر کرتے ہیں جو مولنا عبدالکریم ہمدانی نے جو شیراز سے احمد آباد آئے تھے، لکھی تھی۔ یہاں انہوں نے نامور عرب مؤرخین کے نمونہ پر اپنی تصنیف سپردِ قلم کی۔[2] ان مولنا نے گجرات کی تاریخ لکھی اس بات کی تصدیق مندرجۂ بالا نوٹ میں درج ہے۔

مولنا محمد غوثی مولنا عبدالکریم کے ایک بیٹے کا بھی ذکر کرتے ہیں لیکن اس کے کسی تاریخ کے لکھنے کا ذکر نہیں کرتے۔[3]

---

1. طبقات ترجمہ، ۳، ص ۲۹ ؛ فرشتہ متن، ۱، ص ۶-۵
2. فضل احمد عفانہ : ''اذکار الابرار'' (مندرجۂ بالا کا اردو ترجمہ)، آگرہ مفید عام پریس، ۱۳۲۶/۱۹۰۹، ص ۸-۲۲۷۔
3. محولہ بالا، ص ۲۲۸۔

طبقات ایک آفاقی تاریخ معلوم ہوتی ہے جس میں اولیاء، علماء اور فضلاء کی سوانح حیات کی معلومات سیاسی تاریخ کے علاوہ ہیں۔ اس کا آغاز ابتداے آفرینش سے ہوتا ہے اور ۹۰۵/۱۴۹۹ پر ختم ہوتا ہے اور یہ ایک فاتحہ اور طبقات میں منقسم ہے جن میں سے ہر ایک ایک صدی ہجری سے بحث کرتا ہے اور بالآخر خاتمہ داستان کو دسویں صدی ہجری کے پہلے پانچ سالوں تک پہنچاتا ہے۔[1]

ترمذی صاحب کو اس تصنیف کے دو نسخے ملے ہیں۔ ایک ایٹن کالج کی لائبریری میں اور دوسرا تاشقند کی سائنس اکادمی میں۔[2]

تاریخ صدر جہاں

یہ پھر ایک آفاقی تاریخ ہے جس کے مصنف فضل اللہ بن زین العابدین بن حسین زیانی الملقب بہ قاضی القضاۃ صدر جہاں ہیں۔[3]

اتنے بڑے پیانہ پر تاریخ ہونے کی حیثیت سے یہ ہندوستان یا گجرات کی بہ نسبت اسلامی ماحول سے زیادہ متعلق ہے۔ ان چھ مخطوطات میں سے جن کا ترمذی ذکر کرتے ہیں صرف ببلیو تھیک نیشنل کے متن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس سرزمین سے بحث کرتا ہے۔[4]

تاریخ صدر جہاں ظاہر ہے کہ فضیلت علمی کی یادگار ہے۔ یہ بادشاہ وقت محمود شاہ بیگڑہ کے نام معنون ہے اور غالباً دسویں صدی ہجری کی پہلی دہائی میں لکھی گئی۔ بہرحال یہ تاریخ گجرات کا ایک اہم ماخذ نہیں معلوم ہوتی۔

---

[1] ترمذی، محولہ بالا، ص ۱۳۰۔

[2] ترمذی، محولہ بالا، ص ۱۳۱۔

[3] ریو، ۱، ص ۷-۸۶۔

[4] ترمذی، محولہ بالا، ص ۴-۱۳۱۔

گنج معانی

یہ بہادر شاہ کے دور حکومت کی منظوم تاریخ ہے جس کا ایک ہی نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ کے کرزن ذخیرہ میں ہے۔ ایفانا ؤ نے اس ذخیرہ کی فہرست میں اس پر توجہ دی ہے۔[1] ترمذی نے بھی اپنے مقالہ میں اس کا تجزیہ کیا ہے۔

مصنف بہادر شاہ کی ملازمت میں ایک شاعر تھا اور اس کا نام مطیعی دیا گیا ہے۔ یہ تصنیف اس نے ۹۳۹/۱۵۳۲ کے لگ بھگ لکھی اگرچہ خاتمہ میں سن تصنیف ۹۴۱/۱۵۳۴ درج ہے۔ یہ پرتگالیوں کے ساتھ بہادر شاہ کے برتاؤ پر نئی روشنی ڈالتی ہے۔[2]

معاصر تواریخ

مراۃ کا تعلق ہندوستان کے زمانہ وسطی کے مستند دور تاریخ یعنی دور اکبر اور اس کے دو عظیم جانشین، جہانگیر اور شاہجہاں کے ادوار سے ہے۔ بہ لحاظ ذہنی قابلیت کے۔ یہ دور ہندوستانی تاریخ میں سب سے زیادہ شاندار تھا۔ تقریباً تین صدیوں کے ہندو مسلم تفاعل کا عروج۔ دوسری شاخوں میں تاریخ پر خاص توجہ دی گئی کیونکہ تیموری نہ صرف اپنے ماضی کے بارے میں زیادہ صاحب شعور تھے بلکہ مغلیہ شہنشاہی کے جو ایک بار ختم ہو کر دوسری مرتبہ ہندوستان میں زندہ ہوئی تھی اعادۂ شباب کا بھی اقتضا تھا کہ اس کے پس منظر کا دوبارہ تخمینہ لگایا جائے۔

چنانچہ اکبر اور اس کے جانشینوں کے دربار میں تاریخ نویسی ایک خاص طور پر روشن کیا گیا فن تھا۔ تذکروں کے علاوہ کہ وہ بھی کافی تعداد میں لکھے گئے مثلاً گلبدن بانو بیگم اور جوہر کے تذکرے، تاریخ نویسی نے خاص طور پر تین شکلیں اختیار کیں۔ پہلے تو اسلامی دنیا کی اس کی ابتدا سے عام تاریخیں تھیں جیسے کہ مشہور و معروف تاریخ الفی جو اسلام کی ہزار سالہ پرانی تاریخ کا سراغ لگانے کی کوشش تھی، سال وار وقائع نویسی کی شکل میں۔

---

1. ایفانا ؤ: کرزن کلیکشن، کتاب نمبر ۲۵۱، ص ۸-۱۸۷۔
2. ترمذی: محولہ بالا، ص ۲۴۴۔

پھر ہندوستان میں مسلم حکومت کی تاریخیں تھیں جن میں سب سے زیادہ مشہور نظام الدین کی تصنیف طبقات اکبری تھی۔ اور آخر میں وہ تاریخیں تھیں جو خاص لوگوں یا کسی خاص عہد کے لیے مخصوص تھیں مثلاً تاریخ شیر شاہی اور یہ موجودہ تصنیف یعنی مرأۃ سکندری۔

اپنے شاندار تاریخی پس منظر کی بدولت گجرات سے جس نے بہت زیادہ توجہ حاصل کی تاریخ کی تینوں صورتوں میں بحث کی گئی۔ ان تواریخ نے جن ماخذات سے استفادہ کیا وہ اجمالی طور پر وہی تھے جن سے مرأۃ نے کیا۔ چنانچہ اس موقع پر ان تواریخ کا مختصر احوال دیا جا سکتا ہے۔

ان عام تواریخ میں سب سے زیادہ قدیم مشہور و معروف تاریخ الفی تھی جو واقعی ان عظیم الشان کاموں میں سے تھی جو مغل اہل علم نے شہنشاہ کے ایماء سے اپنے ہاتھوں میں لیے۔ اس کو ان ہزار سالوں کو مفصل تاریخ بنانا مقصود تھا جو اب پورے ہو رہے تھے اور سال بسال کے وقائع نگاری کی شکل میں جو مسلم تاریخ نویسی کی ابتدائی شکلوں میں سے تھی یہ اس عصر کے واقعات کی تاریخ بنتی تھی۔

یہ ۹۹۳/ ۱۵۸۵ میں ملا احمد ٹھٹھوی نے شروع کی اور ۱۵ر صفر ۹۹۶ھ/ ۱۵ر جنوری ۱۵۸۸ء کو ان کے قتل کے بعد آصف خاں نے جاری رکھی۔ کہا جاتا ہے کہ ملا نے اس کی پہلی دو جلدیں لکھیں اور آصف خاں نے آخری اور اخیر نظر ثانی بدایونی نے ۱۰۰۰ھ/ ۱۵۹۱-۲ء میں کی۔[1]

الفی سلاطین گجرات کی تاریخ کے لیے ایک اہم ماخذ ہے؛ جیسا کہ مرأۃ کے (انگریزی) ترجمہ میں بیلے کے کثیر تعداد میں دیے گئے فٹ نوٹوں سے تصدیق ہوتی ہے۔ مصنفوں نے جو ماخذ استعمال کیے ان کی اطلاع ہمیں نہیں دی جاتی لیکن وہ وہی معلوم

---

[1] ریو: محولہ بالا، ۱، ص ۱۱۷؛ سٹاؤ اور ایتھے: ایتھے محولہ بالا، ۱، ص ۳۰؛ شیخ عبد القادر "ڈسکرپٹیو کیٹیلاگ آف دی عربیک، پرشین اینڈ اردو مینیو سکرپٹس اِن دی لائبریری آف دی یونیورسٹی آف بمبے" بمبئی یونیورسٹی، ۱۹۳۵ء، ص ۲-۱۷۱؛ ایلیٹ و ڈاؤسن، محولہ بالا، ج ۵، ص ۷-۱۵۰۔

ہوتے ہیں جو دوسرے لکھنے والوں نے استعمال کیے۔ اس تصنیف کا سب سے بڑا نقص اس کا تکلیف دہ طرزِ تحریر ہے جو کسی بھی باقاعدہ بیان کو مشکل بنا دیتا ہے۔ کبھی کبھی تاریخیں بھی گڈمڈ ہوگئی ہیں، خاص طور پر بمبئی کے مخطوطہ میں جس سے مدیروں نے استفادہ کیا ہے۔ دراصل اس کی موجودہ صورت میں یہ ایسی تاریخ ہے جس کا استعمال کرنا اور اس کی قیمت آنکنا دشوار ہے اور اس حقیقت کے پیش نظر اور بھی زیادہ کہ بمبئی کا مخطوطہ کئی جگہ سے ناقص ہے۔

تاریخ وارانہ سلسلہ میں دوسری تاریخ خواجہ نظام الدین بخشی کی مشہور طبقات اکبری ہے۔ عہد وسطیٰ اور عہد جدید کے اہل قلم نے جو مصنفانہ تعریف و ستائش اس کی کی ہے، اس کا دہرانا یہاں ضروری نہیں۔[1]

طبقات کی تکمیل مصنف کی وفات سے ایک سال قبل ہوئی اور اس وقت تک اس کا بیان جاری رہا یعنی اکبر کے عہد حکومت کے ۳۸ ویں سال تک جو ۱۰۰۲ ہجری/۱۵۹۴ء کے مطابق ہے۔ خود مصنف کے الفاظ میں یہ "ایک جامع تاریخ ہے جو اپنے مختلف ابواب میں ایک صاف ستھرے اسلوب میں شہنشاہی کا حال سبکتگین کے زمانہ سے جو ۳۶۷ھ میں شروع ہوا، جب اسلام پہلے پہل ملک ہندوستان میں داخل ہوا، سے لے کر ۱۰۰۱ھ تک جو ۳۷ ویں الٰہی سن کے مطابق ہے، پیش کرے گا۔"

سلاطین گجرات کی تاریخ کے لیے نظام الدین نے تقریباً وہی مآخذ استعمال کیے جو بعد میں سکندر نے کیے۔ وہ اپنی تصنیف کے شروع میں ذیل کی کتابوں کے حوالے دیتا ہے:

طبقات محمود شاہی گجراتی، مآثر محمود شاہی گجراتی، تاریخ بہادر شاہی اور تاریخ مظفر شاہی۔[2]

---

[1] نظام الدین کی سوانح حیات اور تصنیف کی تفصیلات بینی پرساد کے ترجمہ طبقات اکبری، ج ۳، دیباچہ کلکتہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۹۳۹ء، ص ۱۶-۶ ؛ ایلیٹ و ڈاوسن، ج ۵، ص ۱۸۷-۸۲۔

[2] طبقات اکبری ترجمہ، محولہ بالا، مقدمہ ص ۱۹۔

سکندر کے بیان کی بہ نسبت نظام الدین کا بیان خاص طور پر ابتدائی حکومتوں کے عہد کے بارے میں زیادہ حقیقی ہے۔ بہت سی جگہوں پر یہ مرأۃ، گلشن اور ظفر الوالہ سے اچھی طرح متفق ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان تینوں تاریخوں نے ایک ہی ماخذ سے جو سوائے بہادر حکومتوں کا ذکر بہت مختصر ہے کیونکہ سکندر کے برخلاف اسے اس عہد کی بلاواسطہ اطلاع حاصل نہ تھی۔ مظفر شاہ کے لیے پھر وہ معقول طور پر بھرپور ہے۔

مجموعی طور پر طبقات ایک سند ہے جو اہمیت میں مرأۃ کے برابر ہے۔ سیاسی تاریخ ہونے کی حیثیت سے اس میں وہ کثیر التعداد حکایات اور ضمنی تشریحات شامل نہیں جن کی مرأۃ میں بہتات ہے۔ تاہم جو کچھ اس میں اسے قابل لحاظ شہادت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے جسے سبک سری سے مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ اسے منصفانہ طور پر "فارسی کی بہترین تاریخوں میں سے ایک اور ہماری معلومات کا سب سے زیادہ قابل اعتماد ماخذ" کا درجہ کیا دیا گیا ہے۔[1] اس کا اسلوب بیان عام طور سے "سادہ و موثر ہے لیکن پرشکوہ اور بہت زیادہ منجھا ہوا نہیں ہے"۔[2]

دوسری عام تاریخ ویسی ہی لیکن نظام الدین کی تاریخ کے بعد کی جسے یوروپی مصنفوں میں اس کی تاریخ سے زیادہ مقبولیت حاصل رہی ہے فرشتہ کی "گلشن ابراہیمی" ہے جو عام طور پر "تاریخ فرشتہ" کے نام سے مشہور ہے۔[3] یہ ۱۰۱۵/ ۸-۱۶۰۷ میں ابراہیم عادل شاہ کو پیش کی گئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً اسی تاریخ میں تکمیل پذیر ہوئی اگرچہ فرشتہ نے بعد میں اپنی تصنیف میں کچھ اضافہ بھی کیا۔[4]

گجرات کی تاریخ کے لیے فرشتہ نظام کی طرح، تاریخ الفی کے اضافہ کے ساتھ

---

[1] ایضاً، محولہ بالا، مقدمہ ص ۳۵۔

[2] ایضاً، ص ۳۷۔

[3] ایضاً، ص ۳-۳۴: جان برگز: "ہسٹری آف دی رائز آف محمڈن پاور ان انڈیا"۔ کلکتہ، کیمبرے اینڈ کمپنی، ۱۹۰۸ء، ۳ جلدوں میں ج ۱، مقدمہ ص ۵۰-۴۹۔ فرشتہ متن، ج ۱، ص ۶-۵۔

[4] ایلیٹ وڈاؤسن، ج ۶، ص ۲-۲۱۱؛ فرشتہ: فارسی متن، ج ۱، ص ۵

جو اس وقت تک مکمل ہو چکی تھی، وہی مآخذ پیش کرتا ہے۔ گجرات کے باب میں ایسا نہیں لگتا کہ اس نے طبقات سے بہت زیادہ مواد عاریتاً لیا ہو لیکن دونوں روایات (versions) تقریباً مماثل ہیں اور چند مقامات پر قریب قریب ہم معنی۔ بہرحال فرشتہ کی روایت زیادہ کامل ہے اور زیادہ تفصیل کی حامل۔ وہ طبقات کی طرح تخیل سے اتنی کوری اور صحت پسند نہیں اور حکایتوں اور داستانوں کی بڑی تعداد فراہم کرتی ہے۔ مقامی تفصیلات پر یہ زیادہ توجہ جو فرشتہ کو اس کے پیشتر پر سبقت دیتی ہے خاص طور پر اس وجہ سے تھی کہ فرشتہ نے اپنی تاریخ دکن میں لکھی اور اس خطّہ کے حکمرانوں پر خاص توجہ دی۔

یہ توجہ اور یہ حقیقت بھی کہ سکندر کا ہم عصر ہونے کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی تصنیف سے بیگانہ تھا گلشن کو ایسی اہمیت بخشتی ہے جو مرآۃ اور طبقات کی اہمیت کے برابر ہے۔ اس کام کے لیے میں نے گلشن کا قدیم ترین سنگی طباعت کا اڈیشن جو جنرل برگز نے تیار کیا تھا اور جو بمبئی میں ۱۸۳۱ء میں سنگی طباعت سے شائع ہوا۔ ہندوستان میں فارسی سنگی طباعت کی قدیم ترین اور بہترین مثال۔ استعمال کیا ہے۔

تاریخ اور سلسلہ میں دوسرا نمبر مرآۃ کا آتا ہے جو ۱۰۲۰/۱۶۱۱ میں مکمل ہوئی۔ مرآۃ کے بالکل پیچھے ایک اور تاریخ آئی جو نہ صرف زبان میں بلکہ نقطۂ نظر میں بھی اپنی تمام پیشرو تاریخوں سے مختلف تھی۔

ظفر الوالہ بمظفر والہ[1] سیکولر تاریخ کی غالباً ایک ہی مثال ہے جو ہندوستان میں بزبان عربی لکھی گئی۔ اس کا مصنف عبداللہ محمد بن عمر المکی الغ خانی جو حاجی الدبیر کے نام سے زیادہ مشہور ہیں ایک قدیم ایرانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو گجرات کے سلسلۂ

---

[1] سر ای ڈینی سن راس، مدیر "این عربک ہسٹری آف گجرات: ظفر الوالہ بمظفر والہ" مصنفہ عبداللہ محمد بن عمر المکی الآصفی الغ خانی جو حاجی الدبیر کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ کلکتہ مدرسہ کے کتب خانہ کے بے نظیر اور مصنف کے اپنے قلمی مسودہ سے تہذیب و ترتیب کردہ انڈین ٹیکسٹس سیریز، جان مرّے، ایمارلے اسٹریٹ۔ حکومت ہند کے لیے شائع کردہ۔ تین جلدوں میں۔ ج ۱، ۱۹۰۹ء میں؛ ج ۲، ۱۹۲۱ء میں اور ج ۳، ۱۹۲۹ء میں۔

بادشاہی کی بنیاد پڑنے کے زمانہ سے پٹن میں آباد ہوگیا تھا اور جس کے ارکان اس اہل دینیات کے شہر میں نامور عالم بن گئے تھے اور فقہ، نحو، حدیث اور تصوف میں فضیلت کے لیے مشہور تھے۔

حاجی الدبیر کے والد سراج الدین عمر بہادر شاہ کے خدم وحشم کے ہمراہ آصف خاں کی معیت میں مغل حملہ سے پہلے ۹۴۱/۱۵۳۴ میں مکہ معظمہ گئے تھے۔ حاجی اس مقدس شہر میں لگ بھگ ۹۴۶/۱۵۳۹ میں پیدا ہوئے اور جب آصف خاں حاجی کے والد کو مکہ شریف میں گھرانہ کے نگہبان کی طرح چھوڑ کر گجرات واپس ہوا اس وقت (۹۵۵/۱۵۴۸) حاجی کی عمر آٹھ برس تھی۔

مکہ شریف سے حاجی ۹۶۲/۱۵۹۵ میں گجرات واپس ہوئے جب کہ ان کی عمر ۱۹ برس تھی۔ ۹۶۵/۱۵۵۷ میں وہ الغ خان کے ملازم ہوگئے اور ایک مختصر وقفہ کے سوا ۹۸۰/۱۵۷۲ میں مغل حملہ تک اس کی ملازمت کی۔[1] اس مقدس شہر کے لیے گجرات کا وقف کردہ زرنقد لے کر وہ دوبارہ مکہ شریف گئے اور دوسرے سال واپس ہوکر خاندیش میں ایک دوسرے امیر سیف الملک کے ملازم ہوگئے۔ اس کے ساتھ وہ اس کی وفات تک رہے اور پھر دکن میں فولاد خاں کی ملازمت اختیار کرلی۔ ۱۰۱۴/۱۶۰۵ میں وہ اِس امیر کی میّت میں حاضر تھے اور اس کے بعد جیسا کہ سرڈینی سن راس نے لکھا ہے "حاجی کے متعلق کوئی تحریری شہادت ہمارے پاس نہیں ہے۔"[2]

حاجی ۲-۱۰۲۰/۳-۱۶۱۱ میں زندہ تھے کیونکہ انہوں نے مرآۃ سے رجوع کیا ہے۔ اسی زمانہ ۲۲-۱۰۱۵ میں وہ اپنی تاریخ کے پہلے مسودہ کی تکمیل میں مشغول تھے جس پر انہوں نے کبھی بھی نظر ثانی نہیں کی۔[3] یہ اور اس کے ساتھ اس عادت نے جس میں وہ سکندر کے شریک ہیں یعنی "ایک ہی قسم کے واقعات کے لیے تین تین طرح کی روایات (versions) پیش کرنا" ان کی تاریخ میں بہت زیادہ الجھاؤ پیدا کردیا ہے۔

۱،۲،۳ ایضاً۔ ۲، مقدمہ ص ۲۵-۲۰، ۱۹-۱۸، ۱۲-۹۔

حاجی کے خاندان کے گجرات کے شاہی خاندان کے ساتھ ان کے معاصر سکندر کی بہ نسبت بہت گہرے تعلقات تھے۔ وہ ایسی اطلاع فراہم کرتے ہیں جو یا تو سکندر کو معلوم نہ تھی یا پھر اس نے اسے نظر انداز کر دیا۔ مثلاً محمود شاہ سوم کی پرتگالیوں کے خلاف کوششیں یا اس کا مکہ ومدینہ کے لیے وقف کرنے کے لیے کھمبایت کے چند گانوؤں کا عطیہ۔

بہرکیف حاجی الدبیر کو وہ مواقع حاصل نہ تھے جو سکندر کو تھے۔ ان کی تاریخ گجرات سے باہر لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، شاید مکہ شریف میں، جیسا کہ سر راس کا قیاس ہے۔[1] چنانچہ ان کی ان "ثقہ لوگوں" تک رسائی نہ تھی جن پر سکندر نے زیادہ تر اپنے بیان کا انحصار رکھا ہے۔ لہٰذا انہوں نے خاص طور پر لکھی ہوئی تواریخ اور اپنی قوت حافظہ پر اعتماد کیا۔ یہی وجہ ہے کہ سکندر کے مقابلہ ان کا بیان محمود شاہ سوم اور مظفر شاہ سوم کے بارے میں اتنا مختصر ہے۔ ان کا کاغذ کی علیحدہ علیحدہ پرچیوں پر سکندر سے عاریتاً نقل کر کے اپنے مسودہ میں شامل کرنا ظاہر کرتا ہے کہ مرآۃ نے ان کے لیے بہت کچھ مواد پیش کیا۔[2]

لیکن اپنی تمام معذوریوں اور خلط مبحث کے ساتھ ظفر الوالہ گجرات اور ہندوستان کی عہد مغلیہ سے ماقبل کی درجہ اول کی تاریخ ہے۔ اس عہد کے لیے ایک ماخوذ مواد کی حیثیت سے بھی یہ بہت بیش قیمت ہے۔

عہد اکبری میں سلاطین گجرات سے متعلق دو اور بھی تاریخیں تصنیف ہوئیں۔ سید محمود بن منور الملک کی تاریخ سلاطین گجرات[3] اور ابوتراب ولی کی تاریخ گجرات[4]۔ اول الذکر غیر مؤرخہ ہے اور مؤخر الذکر ۹۹۳/۱۵۸۵ سے چند سال بعد لکھی گئی لیکن اندرونی

---

[1] ظفر الوالہ: ج ۲، مقدمہ ص ۱۰

[2] ایضاً: ج ۱، ص ۲۳۱ اور ج ۳، ص ۷۔

[3] نمبر ۲۷۱، بوڈلین لائبریری، آکسفورڈ: اتھے وکاؤ، محولہ بالا، ج ۱، ص ۱۴۳۔

[4] Or ۱۸۱۸، برٹش میوزیم: ریو، محولہ بالا، ج ۳، ص ۸-۹۶۷؛ ای ڈی راس، مدیر "اے ہسٹری آف گجرات" مصنفہ ابوتراب ولی۔ ببلیو تھیکا انڈیکا، کلکتہ، ۱۹۰۹ء۔

شہادت سے یہ بات واضح ہے کہ دونوں کا تعلق عہد اکبری کے متاخر حصہ سے ہے۔

اپنی تصنیف کی ابتدا میں سید محمود بن منور الملک بخاری فرماتے ہیں کہ انہوں نے سلاطین گجرات کے متعلق چند سطور تحریر کی ہیں اور اس لیے اس کا نام یہ رکھا ہے۔ اس کام کا عہد اکبری میں تالیف ہونا کئی حقائق سے ظاہر ہے۔ پہلے تو یہ کہ وہ اکبر کا نام اس سے پورے القاب کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ احمد آباد کی توصیف کے دوران[1] وہ کئی جگہوں پر ہمایوں کو جنت آشیانی کہتے ہیں۔ یہ وہ لقب ہے جو عہد اکبری میں شائع تھا لیکن اکبر کو عرش آشیانی یہ ظاہر کرنے کے لیے نہیں کہتے کہ یہ تصنیف اس وقت لکھی گئی جب اکبر ہنوز بقید حیات تھا۔ آخر میں وہ وہ مشہور تاریخ نقل کرتے ہیں جو بقول فرشتہ ان کے والد نے تصنیف کی تھی اور جو بقول بدایونی سیّد نعمت اللہ نے جو اسلام شاہ کے قریبی ندیم تھے لکھی تھی جسے نظام الدین اور فرشتہ بھی نقل کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دسویں صدی ہجری کے آخری سالوں میں مروج ہوگئی تھی۔[2]

چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ سید جلال منور الملک کے جو مظفر شاہ کے ہم عصر تھے اور جن کی سند پر سکندر اس سلطان کے تقویٰ اور فیاضی کی کہانیاں بیان کرتا ہے۔ بیٹے ہوں گے۔[3] البتہ یہ قرین قیاس ہے کہ وہ ان کی اولاد میں سے ہوں گے۔ ان کی زندگی کے بارے میں ہمیں تقریباً کچھ علم نہیں۔

''تاریخ سلاطین گجرات'' گجرات کے سلاطین کی ایک پراگندہ اور بے ربط

---

1. تاریخ سلاطین گجرات، محولہ بالا، جز ۶ب/۱ الف۔
2. طبقات، ترجمہ، ج ۳، ص ۳۹۲؛ فرشتہ متن ج ۲، ص ۴۳۹؛ ظفر الوالہ، ج ۱، ص ۳۳۰ اور ج ۳، ص ۳۹؛ تاریخ جز ۲۱/ب؛ (وی) منتخب التواریخ مصنفہ عبد القادر بن ملوک شاہ البدایونی۔ متن مدونہ ڈبلیو این لیز (ج ۱)، کبیر الدین احمد اور مولوی احمد علی (ج ۲ و ۳)۔ مترجمہ جی ایس اے رینکنگ (ج ۱)؛ ڈبلیو ایچ لووے (ج ۲) اور وولزلے ہیگ۔ کلکتہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی۔ متن ۱۸۶۹ء، ترجمہ ۱۹۲۵-۱۸۸۴ء۔ متن ج ۱، ص ۴۱۵، ترجمہ ج ۱، ص ۵۳۳۔
3. ظفر الوالہ ج ۲ میں راس سے مقابلہ کیجیے، مقدمہ ص ۶۔

روئداد ہے۔ اس میں ترتیب یا ربط کم ہے لیکن تاریخوں کے لحاظ سے نسبتاً بیش قیمت ہے اور گجرات کی تاریخ کے بارے میں کئی نئے حقائق فراہم کرتی ہے... مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ ہمایوں نے کھنبایت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔[1] وہ بہادر شاہ کے پُرتگالیوں کے ساتھ آخری مقابلہ کی بھی مفصل روئداد پیش کرتی ہے۔[2] یہ اس عصر کی تاریخ کے لیے ایک بیش قیمت لیکن ناگزیر ماخذ نہیں ہے۔

ابوتراب ولی کی "تاریخ گجرات" بہادر شاہ کے عہد اور اس کے بعد کے گجرات کی تاریخ ہے۔ بہادر شاہ کے عہد حکومت کے بیان میں یہ سابق الذکر تصنیف سے بہت مشابہ ہے، خاص طور پر ان قصوں میں جو یہ ہمایوں کی مہم گجرات کے بارے میں بیان کرتی ہے۔ بعد میں یہ گجرات میں مغلوں کی سرگرمیاں شرح وبسط سے بیان کرتی ہے لیکن اندرونی سیاست جو مراۃ میں زیادہ تفصیل سے دی گئی ہے مختصر کرتی ہے۔ بہرکیف سکندر کے برعکس ابوتراب مظفر شاہ کی ولادت کی کہانی معقول تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو اس دور میں بہت جھگڑوں کی مرکزی حقیقت تھی۔

ابوتراب کی تاریخ خاص طور پر قابل قدر ہے اس لیے اس عصر میں مصنف نے گجرات کی سیاست میں گہری شرکت کی تھی۔ حاجی دبیر کی طرح ابوتراب ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو سلاطین گجرات کی نوکری میں بوڑھا ہوا تھا۔[3] سیّد ہونے کے ناتے اور صوفیا کے مغربی سلسلہ کے ساتھ ربط وضبط رکھنے کی وجہ سے ان کے لوگ ایک خاص مرتبہ سے مستفید تھے جسے انہوں نے اپنی فضیلت علمی سے اور زیادہ بلند کر لیا تھا۔

1۔ تاریخ، جز ۱۹۲/اے؛ تاریخ گجرات ص ۲۰ سے مقابلہ کیجیے۔

2۔ تاریخ، جز ۱۹۲/بی؛ تاریخ گجرات ص ۵-۳۳ سے مقابلہ کیجیے۔

3۔ ابوتراب ولی کی سوانح حیات کے لیے تاریخ گجرات کا مقدمہ دیکھیے۔ بیورج اور بینی پرساد کا ترجمہ؛ مآثر الامراء مصنفہ شمس الدولہ اور عبدالحئی (ببلیو تھیکا انڈیکا، کلکتہ، ۳۱-۱۹۱۱ء) ج ۱، ص ۵-۱۳۳؛ اس کا متن، ج ۳، ص ۵-۲۸۰؛ آئین اکبری مں بلاخ مین (دی آئین اکبری مصنفہ ابوالفضل علامی مترجمہ ایچ بلاخ مین، کلکتہ، ببلیو تھیکا انڈیکا- ۱۸۷۳ء) ج ۱، ص ۷-۵۰۶۔

میعاد وقت کے پہلو کے پیش نظر یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ ابوتراب بہادر شاہ کے عہد حکومت میں کسی بلند منصب پر فائز تھے۔ جن ابوتراب کا ذکر سکندر کرتا ہے وہ حکمران کے دربار میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے کوئی دوسرے آدمی رہے ہوں گے۔

ابوتراب ولی کا انتقال ۱۰۰۵/۱۵۹۶ میں ہوا اور مرآۃ کا حوالہ ۹۳۸/۱۵۳۲ کا ہے۔ اس ممتاز رتبہ پر پہنچنے کے لیے جو کہا جاتا ہے کہ وہ اس پر فائز تھے انہیں کم سے کم ۳۰ یا ۳۵ برس کا ہونا چاہیے اور اس طرح اگر وہ وہی آدمی تھے تو انتقال کے وقت ان کی عمر سو برس سے بھی زائد ہوگی جو ایک غیر قرین قیاس امکان ہے۔

مرآۃ - تاریخ کے لحاظ سے

جس حد تک مرآۃ نے اپنی مدِ مقابل تاریخوں کو ماند کر دیا ہے اسے تعجب انگیز کہہ سکتے ہیں۔ اپنی پیش رو تصانیف جیسے کہ بہادر شاہی سے وہ اس درجہ سبقت لے گئی کہ اس کے (بہادر شاہی کے) کسی مخطوطہ کا وجود میں ہونا معلوم نہیں جبکہ خود مرآۃ کے مخطوطات سترہویں اور اٹھارویں صدی میں بڑی تعداد میں پائے جانے لگے۔ حاجی الدبیر سے لے کر بعد کے مصنفوں نے اس سے بہت سا مواد عاریتاً لیا یہاں تک کہ علی محمد نے مرآۃ احمدی میں سلاطین گجرات کے ابواب میں اسی کا اختصار پیش کرنے سے کچھ زیادہ کام نہیں کیا۔[1] اگر یہ اس دور کی سیاسی اور ثقافتی تاریخ کے لیے اتنا عمدہ ماخذ نہ ہوتی تو یہ کہنے کی رغبت ہوتی کہ یہ قدر شناسی مرآۃ کی اپنی عمدگی کی حدود سے بالاتر تھی۔

تاہم طبقات اکبری، گلشن ابراہیمی، ظفر الوالہ، تاریخ الفی اور نئی دریافت شدہ مآثر محمود شاہی جیسی تواریخ، سید محمود کی تاریخ سلاطین گجرات اور ابوتراب ولی کی تاریخ گجرات کا ذکر نہیں، ایسے مآخذ ہیں جو مرآۃ سے جدا ہیں اور اس دور کی کسی بھی تاریخ کے لیے ناگزیر ہیں۔ دراصل کئی قدرتی اختلافات کے ساتھ مرآۃ اور پہلی چار مذکورہ تاریخوں کے درمیان ایک مشابہت ہے، وہ مشابہت جو مشترک ماخذوں پر انحصار سے پیدا ہوئی ہے۔

---

[1] مرآۃ احمدی، محولہ بالا، جلد ۱، ص ۹۶-۴۱۔

سیاسی تاریخ کے لیے یہ بات دل کڑا کر کے کہی جاسکتی ہے کہ نظام الدین اور فرشتہ بہتر اور زیادہ تجربہ کار مؤرخ تھے اور سکندر کو اپنے مربیوں یعنی دھولقہ کے بخاری سادات کے بارے میں جو حسن ظن تھا اس سے کم متاثر ہوئے تھے۔

گجرات کے ابتدائی سلاطین کے معاملہ میں سکندر کی تصنیف بلاشبہ کمزور ہے۔ مثلاً وہ احمد شاہ اول کے عہد حکومت کے آخری سالوں کا بیان ناقابل توجیہ طور پر نظر انداز کر دیتا ہے۔ یہ وہ خلاء ہے جو بیلے نے طبقات اکبری سے رجوع کر کے پُر کیا ہے۔ وہ مضبوط بنیادوں پر ہوتا ہے جب کام کرنے کے لیے اس کے پاس بہادر شاہی اور دوسری تواریخ ہوتی ہیں۔ اور وسطی سلاطین گجرات کا بیان دوسری تواریخ کے تقریباً مشابہ کہا جاسکتا ہے۔

محمود شاہ سوم کی تخت نشینی کے ساتھ ہی سکندر وہ وقعت حاصل کر لیتا ہے جس کا وہ صحیح معنی میں مستحق ہے جس کے لیے اس نے ان معلومات پر اعتماد کیا جو اس نے اپنے والد اور بھائی سے حاصل کی تھیں۔ اس کی اندرونی سیاست کے احوال کی ادائیگی، وہ جھگڑے نمٹے جنھوں نے گجرات کے تخت کو اس کے آخری سالوں میں پھانس لیا تھا کسی بھی تاریخ سے زیادہ مفصل کہی جاسکتی ہے۔ لیکن یہاں بھی سکندر نظر انداز کرنے کا قصور وار ہے۔ وہ مظفر شاہ سوم کے حسب نسب سے متعلق شبہ کے بارے میں جس نے اس عہد کے جھگڑوں پر حاشیہ چڑھایا تھا ایک لفظ بھی نہیں کہتا۔

چنانچہ جہاں تک سیاسی تاریخ کا تعلق ہے، مراۃ، طبقات اور گلشن جیسی محتاط اور حقیقی مغلیہ تواریخ کے مقابلہ میں یقیناً سبقت نہیں لے جاتی لیکن جب وہ داستانیں اور حکایتیں سنانے، اس عہد کی تاریخ پر ضمنی تشریحات اور سیرت کے خاکے کھینچنے پر آتی ہے تو مراۃ فی نفسہٖ درجۂ اعلیٰ کی ایک بے نظیر چیز بن جاتی ہے۔

فرشتہ جیسے دوسرے مؤرخ بھی اس قسم کی حکایتوں کے رسیا ہیں لیکن سکندر نے جیسا کہ وہ خود اپنے دیباچہ میں لکھتا ہے حقائق و حکایات کی تحقیق کے لیے خاص جدوجہد کی

تھی۔ ایسی حکایات اس کے پورے بیان میں بکھری ہوئی ہیں۔ ہر عہد حکومت کی روئداد کو اس نے ایسی حکایات سے جو حکمرانوں کے زہد و تقویٰ، فیاضی اور فیض رسانی کو منعکس کرتی ہیں، سجایا ہے۔ محمود شاہ بیگڑہ اور اس کے جانشین مظفر شاہ کا یہ خاص معاملہ ہے۔ کئی معلومات افزا حکایتیں ان سلطانوں کے تقویٰ اور عظمت کو واضح کرتی ہیں جو سلطنت کی تاریخ میں بے شک عظیم ترین تھے۔ کہانیوں کی طرف یہی رغبت ہے جو سکندر کو کبھی کبھی ایک ہی واقعہ کے لیے تین تین روایات کے نقل کرنے پر اُکساتی ہے۔ مثلاً محمود شاہ سوم کے قتل کا واقعہ جہاں ہمارے پاس روایت کی ایک نمایاں کیفیت مخطوطۂ حیدرآباد کے متن میں ہے وہ دوسرے متون سے معنوی طور پر مختلف ہے اور یہ قصور ہے۔ بظاہر مصنف کی زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے اور قاری کے سامنے رکھ دینے کی فکر کا۔ خود کو فیصلہ کرنے کے مشکل مقام میں محسوس کرتے ہوئے سکندر نے سارا مواد قاری کے سامنے رکھ دیا ہے اور حقیقت کی چھان بین کرنے کا کام اس کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

یہ قصے جو غالباً صحیح معنی میں تاریخی نقطۂ نظر سے زیادہ قابل اعتبار نہیں ہیں مرآۃ کے کچھ بہت زیادہ بیش قیمت حصوں کی تشکیل کرتے ہیں کیونکہ وہ ان خصوصیات کے اشاریہ کے طور پر مفید ہیں جو اس عصر میں مجموعی طور پر راسخ تھیں، وہ اقدار اور توہمات جو اس دور کے لوگوں میں طبعی تھیں۔ یہ اس سیاق میں ہے کہ دوسری خصوصیت جو مرآۃ کو ممتاز بناتی ہے پورے طور پر نمایاں ہوتی ہے۔

یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ عمداً یا اس کے برخلاف سکندر بٹوہ اور دھولقہ کے بخاری سادات کی تاریخ لکھنے پر اتنا ہی مائل تھا جتنا کہ سلاطین گجرات کی تاریخ لکھنے پر۔ ازمنۂ وسطیٰ کے تمام لوگوں کی طرح وہ کرشموں میں کامل عقیدہ اور اہل تقویٰ کے لیے انتہائی شدید احترام رکھتا تھا اور اس معاملہ میں مزید برآں اس کی دھولقہ کے بخاری سادات کے لیے خاندانی وفاداری بھی تھی۔

سکندر کی یہ جانبداری بلاقصد اس عہد کے نظام سیاست کا وہ رخ پیش کرتی ہے

جو بصورت دیگر پوشیدہ رہتا یعنی مملکت دینی و دنیاوی اہل اقتدار کے درمیان مخفی اور گاہے گاہے علانیہ مقابلہ۔ عالم و حاکم، ولی اور سلطان کے درمیان اتحاد و اختلاف کبھی اتنا مکمل نہ تھا کہ اس میں رقابت داخل نہ ہو جائے۔ اور گجرات میں قطب الدین شاہ کے وقت سے لے کر سکندر شاہ کے وقت تک جبکہ سلطنت اپنے اوج شباب پر تھی احمد آباد شاید ہی بنوہ کی رقابت سے خالی رہا۔ اس مخفی کشمکش کا سکندر غیر شعوری طور پر قلمبند کرنے والا بن جاتا ہے اور ہم گجرات کی سلطنت کی اس رخ کی کماحقہٗ تصویر کشی دوسرے مؤرخ کے یہاں نہیں پاتے۔

اگر ہم اس ذاتی نصب العین کو سمجھ لیں جو سکندر نے اپنے پیش نظر رکھا تو شاید یہ ہمیں سکندر کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد کرے یعنی استناد کا وہ طریقۂ کار جس سے وہ آدمیوں اور واقعات پر رائے قائم کرتا تھا۔ کئی طرح سے سکندر اپنے وقت کا نمائندہ، اس کی قوت اور کمزوریوں میں حصہ دار تھا۔ اس کے نزدیک ایک حکمران کی اہم ترین صفات ذاتی شجاعت، سخاوت اور دین سے وفاداری تھیں جو مطلوبہ فرائض کی ادائیگی اور مقدس آدمیوں کے احترام سے ظاہر ہوں۔ ہوس رانی ایک منفی قدر نہ تھی اور ایسے ہی اعتدال کے ساتھ مے نوشی۔ شراب کی معتدل عادت یا شوق ایک معمولی خصوصیت تھی بجز اس صورت کے کہ حکمران استثنائی طور پر مظفر شاہ کی طرح متقی ہو جس میں یہ پرہیزگاری ایک مثبت صفت بن گئی تھی۔

ایک حکمران کی حیثیت سے اسے فیض رساں اور شریف ہونا تھا لیکن کمزور نہیں۔ مکروہ ترین صفت اس میں اول تو بزدلی ہو سکتی تھی جس نے محمد شاہ کے معاملہ میں اس کا تخت بجا طور پر گنوایا یا خست طبع جو داؤد شاہ کی توجیہ کرتی ہے۔ خواہ مخواہ کی سفا کی بھی اگرچہ اس کی اہمیت گھٹائی نہ جائے سمجھی جاتی تھی، لیکن یہ عیوب نہیں۔ اور اس سلسلہ میں دوسری چیز تھی دین کی طرف کم التفاتی۔ قطب الدین شاہ کے حضرت شاہ عالم کی عطا کردہ تلوار سے مارے جانے میں سکندر نہ صرف ایک تمثیلی انصاف دیکھتا ہے بلکہ اس کی نظر میں

اِس واقعہ میں ایک قسم کا جبر ومکافات ہے، ایک پاداش عمل جس نے طریق راستبازی سے بھٹکے ہوئے خطا کار بادشاہ کو ناگہاں آلیا۔ اور یہاں سکندر نے جن باتوں کا شمار کیا وہ فلفسیانہ حقائق نہیں بلکہ ظاہری مذہبی رسومات اور فرائض کی باتکلف بجا آوری ہے۔

مزید برآں، احترام اولیا سکندر کی نظر میں ایک بہت ہی مثبت قدر تھی اور ان کے ساتھ جتنی زیادہ تواضع دکھلائی جاتی اتنی ہی بڑی وہ اخلاقی خوبی تھی۔ مرآۃ میں ایسی بے شمار حکایات ہیں۔ مثلاً ملک محمد اختیار کی حکایت جس میں ترک مال وزر کو ایک واضح اخلاقی عالی حوصلگی بتلایا گیا ہے۔ اسی طرح وہ اس آمادگی کو جو کبھی کے بااقتدار امیر اور محمود شاہ بیگڑہ کے معتبر محرم اسرار نے اپنے مرشد ملاّ کبیر کی ادنیٰ خدمات انجام دینے کے لیے اختیار کی پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔

تقویٰ، نفس کشی، استقامت اور جسمانی ضروریات وحظوظ نفس کا ترک تھیں جو سکندر کی نظر میں ایک صوفی ولی کے لیے ضروری تھیں۔ اسی طرح فضیلت علمی ایک عالم کے لیے۔ کسی سلطان کی کوئی خاص منزلت نہیں تھی بجز اس صورت کے کہ وہ علماء کا قدرداں ہو، شعراء کو انعامات دیتا ہو اور فنون لطیفہ۔ تعمیرات سے چمن بندی تک اور موسیقی سے خوشنویسی تک۔ کا سرپرست ہو۔ سکندر کو اس پر بجا ناز تھا کہ سلاطین گجرات لوگوں کی قدر کرنا جانتے تھے۔

یہ وہ صفات تھیں جن کے ساتھ سکندر نے لکھا اور جو اس کی تصنیف کے تاروپود کا جزو لاینفک بن گئیں۔ ان صفات کا قائل ہونے میں سکندر منفرد نہ تھا کیونکہ یہ وہ صفات تھیں جو ان دنوں عام طور پر ذہن وخیالات پر چھائی ہوئی تھیں۔

مجموعی طور پر سکندر کی تاریخ ایک دلی مخلصانہ کوشش تھی اس عہد کو سمجھنے اور اسے دوبارہ زندہ کرنے کی جو خود سکندر ہی کے زمانہ میں باقی نہ رہا تھا۔ یہ دعویٰ کرنا کہ سکندر میں کوئی بیجا طرفداری نہیں تھی ایک نامنصفانہ بات ہوگی۔ سطحی طور پر بھی یہ بتلانا آسان ہوگا کہ وہ ناواجب طور پر اپنے چند پیشروؤں مثلاً آرام کشمیری کے ساتھ بے تعصب نہیں تھا۔

لیکن اس نے حقیقت کی تلاش کی کوشش ضرور کی، ایک پُر مشقت کوشش جو شاید کئی سالوں پر پھیلی ہوئی تھی اور اس نے جن باتوں کو سچا سمجھا انہیں حیطۂ تحریر میں لانے کی زحمتیں برداشت کیں۔ اس کا ماحصل اُس سرزمین کی تاریخ تھی جس سے اسے محبت تھی۔ ایسی تاریخ کسی بھی سرزمین اور کسی بھی عہد کے لیے باعث افتخار ہو سکتی تھی۔

سکندر بن میاں منجھو، مصنف مرأۃ

مغلیہ عہد کے کئی دوسرے تاریخ نگاروں کی طرح سکندر وسطی درجہ کا سرکاری ملازم تھا۔ نہ تو اعلیٰ ترین افراد حکومت میں بہت اونچے مقام پر اگرچہ مرأۃ کے ایک مخطوطہ میں ایک خوشامدانہ کتبہ "ندیم جہانگیر" ہونے[1] کا اشارہ اس کی طرف ہے اور نہ ہی ادنیٰ ملازمتوں میں محض ایک معمولی عہدہ دار۔

اپنی تصنیف کے شروع میں وہ خود کو "سکندر ابن محمد عرف منجھو ابن اکبر" کہتا ہے۔ جہانگیر اور اعتماد الدولہ دونوں اس کو شیخ سکندر کہتے ہیں۔ محولہ بالا کتبہ میں اسے "مولینا سکندر" کہا گیا ہے۔[2] یہ توصیفی القاب اس کی فضیلت علمی اور تقویٰ کی جس کی شہرت اسے اپنی کتاب کی وجہ سے حاصل ہوگئی تھی تصدیق کرتے ہیں۔

اگرچہ جہانگیر شیخ سکندر کو گجراتی کہتا ہے لیکن اس کے والد گجرات میں ہمایوں کے ہمراہ شاہی ملازم اور مہتمم کتب خانہ کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ یہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ وہ (والد) مغلوں کے ہمراہ وسطی ایشیا سے آئے تھے اگرچہ یہ بات قطعی طور پر یقینی

---

[1] ریو: محولہ بالا، ج ۱، ص ۲۸۷۔

[2] پونے کے متن کے سرورق کا کتبہ جس کا چغتائی نے بلیٹن محولہ بالا، ص ۱۲۸ پر ذکر کیا ہے۔ تزک جہانگیری یا میمائرز آف جہانگیر اور مغل ٹرانسلیشن فنڈ، لندن، رائل ایشیاٹک سوسائٹی، ۱۹۰۹ء، ص ۳۴۷۔ ریو محولہ بالا، ج ۱، ص ۲۸۷۔

نہیں۔[1] اس حیثیت سے میاں منجھو شہنشاہ کے ہمراہ مالوہ اور گجرات کی مہم میں ساتھ رہے لیکن بعد میں یا تو وہ ہمایوں کے ساتھ آگرہ واپس نہیں گئے یا جب شمالی ہندوستان میں مغلیہ دولت واقبال کا المناک تنزل ہوا تو وہ گجرات لوٹ آئے۔

کیونکہ آئندہ ہم ان سے سید مبارک بخاری جو اس گروہ کے ایک ممتاز رکن تھے جو محمود شاہ دوم کی وفات کے بعد عروج میں آیا، کے معتمد علیہ نائب اور روحانی مرید کی حیثیت سے واقف ہوتے ہیں۔ اس گروہ کے لوگوں نے احمد شاہ دوم کو تخت پر بٹھایا اور اس کے نام سے حکومت کے حصے بخرے کرکے حکمرانی کی یہاں تک کہ ناگزیر باہمی لڑائیوں نے پورے ڈھانچے ہی کو ڈھادیا۔

سید مبارک کے نائب کی حیثیت سے شیخ محمد عرف میاں منجھو - انہیں ان کے پورے نام سے مخاطب کرنے کے لیے- خاندیش کے مبارک شاہ کو جب اس نے گجرات کے طفل صغیر سلطان کے مقابلہ میں اپنا دعویٰ جتانے کے لیے احمد آباد کی طرف کوچ کیا قائل کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ یہ کار مفوضہ میاں منجھو نے حسن تدبیر اور حکمت عملی سے انجام دیا حتیٰ کہ ان کا مدمقابل بھی اتنا خوش ہوگیا کہ اس نے انہیں انعام دینے کے لیے کہا- وہ پیشکش جو میاں منجھو نے اپنے آقا کے ہاتھوں اس سے بڑا انعام پانے کے لیے اپنی حسب معمول شاطری کے ساتھ لینے سے انکار کردیا۔

اس کے مادّی انعامات جو کچھ بھی ہوں، میاں منجھو اور ان کے بیٹے کی اپنے مربیوں کے لیے وفاداری مطلقاً سچی معلوم ہوتی ہے جیسا کہ سکندر کی پوری تصنیف اس کی شاہد ہے۔ سکندر جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے اس سال پیدا ہوا جب محمود شاہ دوم کو شہید کردیا

---

1. چونکہ مغل فارسی ہی نہیں ترکی بھی پڑھتے تھے اس لیے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ ان کا مہتمم کتب خانہ بھی اس زبان کا ماہر ہوگا لہٰذا ممکن ہے کہ وہ بھی وسطی ایشیا کے گھروں سے ان کے ہمراہ آیا ہے۔

گیا۔ جب یہ حادثہ فی الواقع حادث ہوا سکندر "طفل شیر خوار" تھا لیکن اس کے والد اور بڑے بھائی شیخ یوسف ان واقعات سے آگاہ تھے۔

ان جھگڑوں کے دوران جو مبارک شاہ کی واپسی پر واقع ہوئے اور بادشاہت ان بادشاہ سازوں میں بٹ گئی، میاں منجھو نے سید مبارک کے سفیر، وکیل اور معتمد علیہ ہمراز کا اہم کردار ادا کیا۔ دوسرے امراء بھی جو اکثر سید کے ساتھ جھگڑتے تھے ان کی مہارت کی تعریف کرتے ہیں اور سید مبارک بھی ان کی خدمت کی بڑی قدر کرتے اور ان کے مشوروں کو غور سے سنتے تھے۔

محمود آباد کے قریب کی جنگ کے بعد جس میں سید مبارک شہید ہوئے، میاں منجھو نے ان کے بیٹے سید میران کی خدمت میں رہنا جاری رکھا اور ان کے لیے بھی وہ سفیر اور وکیل کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد سکندر ان کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔ اب وہ خود ہی شہرت و امتیاز حاصل کر لیتا ہے۔

سید میران کا ۹۸۰/۱۵۷۳ میں انتقال ہوا۔ اکبر کے گجرات میں اپنی پہلی مہم پر آنے کے بعد سید میران کے بیٹے اور جانشین سید حامد اس سے کڑی کے مقام پر جا ملے۔ سکندر جو اس وقت بیس برس کا جوان تھا ان کی خدمت میں تھا۔ اس حال میں وہ اپنے آقا کے ہمراہ کھنبات کے محاصرہ میں جو اس وقت مرزاؤں کے تصرف میں تھا شریک تھا اور بعد میں وہ اس مہم میں شامل ہوا جس کا نتیجہ گجرات کے آخری اور بدنصیب سلطان مظفر شاہ سوم کی ہلاکت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ وہ ہلاکت جس نے اس کا سوراشٹر کے جزیرہ نما کی آخری حد تک پیچھا کیا، غدارانہ طور پر دغا سے اسے گرفتار کروایا اور بالآخر اس کی الیہ خود

---

[1] ریو، محولہ بالا، ج ۳، ص ۱۰۸۲۔ ریو کا یہ بیان میر رخشاں کی سند پر ہے جو برٹش میوزیم کے مخطوطہ میں ہے۔ میر رخشاں دہلی کے ایک ممتاز اسکالر ہیں جن کا ایک نوٹ بی ایم کے مخطوطہ تاریخ محمود شاہی سے بھی ملحق ہے اور سر سید احمد خان نے آثار الصنادید میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ترمذی محولہ بالا، ص ۱۲۳۔

کشی کا مشاہدہ کیا۔ بلاشبہ یہ المناک خاتمہ تھا اس کا جو بھی ایک عظیم الشان ڈرامہ تھا جس نے سکندر کو مدت العمر کی تلاش کے لیے اُکسایا۔

مغلوں کے دور میں سکندر اپنے مربیوں کی خدمت میں ان کی جاگیروں کے[1] منصرم کی حیثیت سے رہا یہاں تک کہ جہانگیر کے پانچویں سال جلوس کے قریب، لگ بھگ ۱۶۱۰ء میں وہ شاہی ملازمت میں داخل ہوگیا۔ ان برسوں میں وہ اپنے پسندیدہ موضوع یعنی سلاطین گجرات کی تاریخ مرتب کرنے میں مشغول رہا اور گجرات کے ''معتبر اور اہل علم لوگوں سے'' جن کے وہ اپنی تصنیف میں بار بار حوالے دیتا ہے اس نے متعدد حکایتیں اور کہانیاں جمع کیں۔ یہی وہ کوششوں کا مرکز (Study) تھا جس کا عروج اس کے شاہکار مرأۃ سکندری کی شکل میں جلوہ پذیر ہوا جو ۹ ربیع الاول ۱۰۲۰ھ مطابق ۲۹ اپریل ۱۶۱۳ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔[1]

اس تصنیف نے سکندر کو صحیح معنوں میں اس عہد پر ایک ''سند'' ہونے کی شہرت کا سزاوار بنا دیا۔ اِس نے اُس کی دوسری دلچسپیوں - ایک مرشد اور صوفی کی حیثیت سے - کو بھی دھندلا کر دیا۔ اس نے ایک اور کتاب ''نکات العارفین'' بھی جو خاص طور پر تصوف اور حکیمانہ اقوال پر مشتمل تھی تصنیف کی جس کا اب فقط ایک ہی نسخہ باقی رہا ہے۔[2]

تین برس کے بعد سکندر نے آگرہ کا سفر کیا جہاں اس نے اپنی تصنیف کی ایک نقل جہانگیر کے ممتاز وزیروں میں سے ایک کو پیش کی یعنی یُونے کا یہ موجودہ متن جس پر یہ تحریر ہے ''شیخ سکندر جو اس تاریخ کا مصنف ومؤلف ہے اس فقیر کے پاس بروز بدھ، ماہ شعبان کی ۵ تاریخ ۱۰۲۳ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۶۱۴ء کو آیا۔ کتبہ الفقیر الحقیر اعتماد الدولہ''۔

---

[1] یہ سن بوڈلین کے مرأۃ کے مخطوطہ نمبر ۲۷۳ میں درج ہے: دیکھیے دکناؤ، محولہ بالا، ج ۱، ص ۱۳۵۔ محمد علی خان نے مرأۃ احمدی، محولہ بالا، ج ۱، ص ۳۱ پر دیا ہے۔

[2] چغتائی بلیٹن، ص ۱۲۸ میں فٹ نوٹ ۲۔

اب سکندر اکسٹھ برس کا بوڑھا آدمی تھا۔ مرآۃ اس نے اٹھاون برس کی عمر میں پوری کرلی تھی اور چند ہی سال میں وہ مشہور ہوگئی تھی۔ اس کے یہ آخری سال ایسا معلوم ہوتا ہے خاموشی سے گذرے۔ جب جہانگیر اپنے بارہویں سال جلوس (۲۷-۱۰۲۶/ ۱۸-۱۶۱۷) میں اپنی سیر کے دوران احمد آباد پہنچا تو اُس نے اسے (سکندر کو) ایک حویلی میں متمکن پایا جو اپنی عمدہ انجیروں کے لیے مشہور تھی۔ شہنشاہ جو اچھے پھلوں کا شوقین تھا اس باغ کو دیکھنے کے لیے بروز جمعرات، ۸رجنوری ۱۶۱۸ء کو گیا۔ ''دن کے آخری حصہ میں''۔ وہ رقمطراز ہے ''میں شیخ سکندر کی حویلی کے چھوٹے باغ میں جو رستم خان باری کے قریب واقع ہے شام کے وقت گیا جہاں بہترین قسم کے انجیر پائے جاتے ہیں۔ شیخ سکندر گجراتی الاصل ہیں۔ وہ ایک معقول شخص ہیں اور سلاطین گجرات کے بارے میں ان کی معلومات خاطر خواہ ہیں۔ آٹھ یا نو سال ہوئے وہ سرکاری ملازمین کے زمرہ میں شامل ہیں۔''

سکندر کا یہ آخری حوالہ ملتا ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۷۵ سال کی تھی۔ کبرسنی ان کے لیے کوئی خاص تکلیف وکدورت کا سبب نہ ہوئی۔ ان کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا جاچکا تھا، ان کی خدمات کو سراہا گیا تھا حتیٰ کہ والیٔ ہندوستان نے ان کے کاشانے میں اپنے قدوم میمنت لزوم سے انہیں اعلیٰ ترین اعزاز بخشا تھا۔ لیکن اس بات کا قوی احتمال ہے کہ جہانگیر کے شیخ سکندر کی حویلی میں جانے کو، مرآۃ سکندری کی قدردانی کے بجائے ان کے باغ کے انجیروں کی خوبی پر محمول کرنا بہتر ہوگا۔ ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ انہوں نے اس دار فانی کو کب خیر باد کہا۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ ۷۵ سال کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہوگا۔

ان کی تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کا خاکہ کھینچا جاسکتا ہے۔ سکندر اپنے عہد کے ایک مخزن معلومات تھے؛ وہ پیر اولیاء اور اُن کی کرامات میں راسخ عقیدہ رکھتے تھے۔ یہ وہ عہد تھا جب پیر ہونے کے مدعی خوارق العادات کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور کرامات

کے آگے بغیر چوں وچرا ہر ایک کا سر تسلیم خم ہو جاتا تھا۔ ان کی یہ تصنیف ان کی تین قسم کی وابستگیوں پر دلالت کرتی ہے۔ اپنے ممدوحین سے وابستگی، سادات سے وابستگی اور آخری بے پناہ وابستگی ان کو اپنے حاکموں سے یعنی سلاطین گجرات سے ہے۔ گجرات کے درخشاں ماضی کے وہ گرویدہ تھے۔ گجرات بھی ان کا مالوف ہے۔ وہ گجرات جو کسی زمانے میں تابناک تھا مگر وقت کی ستم ظریفی سے اب دھندلا ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے ایک بوڑھا آدمی ماضی کی حسین یادوں میں کھو گیا ہے۔ حالانکہ اکبر کے زمانے میں گجرات کی خوشحالی محمود بیگڑہ کے عہد سے کچھ کم نہ تھی۔ مگر سکندر تو اپنے وابستگی اور الفت کے ارکان پر ایک عہد رفتہ کو تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے اس راسخ عقیدے سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔

فہرست ابواب مرآۃ سکندری

☆

پہلا باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریف ہے اس ذات کے لیے جس نے انسانوں میں سے کسی ایک شخص کو سلطان بنایا اور تیسرے درجہ میں اس کی اطاعت کا حکم دیا جیسا کہ کلام پاک کی اس آیت سے واضح ہے: "اللہ کی، اس کے رسولؐ کی اور پھر تم میں سے صاحب امر کی اطاعت کرو"۔ یہ سب سے زیادہ سچا قول ہے اور بہترین کلام ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو مخلوق میں سب سے بہتر ہیں اور پرچم اسلام کے حامل، ان پر، ا کی آل کرام پر اور اصحاب عظام پر درود وسلام ہو۔

اما بعد۔ یہ ضعیف ترین بندہ سکندر ابن محمد عرف منجھو ابن اکبر[1] اللہ اس کی اور اس کے والدین کی مغفرت کرے اور ان کی جنہوں نے ان پر اور اس پر احسان کیے یوں کہتا ہے کہ سلاطین گجرات (اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے!) کی پوری تاریخ جو ان کی سلطنت کی ابتدا سے انتہا تک کے حال کی کیفیت کو شامل ہو کسی بھی فاضل کے جواہر پرونے والے قلم سے نہیں لکھی گئی اگرچہ پہلے حلوی شیرازی نے تاریخ احمد شاہی منظوم لکھی لیکن وہ[2] احمد شاہ کے احوال کے بیان تک محدود ہے اور بس۔[3]

---

[1] ب، ز: ابن اکبر نہیں ہے۔

[2] الف: نہ شد ہے۔

[3] الف: وہ تواریخ مظفر شاہ اور احمد شاہ کے احوال پر منحصر ہے۔

[4] الف: ایک ملا نے تاریخ مظفر شاہی اور سلطان مظفر بن محمود کے نام سے لکھی اور اس کے بعد ایک شخص نے تاریخ بہادر شاہی ایسی عبارت میں لکھی کہ قرینہ وقیاس کے بغیر مدعا اس سے سمجھ میں نہیں

اس کے بعد[1] ایک فاضل نے تاریخ محمود شاہی لکھی اس میں بھی سلطان مظفر سے سلطان محمود بیگڑہ تک کے احوال کا ذکر کیا اور اس پر ختم کر دی۔ اس کے بعد ایک شخص نے تاریخ بہادر شاہی ایسی عبارت میں لکھی کہ قرینہ وقیاس کے بغیر مدعا مفہوم نہیں ہوتا۔ وہ بھی ابتدا سے سلطان بہادر شاہ کے چند احوال کے ذکر تک محدود ہے۔ احمد شاہی سلطان احمد شاہ کی زندگی میں تالیف ہوئی اور محمود شاہی سلطان محمود کی زندگی میں اور بہادر شاہی سلطان بہادر کی زندگی میں۔ ظاہر ہے کہ ان مؤلفوں میں سے ہر ایک صلہ کی امید اور بادشاہ وقت کا پاس خاطر رکھتا ہوگا۔ اس وجہ سے مذکورہ تواریخ تمام احوال کے حقائق پر مشتمل نہیں ہیں اور سوائے اس قصہ کے جو مدح پر مشتمل ہو ان صفحات میں اور کچھ تحریر نہیں ہوا حالانکہ آدمی نیکی اور بدی سے خالی نہیں چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

"دنیا میں آدمی نیکی اور بدی سے خالی نہیں رہتا
چنان آدھی کانٹوں سے بھری ہے اور آدھی گُلر[2] سے"

لہٰذا اس اندازہ کے مطابق کوئی بشر بدی کے احتمال سے خالی نہیں سوائے انبیاء اور اولیا کے جو معصوم ومحفوظ ہیں۔ اس لیے میں نے عدل کی نشانیاں رکھنے والے سلاطین گجرات کے حالات بیان کرنے میں نیکی کا ذکر کرنا اور بدی کے احتمال کو مبہم رکھنا مناسب نہ سمجھا کیوں کہ انکی اعمال وافعال کی تلاش میں اخلاق حمیدہ زیادہ پائے اور ذمیمہ کم بلکہ بعض میں تو نہ ہونے کے برابر۔ لہٰذا ثقہ لوگوں سے نیک وبد جو بھی احوال سنے اور جو کچھ تواریخ میں تلاش کرنے سے حاصل ہوئے وہ تمام حالات میں قید تحریر میں لے آیا تاکہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو کہ ان سے کس قدر نیکی وجود میں آئی اور بدی سے انہوں نے کتنا احتراز کیا ہے، امور جہانداری میں کس قسم کا سلوک ظاہر کیا اور جہانبانی کی دنیا میں کس

آتا۔ اور وہ بھی ابتدا سے سلطان مظفر بن سلطان محمود مذبور اور سلطان بہادر بن مظفر کے چند احوال کے ذکر تک محدود ہے۔ مخفی نہ رہے کہ مظفر شاہی سلطان مظفر کی بادشاہی کے دور سلطنت میں تالیف ہوئی۔

[1] ز: بعد..... اس نسخہ میں نہیں ہے۔

[2] ایک خوشبودار پھول۔

طرح کا اہتمام کیا ہے۔ لہٰذا اس مجموعہ کا نام مرأۃ سکندری رکھا تا کہ احوال کا چہرہ اس میں بلا کمی بیشی کے دیکھا جا سکے۔ بیت

صاف دل جس سے پیدا ہوا اس کے منہ پر بھی سچ کہہ دیتا ہے

عیب بتلانے میں آئینہ یہ نہیں دیکھتا کہ یہ سکندر ہے

حالانکہ اس کمینہ کا وقت فکروں کا ایسا مقتضی تھا کہ اگر بصد تکلف ہمت کر کے کاغذ وقلم ہاتھ میں لیتا تو اچانک ایسا بگولا اٹھتا کہ قلم کو ہاتھ سے اتنی دور پھینک دیتا جیسے چٹکی سے تیر[1] اور آندھی کاغذ کو بچوں کا ورق بنا دیتی تھی لیکن چونکہ اس مجموعہ کا عزم پکا ہو چکا تھا اس لیے بزرگوں کی ہمت سے مدد اور ان حضرات سے بھیک لے کر پھر لکھنے میں مشغول ہو جاتا اور کچھ مربوط و نامربوط فقرے ترتیب دیتا اور[2] جب تحقیق وتلاش کرتا چند حقیر ٹھیکریاں اور سطحی خیالات کو گونتھ دیتا اس مقتضا سے کہ ہر چند مال کھوٹا ہے کھوٹا مال بیچنے والا اس کے جمع کرنے والا ناچار ہے اور اس کے سنوارنے میں بے اختیار۔ ان فقروں کو مرتب کر کے دائرۂ تحریر میں لاتا رہا اس امید پر کہ جب یہ بلغاء دیندار اور فضلاء صالح کے شرف مطالعہ سے مشرف ہوں گے تو وہ ان حقیر فقیروں کی لڑی کو تسبیح کے شمار میں رکھ کر اس بے بضاعت فقیر کو معذور رکھیں گے کیوں کہ تسبیح موتیوں کی ہے یا سیپ کی اس لڑی کی علت غائی جھگڑوں اور قصوں کی تفہیم وتعلیم ہے سلف کے معاملوں پر فکر کرنے ارخلف کے عبرت پکڑنے کے لیے جو اس کی عبارات کے مطالعہ سے سمجھ میں آتی ہے۔ ہر چند کہ وہ فصاحت وبلاغت جو فصحاء اور بلغاء کے کلام میں ہوتی ہے اس میں نہیں ہے۔ بیت

معاف کیجیے وہ جو مرد حق ہوتے ہیں

وہی بے رونق دوکان کے خریدا ہوتے ہیں

اب اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس تاریخ کی غرض وشرح کا بیان شروع ہوتا ہے:

---

[1] ز: ''اور آندھی کاغذ کو بچوں کا ورق بنا دیتی تھی'' نہیں ہے۔

[2] ز: اور جب بوجھ بھاری ہو جاتا۔

دوسرا باب

سلاطین گجرات کے بلندیوں سے نسبت رکھنے والے سلسلۂ انساب کا ذکر (اللہ تعالیٰ انہیں آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھے!)

بیت

تجوں[1] کی صورت پیش کرنے والا
اس داستان کو یوں لکھتا ہے

ان میں سے پہلا شخص جو شرف اسلام سے مشرف اور ایمان کی صفت سے موصوف ہوا[2] سدھارن تھا جس کا خطاب (بعد میں) وجیہ الملک ہوا۔ یہ جس کی طرف اشارہ ہوا قوم تاک[3] سے ہے۔ ہندوؤں کی تاریخ میں لکھا ہے کہ تاک اور کھتری ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ان میں سے ایک نے شراب خواری کی طرف رغبت ظاہر کی تو کھتریوں نے اسے اپنی قوم سے خارج کر دیا۔ ایسے ذات باہر آدمیوں کو ہندوی زبان میں تاکیا[4] کہتے ہیں یعنی قوم سے باہر نکالا ہوا آدمی۔ پھر اس وجہ سے کھتریوں[5] کے رسم و آئین اور ان کا دین تاک سے الگ ہو گئے۔ اور ہر ایک نے اپنے طریقہ پر چلنا اختیار کیا۔

---

1. ز: "باستان"
2. الف: سہارن
3. ز: تانک
4. ز: "تانک"
5. ز: تانک کے دین و آئین الگ ہو گئے۔

سدھارن کے باوہ کا نام ہر چند ہے۔ ابن ہرپال[1] بن کنور پال بن ہرپال بن بنس پال[2] بن دھر[3] بن پیلپال[4] بن کنور پال بن دریمن[5] بن کنوری بن ترلوک بن سولاہن بن جولاہن[6] بن مندی بن ابھی مندن بن بھوگت بن تاکت بن ابھیین دولہ بن مھو بن سھو۔ ان کا سلسلۂ نسب رام چند پر منتہی ہوتا ہے جنہیں ہندو خدا کے طور پہ پوجتے ہیں۔

---

[1] الف: ہیرپال بن ہرپال بن بنس پال بن دھر بند بن بنس پالبن کنور پال بن دریمن بن دوس بن کنوری بن ترلوکمن سولاہن بن مندی بن ابھی من بن بھوگت بن تاکت بن ابھی بن ترلوک بن دولہ بن مھو بن سھو۔

[2] ز: کندرپال بن ہرپال

[3] ب: دھیدہ

[4] ز: ہربن

[5] ز: دریمن بن درسپ بن کنور بن ترلوک

[6] ز: سولاین

تیسرا باب

عدالت کی نشانیاں رکھنے والے سلاطین گجرات کی سلطنت کی حکومت کی ابتدا کا ذکر

بیت

اس روح بخش دفتر کے لکھنے والے نے
احسان کے میدان میں گھوڑا یوں دوڑایا

ان میں سے پہلا شخص جو مسند حکومت پر بیٹھا ظفر خان بن وجیہ الملک تھا۔ اور پہلا شخص جس نے تخت سلطنت پر جلوس کیا سلطان محمد بن ظفر خان الموسوم بہ تاتار خان تھا۔ کہتے ہیں کہ خدائے رحمٰن کی عنایت سے سلطان عالیشان ابو المظفر[1] فیروز شاہ کو جو عہد کے سچے اور زمانہ کے عادل بادشاہ دہلی سلطان محمد بن تغلق[2] کا چچازاد بھائی تھا شکار کا بہت زیادہ شوق رکھتا تھا۔ اس درجہ کی پرانے اور نئے عالی مرتبت بادشاہوں میں سے کوئی بھی اس کی طرح ماہر و کامل نہ تھا۔ بہرام گور کے بعد کسی نے بھی شکار کا پیشہ پر اتنا غور نہیں کیا چنانچہ آج بھی شکار کے رسیا[3] اس کام کے شروع میں اس عالی رتبت بادشاہ کو یاد کرتے اور اس کی روحانیت سے مدد مانگتے ہیں۔

ایک دن، اس سے پہلے کہ شوکت شاہی اور شکوہ بادشاہی سے موصوف ہو اس نے شکار کے شوق کا ارادہ کر کے گھوڑے کو ہرنوں کی چراگاہ کے میدان کی طرف دوڑایا

---

[1] الف : ابو المظفر فیروز شاہ ابن عم سلطان محمد تغلق شاہ۔
[2] ب : سلطان عالی شان۔
[3] ز : تمام اہل شکار

تھا۔ شکار کرتے کرتے وہ اتفاقاً لشکر سے جدا ہوگیا۔ جب سنہری گورخر[1] (سورج) رات کے شبدیز کے ڈر سے بھاگنے لگا اور نقرئی رنگ کے ہرن[2] (چاند) نے آسمان کے کھیت میں جلوہ دکھانے کا ارادہ کیا تو اس کی طبیعت حیوانی کا پرندہ آشیانہ ڈھونڈنے لگا۔ دور سے قصبۂ تھانیسر[3] کے مضافات کا ایک گاؤں نظر پڑا تو گھوڑے کی لگام اس طرف موڑی۔ دیکھا کہ گاؤں کو چوپال میں، زمینداروں کی ایک جماعت بیٹھی ہے۔ چنانچہ گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھ گیا اور ان میں سے ایک کو کہا تو اس نے موزہ پاؤں سے اتارا۔ اُس آدمی کو علم قیافہ شناسی اور فن فراست کی پوری معلومات اور[4] حصۂ وافر حاصل تھا۔ اس کی نظر ناگہاں سلطان کے پاؤں کے تلوے پر پڑی جس میں اس نے بادشاہی کی علامات اور شہنشاہی کی نشانیاں مشاہدہ کیں۔ اس نے اپنے دوستوں سے کہا کہ سوائے بادشاہ کے کسی کا پاؤں ایسی علامتوں سے منقش نہیں ہوتا۔ یہ آدمی درحقیقت تاج شاہی اپنے سر پر رکھتا ہے یا آسمان اس کی کارسازی کے درپے ہے عنقریب اسے دولت بادشاہی اور شانِ صاحب کلاہی کو پہنچائے گا۔

گاؤں اور اس کے حوالی کے مکھیا دو بھائی تھے۔ ایک کا نام سادھو اور دوسرے کا سدھارن[5] تھا جن میں سے ہر ایک سامان واسباب رکھنے میں مشہور تھا۔ ایک اشارہ میں ہزاروں سوار اور ہزارہا پیادے ان کے سامنے جمع ہوجاتے تھے۔ دونوں نے زمین خدمت کو بوسہ دے کر کہا کہ اگر آج رات ہمارے چھوٹے سے تنگ وتاریک گھر کو اپنی تشریف آوری کے نور سے روشن فرمائیں تو۔

---

1 ز: گوزرین آفتاب

2 ز: سیمگون ماہتاب

3 ز: تہانیو

4 ب: "حصۂ وافر حاصل تھا" نہیں ہے۔

5 الف: سہارن

اُس طرف[1] ان کا کمال نقصنا پذیر نہ ہوگا
اور اِس طرف ہمارے لیے شرف روزگار بنے گا

سلطان نے قبول کیا۔ دونوں بھائی پوری رات پاؤں پر کھڑے خدمتگاری کی داد دیتے رہے۔ سادھو کی بیوی ایک عقلمند عورت تھی۔ تیزی فہم اور ذکاوت طبع کا پورا حصہ رکھتی تھی۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ اگرچہ اس مرد کی پیشانی سے بزرگی کی شان اور دولتمندی کا شکوہ ظاہر اور نمایاں ہے لیکن جب تک کوئی امتحان کے راستہ پر نیک روی نہ دکھائے اعتماد کے لائق نہیں ہوتا۔ اور وہ (امتحان) یہ ہے کہ پہلے مجلس کی دُلہن کو شراب کے زیور سے آراستہ کیا جائے تا کہ اس کے چکھنے سے آزمائے جانے والے کا جوہر بغیر کسی تکلف یا تردد کے ظاہر ہو جائے کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے۔ بیت

شراب کہ جس نے مردوں کے جسم سے عرق کھینچا
اس سے ہر مرد کا جوہر آشکارا ہوگیا

شراب ارغوانی اور راح ریحانی (پھولوں کی شراب) کہ ۔ بیت

عکس کی طرح اگر کوئی اس کا جرعہ چکھتا ہے
تو جذب شوق اس کا گریبان اس طرح کھینچتا ہے
کہ وہ لوہے کی قید سے مثل شرار نکلتا ہے
اور آئینہ دار کے قدموں پر سر رکھ دیتا ہے

لائی گئی۔ سادھو کی بہن نے جو جمال صورت اور کمال حسن میں اپنا نظر نہ رکھتی تھی پیالہ بھر کر سلطان کے ہاتھ میں دیا اور بولی:

"پیالوں کی طرف دیکھیے جو دولھن کی طرح چمک رہے ہیں"

سلطان نے پوری اشتہا کے ساتھ پیالہ اس کے ہاتھ سے لے کر نوش جان کرلیا۔ جب اس کے تین ایک پیالے چکھ لیے تو طبیعت کی کلی کھل گئی اور بولا۔

---

[1] ر: تیرا کمال

ساقی کے کرشمہ سے میرا حال عجیب ہے
اس کا جمال نظر میں ہے لیکن شوق ویسا ہی باقی ہے

وہ کھیل کی طرف راغب اور اختلاط کی طرف مائل ہوا۔ سادھو کی بیوی نے جب سلطان کو ساقی کا شکار دیکھا تو ادب کے ہونٹوں سے زمین خدمت چومی اور ادب آمیز اور کلامِ شوق انگیز کے ساتھ گویا ہوئی۔ اس نے ہر طرح کی باتیں شروع کیں اور بات کو یہاں تک پہنچایا کہ سلطان کے حسب ونسب[1] کے بارے میں[2] پوچھنے لگی۔ مضمون اس کا یہ تھا کہ اگر آپ ان خادموں کو اپنے حسب ونسب کی کیفیت سے مطلع فرمائیں تو ہم یہ لڑکی جو حور انور سے بہتر ہے آپ کی زوجیت میں دے دیں گے۔ سلطان نے کہا کہ میرا نام فیروز خان ہے۔ میں سلطان عالی شان محمد بن تغلق کے بھائی کا بیٹا ہوں۔ بادشاہ جمجاہ نے مجھے اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے اور میرے علَم ودولت کو اتنا اونچا کیا ہے۔ سادھو کی بیوی نے اس حقیقت سے اپنے شوہر کو آگاہ کیا اور بولی کہ ہمائے دولت اور عنقائے عزت ہم نامرادوں کے سر پر سایہ فگن ہوا ہے۔ یہ شہزادہ تمہاری بہن کی خوبصورتی کے دام میں پھنس گیا ہے۔ اگر[3] ہو سکے تو اسے اپنے ہاتھ پر بٹھا لو۔ اس کا فیض مایۂ سربلندی اور[4] مایۂ دولت مندی بخشے گا۔ سادھو نے اسی وقت اپنی بہن کو سلطان کے نکاح میں دے دیا۔ سلطان نے وہ رات پورے عیش اور ناقابل بیان نشاط میں بسر کی۔

جب رات کا سیاہ پردہ اٹھ گیا اور آفتاب کی ریشمی لباس پہنی ہوئی دلہن حجلۂ افق سے نمایاں ہوئی تو سلطان نے خوشی کے ساتھ بسترِ ناز سے سر اٹھایا اور اس کے سپاہی ہر طرف سے آ گئے۔ [بیت]

1۔ الف: ''پوچھنے پر اپنے حسب ونسب کی حقیقت سے اسے مطلع کیا۔''
2۔ ز: نہیں ہے۔
3۔ ز: اگر ہو سکے تو اپنی بہن اسے دے دو اور اس کے وصل کو مایۂ دولتمندی اور سرفرازی سمجھو۔
4۔ الف: پایۂ دولتمندی

کمانیں تھامے ہوئے پہلوان، شکاری ترکش رکھے ہوئے اور تیر انداز غلام
کسی کے بدن پر ریشمی قبا تھی تو کسی کے سر پر خسروانی کلاہ
انہوں نے ادب سے اپنا سر، زمین پر رکھا
لشکر کی موج سے زمین دریا بن گئی

پھر سلطان شہر کی طرف روانہ ہوا۔ سادھو اور سدھارن[1] دونوں بھائی سایہ کی طرح ہمسایہ بن کر ساتھ روانہ ہوئے اور دونوں نے خود کو اس طرح خدمت کا پابند بنالیا کہ ایک لحظہ کے لیے بھی سلطان کے حضور سے قدم باہر نہ نکالتے تھے۔ سلطان کو ان کی بہن سے پوری الفت پیدا ہوگئی۔ آخرکار تھوڑی ہی مدت میں دونوں بھائی شرف اسلام سے مشرف ہوگئے۔ سدھارن وجیہ الملک کے خطاب سے مخاطب ہوا۔ اس کے بعد سلطان کی اجازت سے دونوں بھائی قطب اقطاب حضرت مخدوم جہانیان قدس سرہٗ کے مریدوں میں منسلک ہوگئے اور دارین کی سعادت سے منسوب ہوئے۔ سلطان بھی اُن حضرت سے نسبت ارادت رکھتا تھا۔ حضرت مخدوم عالم نے ان کے مرید ہوتے وقت ان پر اپنی نظر مرحمت اثر ڈالی اور آنحضرت کی عنایت ان کے بارے میں روز بروز زیادہ ہوتی گئی۔

ایک دن حضرت مخدوم جہاں پناہ[2] کی خانقاہ میں فقراء آگئے۔ کھانا موجود نہ تھا۔ یہ خبر ظفر خان بن وجیہ الملک کو کہ وہ بھی حضرت کا مرید تھا پہنچی۔ اسی وقت وہ اٹھا اور بہت سا کھانا اور مٹھائیاں اپنے گھر اور بازار سے لے کر خانقاہ ملایک پناہ میں آیا اور فقیروں کو کھلایا۔ کھانا کھا کر فقیروں نے بڑے ذوق سے تکبیر بلند کی۔ یہ آواز حضرت مخدوم کے مبارک کانوں میں پہنچی تو پوچھا۔ خادموں نے صورت حال بیان کی تو حضرت نے حکم دے کر ظفر خان کو طلب کیا۔ وہ آیا اور زمین خدمت چومی۔ حضرت نے فرمایا: ”ظفر خان! اس کھانا کھلانے کے بدلہ میں پورے ملک گجرات کی حکومت ہم نے تمہیں انعام میں دی۔

---

1. الف: سہارن
2. ز: مخدوم جہانیاں

مبارک ہو!" اسی وقت حضرت نے خاصہ کا ایک پلنگ پوش بھی عنایت فرمایا۔ ظفر خان نے سر زمین پر رکھ دیا اور بڑی شادمانی کے ساتھ اپنے گھر آ کر یہ حال اپنی بیوی سے کہا۔ بیوی بولی کہ تم بوڑھے ہو گئے ہو۔ اگر حکومت گجرات مل بھی گئی تو ظاہر ہے کہ اس کی بقا کتنی ہوگی۔ واپس جاؤ اور آنحضرت کی خدمت میں یہ عرض کرو کہ اِس حکومت کا سلسلہ تمہاری اولاد تک پہنچے۔ آج آنحضرت کی عنایت کا سورج تمہارے سر پر چمک رہا ہے جو کوئی التماس کرو گے قبولیت کے درجہ کو پہنچے گا۔ ظفر خان طرح طرح کے عطر، خوشبودار پھول، لطیف قسم کے پان اور لذیز میوے ہمراہ لے کر دوبارہ حضرت کی خدمت میں آیا اور اِن لائی ہوئی چیزوں کو ان کی نظر اشرف کے سامنے رکھا۔ حضرت[1] کو کشف ہوا۔ فرمایا: "اچھے وقت خوشبو لائے"۔ کھجوروں کا ایک طباق سامنے رکھا تھا۔ ایک مٹھی بھر کھجور ظفر خان کو دیں اور فرمایا: "اِن کھجوروں کے عدد کے برابر تمہاری اولاد ملک گجرات کی حکومت وسلطنت سے منسوب[2] ومثبوت رہے گی"۔ [بیت]

اگرچہ بادشاہ کو مملکت کا حصہ پہنچا ہے
لیکن مملکت بخش درویش ہوتا ہے

بعض کا کہنا ہے کہ وہ کھجوریں تعداد میں بارہ یا تیرہ اور بعض کہتے ہیں زیادہ تھیں۔ بیشک اللہ زیادہ صحیح جانتا ہے۔

اہل تواریخ (اللہ ان پر رحم فرمائے!) کہتے ہیں کہ ۷۹۲ھ میں جس وقت سلطان محمد بن تغلق شاہ ٹھٹھ کی طرف متوجہ تھا جب اس کے قریب پہنچا تو جوار رحمت حق میں پہنچ گیا۔ اس کی وفات کے دو دن بعد سلطان مذکور کے چچا کا بیٹا فیروز خان تخت پر بیٹھا اور سلطان فیروز لقب رکھا۔ ظفر خان اور اس کے بھائی شمس خان[3] کے پایۂ دولت کو بلند کیا

---

[1] ز: "کشف ہوا" نہیں ہے۔
[2] ز: "مثبوت" نہیں ہے۔
[3] ز: شمشیر خان

اور غایت اعتماد کی وجہ سے ان کو شرابداری (پانی پلانے) کا عہدہ عطا فرمایا۔ اور وہ لوگ جو سلاطین گجرات کے سلسلہ کو کلالوں سے یعنی شراب بنانے والوں سے منسوب کرتے ہیں محض غلط ہے۔ اِس لفظ کا ان پر اطلاع کرنے کا سبب یہ تھا کہ ایک سال انگور کی بڑی مقدار سلطان کے حضور آئی تھی اور ضایع ہو رہی تھی۔ اِن دونوں نے حکم دیا کہ ان سے شراب کشید کی جائے۔ حاسدوں نے اپنے حسد کی وجہ سے انہیں کلالی سے منسوب کردیا کہ یہ انہی کا پیشہ ہے۔ لیکن تحقیق سے جو معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ وہ قوم تاک[1] سے ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ بہر حال جو کچھ تھی تھے طینت پاک اور جوہر خاص رکھتے تھے کیونکہ ان سے بہت اچھے کام، بے شمار نیکیاں، خلق خدا کے ساتھ دلجوئی اور خوشخوئی جیسی باتیں ظہور میں آئی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض ہر ایک کے کام کے محل پر مذکور ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

القصہ[2] اس کے بعد کہ جب سلطان فیروز کا ۷۹۰ھ میں جو تاریخ "وفات

---

[1] ز : قوم تانک

[2] الف : القصہ جب سلطان فیروز کی عمر نوے سال کی قریب پہنچی، امور سلطنت اپنے بیٹے کو جس کا نام محمد خان تھا سپرد کر کے خود طاعت وعبادت میں مشغول ہو گیا۔ خطبہ دونوں کے نام پر پڑھا جاتا تھا۔ ۷۹۰ھ میں فیروز شاہ کے غلاموں نے جن کی تعداد ایک لاکھ تھی سلطان فیروز سے کچھ باتیں کہیں اور خیانتیں کر کے محمد شاہ سے برگشتہ ہو گئے۔ محمد شاہ ان سے جنگ پر آمادہ ہوا تو وہ سلطان فیروز کی پناہ میں جا کر اسے گرفتار کرلائے اور صف کے مقابل بٹھا دیا۔ جب لشکریوں اور فیلبانوں کی نظر سلطان فیروز پر پڑی تو سلطان کی ہیبت وعظمت دیکھ کر اور پچھلی نعمتوں کے مدِ نظر وہ شاہزادہ سے برگشتہ ہو گئے اور سلطان کی طرف چلے گئے۔ محمد شاہ کو شکست ہوئی اور وہ سرمور (شیر پور) کی طرف چلا گیا۔ فیروزی غلاموں نے محمد شاہ اور اس کے خاص آدمیوں کے گھر لوٹ لیے۔

اور اسی سال کہ ۷۹۰ھ ہوتا ہے فیروز شاہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کی تاریخ 'وفات فیروز' سے برآمد ہوتی ہے۔ سلطان فیروز کی بادشاہت کی مدت ۳۸ سال ۹ دن ہے۔ بعد ازاں فیروزی ملازمین نے

فیروز" سے مستفاد ہے، رخت اقامت سے اس جہان فانی سے سرائے جاودانی کی طرف منتقل ہوا، سلطان غیاث الدین تغلق شاہ بن فتح خان بن سلطان فیروز تخت فیروزی پر بیٹھا۔ اس کی سلطنت کی مدت چھ ماہ اٹھارہ دن تھی، اس کے بعد ابوبکر بن ظفر خان بن سلطان فیروز تخت نشین ہوا۔ ایک مدت تک[1] سلطان محمد بن فیروز اور ابوبکر کے درمیان مخالفت اور لڑائی چلتی رہی۔ آخر کار ۷۹۲ھ اور کہا گیا یہ کہ ۷۹۳ھ میں دہلی کی سلطنت پر سلطان محمد رونق افروز ہوا۔

اسی سال خبر پہنچی کہ گجرات کا مُقطع (حاکم یا گورنر) یعنی نظام مفرح جس کا خطاب راستی خان تھا باغی ہو گیا اور اس نے نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیا۔ ۲ رماہ ربیع الاول سنۂ مذکور کو سلطان محمد نے ظفر خان کو لعل کا سراپردہ عنایت کر کے نظام مفرح کی تنبیہ کے لیے گجرات پر متعین کیا۔ ماہ مذکور کی چوتھی تاریخ کو سلطان محمد، ظفر خان کی مشایعت کے لیے آیا اور وداع کیا اور ظفر خان کے بیٹے تاتار خان کو اپنا فرزند بنا کر اپنی نگاہوں کے

غیاث الدین تغلق بن فتح خان بن سلطان فیروز کو فیروز آباد کے محل میں تخت پر بٹھایا اور سلطان محمد کے خلاف ایک لشکر کثیر متعین کیا۔ سلطان محمد تھوڑی جنگ کر کے شکست کھا کر سرمور (شیرپور) سے سیکتہ چلا گیا۔ جب تغلق شاہ نے تعاقب کیا تو وہ نگر کوٹ چلا گیا۔ اور یہ تغلق شاہ غلبۂ جوانی کے سبب، لہو ولعب میں مشغول ہو گیا۔ اس کے ملازم جور وظلم کرنے لگے اور ۷۹۱ھ میں ملک رکن الدین (رکن الدین نایب) نے تغلق شاہ کو قتل کر کے اس کا سر، دربار کے سامنے لٹکا دیا۔

[1] اس کے اور سلطان محمد کے بیچ تخت لڑائیاں ہوئیں۔ سلطان محمد کو شکستیں اٹھانی پڑیں۔ آخر کار لشکر ابوبکر سے پھر کر سلطان محمد کے پاس چلا گیا۔ ابوبکر، سلطان محمد کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور قید میں مر گیا۔ سلطنت دہلی نے سلطان محمد پر قرار پایا۔ ان سلاطین کے نام جو سلطان فیروز کے بعد دہلی کے تخت پر بیٹھے۔ [بیت]

تغلق اور ابوبکر شاہ، دوسرا احمد، پھر ہما　　اس کے بعد محمود اور پھر نصرت خضر خاں کی رہنما

پھر مبارک شاہ، محمد شاہ، دوسرا علاء الدین　　شاہ بہلول اور سکندر، اے بیٹے! ابراہیم

اور اسی سال کہ ۷۹۳ھ ہے، خبر پہنچی کہ گجرات کا گورنر نظام مفرح جس کا خطاب راستی خان تھا، باغی ہو گیا اور نافرمانی کا راستہ اختیار کیا۔

سامنے رکھا۔ چند منزلیں طے کرنے کے بعد خبر پہنچی کہ ایک سعادت مند بیٹا تاتارخان کے گھر پیدا ہوا ہے۔ اس کا نام احمد خان رکھا۔

اور وہاں سے متواتر کوچ کرتا چلا۔ جب ناگور کے خطہ میں پہنچا تو کنبایت (کھمبایت) کی رعیت جو راستی خان کے ہاتھوں فریادی تھی خان کی خدمت میں آئی اور استغاثہ کیا۔ ان کو تسلی دے کر خان نے کوچ کیا۔ منزلیں طے کرنے کے بعد شہر پٹن پہنچا اور وہاں سے ایک نصیحت نامہ راستی خان کو اس مضمون کا بھیجا کہ خیال فاسد کی آگ بجھانا عقلمندوں کا کام ہے۔ یہ خانہ سوز آگ بلند نہ ہوئی ہو اس سے پہلے اس کا بجھا دینا اولیٰ ہے۔ جو کوئی اپنے ولی نعمت کے ساتھ بغاوت کا راستہ اختیار کرتا ہے آخرکار سرنگوں ہوتا ہے۔ [بیت]

اگر تو اپنے ولی نعمت کے خلاف ہوتا ہے
تو اگرچہ آسمان ہو، سرنگوں ہو جائیگا
لالچ کی شاخ کاٹ دے کہ یہ جلد بجھ جانے والا چراغ ہے
ہوس کی جڑ اکھاڑ دے کہ یہ طلب بے بقا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ تو استغفار کو اپنا شفیع بنائے تاکہ میرے التماس کے وسیلہ سے خدمت بادشاہی میں مقبول ہو جائے۔ وہ برگشتہ نصیب بھلائی کی طرف نہ آیا اور سوال[1] کے موافق جواب نہ دے کر اس نے لڑائی کے ارادہ سے بدنصیبی کا نقارہ بجایا اور شہر پٹن[2] کی طرف آیا۔ آخرکار موضع کانبھور[3] کے قریب جو سرکار پٹن کے دیہاتوں میں سے ہے خان کے ساتھ جنگ کی، بہت قتل و خون کے بعد فتح کی ہوا خان کے پرچم پر چلی اور نظام بے نظام مارا گیا۔ ظفر خان مظفر و منصور ہو کر پٹن لوٹ آیا۔ یہ واقعہ ۷۹۳ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

---

1. ز: صواب
2. الف: جس کو نہروالہ کہتے ہیں۔
3. ز: موضع سنبو

اس کے بعد ظفر خان کچھ عرصہ تک شہر پٹن میں مقیم رہا اور حکم دیا جس کے مطابق اس میدان جنگ میں فتح کے موضوع کی مناسبت سے ایک موضع جیت پور کے نام سے آباد کیا گیا۔ موضع مذکور تا حال آباد معمور ہے۔ اس کے بعد خان ۷۹۵ھ میں کھمبایت کی طرف روانہ ہوا۔ ولایت گجرات کا وہ حصہ جو اہل اسلام کے قبضہ و تصرف میں تھا اپنے تصرف میں لایا اور فتنہ کے وجود نے اپنا سر گریبان عدم میں ڈال دیا۔ لوگ بیداد و فریاد کی تنگ جگہ سے نکل کر خوشحالی اور فارغ البالی کی وسعت کی طرف آ گئے۔

تاریخ محمود شاہی میں لکھا ہے کہ سلطان محمد شاہ نے جو القاب خان ظفر نشان کے عہد نامے میں لکھے غایت احترام کی وجہ سے اس فرمان اعلیٰ کو آراستہ کرنے کے لیے دو سطریں اپنے قلم عزت رقم سے لکھیں۔ میرے اور اللہ کے درمیان ان دو تین کلموں میں سے چند لفظ، نہ کم نہ زیادہ، یہاں لکھے جاتے ہیں اور یہ ہیں ”میرے مجلس عالی کے بھائی، بڑے خان، عادل، باذل (سخی)، مجاہد، مرابط (باہم ربط رکھنے والے)، ملت اور دین کے نیک بخت، اسلام اور مسلمانوں کے مددگار، حکومت کے بازو، مملکت کے سیدھے ہاتھ، کافروں اور مشرکوں کے کاٹنے والے، بدکاروں اور سرکشوں کو اکھاڑنے والے، اونچے سائبان اور بلند آسمانوں کے قطب، لڑائی کے دن کے صف شکن، قلعہ فتح کرنے والے دلاور، کشور گیر، آصف تدبیر، معاملات کے ارکان کا ضبط کرنے والے، لوگوں کی بھلائیوں کا انتظام کرنے والے، برکتوں اور سعادتوں کے مالک، جھنڈے اور منافعوں کے صاحب، عدل و احسان کے مددگار، صاحبقران کے وزیر، الغ قتلغ اعظم (یہ ترکی زبان کے الفاظ ہیں)، ہمایوں، ظفر خان“۔ انتہیٰ سطور۔ یہ بھی لکھا ہے کہ شرع شعار مفتیوں کی اجازت سے ایک سرخ رنگ شاہی اور درباری سائبان ماہ ربیع الثانی ۷۹۳ھ میں روانہ فرمایا۔

مختصر یہ کہ اس کے بعد ۷۹۶ھ میں سلطان محمد بن فیروز شاہ نے وفات پائی۔ اس کا تابوت آراستہ کر کے محمد آباد سے دہلی لائے اور سلطان فیروز کے حظیرہ میں دفن

کردیا۔ اس کی سلطنت کی مدت چھ سال سات ماہ تھی۔ اس کے بعد سلطان محمد کا بڑا لڑکا ہمایوں خان ۱۹ر ماہ ربیع الاول سنۂ مذکور کے دن اپنے باپ کے تخت پر بیٹھا اور سلطان علاء الدین لقب اختیار کیا۔ اسی سال مذکور کا ۵ر ماہ جمادی الاول کو اس کا انتقال ہوا۔ اس کی سلطنت کی مدت ایک ماہ اور سولہ روز تھی۔ اس کے بعد اس کا چھوٹا بھائی محمد خان اسی ماہ کی بیس تاریخ کو تخت نشین ہوا اور ناصر الدین والدین محمود شاہ لقب اختیار کیا۔

مختصر یہ کہ اس اثنا میں ایڈر کے راجہ کی سرکشی کی خبر خان ظفر نشان کے کانوں میں پہنچی۔ چنانچہ خان لشکر لے کر ایڈر کی طرف روانہ ہوا۔ ایڈر کا راجہ قلعہ بند ہو گیا۔ خان نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور اپنی فوجیں ایڈر کے مضافات کی طرف روانہ کیں تاکہ اس کی ولایت کو لوٹ لیں۔ آخر الامر راجہ ایڈر نے بڑی عجز وزاری کے ساتھ ایک لائق تحفہ خدمت میں پیش کیا۔ خان واپس لوٹا اور سومنات کے بتخانہ یعنی پٹن دیو کی لوٹ کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں خبر آئی کہ ولایت آسیر اور برہانپور کے حاکم، ملک نصیر راجہ عرف عادل خان نے اپنی حدود سے قدم باہر نکال کر گجرات کے مضافات میں سے سلطان پور اور نندربار (تندربار) میں رکھا ہے۔ خان نے ارادہ کی لگام پٹن کی طرف سے موڑی اور متواتر کوچ کرتا ہوا عادل خان کے دفع کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ خبر سنتے ہی عادل خان لوٹ گیا اور آسیر چلا گیا۔ خان بھی لوٹ کر نہروالہ یعنی پٹن آ گیا۔

۹۷ھ میں جہرند کی طرف جو[1] ولایت بہارہ سے متعلق ہے لشکر لے گیا۔ اس دیار کے کافروں سے خوب بدلہ لیا اور وہاں سے سومنات کا ارادہ کیا اور اس مشہور بتخانہ کو اکھاڑ پھینکا اور اس شہر کو دین اسلام کے رسم وآئین سے عزت دی۔

۹۸ھ میں خبر آئی کہ منڈو کے کفار اپنے علاقہ کے مسلمانوں کے ساتھ طرح طرح کے ظلم کرتے ہیں۔ خان نے اپنے ارکان دولت اور امرائے مملکت کو طلب کیا اور کہا: ”اگر زمین مشرق کے مسلمانوں کو کوئی مشکل پیش آئے تو زمین مغرب کے مسلمانوں کو ان

---

[1] ز: رائے بہارہ

کی مدد کرنا چاہیے اور اسی طرح اس کے برعکس۔ فی الحال یہ سنا جاتا ہے کہ منڈو کے کفار اپنے پڑوس کے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ اگر ہم اس بارے میں طرح دیں گے تو کل مالک الملک کی عدالت میں ہم اس کے جواب سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکیں گے؟ میری رائے کا یہ اقتضا ہے کہ ان کفار نگونسار کی تنبیہ کی جائے۔ اس بارے میں تمہاری کیا صلاح ہے؟ سب نے کہا۔

سب کی وہی صلاح جو تمہاری صلاح ہے

منڈو کا راجہ مرکز کی طرح قلعہ کے پرکار کے دل میں قلعہ بند ہو گیا۔ خان ظفر نشان قلعہ کا محاصرہ کر کے فتح کی کوشش اور جدوجہد کرنے لگا لیکن قلعہ چونکہ نہایت مستحکم تھا حصول مقصود میں دیر لگتی گئی۔ ایک سال اور چند ماہ تک خان قلعہ کے گرد ڈٹا رہا۔ آخرالامر پورے عجز اور ناقابل بیان انکسار کے ساتھ منڈو کے راجا نے پکا عہد کیا کہ اس کے بعد مسلمانوں کو آزار نہ پہنچائے گا اور ایک[1] معتدبہ تحفہ پیش کیا۔

وہاں سے خان ظفر نشان حق وشرع اور دین کے معین (خواجہ معین الدین چشتی اجمیری۔ مترجم) کی زیارت کے لیے اجمیر کی طرف روانہ ہوا۔ اجمیر جب تین کوس رہ گیا تو وہاں سے مرقد شریف تک پا پیادہ زیارت کا احترام باندھا۔[2] اور اس کے احکام بجالایا اور وہاں سے سانبھر اور[3] دیدوانہ روانہ ہوا۔ اور وہاں سے دیلواڑہ اور چکواڑہ آیا۔ کافروں کی بھی تنبیہ کی۔ پھر عزیمت (ارادہ) کی لگام اپنے دار السلطنت کی طرف موڑی۔ ۱۷ رمضان المبارک ۷۹۹ھ کو شہر پٹن آیا اس کے بعد ایک سال تک کے لیے لشکر ظفر اثر کی خدمت کو معافی کے دفتر میں لکھ دیا اور خود بھی کسی طرف سوار نہ ہوا اور اسی سال ۷۹۹ھ میں تاتار خان ابن ظفر خان دہلی سے پٹن آیا۔

---

[1] ز: پیشکش لائق

[2] الف: احرام کے ساتھ گیا اور شرف زیارت سے مشرف ہوا۔

[3] ز: دندوانہ۔ ج: دیندوانہ۔

چوتھا باب

تاتارخان کے دہلی سے گجرات آنے اور خان ظفر نشان سے ملاقات کرنے کا ذکر

تاریخ محمود شاہی کے مصنف نے لکھا ہے کہ سلطان محمد بن فیروزشاہ کے انتقال کے بعد ملک دہلی میں بڑا فتنہ پیدا ہوا۔ چنانچہ ہر سردار کے سر میں جس سے نافرمانی کی نشانیاں ظاہر ہوتی تھیں ملک دہلی کی سلطنت کی آرزو بیٹھ گئی۔ بے بنیاد حاکموں کے مٹنے اور قائم ہونے کے ایک عرصہ کے بعد جب دہلی کی حکومت ملو نکالہ الخاطب بہ اقبال خان کو پہنچی اس وقت تاتارخان بن ظفرخان قصبہ پانی پتھ (پانی پت) کے مقام پر تھا۔ اقبال خان، تاتارخان کے قصد سے[1] پانی پتھ کی طرف روانہ ہوا۔ تاتارخان نے اپنا ساز وسامان پانی پتھ کے قلعہ میں چھوڑ کر خود یلغار کی اور دہلی کا محاصرہ کرلیا۔ اقبال خان نے تیسرے دن پانی پتھ کا قلعہ فتح کرلیا۔ تاتارخان کا تمام ساز وسامان (نقد وجنس وخیمے وغیرہ) اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس واقعہ کے ہونے سے تاتارخان ان حدود میں نہیں ٹھہر سکتا تھا اس لیے گجرات کی طرف اس خیال سے روانہ ہوا کہ گجرات سے لشکر لے کر اقبال خان سے جنگ کے لیے روانہ ہو۔ جب تاتارخان نے خان ظفر نشان کی پابوسی کی عزت حاصل کی اور اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں اگرچہ تمام مرادوں کا حصول مہیا پایا لیکن اس کی ہمت کا بلند پرواز مرغ اس آشیانہ سے رام نہیں ہوتا تھا اور اقبال خان سے بدلہ لینے کا دغدغہ اور دہلی کا اشتیاق اس کے دل سے نہیں مٹتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کے درپے تھا کہ لشکر لے کر دہلی کا رخ کرے۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ پیر محمد مغل[2] نے حضرت صاحبقران امیر تیمور گورگان کے

---

[1] ج: تہا جیسر

[2] ج: دیوپتن کی طرف

علم سے ملتان کے حوالی پر چڑھائی کر کے اقبال خان کے بھائی سارنگ خان کا ملتان کے قلعہ میں محاصرہ کر رکھا ہے۔ اس وجہ سے دہلی جانے کا عزم جو پکا ہو چکا تھا کھٹائی میں پڑ گیا۔

۸۰۰ھ میں وہ خان ظفر نشانکی رقابت میں ولایت ایڈر کے کفار کی تنبیہ کے لیے گیا۔ ایڈر کے قلعہ کا محاصرہ کر کے ایڈر کے مضافات کو غارت و تاراج کیا۔ اس مرتبہ مقصود تھا کہ جب تک ولایت ایڈر پر قبضہ نہ ہو جائے دوسری طرف توجہ نہ کرے کہ ۸۰۱ھ میں خبر پہنچی کہ حضرت صاحبقران (امیر تیمو) کے ماہچہ علم نے حوالی دہلی پر پرتو ڈالا اور فتح دہلی سے اس موصوف کا نام روشن ہوا۔ اس موقع پر سلطنت کے مرکز کے خالی ہونے کو مصلحت نہ سمجھا اور راجہ ایڈر سے صلح کر کے لائق پیشکش لے کر ان دو بڑے سورجوں کے ورود کی کرن نے برج پٹن میں ظہور کیا۔

اسی سال خبر پہنچی کہ نواح سومنات کے کفار ہر طرف سے نکل کر اقتدار کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ ان کے اس خطرۂ فاسد کو باطل کرنے کے لیے اُدھر[1] فوج کشی کی اور ان کے دعویٰ باطل کو مٹا کر تقویت اسلام کا ثبوت دیا اور وہاں سے پھر پٹن تشریف لائے۔

اسی سال سلطان محمود بن محمد بن فیروز جو حضرت صاحبقرانی کے پیدا کردہ وقفہ میں فرار ہو کر اپنے ہی آبا واجداد کی مملکت کے کونوں اور کناروں میں قزاقوں کی طرح گھوم رہا تھا، شہر پٹن پہنچا۔ خان ظفر نشان استقبال کر کے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ شہر میں لایا۔ سلطان محمود کا مقصد یہ تھا کہ اگر خان ظفر نشان ہمارا ساتھ دے تو پھر دہلی کی طرف چڑھائی کریں لیکن چونکہ اس وقت خان نے لشکر کشی میں مصلحت نہ دیکھی، سلطان محمود رنجیدہ ہو کر مالوہ کے حاکم الپ خان کے پاس چلا گیا۔ جب اس کا برتاؤ بھی اپنی طبیعت کے موافق نہ پایا تو وہاں بھی نہ ٹھہرا اور قنوج کی طرف گیا اور اُسی ٹکڑے پر قانع ہو گیا۔

---

[1] ج: دیو پٹن کی طرف

پانچواں باب

مملکت گجرات کے تخت سلطنت پر سلطان محمد بن ظفر خان جس کا نام تاتارخان تھا کے جلوس اور اجل کا اس کے ملک[1] بقا پر ایک وسیلے سے قابو پانا کا ذکر

محمود شاہی کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب تاتارخان گجرات آیا تو وہ خان ظفر نشان کی زمین بوسی کی عزت سے مشرف ہوا۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ایک دن اپنے باپ کی خدمت میں عاجزانہ زبان ادب کھولی اور عارضی بادشاہوں کی الٹ پھیر اور حضرت صاحبقرانی کے غارت وتاراج کرنے کی وجہ سے ممالک دہلی کی جو خرابی ہوئی تھی بیان کی اور کہا کہ اگر فتح سے نسبت رکھنے والا آفتاب اس وقت دہلی کے نواح پر اپنی روشنی ڈالے تو بالضرور ان حدود کے باشندوں کے لیے مسرت وشادمانی کا باعث ہوگا۔ خان ظفر نشان نے کہا کہ اس سوچ میں تامل کی ضرورت ہے کیوں کہ کوتاہ بین زمانہ ہنر کو بھی عیب گنتے اور صواب کو بھی خطا سمجھتے ہیں۔ [بیت]

بداندیش کی آنکھ نکال لی جائے

کہ اس کی نظر میں ہنر بھی عیب دکھائی دیتا ہے۔

اگرچہ اس مقصود کی وجہ عوام کی صلاح و بہبود پر توجہ کے سوا کچھ نہیں لیکن دنیا کے لوگوں کے نزدیک یہ مملکت کی لالچ پر محمول ہوگی لہٰذا اس وقت اُدھر کا ارادہ کرنا[1] اغراض سے مخلوط مانا جائے گا۔ شاہزادہ نے عرض کیا کہ۔ [بیت]

---

[1] ملک بقا پر موت کی دارو کے سبب

ملک کوئی میراث میں نہیں پاتا

جب تک کوئی دونوں ہاتھوں سے خوب تلوار نہ چلائے

کافی مناظرہ کے بعد مظفری رائے صواب نما نے اس بات پر قرار پکڑا کہ ۸۰۶ھ میں سلطنت کا تاج وتخت تاتارخان کے سپرد کردیا اور اُسے ناصر الدین محمد شاہ کا خطاب دے کر سپاہ خزانے، ہاتھی، پائیگاہ اور تمام دوسرے متعلق اسباب فرزند ارجمند کے حکم پرواگذاشت کر کے خود قصبہ اساول میں پرشکوہ آسمان کی طرح گوشہ نشین ہوگیا۔ سلطان محمد شاہ نے سنۂ مذکور کے ماہ جمادی الآخر میں اساول کے مقام پر تخت سلطنت کو اپنے جلوس سے زینت بخشی اور تخت کی چھتری کے چاند کو اپنے مبارک چہرہ کے سورج سے منور کیا۔ اُسی ہفتہ میں تخت سلطنت سے زین پر سوار ہوا اور جہاد کی طرف رخ کیا۔ نادوت کے کفار کو جو ملازموں کی کثرت اور کوہسار کی بلندی کی وجہ سے اپنے زمانہ کے سلاطین کی طرف التفات نہ کرتے تھے ہلاک وبرباد کردیا۔ وہاں سے بیشمار سپاہ اور لشکر جرار کے ساتھ دہلی کا رخ کیا۔ اس ارادہ کی خبر سنتے ہی اقبال خان کے بے جان قالب میں روح کو اضطراف ہوا۔ ناگاہ شعبان کے مہینہ میں بادشاہ کا مزاج مبارک جادۂ اعتدال سے ہٹ گیا۔ اطبائے حاذق ہر چند معالجہ میں مشغول رہے لیکن فائدہ نہ ہوا۔

جب دوا درد کا سبب بن جائے تو پھر ایسی جگہ کیا علاج ہو!

القصہ سلطنت کے اس قیمتی موتی نے اپنی زندگی کے گوہر اور روح منور کو قابض الارواح کے سپرد کردیا۔ شاہ مغفور کی نعش پُرنور کو خطہ پٹن میں سپرد خاک کیا گیا۔ لیکن جو بات مشہور ومعروف ہے اور گجرات کے آگاہ لوگوں کے نزدیک پایۂ تحقیق سے ملی ہوئی اور بمنزلہ خبر متواتر پہنچی ہے یہ ہے کہ تاتارخان نے ظفرخان کو دوست نما اور دشمن سیرت منتفی لوگوں کے اتفاق سے قید کردیا اور خود سلطنت کے تخت پر بیٹھ گیا۔ اور خود کا خطاب محمد شاہ رکھ کر تمام خدم وحشم کو اپنا بنالیا اور اس کے بعد نادوت کے کفار پر جہاد کر کے انہیں ہلاک وبرباد کردیا۔ پھر وہاں سے سمت دہلی کا ارادہ کیا۔ اس اثنا میں اُس نے شربت اجل چکھا

اور عالم عدم کو سدھار گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب اس دنیائے فانی کے لیے سلطان نے اپنے باپ کی حرمت کا جس کی رعایت سعادت جاودانی کے حصول کا موجب ہے خیال نہ رکھا تو حق تعالیٰ نے باپ کے دل میں جو مہر و محبت کی جگہ ہے کینہ کا تخم بو دیا اور اس پر ابھارا کہ سلطان کے کچھ قریبی لوگوں کے ذریعہ جو باطناً خان ظفر نشان کے موافق تھے کو زہر دلوا دیا۔ اگرچہ تاریخ محمود شاہی کے مصنف (علیہ الرحمہ والغفران) نے بات کی ابتدا کے بتلانے میں بخل سے کام لیا لیکن آخر الامر بذریعہ کنایہ کہ جو تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے واقعہ بیان کر کے حقیقت کا موتی پرو دیا ہے جیسا کہ انھوں نے کہا کہ اطبائے خادم نے ہر چند معالجہ میں کوشش کی لیکن مفید نہ ہوا۔

جب دوا درد کا سبب بن جائے تو پھر ایسی جگہ کیا علاج ہو!

کیا ہی اچھی بات کہی گئی جس نے سمجھنا تھا اس نے سمجھا۔ سلطان محمد کی وفات کے بعد اسے خدایگان شہید کے نام سے یاد کرتے تھے۔

اور یہ ذکر بھی قول مشہور کے مصداق ہے۔ سلطان بھی حضرت مخدوم جہانیاںؒ سے نسبت ارادت رکھتا تھا۔ نقل ہے کہ سلطان محمد نے ایک بڑی رقم قطب العارفین شیخ احمد گنج بخشؒ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجی اور اپنی سلطنت کی پائیداری کے لیے التماس کیا۔ آنحضرت نے وہ رقم قبول نہ کی اور فرمایا کہ یہ مال تمہارے ولی نعمت کا ہے۔ تصرف کا ہاتھ اس سے دور رکھا اور واپس کر دی۔

مختصر یہ کہ جب سلطان محمد کا انتقال ہوگیا تو خان ظفر نشان لشکر[1] کی طرف تشریف لے گیا اور ارکان دولت و اعیان مملکت خان کے حکم کے مطیع و منقاد ہوئے اور[2] زبان اس شعر کے مضمون کے مطابق کھولی۔ [بیت]

---

[1] الف : لشکر کی طرف تشریف لے گیا۔
ز : پھر تخت سلطنت کی طرف تشریف لے گیا۔ ارکان دولت و اعیان حضرت۔

[2] الف : پہلے زبان تعزیت اور آخر میں تہنیت کے لیے کھولی۔

اگر دنیا کا نوروز برباد ہو گیا (تو کیا؟)
سرخ گل صد برگ کو بقا حاصل ہو!

خان نے ہر ایک کو اپنی طرف مائل کیا اور اپنی راجدھانی کی طرف لوٹا۔ نقل ہے کہ اس دن سے زندگی کے آخر تک خان کی آنکھیں روتی رہتی تھیں اور آہ و نالہ کی وجہ سے راتوں کو سوتا نہ تھا۔ اس نے کئی بار اپنے چھوٹے بھائی شمس خان کو سلطنت کی حکمرانی کی تکلیف اختیار کرنے کے لیے کہا اور خود گوشہ نشینی کا ارادہ ظاہر کیا لیکن اس کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے یہ بات میسر نہ ہوئی۔ آخر کار شمس خان کو جلال کھوکھر کی جگہ پر خطۂ ناگور بھیجا اور اس نواح کی مملکت اسے تفویض کی اور سلطان محمد کے بیٹے احمد خان کو اپنا ولی عہد کہہ کر اس کی تربیت کرنے لگا۔

۸۰۷ھ میں سترہویں ماہ شعبان کو خبر پہنچی کہ امیر تیمور صاحبقران رحمت حق سے جاملا۔ اس کی سلطنت کی مدت ۳۸ برس تھی۔ اِس سال اقبال خان نے دہلی سے قنوج پر اس مقصد سے چڑھائی کی کہ سلطان فیروز کے پوتے سلطان محمود سے جو خطۂ قنوج پر قانع ہو گیا تھا چھین لے۔ سلطان محمود قنوج کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ کچھ روز تک کوشش اور جدو... ں لیکن فتح کا دروازہ نہ کھلا اس لیے دہلی واپس چلا گیا۔

۸۰۸ھ میں خان نے سلطان محمود کی امداد کے لیے فوج آراستہ کی اور دہلی کا ارادہ کیا لیکن اس اثنا میں خبر پہنچی کہ ۱۹ر جمادی الاول سنۂ مذکور کے دن اقبال خان اور خضر خان کے درمیان جنگ ہوئی، خضر خان کو فتح حاصل ہوئی اور اقبال خان مارا گیا۔ سلطان محمود قنوج سے دہلی چلا گیا اور اپنے باپ دادوں کے تخت پر بیٹھا چنانچہ خان نے ارادہ فسخ کر دیا۔

☆

چھٹا باب

سلطان مظفر کے تخت شاہی پر بیٹھنے اور ظلِ الٰہی (خدا کا سایہ) کی صفت سے موصوف ہونے کا ذکر

[بیت]

اس داستان کی آرائش کرنے والے نے
سچے لوگوں کی سنت پر اس طرح بیان کیا ہے

کہ جب دہلی کے سلسلۂ دولت پادشاہی میں امر سلطنت کے نفاذ کا رواج نہ رہا تو ارکان دولت اور امرائے مملکت نے نیک وقت اور ساعت سعید میں خان ظفر نشان سے یہ عرض کیا کہ بادشاہی دبدبہ کے جھنڈے اور ظلِ الٰہی کی شان کے بغیر ملک گجرات کے ضبط وانتظام کی مراد پوری نہیں ہوتی۔ اس وقت اِس عظیم کام کے شایان شان آپ کی بے نظیر ذات کے سوا کوئی اور نہیں۔ عام مختار رائے یہ ہے کہ دین محمدی کی تقویت اور سنت احمدی کی قوت کے لیے سلطنت کی ٹھری کو اپنے مبارک سر سے زیب وزینت بخشیں اور اِس حکومت کے منتظر لوگوں کی آنکھوں کو اس کے مشاہدہ سے روشن کریں۔ اِن خیر خواہوں کے التماس پر ۸۱۰ھ میں، سلطان محمد کی وفات کے ساڑھے تین سال بعد، خان ظفر نشان نے مقام بیر پور میں چتر سلطنت اپنے سر پر لگائی اور مظفر شاہ لقب اختیار کیا۔

وہاں سے دھار کی سمت جو ملک مالوہ کے کنارے پر واقع ہے روانہ ہوا تا کہ اُس ولایت کے حاکم، الپ خان بن دلاور خان کو اپنی بیعت کے لیے بلائے۔ اگر قبول کرلے تو فبہا ورنہ اسے مملکت سے اُکھاڑ پھینکے۔ الپ خان بن دلاور خان نے عدم سعادت اور دولت کے زعم کی وجہ سے جنگ چھیڑ دی۔ مظفر شاہی بہادروں نے اس کی دل بادل صفوں

کو ایک ہی وقت میں بادِ صرصر کی طرح ہٹا دیا۔ الپ خان بن دلاور خان بھاگ کر دھار کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گیا۔ سلطان نے محاصرہ کر لیا۔ تھوڑی ہی مدت میں اُسے اتنا تنگ کر دیا کہ سلطان سے ملے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ سلطان نے اسے قید کر کے نصرت خان کے حوالہ کر دیا۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ جون پور کے سلطان ابراہیم نے تسخیر دہلی کا ارادہ کیا ہے۔ قنوج کی حدوں پر اس نے لشکر کے جھنڈے بلند کیے۔ سلطان نے سلطان محمود بن محمد، والی دہلی کی حمایت کے عزم سے قدم اٹھایا۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان ابراہیم لوٹ گیا اور جون پور چلا گیا۔ سلطان بھی واپس ہو کر اپنی راجدھانی آ گیا۔ الپ خان کو اپنے ساتھ لیتا آیا اور ایک برس تک قید رکھا۔ اس اثنا میں الپ خان کے ایک عزیز موسیٰ نام نے جو الپ خان کے حکم سے منڈو کا حاکم تھا قوت حاصل کر لی اور مالوہ کی اکثر مملکت کو اپنے قبضہ میں لے آیا۔ ایک دن الپ خان نے اپنے قلم سے ایک عریضہ اس مضمون کا لکھ کر سلطان کو پیش کیا کہ موسیٰ جو میرے متعلقین میں سے تھا مملکت مالوہ پر قابض ہو گیا ہے۔ اگر سلطان بندہ کو قید زنجیر سے رہا کر دیں تو قید احسان میں بند کر دیں گے۔ میں مملکت مالوہ اس سے چھین لوں گا اور بقیہ عمر خود کو سلطان کا مولیٰ سمجھوں گا۔ سلطان نے الپ خان کو نوازا اور اپنے پوتے احمد خان کو لشکر عظیم کے ساتھ اس کے ہمراہ کر دیا تاکہ موسیٰ کو نکال کر قلعۂ منڈو اور اس کے مضافات کو الپ خان کے سپرد کر کے واپس آ جائے شاہزادہ کوچ متواتر کے ساتھ منڈو کی طرف چلا۔ موسیٰ میں مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ ٹھہرنے پر فرار ہو جانے کو ترجیح دی۔ شاہزادہ الپ خان کو منڈو میں نصب کر کے واپس آ گیا۔

اس کے بعد سلطان نے [1] ۸۱۲ھ میں کنٹھ کوٹ [2] کے کفار پر لشکر متعین کیا خداوند خان کو اس لشکر کا سردار بنایا اور ایک آدمی کو شیخ قاسم کی خدمت میں جو اولیائے زمانہ

---

[1] الف : ۸۱۰ھ
[2] ز : کنبھ کوٹ

سے تھے بھیجا اور لشکر اسلام کی فتح کی مدد مانگی۔ شیخ مذکور نے لشکر میں متعین اشخاص کی فہرست پر نظر ڈالی اور چند ناموں پر خط کھینچ دیا۔ اور فرمایا کہ درجۂ شہادت کو پہنچیں گے اور باقی صحیح سلامت مالِ غنیمت لے کر فتح وفیروزی کے ساتھ لوٹیں گے۔ آخر الامر شیخ کی کہی ہوئی بات بعینہٖ مشاہدہ میں آئی۔ [بیت]

مردان خدا خدا نہیں ہوتے
لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے

مختصر یہ کہ تاریخ بہادر شاہی کے مصنف نے سلطان مظفر کی وفات آخر ماہ صفر ۸۱۳ھ میں درج کی ہے اور وفات کے سبب کا ذکر نہیں کیا۔ جو کچھ مشہور ومعروف ہے یہ ہے کہ جب اساول کے کولیوں نے اطاعت کے راستے سے قدم باہر نکال کر لوٹ مار اور ڈاکہ زنی شروع کی تو سلطان مظفر نے احمد خان کو راجدھانی میں تعینات لشکر کے ساتھ بھیجا تاکہ ان کی گوشمالی کرے۔ خان شہر سے باہر نکلا اور خان سرودر کے حوض پر ٹھہرا اور علماء کو طلب کر کے پوچھا کہ علمائے دین اور فضلائے متین اس باب میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کسی کے باپ کو ناحق مار ڈالا ہو تو کیا بیٹے کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اس سے قصاص طلب کرے یا نہ؟ ہر ایک نے ہاں کہا اور فتویٰ دیا۔ خان نے کاغذ لے کر اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔ دوسرے دن یکایک شہر میں آیا اور خان کو قید کر دیا اور زہر اس کے پیالہ میں[1] ڈلوا دیا۔ سلطان بولا ”اے بیٹے! تو نے جلدی کی۔ یہ سب کچھ تیرے ہی لیے تھا۔“ وہ بولا: ”وقت آ گیا“۔ ”پھر جب عذاب کا وقت آ جاتا ہے تو اس میں ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں ہوتی“ (سورۂ یونس: آیت ۴۹)۔ سلطان نے کہا ”تو پھر چند نصیحتیں مجھ سے سن لے کہ یہ تجھے سودمند ہوں گی۔ پہلی یہ کہ جس کسی نے تجھے اس کام پر اکسایا ہے اس سے دوستی کی امید مت رکھنا۔[2]

---

[1] ز: منہ میں ڈلوا دیا۔
[2] ز: دوستی مت رکھ بلکہ اسے مار ڈال۔

اسے مار ڈال کہ اس بے حرمت کا خون حلال ہے

دوسری یہ کہ شراب پینے سے اجتناب کرنا کہ بادشاہوں کے لیے اس کام کا ترک کرنا ضروری ہے۔ [بیت]

شراب کے پیالہ میں ایک گھونٹ نہ سمجھ
کہ خرابی کے لیے یہ ایک طوفان ہے

دوسری یہ کہ شیخ ملک اور شیر ملک کو قتل کر دینا کہ دونوں فتنہ روزگار ہیں۔ اور بھی نصیحتیں کیں جن کا مضمون یہ تھا۔ [ابیات]

کہ درویش کی خاطر کا نگہدار بننا ۔ نہ کہ خود اپنی آسائش میں محو رہنا
تیرے دیار میں کوئی آرام سے نہیں رہیگا ۔ اگر تو اپنی آسائش چاہے گا اور بس
جا، درویش محتاج کا پاس رکھ ۔ کہ بادشاہ رعیت کی وجہ سے تاجدار ہوتا ہے
رعیت جڑ کی طرح ہے اور سلطان درخت ہے ۔ درخت، اے بیٹے! جڑ کی وجہ سے مضبوط ہوتا ہے
جہاں تک بنے مخلوق کا دل مت دکھانا ۔ کہ اگر تو ایسا کرتا ہے تو خود اپنی ہی جڑ اکھیڑتا ہے

مختصر یہ کہ آخر ماہ صفر میں ظفر نشان سلطان مظفر اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت کر گیا اور اس مقبرہ میں جو جہاں پناہ پٹن کے قلعہ کے بیچ واقع ہے مدفون ہوا۔ اللہ کی رحمت ہو اس پر! [بیت]

جو کوئی دنیا میں آیا اہل فنا میں سے ہو جائے گا
جو پابندہ اور باقی ہے وہ ویسا ہی رہے گا

کہتے ہیں کہ سلطان احمد اپنے دادا کی وفات کے بعد بیحد پشیمان اور متاثر ہوا اور یہ فعل سلطان سے شریروں کی صحبت میں ایام جوانی کی غفلت کی وجہ سے سرزد ہوا اسی لیے کہا گیا ہے۔ [قطعہ]

ہر سفلہ کے پاس نہ بیٹھ

سب سے الگ ایک رہ اور اکیلا بیٹھ

اگرچہ الف کا جسم خود ٹیڑھا نہیں ہے

لیکن دیکھ کہ لام الف (لا) میں کیسا ٹیڑھا ہو گیا

لیکن سلطان کی خصلتوں اور انجام نیک کے پیش نظر یہ امر بہت ہی بعید معلوم ہوتا ہے۔

☆

ساتواں باب

خلافت کے درجہ کی سلطنت کے تخت پر سلطان احمد کے جلوس کا ذکر

نامۂ خسروی کے پیش کرنے والے نے[1]
نظم سخن کو یوں تازگی دی ہے

کہ جب سلطان مظفر نے (اللہ اس کی برہان کو روشن کرے!) اس دنیا سے رخت اقامت باندھا (یعنی وفات پائی) تو تاریخ ۱۴ رمضان المبارک ۸۱۳ھ کو سلطان احمد بن محمد شاہ بن مظفر شاہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ کچھ روز اس طرح سے گذرے کہ ناگہاں خبر پہنچی کہ سلطان کا چچازاد بھائی مودود[1] بن فیروز خان جو بڑودہ کا حاکم تھا اس نواح کے امراء کو اپنا موافق بنا کر "انا خیر منہ" (میں اُس سے بہتر ہوں) کا دعویٰ کرتا ہے اور اپنے خیال فاسد سے کھوٹا مال ہمراہ لے کر ملک کے لالچ میں آرہا ہے اور اپنی بدبختی کی وجہ سے چند مشکل پسند جیسے کہ حسام الملک بھنڈیری، ملک احمد بن حسام الملک، ملک شہ، بدر کھتری[2]، حبیب الملک مستوفی کا لڑکا، ملک کریم خسرو، جیوند[3] اور پیا کداس منحوس مقام نڑیاد پر آکر اس سے مل گئے۔ بیکن اور آدم افغان کو جو سلطان کے دوست تھے شکست دی اور جیوند کھتری کو اپنا پیشوا بنا کر گمراہی کے راستے پر چل رہے ہیں۔

ایک دن جیوند نے امراء کو جمع کر کے کہا کہ نہروالہ کی تسخیر کی فکر کرنی چاہیے تاکہ

---

[1] ز: مؤید الدین فیروز خان

[2] ج: پدر کھتری

[3] ج: "جیوند" نہیں ہے۔

ہمارا کام حسب مراد پورا ہو۔ امراء نے کہا کہ ہم میں سلطان کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ صلاح یہ ہے کہ صرف بیچ میں لائیں۔ جیوند نے ان کو نامردی سے منسوب کیا اور ان کے بیچ خوب تو تو میں میں ہوئی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جیوند مارا گیا۔ امراء سب آئے اور سلطان کی ملازمت کی۔ ہر ایک کے لیے انعام واکرام مقرر ہوا اور موددو بن فیروز خان کھنبایت چلا گیا۔

اس اثنا میں خطۂ سورت ورانیر (یعنی راندیر) کا حاکم شیخ ملک جس کا خطاب[1] میٹھے خان بن سلطان مظفر تھا موددو بن فیروز خان سے مل گیا۔ جس وقت سلطان ان کے دفع کرنے کے ارادے سے نکلا تو وہ کھنبایت سے بھروچ چلے گئے۔ سلطان نے بھروچ کا محاصرہ کرلیا۔ موددو بن فیروز خان کا لشکر باہر نکلا تو سلطان کو دیکھا۔ بعد میں میٹھے خان بھی آیا اور پابوسی کی۔ چند روز کے بعد سلطان نے موددو کے گناہ بھی معاف کر دیے۔ موددو بھی آیا اور آستانہ بوسی سے مشرف ہوا۔ سلطان دولت واقبال کے ساتھ واپس ہوا۔ جب قصبہ اساول پہنچا تو آسا بھیل کا استیصال کیا۔

اسی مبارک انجام سال میں کہ تاریخ لفظ "باخبر" سے نکلتی ہے اساول کے قریب، محققوں کے چاند اور صدیقوں کے چراغ شیخ احمد گنج بخش کے اذن واجازت سے احمد آباد کے عظیم شہر کی تعمیر وآبادی شروع کی۔ چنانچہ حلوی شاعر اپنی بلیغ زبان سے اس طرح بیان کرتا ہے۔ [ابیات]

شکر سخن حلوی جس نے شاعری میں موتیوں کے سو صندوقچے
بکھیرے، ایسا کہا
کہ جب بادشاہ کو کہ آسمان جس کا غلام ہے چند بار سابھر ندی کے
کنارے مقام کرنے کا اتفاق ہوا
تو اس نے دیکھا کہ زمین اس کی نہایت پُر سرور ہے اور اس کی

---

[1] ز: مستی خان، ج: مشی خان

خاک غم کے غبار سے پاک ہے
ہوا وہاں کی ایسی ہے کہ دل میں شوق ابھارتی ہے اور نسیم اس کی شہر خطا
کی مشک کی طرح خوشبودار ہے
اسے کنوؤں کے لائق جگہ اور جگہ کو صاف ستھرا پایا
وہاں کا پانی اچھا اور ہوا خوشگوار پائی۔
اللہ کے حکم اور الہام غیبی سے بادشاہ کے دل میں یہ بات آئی
کہ اس زمین میں جس کی ہوا خوشبودار ہے ایک نئے عظیم شہر کی بنیاد رکھے
اسی وقت بادشاہ نے معمار کو بلایا اور حکم دیا کہ اسی جگہ
ایک اونچی بنیاد والا شہر تعمیر کرے
کہ جس کے لیے دنیا والے اس کا شکریہ ادا کریں
خاک کا سر آسمان کی چوٹی پر لے جائے
اور پاتال کو اوج ثریا پر پہنچائے
دنیا کو ایک عظیم الشان بنیاد دے
جس کی بلندی دنیا کی زیب و زینت بڑھائے
آسمان کے محل کی طرح ایک بنا اٹھائے
جسے دیکھ کر فرشتوں کی آنکھوں چندھیا جائیں۔
زمین کو نیلے آسمان کے لیے قابل رشک بنادے
جس کی بلندی سے آسمان کے تاروں کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔
یاجوج کے لڑائی جھگڑوں کو دفع کرنے کے لیے
زمین پر اسکندری دیوار کھڑی کر دے۔
زمین پر ایک آسمان بنادے
جس کی ہر اینٹ دنیا دکھانے والے پیالے کی طرح ہو۔

جامع شہر آشکار ہو

جس کی دھول چین وستار کی آبرو چھین لے۔

ن کی ہزاروں خطائیں پکڑے

اور ـن کے عقیق کی طرح سرخ خون میں اسے ڈبو دے۔

جو غبار (دھول) اس کی راہ میں اُٹھے

وہ سفہان کی آنکھ میں سرمہ لگائے۔

جو نیشاپور کے جسد[1] (جسم) سے جان لے لے

اور گجرات کو رشک خراسان بنا دے

جب[2] آسمان جیسا بلند تخت رکھنے والے بادشاہ کے دل میں

یہ مسرت افزا فکر جم گئی

تو اس نے جیوتشیوں کو بلایا

جو علوم کے خزانوں کے خزانچی تھے۔

آسمان کی گردش کے دقیقوں کو پہچاننے والے

جو آسمان سے لے کر پاتال کی مچھلی تک سے واقف تھے۔

علم ہندسہ واشکال کے عالم جیسی صفات رکھنے والے نجومی

آسمان کے برجوں کو دکھلانے والے اور قیاس کے ماہر۔

آسمان کی سطح کے مطلعوں کو کھولنے والے

زہرہ اور سورج کے طالعوں کو دکھلانے والے

انہوں نے زیچ اور اصطرلاب لیے

اور تو آسمان بنائے

---

[1] الف : حسد

[2] الف : ایسا عالی ملک کھڑا کرے جو اس کے فیروزہ کے نگینوں کو توڑ دے۔

ان میں ہر سیارہ کا شرف دیکھا
اور چاروں طرف نظر دوڑائی
بخت یار شاہنشاہ کے حکم سے
نیک ساعتیں اختیار کیں۔
ہجری سن کا ماہ ذی قعدہ گذر چکا تھا
اور سنہ ۸۱۳ ہجری تھا
جب معمار نے زمین پر بنا ڈالی
تو آسمان کے معمار نے اس پر آفرین کہی۔
جب اس نے پہلی موٹی اینٹ رکھی
تو آسمانے کہا: ''مسعود و مبارک ہو!''
اس کی بنا ابتدا ہی سے بلندی میں
سدرۃ المنتہٰی کی چوٹی سے گذر گئی
جب یہ اونچی بنیاد پوری ہوئی
تو فیروزہ رنگ آسمان سے اونچی ہوگئی
جب وہ شہر معمور اور آباد ہوگیا
تو سات اقلیم کی دنیا آٹھ اقلیم کی ہوگئی
ایک نیا نازنین شہر آباد ہوگیا
جس کے اطراف کی سیاہی روے زمین کا تل تھی۔
جب اس عالی مقام شہر کی ترتیب
ناصر الدین احمد کے ہاتھوں پوری ہوگئی۔
تو اس کا نام احمد آباد ہوگیا
اور اس میں احمد کی ملت آباد ہوگئی۔

: ایک نیا شہر تعمیر ہو گیا
کہ جس کی نظیر آسمان نے کبھی دیکھی نہ تھی۔
الٰہی! تو اس عالی پایہ شہر کو
حشر تک زوال فنا نہ دینا!

۸۲۰ھ[1] میں احمد آباد کا قلعہ مکمل ہوا۔ سال مذکور ''خیرک[2]'' سے برآمد ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ احمد آباد کی بنا چار احمد نامی حضرات کے ہاتھوں ہوئی۔ ایک قطب المشائخ والاولیا شیخ احمد کھٹو کہ جنہوں نے رسّی کا ایک سرا[3] دست مبارک سے پکڑ کر مغرب کی طرف کھینچا۔ دوسرے سلطان[4] احمد کہ جس کے ہاتھ میں طناب کا دوسرا سرا تھا اور وہ بہ سمت مشرق[5] کھینچے ہوئے تھا۔ دوسری رسی شیخ احمد کے ہاتھ میں تھی اور ایک سرا مولینا احمد کے ہاتھ میں ہر دو عزیز اپنے وقت کے بزرگ اور صاحب کمال تھے۔ یہ دونوں شمال وجنوب کھینچ رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ سلطان احمد صلاح ظاہری سے آراستہ اور طہارت باطنی سے پیراستہ تھا۔ اکثر اوقات مع اللہ (یعنی اللہ کی یاد میں) رہتا تھا۔ شہر احمد آباد کی خوبی اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر چہار احمد محمود العاقبت تھے کہ ان کے مبارک ہاتھوں سے ایسا مقبول شہر ظاہر ہوا جس کی رونق ہفت اقلیم کے شہروں سے بڑھ گئی۔ خشکی وتری کے مسافر اس بات پر متفق ہیں کہ روئے زمین پر کوئی شہر ایسی دلکشائی اور زیبائی کا تعمیر نہیں ہوا۔ یہ احتمال ضرور ہے کہ کثرت آبادی میں کچھ شہر اس سے زیادہ ہوں لیکن احمد آباد کی خوبصورتی، رونق اور طرح شہریت جیسا کوئی دوسرا شہر وجود میں نہیں آیا۔ [ابیات]

---

[1] الف ج ز : ست عشر وثمانمایہ یعنی ۸۱۶ھ۔
[2] الف ج ز : ''خیرک سے ۸۳۰ برآمد ہوتا ہے'' نہیں ہے۔
[3] الف : ان کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرا شہر مذکور کا والی سلطان احمد، تیسرے شیخ احمد۔ چوتھے ملا احمد کہ یہ دو عزیز بھی اپنے وقت کے بزرگ اور صاحب کمال تھے۔
[4] الف : شہر مذکور کا والی
[5] ج : ''بہ سمت مشرق...... شمال وجنوب میں کھینچ رہے تھے'' نہیں ہے۔

احمد آباد ایسا ہے کہ خدا نے حدود زمانہ میں
اس آسمان کے نیچے روئے زمین پر ایسا شہر پیدا نہیں کیا
سورج اور چاند جو آسمان پر ہیں ان دو کے سوا دنیا میں کوئی نہیں چمکا
اور اس میں دیکھو کہ سینکڑوں سورج اور چاند آباد ہیں

نظم

ہوا اس کی عنبرین ہے باد بہار کی طرح
نسم اس کی معطر ہے مشک تاتار کی طرح
صورت میں باغ بہشت معلوم ہوتا ہے
اس کی ساری خاک مشک ہے عنبر کی صفت والی
باغ اس کا مفرح تر ہے بوستان سے
اور بوستان ارم خوشبو لیتا ہے اس سے
بساط زمین پر اس کا شہرہ
ملک عرب سے سرحد چین تک پھیلا ہوا ہے
اس کے کنارے چشمہ سلسبیل رواں ہے
اس کے رشک سے نیل کا چہرہ آب نیل میں غرق ہے
بلندیوں کی وجہ سے اس کی عمارتیں
آسمان سے نو سو ہاتھ اونچی ہیں
بہت سے گھر سونے سے منقش ہیں
جو فیروزہ رنگ آسمان سے اونچے ہیں
ہر طرف زرنگار (سنہری) گنبد
نیلے قلعہ کے ایوان (یعنی آسمان) کی طرح بلند ہیں
دوکانیں اور بازار اس کے آراستہ ہیں

جن میں ہر وہ چیز مہیا ہے جسے دل چاہے

اس میں ایک مسجد ہے جو احترام کی وجہ سے شرف سے بھری ہوئی ہے

جس کی منزلیں بیت الحرام (کعبہ) کی طرح بلند ہیں

اس میں ایک زرنگار (سنہرا) منبر رکھا ہے

جس سے آسمان کو درجۂ اقتدار حاصل ہو

زیبائش اور شان کے لیے اس میں

چاندی کے چراغ اور سونے کی قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں

اس میں بے شمار مدرسے اور خانقاہیں ہیں

ان مسافروں کے لیے جو دور راستوں سے آئیں

قصرِ شاہی کی تعریف میں

بادشاہ کا محل آسمان تک اٹھایا گیا ہے

جس کے ہر برج کی چوٹی چاند کی بلندی سے زیادہ اونچی ہے

آسمان کا طاق اس کے طاق کا ایک کونہ ہے

اس کے درجے تو آسمانوں سے آگے بڑھ گئے ہیں

اس کی تعمیر نہ لکڑی سے تھی نہ اینٹ سے

کہ اس کی اینٹ سونے کی تھی اور لکڑی عود کی

اس میں ایک باغ ہے، باغ بہشت جیسا

جس کی ساری خاک مشک ہے عنبر کی صفت والی

اس کے تمام درخت طوبیٰ کی نظیر ہیں

اونچائی میں حد کمال کو پہنچے ہوئے

اس میں ایک حوض ترتیب دیا گیا ہے سونے کا

جس کے پانی کا آب حیات بھی اقرار کرتا ہے

اس کی اندرونی صفائی صفت سے باہر ہے

لطافت کی وجہ سے وہ آب حیات جیسا ہے

اس میں ہر طرف پانی کی نہریں بہ رہی ہیں

جیسے باغ جنت کی نہریں

اس کے تمام درخت طوبیٰ کی طرح بلند ہیں

جن پر شکر کی طرح میٹھے پھل لگے ہوئے ہیں

اس کی ہر شاخ پر بلبل چہچہا رہی ہے

بلبل کی آواز سے گل کے ہوش اڑ گئے ہیں

اس کے لہلہاتے ہوئے درخت سب کے سب میوہ دار ہیں

جنھوں نے شکر کی طرح پھل پیدا کیے ہیں

اس کے لطیف و نادر درخت ہوا میں سر اٹھائے ہوئے ہیں

مور کی طرح جس کے پروں کے نیچے انڈے ہوں

مسجد عالی کی تعمیر جو مانک چوک کے قریب ہے، ۸۱۵ھ میں ہوئی اور تاریخ مذکور جو شہر کے مفتی مولینا یحییٰ نے نظم میں ادا کی یہ ہے۔ [بیت]

مبارک ہے یہ مکان جو کعبہ کی طرح عجیب بنیاد کا ہے

کعبہ کی طرح بلند اور دین عرب کی دولت ہے

سلطان زمانہ احمد شاہ کی جہانداری کے زمانہ میں

وہ شہریار جس کا لقب شہنشاہ جہاں ہے

ایک بانی اس کا علم و ادب کا سر چشمہ ہے

کہ وفا اور کرم اور تونگری جس کے نسب میں ہے

آل نبی میں برگزیدہ اور اولاد علی کے لیے لائق فخر

سید عالم ابوبکر جو حسینی نسب کے ہیں

اللہ کا شکر ہے کہ بنیاد کی تاریخ مرتب ہوئی

تین سو[1] اور پندرہ اور ماہ رجب کی پہلی تاریخ ہے

اور لفظ ''خیرہ''[2] سے بھی نکلتی ہے۔ اہل شہر کی معلومات[3] کے لیے اس کی لمبائی، چوڑائی، ستونوں، گنبدوں اور چھوٹے گنبدوں کی تفصیل لکھی جاتی ہے۔[4]

طول غیر صحن اور جنوبی وشمالی ایوان ایک سو گز	عرض غیر صحن پچاس گز	طول صحن ایک سو پچاس گز	عرض صحن ایک سو بیس گز
عرض ہر دو بازو جنوبی وشمالی بیس گز	ستون مسجد کے اندر ملوک خانہ کے علاوہ تین سو باون	ستون دروازہ ملوک خانہ بارہ	تحت ملوکخانہ آٹھ
ستون ہر دو بازو جنوبی وشمالی دو سو بارہ	ستون ہر دروازہ شرقی بیس	گنبد کے اوپر وجنوبی وشمالی	غیر ایوان کے گنبد جنوبی وشمالی اٹھانوے
غیر ایوانوں کے گنبد جنوبی وشمالی ستر بڑے، بیس چھوٹے	اور بڑے اور چھوٹے دروازے ستاون ہر دو زینوں میں	دونوں میناروں کی سیڑھیاں ایک سو چھیاسی	ہر مینارہ میں ترانوے

مختصر یہ کہ بھروچ سے واپس آنے کے بعد احمد آباد کے عظیم شہر کی تعمیر شروع

---

۱ ز: آٹھ سو اور سات سو

۲ ز: نص خبر سے

۳ ز: اقالیم کے لوگوں کے لیے۔

کرد۔ اسی سال مودود بن فیروز خان اور میٹھے خان نے بدر علا کی تحریک پر
رنمل سے اتفاق کر کے پھر بغاوت کا راستہ اختیار کیا اور ایڈر کو اپنی جائے پناہ
ان کے دفع کرنے کے قصد سے سلطان متوجہ ہوا اور قصبہ برہتی[1] کے مقام ۔۔
عزیز چچا ہوشنگ المخاطب بہ فتح خان ابن سلطان مظفر کو ایک لشکر جرار دے کر مقرر کیا کہ قصبہ
کے راستہ سے ولایت ایڈر میں گھس آئے۔ اس ہنگام میں ابراہیم بن نظام کو جس کا
خطاب رکن خان تھا اور جو سلطان کے حکم سے قصبہ موراسہ میں ۔ مودود ابن فیروز خان
نے ۔ کر اپنے ساتھ ملالیا۔ بدر علا اور مودود اور میٹھے خان اور ایڈر کے راجہ رنمل نے جمع
ہو کر ۔یدر سے کوچ کیا اور موضع انکپور[2] میں جو ایڈر کے قصبات میں سے ہے اور قصبہ
موراسہ) سے پانچ کوس کی دوری پر واقع ہے آ کر کیمپ لگایا۔ موراسہ کے قلعہ کو
مضبوط بنانے میں مشغول ہوگئے۔ قلعہ کے گرد ایک گہری خندق کھدوائی اور ۔۔
توپ وتفنگ سے ڈھانک دیا۔

سلطان روانہ ہوکر موراسہ کے نواح میں قیام پذیر ہوا۔ غایت دینداری ا
خدا ۔ کی وجہ سے مہربانی کو مد نظر رکھتے ہوئے عزیزوں رشتہ داروں سے محبت کے سلوک
ر ۔ قاصد ان کے پاس بھیجا کہ نصیحت کرے کہ بغاوت کا راستہ اختیار کرنا
تمہا ہلاکت کا موجب ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ معافی کو اپنا شفیع بنا کر خلاصی کے دروازوں کو
کو ۔ لیکن انہوں نے نہیں سنی۔ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ دوبارہ نصیحت کرنے
میں مبالغہ کیا۔ باغیوں نے مکاری اور دھوکے سے یہ مدعا عرض کیا کہ ہم سے گناہ بار بار اور
قصور اتنی ہی بار سرزد ہوئے ہیں۔ اس وجہ سے دل میں جان اور گھربار کی ذلت کا خوف
بیٹھ گیا ہے۔ ارکان دولت اور امرائے مملکت سے چند اشخاص جن کے نام نظام الملک
وزیر، فوج کے بائیں بازو کا سلاحدار سعد الملک، ملک احمد عزیز الملک اور نصیر سیف جس کا

1۔ ب، ز: پرنی۔
2۔ ز: رنگپور

خطاب اژدر خان ہے آئیں اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر سلطان کے قدموں تک پہنچا دیں۔[1]

سلطان نے اجازت دی اور کہا کہ قلعہ کے اندر نہ جانا اور باغیوں کی دغابازی سے خبردار رہنا۔ جب امرائے مذکور قلعہ کے دروازہ کے پاس پہنچے بدر علا ایک ہتھیار بند جماعت گھات میں چھوڑ کر باہر آیا اور ملاقات کی۔ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے ان کو ایسا فریفتہ کیا کہ دھوکے کا خوف امریوں کے دل سے فراموش ہوگیا۔ اسی اثنا میں ملک نظام الملک اور سعد الملک کو کہا کہ میں التماس کرتا ہوں کہ اگر خلوت میں سنیں تو میں عرض کروں۔ وہ مجلس سے اٹھ کر تنہائی میں چلے گئے۔ اس وقت اس نے اشارہ کیا تو مسلح جماعت کمینگاہ سے باہر نکلی اور ہر دو ملک کو جو حاضر ہوگئے تھے گرفتار کر کے قلعہ کے اندر لے گئی۔

نظام الملک نے بلند آواز سے کہا کہ سلطان سے عرض کر دینا کہ تقدیر ہمارے بارے میں ایسی ہی تھی۔ آپ ہماری گرفتاری کی وجہ سے قلعہ کو قبضہ میں لانے اور فتح کرنے میں تقصیر نہ فرمائیں۔ سلطان نے حکم دیا تو سپاہی بغیر اکراہ کے اپنی بہادری اور شیر مردی کی وجہ سے ہر طرف سے چیونٹیوں کی طرح قلعہ سے چپک گئے۔ تیسرے دن سلطان خود خندق پر آیا۔ سپاہی ہر طرف سے قلعہ پر چڑھ گئے۔ باغی خوفزدہ ہو کر تہ خانوں میں گھسنے لگے۔ آخرکار بدر علا اور رکن خان قتل ہوئے۔ مودود خان اور راجہ ایڈر بھاگ کر ایڈر پہنچے۔ نظام الملک اور سعد الملک جس حجرہ میں قید تھے وہاں سے صحت وسلامتی کے ساتھ باہر آئے۔ یہ واقعہ ۵/ جمادی الاول ۸۱۴ھ کو پیش آیا۔

مختصر یہ کہ جب ایڈر کے راجہ نے یہ حال مشاہدہ کیا تو اپنی نجات اس میں دیکھی کہ جو کچھ ہاتھی گھوڑے مودود خان اور میٹھے خان کے تھے سب جمع کر کے سلطان کو بھیج دیے اور ان کا مال واسباب خود لوٹ لیا۔ مودود خان اور میٹھے خان ناگور پہنچے اور شمس خان

---

[1] ح: اور ہماری جرموں کی شفاعت کریں تا کہ یہ خوف اور ڈر جو ہمارے دلوں میں بیٹھ گیا ہے زائل ہو جائے اور ہم سکون کے ساتھ خدمت میں آنے کے لیے قدم اٹھائیں۔

دندانی سے مل گئے۔ اس کو دندانی اس وجہ سے کہتے تھے کہ اس کے چار دانت بہت لمبے اُگے تھے۔ آخر کار مودود اس جنگ میں جو چیتوڑ کے راجہ رانا موکل اور شمس خان دندانی کے درمیان ہوئی مارا گیا۔ مختصر یہ کہ جب ایڈر کے راجہ کا یہ عمل ظاہر ہوا تو سلطان نے اس کا گناہ معاف کر دیا اور ایک بڑی سلامی (پیشکش) لے کر واپس ہو گیا۔

اس کے بعد ۸۱۶ھ میں عثمان احمد سرکھی، شہ ملک بن شیخ ملک حاکم شہر نہروالہ، احمد شیر ملک، سلیم افغان جس کا خطاب اعظم خان تھا اور عیسیٰ سالار نے کفران نعمت کر کے مالوہ کے بادشاہ ہوشنگ شاہ کو خفیہ عرضیاں بھیجیں کہ اگر بادشاہ ولایت گجرات کی تسخیر کا ارادہ رکھتے ہوں تو اُدھر سے آئیں اور اِدھر سے ہم کمر موافقت باندھ کر سلطان احمد کو بیچ سے نکال دیں گے اور گجرات کا تخت آپ کے جلوس سے اختصاص پائے گا۔ اس کام کو مستحکم کرنے کے لیے انہوں نے گجرات کے بعض زمینداروں مثلاً کانھا سرسل گراسیہ ولایت جھالاواڑ وغیرہ کو بھی اپنا دوست بنالیا اور گمراہی کے غار میں اگر فساد کی بنا رکھی۔

چند فوجی سرداروں کی تحریک پر سلطان ہوشنگ اپنے مرکز سلطنت سے سلطان احمد سے جنگ کے ارادہ سے عازم گجرات ہوا۔ ان خبروں کو سن کر سلطان نے اپنے اخیانی[1] بھائی شاہزادہ لطیف خان اور وزیر نظام الملک کو شیخ ملک اور کانھا کی تنبیہ کے لیے مقرر کیا اور خود روانہ ہو کر موضع پانڈرو[2] کے کنارہ جو پرگنہ ساتولی کے دیہاتوں میں سے ہے اور چانپانیر کے پہاڑ سے دس کوس[3] کی دوری پر ہے خیمہ زن ہوا اور عماد الملک خاصہ خیل[4] کو ایک زبردست فوج کا پیشوا بنا کر سلطان ہوشنگ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ سلطان ہوشنگ نے اپنے وزیروں اور امریوں سے کہا کہ عماد الملک سے جنگ کرنا

---

1. جن کی ماں ایک، باپ الگ الگ ہوں۔ (مترجم)
2. ز: پاندر
3. ز: تیرہ کوس
4. خاص فوج کا سردار۔ (مترجم)

ہمارے شایان شان نہیں۔ فتح تو آسمانی چیز ہے۔ اگر اس جانب سے ہوئی تو ہم نے گویا سلطان احمد کے غلام کو شکست دی اور اگر معاملہ پلٹ گیا تو لوگ کہیں گے کہ سلطان ہوشنگ کو سلطان احمد کے غلام نے ہرادیا۔ یہ بات میرے لیے ہار میں ہار کا موجب ہوگی۔ اس لیے اس جنگ سے احتراز اولیٰ ہے۔ صحیح بات بتلانے والی عقل کی تلقین سے متاثر ہوکر سلطان ہوشنگ واپس لوٹ گیا۔ عماد الملک ملک مالوہ کی سرحدوں کو تاراج کر کے واپس ہوا۔ لطیف خان اور نظام الملک، شیخ ملک اور ستر سل[1] کو آگے ڈال کر ولایت سورٹھ تک جس کا تعلق گرنار کے راجہ منڈلک سے تھا لے گئے اور گناہگاروں کو ایک گناہگار کے سپرد کر کے لوٹے۔ سلطان احمد دل شاد اور جمعیت خاطر کے ساتھ احمد آباد تشریف لایا۔

آنکھ والوں اور خبروں کے طالبوں کے ضمیر پر مخفی نہ رہے کہ گجرات کے شہروں کے آئینے سے کفر کا رنگ ابتدا میں مقدس جنگ کے عادی اور شرع متین کے حامی علاء الدین جن کا جذبۂ دینی اعلیٰ تھا کی آبدار تلوار صیقل سے صاف ہوا تھا لیکن خط طول البلد کی طرح اسلام کی روشنی شہر نہروالہ عرف پٹن سے قلعۂ بھروچ تک آئی تھی اور کفر کا اندھیرا آس پاس اور کناروں پر اپنے حال میں موجود تھی۔ آخر کار سلاطین گجرات (اللہ ان پر رحم فرمائے اور انہیں بخشے!) کی سعی کوشش سے دھیرے دھیرے سب صاف اور روشن ہوگیا۔ بعض ان جگہوں کا جنہوں نے سلطان احمد (اللہ اس کی قبر کو منور کرے!) کی سعی وکوشش سے نور اسلام حاصل کیا ذکر حسب ذیل ہے:

[1] ز: ستر سال / ج: سر سل۔

آٹھواں باب

سلطان کے ولایت سورٹھ کی طرف قلعہ گرنال (گرنار) کی تسخیر کی ارادہ سے جانے اور اسے فتح کیے بغیر اس ملک سے واپس آنے کی کیفیت

[بیت]

خبر کی رو سے ہجری تاریخ

آٹھ سو سترہ تھی

سلطان نے کہ مقدس جنگ کرنا اس کا شعار تھا گرنار جو ملک سورٹھ کا مشہور قلعہ ہے کے کفار کے خلاف علم جنگ بلند کیا۔ گرنار کے راجہ راؤ منڈلک نے پہاڑ کے دامن میں ایک شاندار لشکر جنگ کے لیے جمع کر کے لڑائی کی۔ بادشاہی لشکر کے سامنے کے حصے سے اس نے شکست کھائی۔ کہتے ہیں کہ اس جنگ میں کافر بے شمار قتل ہوئے۔ راجہ گرنار بھاگ کر قلعہ میں چلا گیا۔ چنانچہ اس حال کی خبر شیرین کلام حلوی دیتا ہے۔

[ابیات[1]]

اسلام کا گروہ ایسا غالب ہوا کہ

کفار کے لشکر کے بیچ کے حصے کو شکست ہوئی

پریشان، غمناک اور حیران ہو گئے

جیسے ہوا سے تازہ بید لرزتی ہے، وہ لرزتے تھے۔

---

[1] الف: مثنوی

اصحاب دین، ناپاک کفار، آتش پرستوں
اور لعینوں پر ظفر مند ہوئے۔
فتح کی فوج[1] سے پوری نصرت[2] حاصل ہوئی
فتح کے صندوقچہ[3] سے دولت کا موتی نکلا
کامیابی نے بادشاہ کی چوکھٹ پر بوسہ دیا
آسمان نے نصرٌ من اللہ[4] کا نعرہ لگایا
غضب کی آگ سے کفر کا ملک جل گیا
شریعت کا چراغ قوت سے روشن ہوا
تمام مفسد راہ پر آگئے
اور دین پناہ بادشاہ کے تابعدار بن گئے

کہتے ہیں کہ اگرچہ اس مرتبہ اس دیار نے چراغ اسلام سے پوری روشنی حاصل نہ کی لیکن اس جگہ کے رہنے والے کافروں کا حال صفت حربی سے لفت ذمّی میں تبدیل ہوگیا جوناگڈھ کا قلعہ جو پہاڑ کے دامن میں ہے سلطان کے ہاتھ آیا اور سورٹھ کی مملکت کے اکثر زمیندار مطیع ومنقاد ہوئے اور خدمت قبول کی۔ سلطان عالی شان، سید ابوالخیر اور سید قاسم کو زمینداروں سے سلامی وصول کرنے کے لیے انہی حدود میں چھوڑ کر اپنی راجدھانی واپس آیا۔

اس کے بعد وہ جمادی الاول ۸۱۸ھ میں سید پور کے بتخانہ کو جس کی تمام مورتیاں سونے اور چاندی کی تھیں منہدم کرنے کے ارادہ سے لشکر کشی کی۔

---

[1] اس شعر میں فوج کا قافیہ غلط ہے۔ صحیح برج ہے جو نسخہ ج میں درج ہے۔ (مترجم)
[2] ب: ظفر
[3] ج: برج (لیکن یہ قافیہ دوسرے مصرع میں نہیں آسکتا۔ متن میں 'درج' صحیح قافیہ ہے۔ (مترجم)
[4] نصر اللہ کی طرف سے ہے۔ (مترجم)

سلطان عالی شان کے سید پور کا بتخانہ توڑنے کے ارادہ سے روانہ ہونے کی کیفیت

رب غفور کی تائید سے وہ سید پور کا
بتخانہ توڑنے کے لیے روانہ ہوا

یہ ایک مکان تھا جو کافروں کا عبادت خانہ تھا
ناپاک جان والے گبروں کا وطن،

اس میں دن رات جینوئی پہنے ہوئے
بت پرست معتکف رہتے تھے

پورے سال وہ بتوں اور بت پرستوں سے بھرا رہتا تھا
اس میں کہیں سے بھی کوئی ٹوٹ پھوٹ نہیں ہوئی تھی

وہ دنیا میں مشہور ومعروف تھا
قہر زدہ کافروں کا وطن تھا۔

اس کی بنیاد سخت پتھر سے اٹھائی گئی تھی
فیروزہ رنگ آسمان کی طرح اس میں نقش ونگار بنے ہوئے تھے

اس کے دروازے کافور اور صندل سے بنائے گئے تھے
اور ان کی کنڈیاں سونے کی لگائی گئی تھیں

فرش اس کا سنگ مرمر کا تھا
آئنہ کی طرح روشنی سے بنا ہوا

اس میں تازہ اگر (عود) لکڑی کی طرح جلتا تھا
اور بہت سی شمع کافوری روشن تھیں

ہر کونے میں ایک نیا طاق بنا ہوا تھا
ہر طاق میں سونے کی قندیل لٹکتی تھی۔
چاندی کے بدن والی مورتیاں تراشی گئی تھیں
جن سے چین وختن کے بت بھی شرما جائیں۔
تو کہے کہ گویا وہ تجھ سے بات کرتی ہے
اور اپنے سرخ ہونٹوں سے ہنستی ہے
سب کے رخسار تازہ صندل سے دھلے ہوئے تھے
منہ موتیوں سے پُر اور آغوش پھولوں سے بھرا
سب کی سب چاندی کی پیشانی والی، سب کی سب سنگدل
اور معشوقان چگل لے پر غالب
وہ ایسا پرانا مشہور بتخانہ تھا
کہ سارے زمانے میں اس کی شہرت تھی
احمد کی مدد سے وہ بتوں سے پاک ہوا
اور بت پرستوں کا دل غم سے چاک ہوا
اس نے وہاں مسجدیں بنائیں اور منبر کھڑے کیے
اور راہ ورسم پیمبر (علیہ السلام) کی بنا رکھی
وہاں بتوں، بت گروں اور بت پرستوں کی جگہ
امام، خطیب اور موذن بیٹھ گئے
احمد کے اقبال نے ایسی مدد کی کہ
بتوں کے گھر کے بدلے وہ اللہ الصمد کا گھر بن گیا

جب سلطان عالی شان سید پور کی مہم سے مطمئن ہوا تو ۸۱۹ھ میں اس نے قصبۂ دھار کی طرف چڑھائی کی۔ سبب اس کا یہ تھا کہ جس وقت سلطان ولایت آسیر و برہانپور کے حاکم نصیر ابن عین الملک کو دفع کرنے کے لیے عازم ولایت سلطانپور ہوا تھا گجرات کے زمینداروں نے جن کے نام یہ ہیں، ایڈر کا راجہ پونجا، چانپانیر کا راجہ تربنک داس، جھالاواڑ کا گراسیہ ستر سال، نادوت کا راجہ ببری، متفق ہو کر منڈو کے حاکم سلطان ہوشنگ کو لکھا تھا کہ سلطان احمد سلطانپور اور نندربار کی طرف گیا ہے۔ نصیر ابن عین الملک کے ساتھ اس کا مقابلہ ہے۔ اگر اس اثنا میں سلطان ولایت گجرات کی تسخیر کا قصد کرے تو یہ بندے اس مہم کو بہت ہی آسانی سے طے کر دیں گے۔ سلطان ہوشنگ نے لشکر کی تیاری شروع کر دی اور شمس خاں دندانی اور مودود ابن فیروز خان کو جس پر غضب سلطانی نازل ہوا تھا اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے لکھا کہ میری سچائی بتلانے والی رائے ملک گجرات کی تسخیر کا اقتضا کرتی ہے۔ اگر تم اس وقت اتفاق یک راستہ پر چلو تو شہر نہروالہ یعنی پٹن اس کے مضافات کے ساتھ تمھیں تفویض کر دیا جائے گا ورنہ سلطان احمد تم سے پرانے کینے کا انتقام لے گا۔ اس پیغام کے ملنے پر شمس خان نے سلطان احمد کو لکھا کہ سلطان ہوشنگ آنحضرت کی مخالفت کے لیے مکر و حیلہ سے ہم سے موافقت طلب کرتا ہے اور گجرات کی تسخیر کا عزم اسے گدگداتا ہے۔ ہم آنحضرت کے مخلص غلام ہیں اور آپ کے اقبال کی برکت سے ملک کے اس گوشہ میں حکمرانی کرتے ہیں۔ کیا یہ روا ہوگا کہ ہم سلطان کے دشمن کے دوست بن جائیں؟ احوال اس طور کے ہیں۔ واجب تھا کہ عرض کر دیں۔ یہ عریضہ ناگور سے نویں روز اونٹ سوار کے ذریعہ سلطان کی خدمت میں سلطان پور پہنچا۔ اس اثنا میں خبر آئی کہ سلطان ہوشنگ قصبہ[1] میکریج[2] سے گذر کر موراسہ کے پڑوس میں مقیم ہوا ہے۔ سلطان بارش کے موسم میں یلغار کرتا ہوا سرزمین گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ بارش کی کثرت اور کیچڑ کی

---

[1] ب: قلعہ

[2] ز: منکریج۔ موجودہ میگھرج۔

زیادتی کے باوجود جو راستے کی مصیبت تھی، نندربار سے ساتویں روز ۱۸/ماہ رجب[1] ۸۲۰ھ کو اپنی بارگاہ کا خیمہ موراسہ کے قریب سلطان ہوشنگ کے مقابل کھڑا کر دیا۔ سلطان ہوشنگ نے مذکور راجاؤں سے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ سلطان احمد کو خبر ہونے تک ہم آپ کو احمد آباد لے جائیں گے۔ سلطان احمد پانچ کوس پر آبیٹھا ہے اور تم نے ہمیں اس حال کی خبر بھی نہ کی۔ یہ بات تمہارے نفاق پر دلالت کرتی ہے نہ کہ تمہارے موافق ہونے پر۔ اب ہمیں تمہاری بات پر بھروسہ نہیں رہا۔ سلطان ہوشنگ راتوں رات بھاگ نکلا۔ راجے ہر طرف آوارہ ہو گئے اور اپنے کیے پر پچھتائے۔ سلطان احمد شاہ نے چند دن تک موراسہ میں قیام کیا۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ ولایت سورٹھ کے زمینداروں نے سلطان ہوشنگ کے خلل کے سبب مالگذاری دینے سے انکار کر کے سرکشی کا پاؤں پھیلایا ہے۔ اسی دوران میں یہ بات ظاہر ہوئی کہ قلعہ آسیر کے حاکم نصیر ابن راجہ نے سلطان ہوشنگ کے بیٹے غزنی خان[2] کے اتفاق سے عداوت کے راستہ میں قدم رکھ کر قلعہ تھالنیر کا محاصرہ کر کے قلعہ مذکور کو ایک حیلہ سے افتخار الملک بن راجہ سے لے لیا ہے اور ولایت نادوت کے زمینداروں کو اپنے ساتھ ملا کر وہ مملکت سلطانپور اور نندربار پہنچا ہے اور یہ لوگ فتنہ کے درخت کو پانی دے رہے ہیں اور ماہ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ (غرہ[3]) کو بارگاہ اعلیٰ کے حاجب ملک احمد شرف کو قلعہ سلطانپور میں قتل کر کے تسخیر کا اہتمام کر رہے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس وقت تک کیا صورت پیدا ہوئی ہے۔ سلطان احمد شاہ نے ملک محمود برکی اور مخلص الملک کو زبردست فوج کے ساتھ نصیر کے خلاف مقرر کیا اور خان اعظم کو بھاری فوج کے ساتھ سورٹھ کے سرکشوں کی تنبیہ کے لیے مقرر فرمایا۔ جب ملک محمود ولایت نادوت پر حملہ کر کے سلطانپور

---

[1] "سنہ ۸۱۹" ترجمہ (الف)

[2] ج: عریب خان

[3] الف: "غرۃ" نہیں ہے۔

کے قریب پہنچا تو غزنی خان[1] مالوہ کی طرف بھاگ گیا اور نصیر تھالنیر کی طرف فرار ہوا۔ ملک نے تعاقب کیا۔ نصیر تھالنیر کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ ملک نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ تھوڑی ہی مدت میں اسے اتنا تنگ کر دیا کہ ناچار ہو کر سلطان کی غلامی پر راضی ہو گیا۔ ملک محمود نے حقیقت حال سے سلطان احمد شاہ کو آگاہ کر کے نصیر خان کے گناہ کی معافی چاہی۔ سلطان نے نصیر کو خان کا خطاب دیا اور اپنا مطیع بنا لیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سلطان احمد شاہ نے اس خطا کی وجہ سے جو سلطان ہوشنگ سے صادر ہوئی تھی چنانچہ ذکر اس کا اوپر گذرا مالوہ کی طرف فوج کشی کی۔ اس اثنا میں پونجا بن رنمل راجہ ایڈر تربنگ[2] داس راجہ چانپانیر اور راجہ نادوت وغیرہ نے کہ جنہوں نے سلطان ہوشنگ کی بغاوت کے وقت اس سے اتفاق کیا تھا اپنے وکیلوں کو سلطان کی خدمت میں بھیج کر معذرت و معافی چاہی۔ مصلحت کی بنا پر سلطان نے ان کے گناہ معاف کر دیے۔ وزیر ملک ضیاء الدین کو جس کا خطاب نظام الملک تھا راجدھانی میں چھوڑ کر ملک مالوہ کی طرف متوجہ ہوا۔ متواتر کوچ کرتا ہوا اجین کے قریب کلیادہ ندی کے کنارے سلطان ہوشنگ سے مقابلہ کیا سلطان ہوشنگ نے ایک گہری خندق کھدوائی۔ اپنے لشکر کو ترتیب دے کر[3] شاخ بندی مضبوط کی اور آمادۂ جنگ ہو گیا۔

نقل ہے کہ جنگ کے دن سلطان احمد شاہ ہتھیار سجا کر سوار ہوا۔ ملک فرید ابن عماد الملک کا ڈیرہ راستے میں تھا۔ وہاں لگام کھینچ کر توقف کیا اور ملک فرید کو کہلا بھیجا کہ عماد الملک کا خطاب جو اس کے والد کی طرف سے باقی رہا ہے اسے مبارک ہو۔ آئے اور خلعت پہنے۔ اس وقت ملک فرید بدن پر تیل ملنے میں مشغول تھا۔ خبر لائے کہ ملک تیل ملتا ہے اور کچھ دیر کی فرصت مانگتا ہے۔ سلطان روانہ ہو گیا اور قدم میدان میں رکھا۔ طرفین

---

[1] ز: غیر خان، ج: غریب خان

[2] ج: نرسنگ داس

[3] شاخ بندی سے مراد غالباً فوج کے تمام حصوں (مقدمہ، میمنہ، میسرہ، قلب وغیرہ) کو مستحکم کرنا ہے۔ مترجم۔

کے لشکر اپنے متعینہ مقام پر صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ ملک فرید اپنی روزانہ کی عادت کے مطابق تیل کی مالش سے فارغ ہو کر سوار ہوا۔ وہ ایک چھوٹی سی نہر پر پہنچا جس سے گذرنے کا راستہ تنگ تھا۔ وہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہ راستہ نہیں پا رہا تھا کہ سلطان تک پہنچے۔ اس نے کہا کہ کوئی ہے کہ راستہ بتلاتا چلے کہ میں سلطان کی خدمت میں جلد پہنچ جاؤں۔ ایک آدمی نے کہا کہ میں راستہ جانتا ہوں لیکن یہ راستہ سلطان ہوشنگ کی چھاؤنی کے پیچھے سے نکلتا ہے۔ کہا کہ کیا بہتر ہے؟ ملک مذکور اس آدمی کی رہنمائی میں عجلت سے روانہ ہوا۔ اتفاقاً اس وقت کہ دونوں فوجوں کے مقدمے (سامنے کے حصے) ایک دوسرے پر حملہ آور تھے اور میمنہ (دایاں بازو)، میسرہ (بایاں بازو) اور قلب (بیچ کا حصہ) کی جماعتیں اپنی اپنی جگہ کھڑی متردد تھیں کہ دیکھیں پردۂ غیب سے کیا آواز آتی ہے اور عالم بالا سے کیا ظاہر ہوتا ہے کہ اتنے میں ملک فیروز ہوشنگ کی فوج کے پیچھے سے ظاہر ہوا اور بے محابا اللہ اللہ کہتا ہوا شیر اور چیتے کی طرح سلطان ہوشنگ کی فوج پر حملہ کیا۔ اسی اثنا میں سلطان ہوشنگ کی فوج کے مقدمہ نے شکست کھائی۔ سلطان ہوشنگ نے ہر چند پامردی دکھائی لیکن احمد شاہ کے بہادروں نے اسے گیند کی طرح میدان سے دھکیل دیا۔ سلطان احمد شاہ مظفر و منصور ہوا۔ سلطان ہوشنگ کے تمام ہاتھی، خزانے اور بنگاہ (ساز وسامان) احمد شاہ کے لشکر کے ہاتھ آئے۔ سلطان ہوشنگ نے منڈو کے قلعہ میں پناہ لی۔ سلطان کے لشکر نے قلعہ کے دروازہ تک اس کا پیچھا کیا۔ سلطان احمد آیا، منڈو کے قریب کیمپ لگایا اور وہاں سے مالوہ کی ولایت کو لوٹنے کے لیے فوجیں متعین کیں۔ کچھ عرصہ کے بعد اپنے ارادہ کی لگام اپنی راجدھانی کی طرف موڑی اور مظفر و منصور اپنے دار السلطنت میں قدم رکھا۔

اس کے بعد یکم ذی القعدہ ۸۲۱ھ کو ترنبگ داس راجہ چانپانیر کی تنبیہ کے لیے روانہ ہوا۔ اس سال وہ قلعہ کو فتح کرنے کا پابند نہ ہوا کیونکہ اس کی خاطر اشرف میں منڈو کے قلعہ کی تسخیر کا دغدغہ چھپا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ تک ان حدود میں حملہ کر کے ایک معتدبہ

سلامی اس سے وصول کر کے ۱۹ ماہ صفر سنہ مذکور کو سونکھیرہ کی طرف روانہ ہوا۔ چنانچہ حلوتی شاعر اس سفر کی خبر دیتا ہے۔

چانپانیر سے شاہ جہاں سونکھیرہ
کے قلعہ کی طرف روانہ ہوا
جو برے رسم ورواج رکھنے والے کفار کا مقام تھا
کہ جو اہل دین سے لڑنا چاہتے تھے
جب بادشاہ سونکھیرا پہنچا
تو سپاہی اس ولایت کے کنارے پھیل گئے
اس علاقہ کو جتنا بھی تھا
ایک دم زیر زبر کردیا
دور اور نزدیک کے سوار اور پیادوں نے
سونا اور مال زور اور زبردستی سے چھین لیا
ہر قسم کا اسباب جو شمار سے باہر تھا
ہر شخص خود اپنے لیے لے جارہا تھا
سونا چاندی وہاں بے حد تھا اور مویشی بھی
ہر کوئی حمال کی طرح اپنے کاندھوں پر لے جارہا تھا
کسی نے اپنی جیبیں تنکوں سے بھر لی تھیں،
کسی نے اپنے گونوں میں مختلف سامان بھر لیا تھا
کوئی موتیوں اور سونے سے مالدار ہوگیا
تو کوئی بکریاں لوٹ کر،

مویشیوں کا نہ کوئی حساب تھا نہ شمار

کہ ایک ایک سوار ایک ایک گلہ لے جارہا تھا

جب توشہ دان سونے اور چاندی سے بھر گئے

تو بہت سے انہیں کونوں کھدروں میں لے گئے

بہت سی نازنینوں کو لوٹ کر

آغوش میں لیے باہر لے جارہے تھے

غلام ایسے تھے جیسے چاند اور سورج

خوبصورت لونڈیاں ایسی جیسے حور اور پری

ایسی گلابی گالوں والیاں خواری سے کھینچی جارہی تھیں

جیسے لوگ موتیوں کو رسی سے باندھ کر کھینچیں

مختصر یہ کہ ولایت سونکھیڑہ پر حملے اور اس کی تاراجی کے بعد ۲۲/ماہ صفر ۸۲۲ھ کو سونکھیڑہ کے قلعہ کی بنیاد رکھی اور ایک عالی شان مسجد تعمیر کی۔ شرع محمدی اور دین احمدی کو بلند کرنے کے لیے قاضی اور خطیب مقرر کیے اور اشعار اسلام کو رواج دیا۔ اسی سال ایک قلعہ موضع مائنی میں جو سونکھیڑہ کے دیہاتوں میں سے ہے تعمیر کیا اور ایک جماعت وہاں چھوڑ کر لشکر کا رخ منڈو کی طرف پھیرا۔

جب قصبۂ دھار پہنچے تو سلطان ہوشنگ کے ایلچی مولانا موسیٰ[1] اور علی[2] جامدار جو اس کی سلطنت کے دیوان کے معتمد علیہ تھے بساط بوسی کے شرف سے مشرف ہوئے اور سلطان ہوشنگ کے التماسات جو سابق کی خطاؤں کے عذر اور لاحق تقصیرات پر مشتمل تھے ایک ایک عرض کیے۔ اس اثنا میں دیندار وزیروں اور نیک آثار امیروں نے شفاعت کے

---

[1] ب: ''موسیٰ'' نہیں ہے۔

[2] ج: جاندار

آئینہ کو اس طرح جلا بخشی کہ سلطنت پناہ سلطان کی شفقت اثر نظر میں سوائے مرحمت کی صورتوں کے کوئی اور نقش جلوہ گر نہ ہوا۔ پُرانے کینہ کے انتظام سے درگذرا۔ اس منزل سے سینۂ سکون یافتہ[1] کی صفا کے ساتھ واپس ہوا۔ جب اپنے خیمہ کا سائبان جس پر آسمان کا شبہ ہو چانپانیر کے قلعہ کے پاس بلند کیا تو حکم دیا جس کی تعمیل میں اس کی دین پناہ فوج نے چانپانیر کی ولایت کو خاک سیاہ کے برابر کر دیا۔ وہاں سے ماہ ربیع الآخر کے آخر میں احمد آباد کے معظم شہر میں تشریف آوری ہوئی۔

اس کے بعد ۸۲۳ھ میں اپنی مملکت کی حدود کے ربط وانتظام کی طرف توجہ کی۔ جہاں بھی کوئی سرکش تھا اسے پامال کر دیا۔ بتخانوں کو منہدم کیا اور ان کی جگہ مسجدیں بنائیں، قلعے بنائے اور تھانے معین کیے۔ سب سے پہلے موضع چتور[2] میں جو پرگنہ باراسینول[3] کے دیہاتوں میں سے ہے ایک قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے بعد موضع دھامود[4] ایک کوہستانی علاقہ میں آباد کیا اور اس میں ایک قلعہ بنایا۔ اس کے بعد قصبہ کاریجہ[5] کے قلعہ کی جو سلطان علاء الدین[6] الپ خان سنجر کے زمانہ میں ۷۰۰[7]ھ میں تعمیر ہوا تھا مرمت کی اور اس کی ٹوٹ پھوٹ کو درست کیا۔ اس کا نام سلطان آباد رکھا۔ بعد ازاں احمد آباد واپس آ گیا۔

۸۲۴ھ میں پھر احمد آباد سے چانپانیر کی طرف چڑھائی کی۔ وہاں سے سونکھیرہ آ کر چولی مہیسر کی طرف جو ولایت منڈو کے دیہاتوں میں سے ہے متوجہ ہوا۔ ۲/ماہ ربیع

---

[1] الف: بی کینہ

[2] الف: خیبور، ج: جھیو

[3] ز: پرگنہ سینور، ج: سینور

[4] ج: دھارمور

[5] ز: کارتھ

[6] الف: ''الپ خان'' نہیں ہے۔

[7] ج: آٹھ سو

الاول ۸۲۵ھ کو قصبہ مہیسر کے قریب خیمہ زن ہوا اور مہیسر کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ ان دنوں سلطان ہوشنگ ہاتھیوں کے شکار کے لیے جاج نگر گیا ہوا تھا۔ قلعہ والے کمک سے مایوس تھے۔ لہذا انہوں نے سلطان کے پاس آ کر اس کی ملازمت اختیار کی اور قلعہ کی کنجی سلطان کے ملازموں کے سپرد کر دی۔ ایک قابل اعتماد جماعت کو وہاں کی تھانیداری سونپ کر سلطان نے ۱۲ ربیع الآخر سنۂ مذکور کو قلعۂ منڈو کے قریب پہنچ کر کیمپ لگایا۔ اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور فوجوں کو متعین کیا کہ مملکت مالوہ کے مقامات کو اپنے قبضہ اور تصرف میں لائیں۔ ایک ماہ اور اٹھارہ دن محاصرہ رکھا۔ جنگ وجدل ہوتا رہا۔ جب بارش کا موسم قریب آیا تو وہاں سے کوچ کر کے شہر اجین جو ولایت مالوہ کی ناف ہے گیا اور وہاں قیام کیا۔ مملکت مالوہ کا اکثر حصہ سلطان کے تصرف میں آ گیا۔ بارش کا موسم گذرنے کے بعد دوبارہ منڈو کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس اثنا میں سلطان ہوشنگ جاج نگر سے زبردست ہاتھی پکڑ کر اس دور کے علاقہ سے یلغار کرتا ہوا آیا اور تاراپور کے دروازہ سے قلعہ میں پہنچ گیا اور قلعہ کو مضبوط بنانے کی سعی کرنے لگا۔ سلطان احمد سمجھ گیا کہ فی الحال قلعہ کا فتح کرنا میسر نہ ہوگا۔ چنانچہ کوچ کر کے سارنگپور کی طرف اس خیال سے روانہ ہوا کہ اگر سلطان ہوشنگ قلعہ کی تنگ جگہ سے نکل کر جنگ کرے گا تو یہی میری مراد ہے ورنہ ولایت میرے تصرف میں آ جائے گی۔ وہ کب تک قلعداری کرتا رہے گا۔

القصہ سلطان نے جا کر قلعہ سارنگپور کا محاصرہ کر لیا۔ اس اثنا میں سلطان ہوشنگ کے ایلچی نفاق کی صورت کو وفاق (موافقت) کا لباس پہنا کر سلطان کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ سلطان ہوشنگ ادائے اخلاص کے بعد عرض کرتا ہے کہ مجھے سلطان کی دینداری اور خدا پرستی پر تعجب ہوتا ہے کہ ایک خطا کی وجہ سے جو مجھ سے سرزد ہوئی دیار اسلام کو اس طرح تاراج وغارت کرتے ہیں اور میری معذرت کو رضا کے کانوں سے نہیں سنتے۔ اس وقت میں عہد کرتا ہوں کہ اس کے بعد مجھ سے اخلاص وتابعداری کے سوا کوئی دوسرا کام سرزد نہ ہوگا۔ امید کہ میری تقصیر معاف کر کے اپنے ملک کی طرف روانہ ہوں گے

اور انتقام کے راستہ پر اس سے زیادہ نہ چلیں گے۔[1] سلطان کا دل شدت انتقام سے نیت عفو کی طرف مائل ہوگیا۔ اس اثنا میں وزیروں اور ندیموں نے زبان شفاعت کو فصاحت سے ملا کر اس طرح شفاعت کی کہ سلطان نے رضا کے کانوں سے سنی۔ از روے کرم صلح کے دروازے کھولے اور وہاں سے اپنی راجدھانی کی طرف روانہ ہوگیا۔

۱۲ ماہ محرم ۸۲۶ھ کو رات کو جب کہ سلطان احمد شاہ دل میں صلح کا ارادہ کیے ہوئے تھا اور سلطان ہوشنگ کے مکر وفریب سے غافل، سلطان ہوشنگ نے شبخون مارا۔ یکا یک چھاؤنی سے غوغا بلند ہوا اور شب حاملہ نے فتنہ کو جنم دیا جسے لوگ قیامت کے ہنگامہ پر محمول کر رہے تھے اور بعض کا قیاس تھا کہ کوئی مست ہاتھی چھوٹ گیا ہو۔ آخر معلوم ہوا کہ یہ غنیم کے شبخون کا شور وغل ہے۔ ملک منیر نے سلطان کو نیند سے جگایا۔ سلطان سراپردہ سے باہر آیا۔ نوبت کے گھوڑے حاضر تھے۔ ایک گھوڑے پر سلطان سوار ہوگیا اور دوسرے پر ملک جوناں رکابدار۔ دونوں باہر نکل کر چھاؤنی کے کنارہ پر کھڑے ہوگئے۔ سلطان ہوشنگ کی فوج نے دغا کا زہر پہلے سامت راجپوت گراسیہ ولایت دنداہ[2] پر ڈالا کیونکہ فوج کے پیچھے پیچھے چلنے والے کچھ سپاہی جو حفاظت کے لیے ہوتے ہیں نیچے اتر آئے تھے۔ سامت[3] پانچ سو راجپوتوں کے ساتھ مارا گیا۔ اس کے بعد مارنے اور پکڑنے کے لیے آئے۔ سلطان احمد شاہ کے لشکر کے بہت سے آدمی شہید ہوگئے۔ احمد شاہ نے ملک جوناں سے کہا کہ کیا تو فرید سلطانی اور ملک مقرب کی خبر لا سکتا ہے؟ ملک جوناں گھوڑا دوڑا کر کیمپ میں پہنچا اور دیکھا کہ دونوں امیر اپنی فوج کے ساتھ مسلح اور تیار ہو کر اپنے ڈیروں سے بادشاہی دربار کی طرف جا رہے ہیں۔ ملک جوناں نے کہا کہ کہاں جا رہے ہو؟ سلطان تمہیں طلب کرتا ہے۔ وہ بولے کہ دشمن نے دنیا کو برہم کردیا۔ ہمیں دلیری دکھانے

---

[1] ج: مصرع، معافی میں جو لذت ہے وہ انتقام میں نہیں۔

[2] ز: دندارہ

[3] ز: ساتت

دے۔ اس نے کہا کہ سلطان چھاؤنی کے کنارہ تنہا کھڑا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ ایک بار سلطان تک پہنچ جاؤ، اس کے بعد سلطان کے حکم کے مطابق کام کرو۔ لشکر سلطانی کے دریا کے یہ دونوں نہنگ قریب ہزار مسلح سواروں کے ساتھ خدمت سلطانی میں پہنچے۔ بادشاہ نے انہیں بہت غلیظ گالیاں دیں اور کہا کہ تمہاری ہوشیاری کی امید میں ہم سے غفلت ہوگئی اور تم خود ہم سے زیادہ غافل نکلے۔ وہ بولے ارادہ ایسا ہی تھا۔ حکم کیجیے کہ ہم اس بدعہد کو دیکھ لیں۔ انشاء اللہ نتیجہ اس کے عہد کے خلاف نکلے گا۔ سلطان نے کہا کچھ دیر صبر کرو کہ صبح قریب آئے اور غنیم غنیمت کے ساتھ گرفتار ہو جائے۔

سلطان نے پھر ملک جوناں کو بھیجا کہ غنیم کی خبر لائے۔ ملک جوناں گھوڑا دوڑا کر لشکر میں پہنچا۔ دیکھا کہ سلطان ہوشنگ سلطان احمد شاہ کے دربار کے سامنے تھوڑی فوج کے ساتھ کھڑا ہے۔ پایگاہ خاصہ سلطان کے گھوڑے لائے جا رہے ہیں اور نظر سے گذارے جا رہے ہیں اور لشکر غنیمت لوٹنے میں مشغول ہے۔ ملک جوناں نے آ کر صورت حال سلطان کو بیان کی۔ صبح بھی ہو چکی تھی۔ سلطان بولا: "ہاں! شیر مردو! مردانگی دکھلانے کا وقت یہ ہے۔" سلطان نے ہزار جوانوں کے ساتھ جن میں سے ہر ایک شیر ببر اور شیر خشمناک کی طرح تھا قدم آگے بڑھایا۔ جب سلطان ہوشنگ کی فوج دکھائی دی تو تیغ بیدریغ ہاتھ میں لی اور اللہ اکبر کہتے ہوئے حملہ کر دیا۔ دونوں بادشاہوں نے اپنے ناموس اور جاہ کے تعصب میں دونوں ہاتھوں سے ایسی تلوار چلائی کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں ہو سکتا۔ دونوں زخمی ہو گئے۔ جب صبح صادق ہوئی تو احمد شاہ کے مہاوتوں کی نظر اپنے بادشاہ پر پڑی تو ہاتھیوں کا رخ پھیر کر سلطان ہوشنگ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ سلطان ہوشنگ[1] بھاگ کھڑا ہوا۔ فتح کا دروازہ احمد شاہ کی مبارک پیشانی پر کھلا۔ سلطان ہوشنگ کے سپاہی مٹی ہوئی چیزوں کو چھوڑ کر اور اپنی جان بچا لے جانے کو احسان سمجھ رہے تھے۔ احمد شاہ کا لشکر ہر طرف سے آ کر جمع ہوا اور مبارکباد کہتے ہوئے اپنا چہرہ سلطان کے تلووں پر ملنے لگا۔

---

[1] الف: تاب نہ لا کر

سلطان نے حق تعالیٰ کا شکرانہ ادا کیا۔ سلطان ہوشنگ اپنی فوج کے ساتھ گرتا پڑتا سارنگپور کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا۔

تاریخ ۲۴ ربیع الآخر کو سلطان احمد شاہ متوجہ گجرات ہوا۔ سلطان ہوشنگ نے دوبارہ فوج جمع کر کے جنگ کا ارادہ کیا۔ اس خبر کو سن کر سلطان نے توقف کیا یہاں تک کہ دشمن آن پہنچا۔ جنگ قائم ہوگئی۔ باوجود انتہائی تعصب کے شکست ہوئی۔ کہتے ہیں کہ اس جنگ میں سلطان ہوشنگ کے چار ہزار مرد میدان جنگ میں مارے گئے اور مہیب ہاتھی جو سلطان ہوشنگ جاج نگر سے لایا تھا سلطان احمد کے ہاتھوں میں پڑے۔ سلطان مظفر و منصور ہو کر اپنی راجدھانی کی طرف روانہ ہوا۔ تاریخ ۴ ماہ جمادی الآخر ۸۲۶ھ کو احمد آباد تشریف پہنچی اور عیش و عشرت اور شادمانی میں مشغول ہوا۔ اہل شہر مبارکباد اور آفرین کہتے ہوئے خوش وقت ہوئے۔

نقل ہے کہ اس واقعہ سے دو ماہ قبل سلطان احمد نے سارنگپور سے حضرت قدوۃ المحققین (محققوں کے پیشوا) شیخ احمد کھٹو کو لکھا تھا کہ لڑائی کے حالات کی راہ و روش سے ایسا لگتا ہے کہ اس دیار میں کچھ عرصہ ٹھہرنا پڑے گا۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ تم ۸۲۶ھ میں فتح و نصرت کے ساتھ اپنی راجدھانی میں واپس آؤ گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور ایسا ہی ہوا۔ کیا ہی اچھا مبارک نشان زمانہ تھا جو ایسے نیک بزرگوں کے وجود سے آراستہ تھا! مثلاً حضرت قطب الاقطاب برہان الحق و شرع الدین سید برہان الدین ان کے فرزند ارجمند، کرامات علیہ کے مالک اور خوارق عظیم کے مظہر حضرت شاہ عالم اور ان کے بھائی بندکہ ان میں سے ہر ایک اپنے وقت کا قطب تھا ان کے معاصر تھے۔

مختصر یہ کہ اس کے بعد تین برس تک سلطان احمد شاہ نے کسی بھی طرف لشکر کشی نہیں کی۔ ہر کوئی ناز و نعمت میں بسر کر رہا تھا۔ بعد ازاں ۸۲۹ھ میں ایڈر پر چڑھائی کی۔ راجہ ایڈر بھاگ کر کوہسار میں چھپ گیا۔ اس کی ولایت کو غارت و تاراج کر کے ۸۳۰ھ میں سابھر ندی کے کنارے، ایڈر سے دس کوس کے فاصلہ پر گجرات کی سرحد میں احمد نگر شہر

آباد کیا۔ شہر کے گرد پتھر کی ایک مضبوط دیوار تعمیر کی اور وہاں رہنا طے کر کے وہاں قیام کیا۔

۸۳۱ھ میں سلطان لشکر کشی کے واسطے باہر آیا۔ ایڈر کا راجہ پونجا گھاٹ سے باہر نکلا اور کھری والوں پر حملہ کیا۔ کہی کے امیر نے شکست کھائی اور جو ہاتھی اس کے ساتھ تھا وہ پونجا لے کر چلتا بنا۔ آخر کار جو جماعت منتشر ہو گئی تھی دوبارہ جمع ہو گئی اور پونجا کا پیچھا کیا۔ اتفاق سے وہ درّہ پر پہنچے جس کی ایک جانب ایک پہاڑ ہے آسمان سے بلند اور دوسری جانب ایک غار ہے کہ جس کی گہرائی پاتال تک پہنچتی ہے۔ بیچ میں بس اتنا راستہ ہے کہ ایک سوار بدشواری اس پر چل سکے۔ جب پونجا اس تنگ راستے پر آیا اور بادشاہی لشکر پیچھے سے پہنچا تو مہاوت نے ہاتھی کا رخ پلٹا کر پونجا پر دوڑا دیا۔ پونجا کا گھوڑا بھاگا اور کودا اور غار میں گر پڑا۔ پونجا نے وہیں اپنی جان مالکان دوزخ کو سونپ دی۔ بادشاہی لشکر ہاتھی کو پکڑ لے آیا لیکن پونجا کے حال کی کسی کو خبر نہ تھی۔ دوسرے دن ایک لکڑہارا اس کا سر کاٹ کر دربار میں لایا۔ سلطان تعجب کر رہا تھا اور باور نہیں کرتا تھا۔ فرمایا کہ کوئی ہے جو پونجا کو پہچانتا ہو؟ سلطان کے لشکریوں میں سے ایک آدمی جو کچھ عرصہ تک اس کا نوکر رہا تھا بولا کہ میں پہچانتا ہوں۔ جب اس کے سر کو دیکھا کہا ہاں یہ سر راؤجی کا ہے۔ حاضرین مجلس اس کو برا بھلا کہنے لگے کہ اس کافر کے نام کو اس تعظیم سے لیتا ہے۔ سلطان نے کہا تم کچھ نہ کہو۔ اس نے نمک کا حق ادا کیا ہے۔ [بیت]

وہ زخم جو تیرے خون کی بات کرتا ہے
چونکہ اس نے تیرا نمک کھایا تھا وہ اس کا منہ بند کر دے گا

مختصر یہ کہ اس کے بعد سلطان دو برس تک اپنی راجدھانی میں رہا اور اپنی ولایت کے ضبط و انتظام کے سوا کسی غیر کی مملکت کی پروا نہیں کی۔ لشکر کا ضابطہ اور ممالک کی تدبیر دیانتدار وزیروں اور صالح امیروں کے صحیح مشوروں سے یہ قرار پائی کہ سپاہی کی خوراکوں میں نصف جاگیر تنخواہ ہو اور نصف نقد[1] اس وجہ سے اگر پوری نقد مقرر کریں تو نقدی

---

[1] الف: نصف نقد خزانہ سے دی جائے۔

خوراک میں برکت نہیں ہوتی۔ سپاہی بے سامان رہتا ہے اور ولایت کی نگہبانی کی پروا نہیں کرتا۔ اگر نصف جاگیر تنخواہ ہو تو اس مقام سے چارہ، لکڑی، دودھ، دہی اور بکری کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اگر زراعت اور اس کے بنانے میں کوشش کرتا ہے تو نفع اٹھاتا ہے اور پھر ولایت کی نگہبانی میں دل وجان سے کوشش کرتا ہے۔ اور آدھی تنخواہ ہر ماہ نقد اسے توقف وانتظار کے بغیر پہنچائی جائے تاکہ اسے حاصل کرنے کے لیے جہاں کہیں بھی ہو حاضر ہو جائے اور اگر لشکر میں جانے کی ضرورت ہو تو قرض لینے کا محتاج نہ ہو۔ دور دراز کی مسافت کے سفر میں اور کیا تو قریب کی مسافت کے سفر میں بھی یہ احتمال ہے کہ دور کی مسافت میں جاگیر سے خرچ راستے کی خطروں کی وجہ سے سپاہی کو نہ پہنچے۔ لہٰذا آدھی خوراک وہ خزانہ عامرہ سے لیتا رہے گا تاکہ ضرورت اشیا کی وجہ سے لشکر ناچار نہ ہو اور سپاہی قرضدار نہ بنے اور گھر والوں کی طرف سے بھی خاطر جمع رہے کہ جاگیر کے ذریعہ خرچ گھر پہنچ رہا ہے۔

خزانچیوں کا ضابطہ یہ ہے کہ خزانچی بادشاہ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہو اور صدر محرر اصیل ہو اس لیے کہ اگر دونوں اصیل ہوں گے تو شاید ایک دوسرے کے ساتھ دوستی گانٹھ لیں گے یا رشتہ داری کا رابطہ پیدا کر کے خیانت کا ہاتھ کریں گے اور اگر دونوں غلام ہوں تو اسی قیاس پر۔ [بیت]

ہم جنس اپنے ہم جنس کے ساتھ اڑتا ہے
کبوتر کبوتر کے ساتھ اور باز باز کے ساتھ

اور پرگنوں کے عاملوں کو بھی اسی ڈھنگ سے متعین کریں۔ یہ ضابطہ سلطان مظفر ابن سلطان محمود بیگڑہ کی سلطنت کے آخر تک جاری رہا۔ سلطان بہادر کی سلطنت کے زمانہ میں چونکہ ایک آفاقی لشکر جمع ہو گیا تھا کفایت شعار وزیروں نے ولایت کی پیداوار (آمدنی) کو سدھارا۔ بعض مقامات میں سے ایک دس کو ملا تھا اور بعض میں سے ایک نو،

آٹھ اور سات کو۔ دس اور بیس سے کسی محل میں کمی نہ تھی۔

اس کے بعد تغیر وتبدل ہوا۔ ضابطہ کا انتظام برطرف ہوگیا۔ اس وجہ سے بھی ولایت گجرات میں شورش ظاہر ہوئی اور فتنے اٹھے۔ چنانچہ اس کے بعد ان کے مقام پر ان کا ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ کہ ۸۲۵ھ میں خبر پہنچی کہ بادشاہ ممالک دکن، سلطان فیروز شاہ بہمنی نے جس نے بیجانگر کے کفار پر لشکر کشی کی تھی شکست کھائی چونکہ اس کے اور سلطان احمد شاہ کے درمیان اخلاص کا رابطہ اور اختصاص کا واسطہ تھا ایک زبردست لشکر اس کی کمک کے لیے متعین کیا۔ جب یہ لشکر قلعہ بہانیر[1] کے قریب پہنچا تو قضارا سلطان فیروز کا انتقال ہوگیا اس کا بیٹا سلطان احمد بہمنی تخت پر بیٹھا۔ اس نے قیمتی سوغات سلطان کی خدمت میں بھیجی اور لشکر کو واپس کردیا۔

اس کے بعد ۸۲۶ھ سے ۸۴۵ھ تک ہر سال کبھی ولایت ایڈر کو تاراج کرنے کے لیے، کبھی آسیر کے حاکم نصیر خان بن راجہ کی تنبیہ کے لیے، کبھی سلطان احمد بہمنی کی تادیب کے لیے اور کبھی ولایت میواڑ کو غارت کرنے کے لیے لشکر بھیجتا رہا اور کبھی خود بھی اقدام کرتا تھا۔ فتح ہمیشہ اس کی ظفر سے نسبت رکھنے والی رکاب کے ہمراہ رہتی تھی۔ اس کی مدت سلطنت میں کبھی شکست نے منہ نہ دکھایا۔ گجرات کا لشکر ہمیشہ منڈو، دکھن، آسیر اور میواڑ اور اس کے نواح کے کفار پر غالب آتا تھا۔

۸۴۵ھ میں شہر احمد آباد کے مقام پر اجل کا قاصد آیا اور بادشاہ اپنی اقامت کا سامان دار البقا کی طرف لے گیا اور اس خطیرہ میں جو مانک چوک میں واقع ہے دفن ہوا۔ اللہ کی رحمت ہو اس پر!۔ [قطعہ]

اے بادشاہ! تیری سزا سے آسمان لرزتا تھا

تیرے سامنے وہ غلامانہ طبیعت کا برتاؤ کرتا تھا

---

[1] ز: بھاندیر۔ (ترجمۂ الف) تھانیر، ج: بہامیر

کوئی صاحب نظر کہاں ہے جو دیکھے کہ
کیا یہ سب سلطنت اس لائق تھی؟

سلطان کی تاریخ ولادت ۸۹۳ھ[1] میں ماہ ذی الحجہ کی انیسویں رات تھی[2] عمر شریف کے بیس سال گذرے تھے کہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ بتیس سال چھ ماہ بائیس دن بادشاہت کی۔ عمر کی مدت باون سال اور چند ماہ تھی۔ کہتے ہیں کہ بالغ ہونے کے بعد سے آخر عمر تک سلطان کی صبح کی نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔ حضرت قطب المشائخ شیخ رکن الدین[3] کان شکر چشتی[4] نبیرۂ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر[5] کا مرید تھا۔ ان کا مرقد شریف شہر پٹن کی پاکیزہ زمین گجرات میں واقع ہے۔ رحمت اللہ علیہم[6]۔ عدل، تقویٰ اور سخاوت میں بے نظیر تھا اور ہمیشہ جہاد کی کوشش کرتا تھا۔

نقل ہے کہ سلطا کے داماد نے جوانی کے گھمنڈ اور سلطان سے رشتہ داری کے غرور میں ایک خون ناحق کر دیا تھا۔ سلطان نے اسے بندھوا کر قاضی کے پاس بھیج دیا۔ قاضی مقتول کے وارثوں کو دو سو اونٹوں کے خوںبہا پر راضی کر کے سلطان کے پاس لایا۔ سلطان نے کہا کہ اگرچہ مقتول کے وارث خوںبہا لینے پر راضی ہو گئے ہیں لیکن مجھے قبول

---

[1] ب، ج: ۸۹۳ھ

[2] الف: جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

[3] ج: احمد کھٹو۔

[4] ج: "کان شکر چشتی..... علیہم" نہیں ہے۔

[5] ب: لیکن حضرت شیخ احمد سے نسبت اعتقاد زیادہ تھی۔ چنانچہ ایک رات استنجے کا ڈھیلا حضرت شیخ کے ہاتھ میں دیا۔ چونکہ رات کا اندھیرا تھا فرمایا "اصلاح الدین ہے؟" کہ حضرت شیخ کا پرانا خادم تھا۔ کہا "نہیں، احمد"۔ حضرت نے فرمایا "شاہ نیک بخت۔"

[6] الف: حضرت شیخ احمد سے پوری نسبت اعتقاد تھی ایسی کہ ایک رات استنجے کا ڈھیلا حضرت شیخ کے ہاتھ میں دیا۔ چونکہ رات کا اندھیرا تھا، فرمایا "صلاح ادین ہے؟" وہ شیخ کا خادم تھا۔ کہا "نہیں، احمد"۔ فرمایا "عدل میں نیک بخت بادشاہ"۔

نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کام سے شریف مالدار لوگ اپنی تونگری اور قدرت کے پیش نظر خون ناحق پر دلیر ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس موقع پر خونبہا سے قصاص[ا] اولیٰ ہوگا۔ حکم دیا تو قاتل کو قصاص کے لیے بازار لے گئے اور دار پر لٹکا دیا۔ اس سزا کے مشاہدہ سے سلطان کی سلطنت کی ابتدا سے انتہا تک امیروں اور سپاہیوں میں سے کوئی بھی خون ناحق کا مرتکب نہیں ہوا۔ گویا حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ اس واقعہ سے کئی سال قبل از روے کشف وکرامات اسی زمانہ اور دنیا کے عادل سلطان کی شان میں یہ شعر کہہ گئے تھے۔

بلند مرتبت لوگوں کا سردار، بڑے لوگوں کا تاج،
جس کے عدل کے دور پر دنیا ناز کرتی ہے
اس نے دنیا پر ایسا سایہ ڈالا ہے
کہ ایک بڑھیا بھی رستم (جیسے پہلوان) سے نہیں ڈرتی!
کے شہریار! تیرے انصاف کے زمانہ میں
کسی کو روزگار سے شکایت نہیں

نقل ہے کہ ایک دن سلطان شاہی محل کے دریچہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ سابرمتی ندی میں جو شاہی محل کے نیچے بہتی ہے اس نے دیکھا کہ ایک کالے رنگ کی چیز لڑھکتی آتی ہے۔ اس نے حکم دیا تو وہ چیز لے آئے۔ یہ شراب کا پیپہ تھا جس میں ایک مردہ کو بند کر کے اس کا (پیپہ کا) منہ بند کر دیا تھا۔ اس نے حکم دیا تو شہر کے تمام کلالوں کو حاضر کیا گیا۔ فرمایا کہ تم پہچانتے ہو کہ یہ پیپہ کس کا بنایا ہوا ہے۔ ایک بولا کہ میرا بنایا ہوا ہے اور میں نے احمد آباد کے احوالی میں فلاں گاؤں کے فلاں چودھری کو بیچا تھا۔ اس نے حکم دیا تو اسے حاضر کیا گیا۔ تحقیق وتفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس چودھری نے ایک بقال کو مار کر پیپے میں بند کر کے پانی میں بہا دیا تھا۔ اس نے حکم دیا تو اسے قصاص کو پہنچایا گیا۔ سلطان

ا الف: "دیت" (قصاص) نہیں ہے۔

احمد شاہ کے دور حکومت میں بس یہی دو خونِ ناحق واقع ہوئے۔ اس کے بعد سلطان کی سلطنت کے ڈر، قہر اور دبدبہ کی وجہ سے کسی نے خونِ ناحق کی جرأت نہیں کی۔ سلمانؔ کے یہ دو شعر سلطان کے عہد کے لیے مناسب ہیں۔ [نظم]

تیرے عہد میں کسی نے فریاد نہیں کی

سوائے کمان کے کہ وہ فریاد کرے تو روا ہے

کیونکہ شاہ جہاں کے عہد انصاف میں

کسی نے سوائے کمان کے کسی پر زور نہیں کیا

[1] اور تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ سلطان احمد طبع موزوں بھی رکھتا تھا۔ یہ شعر قطب اقطاب سید برہان الدین ابن سید محمود بن سید جلال المشہور[2] بہ مخدوم جہانیاں قدس ارواحہم جو سلطان کے ہم عصر تھے ان کا طبعزاد ہے۔

ہمارے زمانہ کا قطب برہان ہمارے لیے کافی ہے

اس کی برہان ہمیشہ اس کے نام کی طرح آشکارا ہے

---

[1] ج: "اور تحقیق سے... آشکارا ہے" نہیں ہے۔

[2] ب: "المشہور" نہیں ہے۔

نواں باب

سلطان[1] محمد بن احمد شاہ کا اپنے باپ کے تخت پر بیٹھنے اور ایڈر کی طرف لشکر کشی کرنے کا ذکر

[بیت]

اس جھمکہ کے پیکر کے بیان کرنے والے نے
مصور سے اس طرح بیان کیا

کہ سلطان احمد کی وفات کے تیسرے دن ۸۴۵ھ میں سلطان محمد بن احمد شاہ تخت شاہی پر بیٹھا۔ وہ عیش و عشرت میں مشغول ہوگیا۔ حکومت کرنے کی اسے پروانہ تھی بلکہ اس کے حوصلہ کی کمند امور بادشاہی کے اعلیٰ درجوں تک نہیں پہنچتی تھی لیکن بہت فیاض تھا۔ زربخشی میں افراط کرتا تھا۔ لوگ اسے سلطان محمد زربخشی کہتے تھے۔ تاریخ[2] ۲۰ رمضان ۸۴۹ھ کو حق تعالیٰ نے اسے ایک مبارک و محمود بیٹا دیا۔ اس کا نام نیک ساعت میں فاتح خان رکھا گیا۔

اسی سال اس نے ایڈر کے راجہ پر فوج کشی کی۔ وہ فرار ہوکر پہاڑوں میں چھپ گیا۔ وہاں سے اپنے ایلچی سلطان کی خدمت میں بھیجے۔ اپنی گذشتہ تقصیروں کی معافی چاہی اور اپنی بیٹی محمد کی خدمت میں بھیج دی۔ سلطان محمد اس کے حسن پر فریفتہ ہوگیا اور اس کی سفارش پر ایڈر اور ایڈر کا ملک اس کے باپ کو بخش دیا۔ وہاں سے ولایت باکر پر لشکر کشی کی۔ اس ملک کو تاخت و تاراج کرکے اپنی راجدھانی واپس آیا۔ اسی سال عارف ربانی، عالم سبحانی، مشائخ اور اولیا کے قطب، زاہدوں اور متقیوں کے چاند، شیخ احمد کھٹو المشہور بہ گنج

[1] ج: ذکر جلوس سلطان ابن سلطان، سلطان احمد شاہ بر سریر مملکت ولایت گجرات۔

[2] ج: ۲۷ ررمضان

بخش اس سرائے فانی سے مقام جاودانی کی طرف سدھارے۔ ایک فاضل نے ان کے وصال شریف کی تاریخ اس[1] نظم میں ادا کی ہے۔

ط[2] اور م کے عدد آٹھ سو میں ملا دیں
د اور ی کے عدد یعنی چودہ شوال
ان کی عمر کا پتہ چلتا ہے کہ وہ قطب تھے
یعنی ان کی عمر ۱۱۱ سال تھی اور جمعرات کے دن
زوال سے پہلے انتقال ہوا۔

اور مذکورہ تاریخ لفظ ''آخر اولیا'' سے بھی نکلتی ہے۔

نقل ہے کہ ان کی وفات سے قبل کے زمانہ میں سلطان محمد نے کسی شخص کو ان کی عیادت کے لیے بھیجا تھا۔ اس شخص کو راستے ہی میں ان بزرگوار کی وفات کی اطلاع مل گئی۔ پلٹ کر وہ سلطان کے پاس آیا۔ سلطان نے حال پوچھا تو اس نے کہا ''شہ عالم محمد را بقاد باد!'' (یعنی شاہ عالم محمد کو بقا ملے)۔ اس مصرعہ کے حروف سے بھی مذکورہ تاریخ ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت شیخ کو نسبت ارادت بابا اسحاق سے تھی جو قصبہ کھٹو میں آسودہ ہیں۔ کھٹو سرکار ناگور کے قصبوں میں سے ایک قصبہ ہے۔

مختصر یہ کہ اس کے بعد ۸۵۵ھ میں سلطان نے قلعہ چانپانیر کی تسخیر کے ارادہ سے علم بلند کیا۔ تربنگ داس کے لڑکے رائے گنگ داس نے مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھا کر قلعہ میں پناہ لی۔ سلطان نے محاصرہ کرلیا۔ روزانہ جنگ ہوتی تھی۔ جب اس کام سے اہل قلعہ کو تنگی ہوئی تو راجہ نے اپنا ایلچی مانڈو کے والی سلطان محمود کے پاس بھیجا اور عرض کی کہ اگر سلطان وقت میری کمک کے لیے قدم رنجہ فرمائے تو بندہ ہر منزل کے لیے ایک لاکھ تنکہ لشکر کے اخراجات کے لیے پیش کرے گا۔ سلطان محمود نے اپنی نادانی کی وجہ سے اسلام کو

---

[1] ج: نظیر ادا کی کہ لفظ آخر اولیا سے نکلتی ہے۔
[2] ج: ''ط اور میم..... سے بھی نکلتی ہے'' نہیں ہے۔

ملحوظ نہیں رکھا اور اپنے مقام سے روانہ ہوگیا۔ جب وہ قصبہ داحود جو گجرات کے قصبوں میں سے ہے اور مالوہ کی سرحد پر ہے پہنچا تو سلطان محمد محاصرہ اٹھا کر موضع گودھرا جو پرگنہ سانولی کے قصبات میں سے ہے آگیا اور بیمار ہوگیا۔ وہاں سے احمد آباد آیا اور بتاریخ ۲۰؍ماہ محرم ۸۵۵ھ اس دار فنا سے دار بقا کی طرف رحلت کرگیا۔ مانک چوک کے حظیرہ میں اپنے والد کے برابر دفن ہوا۔ اس کی سلطنت کی مدت نو سال اور چند ماہ تھی۔ جو کچھ بہادر شاہی[1] کے مصنف نے لکھا ہے مذکور ہوا۔

لیکن جو کچھ مشہور و معروف ہے اور اہل گجرات کے ثقہ حضرات سے سنا ہے اور جو خبر متواتر کے درجہ کو پہنچی ہے یہ ہے کہ مالوہ کا بادشاہ سلطان محمود خلجی سلطنت اور جہانبانی کے معاملات میں اس طرح کہ بادشاہوں کے حال کے لائق ہے کوئی دقیقہ چھوڑتا نہ تھا۔ کیا تو سپاہیوں کے احوال کی رعایت میں اور کیا تو رعایا کے حال کی پوچھ پرچھ میں۔ ان اوصاف کے باوجود درویشوں کا مرید و معتقد تھا۔ جہاں کہیں وہ سنتا کہ کوئی کامل اور صاحب تصوف دور یا نزدیک سے آیا ہے وہ اسے تحفے اور ہدیے بھیج کر اور عقیدہ و اخلاص کا اظہار کر کے اس کا دل جیت لیتا تھا۔ اس زمانہ میں ملک گجرات میں ایک مرد کامل تھے جن کا نام شیخ کمال اور شیخ کمال[2] مالوی کے نام سے مشہور تھے۔ اِن حضرات کا مقبرہ احمد آباد کے عظیم شہر کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات علیم پور میں خداوند خان جس کا نام ملک علیم ہے کی مسجد کے پیچھے واقع ہے۔ ظاہر میں سلطان محمود کو پہلے سے شیخ کے ساتھ فی الجملہ شناسائی اور پہچان کا رابطہ تھا اس لیے وہ ہمیشہ ان کے لیے تحفے اور ہدیے بھیجا کرتا تھا اور عرض کیا کرتا تھا کہ اگر ان کی توجہ کی برکت سے بادشاہ علی الاطلاق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی درگاہ سے ملک گجرات کی کوتوالی میرے نام مقرر ہو جائے تو ان کے خادموں کی نسبت جو اخلاص دل میں رکھتا ہے اس کے علاوہ ان کی فرشتوں کو پناہ دینے والی خانقاہ کے فقراء کی

---

[1] ز: احمد شاہی۔
[2] الف: ''شیخ کمال مالوی کے نام سے مشہور ہیں'' نہیں ہے۔

بھی خدمات اس سے ظاہر ہوں گی۔ اُسی وقت اس نے ان کے خادموں کا وظیفہ شیخ احمد کھٹو کے مقبرہ کے وظیفہ کے برابر جو تین کروڑ گجراتی[1] مقرر ہے اور پانچ سو سونے کے رائج الوقت سکے بھاری وزن کے بطور فتوح کے بھیجے۔ ایک شخص نے یہ خبر سلطان محمد کو پہنچادی اور کہا کہ شیخ کمال کو باوجود لاف درویشی اور دعویٰ تجرید سونے سے ایسی محبت ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کو ان سونے کے تنکوں کا جو محمود خلجی نے انہیں بھیجے ہیں خزانہ بنایا ہے اور اس میں حفاظت سے رکھا ہے۔ تفتیش کے بعد سلطان نے یہ حال مطابق واقعہ پایا۔ ناراض ہوگیا اور غصہ سے یہ دینار شیخ سے چھین کر اپنے خزانہ میں بھیج دیے۔ پچھلی آشنائی اور نیازمندی کی وجہ سے شیخ کے دل میں محمود خلجی کے لیے جگہ تھی۔ جب سلطان محمد سے یہ فعل ظہور میں آیا تو شیخ کو بہت زیادہ رنج ہوا اور وہ دن رات درگاہ حق تعالیٰ میں سلطان محمد کے خلاف فریاد اور شکوہ کرنے لگے اور یہ دعا مانگنے لگے کہ ملک گجرات کی بادشاہت سلطان محمود کے نام مقرر ہوجائے۔ حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق مظلوم کی دعا اگرچہ وہ فاسق ہو مستجاب ہوتی ہے دعا کا تیر اجابت کے نشانہ پر پہنچ گیا۔ [بیت]

مظلوموں کی آہ سے ڈر کیونکہ دعا کے وقت
اجابت[2] دل کے اندر تک استقبال کے لیے آتی ہے

شیخ نے ملک گجرات کی امارت سلطان محمود کے نام مقرر کردی بلکہ ان ممالک کی سرداری کا فرمان مالک الملک کی درگاہ سے سلطان محمود کے نام تیار کر کے اسے لکھا کہ ملک کی حکومت درگاہ الٰہی سے تمہارے نام مقرر ہوگئی۔ جلدی آؤ اور آنے میں دیر نہ لگاؤ۔ سلطان محمود اسّی ہزار سوار جرار کے ساتھ جن میں ہر ایک بہمن واسفندیار تھا ولایت گجرات کی تسخیر کے

---

[1] الف، ز: تین کروڑ گجراتی سکے تھے۔

[2] متن میں یہ مصرعہ اجابت تا درون دل با استقبال می آید ہے اور نسخہ الف میں تا درون دل کے بجائے ''تا در دل'' ہے۔ سکندر کے زمانہ میں یہ مصرع اس طرح مشہور ہوگا لیکن آج کل ''اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید'' مشہور ہے۔ یہ شعر انوری کا ہے۔ مترجم۔

ارادہ سے نکلا۔ یہ خبر سلطان محمد کو پہنچی، سلطان محمد نے ایک کنجڑے سے کہ جو اس کا ہمدم وصلاح کار تھا اس معاملہ میں رائے مانگی۔ اس کم عقل نے کہا کہ سلطان بر و بحر کا بادشاہ ہے۔ حرم اور خزانوں کو جہازوں میں رکھ کر خود چند روز دریا میں مچھلی کا شکار کرے۔ غنیم کتّے کی طرح جو خالی گھر میں آتا ہے سر پٹک کر واپس ہو جائے گا۔ چونکہ سلطان کی جرأت کی صحت اس غصہ کی وجہ سے جو اس نے شیخ کمال پر کیا تھا نامردی کی کمزوری سے بدل گئی تھی، اس نے کنجڑے کی رائے پسند کی اور جہازوں کا سامان کرنے میں مشغول ہو گیا اور اپنے نیک اندیشہ اور شجاعت پیشہ ملازموں میں سے کسی ایک سے بھی اس معاملہ میں مشورہ نہیں کیا۔

اکابر امیروں میں سے ایک کو جن کا نام سید عطاء اللہ اور خطاب قوام الملک تھا، اسرولیہ دروازہ کے سامنے[1] سید پورہ آباد ہے وہ سید مذکور ہی کا تعمیر کردہ ہے اور ان کا مدفن بھی وہیں ہے، اس حال کی خبر ہو گئی۔ وہ سمجھ گئے کہ معاملہ ہاتھ سے نکلا چاہتا ہے۔ اس کنجڑے کا ہاتھ پکڑ کر ایک کونہ میں لے گئے اور خنجر پر ہاتھ ڈال کر کہا کہ وہ تو ہی ہے جس نے ہمارے بادشاہ کو ایسی راہ دکھائی ہے اور فرار ہونے کا دروازہ کھولا ہے۔ پہلے تجھے قتل کرنا ضروری ہے، وہ بولا آپ کی میراث تمام کمالات سے آراستہ ہے۔ اتنی بات آپ سے چھپی نہ رہی ہوگی کہ آپ کا بادشاہ کہ جو آپ جیسے بہادروں اور دلیروں سے مشورہ کرنا ترک کر کے اس معاملہ میں مجھ جیسے خسیس اور بزدل کنجڑے سے مشورہ کرتا ہے اس کا سبب ہی یہ ہے کہ وہ مردانہ مشورہ کا خریدار نہیں۔ سید سمجھ گئے کہ صحیح کہتا ہے۔ ہاتھ خنجر سے اٹھا لیا اور فکر کرنے لگے۔ ان کے دل میں یہ آیا کہ پہلے شاہزادہ جلال کا امتحان لوں۔ دیکھوں کہ وہ کس مقام پر ہے۔ اس وقت جلال خان قصبہ خریاد میں تھا۔ سید راتوں رات وہاں پہنچے اور مشہورہ میں جلال خان سے کہا کہ تمہارے والد تخت سلطنت تمہیں دے کر چاہتے ہیں کہ خود اپنے حرم اور خزانہ کو لے کر کشتی میں بیٹھیں اور دریا کی مچھلیوں کا شکار کریں۔ تمہارا کیا

---

[1] ج: "اسرولیہ دروازہ کے سامنے سید پورہ..... مدفن وہیں ہے" نہیں ہے۔

خیال ہے؟ اگر حق تعالیٰ یہ حکومت تمہیں تفویض کرے تو محمود خلجی کے ساتھ جو ایک بڑا لشکر لے کر ملک گجرات کی تسخیر کے ارادہ سے آتا ہے کیا عمل کرو گے؟ جلال خان نے کہا کہ اگر یہ دولت مجھے میسر ہو جائے تو خدائے مالک الملک کے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ یا تو دشمن کو خوار کر دوں گا یا اس کام میں اپنا سر دے دوں گا۔ یہ بات سن کر سیّد خوش ہو گئے اور سوچا کہ مالک جیسا ہونا چاہیے نہیں ہے لیکن صاحبزادہ جیسا کہ ہونا چاہیے ہے۔ اس وقت اپنا مافی الضمیر بیان کیا اور کہا کہ امرائے مملکت اور ارکان دولت چونکہ یہ جان چکے ہیں کہ تمہارے والد کو اپنے ملک کی پروا نہیں ہے اور اس وقت ملک گجرات تمہارے خاندان کے دائرۂ تصرف سے نکل رہا ہے ان کا اس پر اتفاق ہے کہ تمہیں بادشاہ بنائیں اور محمود خلجی سے مقابلہ کے لیے آگے بڑھائیں۔ ع

تا کہ یار کسے چاہے اور میل کس کی طرف کرے

شاہزادہ نے قبول کیا۔ سیّد راتوں رات شاہزادی کو پنہاں طور پر مہر کو دروازہ کی راہ سے احمد آباد لے آئے اور سلطان محمد کی حیات کے پیالہ میں موت کا دارو ملا دیا۔ سلطان نے عالم فانی سے ملک جاودانی کی طرف رحلت کی اور یہ واقعہ ماہ محرم کی کسی تاریخ کو ۸۵۵ھ میں پیش آیا۔ سلطان حضرت شیخ احمد کھٹو سے نسبت ارادت رکھتا تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

دسواں باب

سلطان قطب الدین محمد شاہ کہ جس کا نام جلال خان تھا تخت پر بیٹھنے اور برگشتہ بخت محمود خلجی کے ساتھ جنگ کرنے کا ذکر

[بیت]

اس مبارک نسخہ کے لکھنے والے نے

کافور کو عنبر سے اس طرح زینت دی

کہ ماہ محرم کی گیارہ تاریخ ۸۵۵ھ کو سلطان محمد کے بڑے بیٹے یعنی قطب الدین بن[1] محمد شاہ نے تخت شاہی پر اجلاس کیا اور اپنے آباء واجداد کے رسم و آئین کے مطابق سپاہیوں کو خلعت وانعام سے سرفراز کیا۔

تاریخ بہادر شاہی کا مؤلف لکھتا ہے کہ اس اثنا میں مملکت مالوہ کا بادشاہ سلطان محمود خلجی ملک گجرات کی تسخیر کے ارادہ سے اپنی راجدھانی سے روانہ ہوا اور گجرات کی طرف لشکر کشی کی۔ جب وہ سلطانپور کے قریب پہنچا تو ملک علاء الدین سہراب نے سلطان قطب الدین کی طرف سے وہاں کا حاکم تھا قلعہ کا دروازہ اس پر بند کر دیا اور توپ وتفنگ سے جنگ کرنے لگا۔ محاصرہ سات دن تک رہا۔ اس کے بعد سلطان قطب الدین کے چچا مبارک خان بن احمد شاہ جو سلطان محمد کی حکومت کے زمانہ میں سلطان محمود (خلجی) کے پاس چلا گیا تھا کے کہنے پر آیا اور سلطان سے ملاقات کی۔ سلطان نے اس کلام مجید کی سوگند دی اور اس نے حیلہ سے سوگند کھائی اور کہا کہ اگر علاء الدین اپنے آقا سے پھر جائے تو کلام مجید اس کی جان کا دشمن ہو جائے۔ سلطان[2] نے باور کر لیا اور اس کے بال بچوں کو

---

[1] الف : ''بن محمد شاہ'' نہیں ہے۔

[2] ز : باور کر کے اس کے بیوی بچوں کو منڈو بھیج دیا۔

منڈو بھیج دیا، ملک کو نوازا اور دو نامی سرداروں کے ساتھ اپنے لشکر کا مقدمہ جیش بنایا اور وہاں سے متواتر کوچ کرتا ہوا روانہ ہوا۔

جب سرکار بھروچ کے موضع[1] سار ساپارلی پہنچا تو ملک مرجان سلطان کو جو قلعہ بھروچ کا حوالدار تھا پیغام بھیجا کہ جب ملک علاء الدین[2] نے ہماری ملازمت کا شرف پایا تو طرح طرح کے اعزاز و اکرام سے ممتاز ہوا۔ اگر وہ بھی اطاعت کے راستہ پر چلے اور موافقت کی راہ پر آجائے تو بہت سی مرادوں کے حصول سے فائز ہوگا۔ اسے چاہیے کہ شہر بھروچ کے رہنے والے نامی سوداگروں کے ساتھ ہماری ملازمت میں پہنچے۔[3] سیدی مرجان[4] نے بہت سخت جواب دیے اور قلعہ کو مضبوط بنا کر جنگ کے راستہ پر قدم رکھا۔ سلطان محمود نے ملک علاء الدین سے پوچھا کہ بھروچ کے قلعہ کی فتح کتنے دنوں میں میسر ہوگی۔ ملک نے عرض کیا کہ کم سے کم چھ سات ماہ تک محاصرہ کرنا چاہیے۔ ہر طرف نقب لگانا ہے اور ساباط (چھت دار راستے جو دو مکانوں کو ملائیں) بنانا چاہیے۔ پھر بھی احتمال باقی رہے گا۔ سلطان نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں پورے ملک گجرات کو ہم چھ ماہ میں اپنے حیطۂ تصرف میں لے آئیں۔

وہاں سے کوچ کر کے نربدا ندی کو پار کیا اور بڑودہ کی طرف آیا۔ ایک منزل پر جہاں سے موضع[5] برناوہ آتے ہیں سلطان محمود کے ہاتھیوں میں سے ایک مست ہاتھی چھوٹ گیا اور بدمستی کرنے لگا۔ لشکر سے نکل کر صحرا کا رخ کیا۔ اتفاق سے راتوں رات وہ موضع برناوہ[6] پہنچ گیا۔ موضع مذکور کے ہندوا سے تیر و شمشیر کی ضربوں سے ہلاک کر کے

---

[1] الف: سرکار بھروچ کے دیہاتوں میں سے سار ساپارلی۔

[2] ز: ملک علاء الدین بن سہراب۔

[3] ج: دوگنے چوگنے الطاف بادشاہانہ سے مخصوص کیا اور جب یہ تحریر سیدی مرجان کو پہنچی۔

[4] ز: ملک مرجان۔

[5] ز: نریاد

[6] ز: نریاد

چل دیے۔ صبح جب سلطان موضع برناوہ پہنچا تو دیکھا کہ ہاتھی پارہ پارہ کردیا گیا ہے۔ صورت واقعہ پوچھی تو لوگوں نے کہا کہ موضع برناوہ کے ہندوؤں نے یہ کام کیا اور نکل گئے۔ سلطان نے کہا کہ گجرات کا پانی شجاعت کا اقتضا کرتا ہے کہ زنار پہننے والوں سے یہ کام صادر ہوا۔

مختصر یہ کہ وہاں سے شہر بڑودہ آیا اور شہر مذکور کو تاراج کر ڈالا۔ اس اثنا میں خبر پہنچی کہ سلطان قطب الدین نے احمد آباد کے معظم شہر کے صاحب ولایت پیروں کی بشارت پر کمر ہمت باندھ کر خانپور بانکانیر[1] کے مقام پر جو مہندری[2] ندی کے کنارے واقع ہے اپنی بارگاہ قائم کی ہے۔[3] لیکن مؤلف مذکور نے پیروں کی بشارت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لہٰذا یہ فقیر جو کچھ اس نے گجرات کے ثقہ لوگوں سے سنا ہے اور اِس دیار کے رہنے والوں کے نزدیک خبر متواتر کے درجہ کی بات ہے لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب اس دیار کے رہنے والوں نے سلطان محمود کے قدموں کے دبدبہ کی آواز ولایت گجرات کی حدوں میں سنی تو ان کے جسموں میں لرزہ آ گیا۔ گجرات کے لشکر کی کمی اور سلطان محمود کے لشکروں کی قیامت جیسی نشانیوں والی کثرت دیکھ کر صحیح بات بتلانے والے پیشواؤں اور مشکل حل کرنے والے نیک رائے افراد نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اس خاندان عالیشان کو سلطنت کی دولت قطب زمان حضرت مخدوم جہانیاںؒ کی بخشی ہوئی ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس عظیم معاملہ میں پہلے حضرت قطب عالم سید برہان الدین کی طرف جو ان کے فرزند دلبند ہیں بلکہ حسباً ونسباً عین مخدوم جہانیاںؒ ہیں رجوع کریں۔ دوسرے دن وہ لوگ سلطان قطب الدین کو قطب اقطاب کی خدمت میں لائے اور ان کا مرید کروا کے حقیقت حال عرض کی کہ آپ کے ضمیر روشن سے یہ بات چھپی نہ رہی ہوگی کہ محمود خلجی اسی ہزار سپاہیوں اور بے شمار ہاتھیوں کے ساتھ ملک گجرات کی تسخیر کے ارادہ سے گجرات کی سرحد میں قدم

---

[1] ز : جانپور۔

[2] ج : مندری۔

[3] الف : لیکن مؤلف مذکور نے پیروں کی بشارت کی کیفیت کا ذکر کیا ہے۔

رکھ چکا ہے اور ملک گجرات اس سلسلہ (خاندان) کو انہی کے بزرگوں سے عطیہ میں ملا ہے۔ امید کہ حضرت کی توجہ محمود کے ارادہ کے لیے کافی ہوگی اور یہ مہم طویل مدت تک جاری نہ رہے گی۔ آنحضرت نے فرمایا خاطر جمع رکھو۔ یہ واقع ہوا ہے: ''اللہ کے حکم سے اکثر جماعت والے بڑی جماعت والوں پر غالب آئے ہیں۔'' (۲:۲۴۹)

مظلوموں کا ماویٰ اور غمزدہ لوگوں کی پناہ گاہ مالک الملک ہے لیکن ان اثرات کا باعث ایک درویش کے دل کی رنجش ہے جو تمہارے والد کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے وجود میں آئی۔ اس معاملہ کا علاج بھی حسب المقدور ظہور میں آئے گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ کوئی ہے جو حضرت شیخ کمال کے پاس جائے اور تقصیروں کے لیے عذر معذرت کرے تاکہ شیخ مقام انتقام سے گذر کر عفو کی جگہ پر آجائیں۔ حاضرین مجلس نے عرض کیا کہ اس کام کے لیے منجھن[1] سے بہتر اور کوئی لائق نہ ہوگا۔ آنحضرت نے فرمایا ''بابا[2]''! تم جاؤ اور ہماری دعا شیخ کی خدمت میں پہنچاؤ اور معافی چاہو اور کہو کہ باپ کا مواخذہ بیٹے کے سر نہیں آتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور دیکھو جو کوئی جو کچھ کرتا ہے اس کی جزا کی ذمہ داری اسی پر ہے''۔ (۶:۱۶۴)۔ جو ہوا اس سے درگذر کر کے معاف فرمائیں۔ ع

عفو میں جو لذت ہے وہ انتقام میں نہیں

اور سلطان محمود خلجی کو لکھیے کہ صلح کے راستے سے آئے اور اپنے ملک کو واپس لوٹ جائے تاکہ خلق خدا جو قلق و اضطراب میں مبتلا ہے آسودہ خاطر ہو۔

حضرت شاہ عالم نے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ حضرت قطب اقطاب سے سنا تھا ایک ایک کر کے بیان کر دیا۔ شیخ نے قبول نہ کیا اور سوال کے مطابق جواب نہ دیا۔ حضرت شاہ آئے اور صورت حال قطب اقطاب سے عرض کی۔ حضرت قطب نے

---

[1] ج: ''منجھن'' نہیں ہے۔

[2] الف: فی الواقع اس کام کے لیے میاں منجھلا لائق ہیں۔ تو منہ ان کی طرف کر کے فرمایا کہ بابا تم جاؤ۔

فرمایا کہ بابا دوبارہ جاؤ کہ یہ مہم تم ہی سے حل ہوگی۔ شیخ کو ہمارا نیاز پہنچاؤ اور کہو کہ خلق خدا کی آسائش پر نظر کرنی چاہیے اور عفو کے پیشہ پر عمل کرنا چاہیے کہ اس میں بندگان خدا کی بڑی مصلحت ہے اور درویشوں کو اس آیت کریمہ "ان کے اوصاف یہ ہیں کہ غصہ کو پی جاتے ہیں اور کوئی قصور کرتا ہے تو اسے معاف کردیتے ہیں۔" (ال عمران ۳:۱۳۴) کے مضمون پر عمل کرنا چاہیے تاکہ رحمت الٰہی سے ممتاز ہوں۔ [قطعہ]

کیا خوب کہا فردوسی پاک زاد نے

کہ اس کی پاک تربت پر خدا کی رحمت نازل ہو!

"اس چیونٹی کو دکھ مت دو جو دانہ لے جا رہی ہے

کہ وہ جان رکھتی ہے اور جان شیریں اچھی لگتی ہے"

حضرت شاہ دوبارہ شیخ کے پاس آئے اور نیازمندی کے اظہار کے بعد پیغام پہنچا دیا اور دوبارہ معافی کی درخواست کی۔ شیخ اپنے پہلے طور سے نیچے نہ اترے غضب آمیز جوابوں اور غصہ انگیز کلمات کے لیے اپنی زبان کھولی۔ حضرت شاہ حزین و غمگین قطب اقطاب کی خدمت میں واپس آئے اور جو کچھ گذرا تھا بیان کیا، عرض کیا کہ شیخ نفسانیت کی جانب سے انسانیت کی طرف آتے اس لیے مجھے ان کے پاس جانا اچھا نہیں لگتا۔ قطب اقطاب نے فرمایا کہ ہماری نظر خلق خدا کی آسائش پر ہے۔ اس معاملہ میں ملال کو اپنے پاس نہ آنے دینا چاہیے۔ ایک مرتبہ پھر جاؤ اور کہو کہ بندہ برہان الدین آپ کے قدم چومتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہؐ کی دوست کی قسم، اس گناہ کی معافی کا احسان مجھ بندہ کے ذمہ رکھ کر انتقام سے درگذر کریں کیونکہ اہل منڈو بہت سخت اور بیمروت لوگ ہیں۔ اس دیار کے رہنے والے ان کے ساتھ نہیں رہ سکیں گے۔ حضرت شاہ پھر شیخ کے پاس آئے اور جو کہا گیا تھا بیان کیا۔ چونکہ شیخ کمال کو کمال درویشی کی آگہی نہ تھی وہ معاملات کے انجام کا ادراک نہ کر سکے۔ دعاؤں[1] کی تکرار اور ریاضت کی کثرت سے ان

---

[1] الف: "دعاؤں کی تکرار... خبر نہ رکھتے تھے ورنہ" نہیں ہے۔

کے خانہ استعداد کے روزن کے بقدر نور چمکا تھا جس سے ان کے ادراک کا گوشہ پُر ہو گیا تھا۔ اسی پر وہ قانع اور خورسند تھے اور اسرار الٰہی کی معرفت کے رنگ برنگے بن سے جو بے حد وحساب ہے خبر نہ رکھتے تھے ورنہ قطب ربانی کے بار بار معافی مانگنے سے جو بمنزلہ ایک روشن چراغ تھے اپنے کام کے انجام سے واقف ہو جاتے اور آنحضرت کی مرضی کے تابع بن جاتے۔ [بیت]

اہل کمال کے حکم سے سر تابی کرنا

نقص وبال کے بھید سے ظاہر ہوتا ہے

جان لو کہ اس مرتبہ اگر خلق خدا کی جمیعت خاطر اور حکومت گجرات کا سلطان قطب الدین پر قائم رہنا مقرر نہ ہوتا تو حضرت قطب اقطاب ہرگز معافی کی استدعا نہ کرتے بلکہ حرف عفو منہ سے نہ نکالتے کیونکہ انبیا علیہم السلام نے کبھی محال کی طلب نہیں کی۔ اولیا جو ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں وہ بھی محال کے طالب نہیں ہوتے لہٰذا آنحضرت کا معافی طلب کرنا عارفوں کے لیے کافی تھا۔ معاملات کے انجام کا سمجھ لینا جوانمردوں کی طبیعت پر ظاہر و باہر ہے۔ لیکن اس صورت میں حق شیخ کمال کی جانب ہے۔ آیت کریمہ ''ہم نے ہر چیز کو ایک انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے۔'' (سورۂ قمر ۵۴:۴۹) اس حال کی مصداق ہے۔ جو چیز نہ دی گئی ہو کیسے پائیں اور جو دکھلائی نہ ہو کیسے دیکھیں!

مختصر یہ کہ شیخ اس مبارک انجام والے حال سے غافل رہ کر دوبارہ سخت جواب دینے لگے اور کہا کہ پچھلے سات سال سے نماز وروزہ کی ادائیگی کے بعد دوائیں کر کر کے درگاہ ذوالجلال سے ملک گجرات کی حکومت میں نے سلطان محمود کے نام مقرر کروالی ہے۔ اب جس شخص کے باپ نے ہم پر ظلم کیا ہو اس کے بیٹے کے لیے گجرات کی حکومت رکھ کر محمود خلجی کو جو درویشوں سے محبت کرتا اور ان پر اعتقاد رکھتا ہے اس کے مقصد کے حصول کے بغیر لوٹا دوں، یہ نہیں ہوگا۔ سیّد زادہ! میاں برہان الدین کو ہمارا سلام پہنچاؤ اور کہو کہ چٹکی سے نکلتے ہوئے تیر کو واپس لانا محال ہے۔ حضرت شاہ نے متبسم ہو کر فرمایا۔ [بیت]

اولیا کو اللہ کی طرف سے قدرت حاصل ہوتی ہے
کہ نکلے ہوئے تیر کو راہ سے واپس لے آئیں

اس کلام کے پڑھنے سے شیخ غضبناک ہو گئے اور کہا کہ یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے کہ ہر وقت اس میں تغیر وتبدل ہوتا رہے۔ لوح محفوظ پر نظر ڈالو کہ ملک پادشاہان تاک[1] کے دائرۂ حکومت سے نکل کر محمود خلجی کے نام لکھ دیا گیا ہے۔ ہاتھ اوپر اٹھا کر غیب سے ایک طورشی کاغذ پکڑ کر حضرت شاہ کو دیا کہ یہ ہے فرمان حکومت گجرات کا جو محمود خلجی کے نام لکھا گیا ہے۔ اب اس معاملہ میں زیادہ سعی کرنا بے فائدہ ہے۔ واپس جائیے اور صورت واقعہ اپنے والد سے کہیے۔ یہ جواب سن کر آنحضرت کی رگ ہاشمی پھڑکی اور بابا شیخ کمال سے غیرت آئی۔ فوراً ہی کاغذ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور کہا کہ یہ تحریر دیوان قضا میں قطب اقطاب کی پروانگی کے بغیر اٹل نہیں ہے۔ اس وقت شیخ کو اپنے کام کے انجام کی اطلاع ہوئی اور سمجھ گئے کہ تقدیر ایسی ہی تھی۔ بس شیخ پر بیہوشی طاری ہوئی اور کہا سید زادہ نے زور کیا۔ یہ کہتے ہی جان دے دی۔

جب یہ خبر حضرت قطب اقطاب کو پہنچی فرمایا کہ منجھلانے یعنی بیچ کا بیٹا کہ حضرت قطب شاہ عالم کو اسی صیغہ سے یاد کرتے تھے جلدی کی۔ ہنوز تحمل کی ضرورت تھی۔ مختصر یہ کہ اس ماجرے کی خبر سلطان محمود کے کانوں تک پہنچی لیکن لشکر اور آلات جنگ مثلاً توپ وتفنگ کی کثرت کی وجہ سے عبرت نہ پکڑی۔ کوچ پر کوچ کرتا روانہ ہوا اور ایک عظیم فتنہ گجرات میں کھڑا ہو گیا۔ اس دیار کے رہنے والوں میں سے کچھ نے جلاوطنی اختیار کی اور کچھ مرنے کے لیے تیار ہو کر اپنے گھر بار سے مایوس ہو گئے۔

مختصر یہ کہ سلطان قطب الدین نے حضرت پیر دستگیر قطب اقطاب سے التماس کیا کہ اگر آنحضرت خود اس معرکہ میں اقدام فرمائیں تو زہے سعادت ورنہ باب جیو یعنی

---

[1] ج: سلطان قطب الدین نے عرض کیا کہ جب حضرت بہ نفس نفیس متوجہ نہیں ہوتے تو اس خاک سے اٹھائے ہوئے اور آسمان پر پہنچائے ہوئے کہ اطمینان خاطر کے لیے اس معرکہ میں کہ

حضرت شاہ عالم کہ جنہیں سلطان اسی صیغہ سے یاد کرتا تھا کو حکم ہو کہ اس لشکر پر سایہ انداز ہوں تا کہ ان کے قدم کی برکت سے حق تعالیٰ فتح وفیروزی عطا فرمائے۔ حضرت قطب اقطاب نے فرمایا کہ قطب الدین مظلوم ہے اور محمود ظالم۔ مظلوم کی رعایت حسنات کی قسم سے ہے۔ تم اس کی موافقت کرو۔ حضرت شاہ عالم رفاقت کا اقرار کر کے روانہ ہوئے۔ احمد آباد سے دوسرے کوچ میں پانی کی کمی پڑی چنانچہ آنحضرت کے تہجد کے وضو کے لیے پانی فراہم نہ ہوا۔ دوسرے دن سلطان قطب الدین کو خبر دی کہ لشکر کی فضا کے گدے پن اور راہ چلنے سے دھول اڑ کر حضور میں پہنچتی ہے۔ میں تمہاری اجازت سے واپس ہوتا ہوں۔ خاطر جمع رکھو کہ درگاہ اللہ سے فتح تمہارے نام مقرر اور مستحکم ہو چکی ہے۔ سلطان[1] نے عرض کیا کہ شمشیر خاصہ مجھے مرحمت ہو۔ فرمایا کہ شمشیر، عصا، جوتے اور ردا جو کچھ درویشوں کا مال ہوتا ہے جان رکھتا ہے۔ تم عالیشان بادشاہوں میں سے ہو۔ مبادا تم سے درویشوں کی نسبت کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو ان کے لائق نہ ہو۔ اس وقت یہ شمشیر نقصان دہ ہوگی۔ سلطان پاؤں پر گر پڑا اور بولا کہ میں آنحضرت ہی کا خاک سے اٹھایا ہوا ہوں اور آپ میرے پیرزادہ اور مربی ہیں آپ کی نسبت مجھ سے کوئی بے ادبی کس طرح ظاہر ہوسکتی ہے کہ اس دن تو تقدیر الٰہی کا تیر آنے والا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے ہونے والا ہے۔ سلطان پر رقت طاری ہوگئی۔ حضرت شاہ نے اپنا خاصہ کی تلوار سلطان کو دے دی۔ اسی وقت یہ ذکر ہوا کہ سلطان محمود کے پاس ایک کوہ پیکر، دیو ہیئت ہاتھی ہے جس کا نام غالب جنگ ہے۔ نقارہ کی آواز سن کر وہ مستی میں آجاتا ہے۔ اس حالت میں کوئی ہاتھی اس کے سامنے نہیں آتا اور اگر اتفاق سے کوئی آجائے تو جان سلامت نہیں لے جاتا۔ جب تک اس کا پیٹ نہ پھاڑ ڈالے نہیں چھوڑتا۔ اس وجہ سے اسے قصاب کہتے ہیں۔ حضرت شاہ نے فرمایا۔ [بیت]

وہ خدا جس نے بلندی اور پستی پیدا کی

---

[1] ج: "سلطان نے عرض کیا" نہیں ہے۔

اس نے ہر زبردست کے لیے ایک قوت پیدا کی ہے

آپ نے فرمایا تو سلطان کے تمام خاص ہاتھیوں کو حضرت کے معائنہ کے لیے لائے۔ ان میں سے ایک چھوٹے میانہ قد کے ہاتھی کو جو ہنوز مستی کی سرحد کو نہ پہنچا تھا جدا کیا اور اپنا دست مبارک اس کے سر پر پھیرا اور فرمایا "اے شدنی! قصاب کا پیٹ پھاڑ ڈال، بقدرت اللہ تعالیٰ"۔ اور ایک بغیر پیکا نکا تیر کمان میں جوڑ کر سلطان محمود کے لشکر کی طرف پھینکا اور فرمایا کہ یہ تیر محمود کے چتر کے پایہ کو پہنچا اور اسے توڑ ڈالا۔ اس کے بعد آپ وداع ہو گئے۔

سلطان متوجہ ہوا۔ جب مہندری ندی کے کنارے مقام خانپور بانکانیر[1] پر کیمپ لگایا تو معلوم ہوا کہ چانپانیر کا راجہ گنگ داس جو بغاوت کا راستہ اختیار کر کے سلطان محمود سے مل گیا تھا اس یورش میں اس کی پیشوائی اور رہنمائی کر رہا تھا۔ اس نے سلطان محمود سے کہا کہ خانپور کے راستہ پر غنیم نے قبضہ کر لیا ہے اگر حکم ہو تو موضع ایتاری[2] جو پرگنہ باراسینول کے دیہاتوں میں سے ہے کے راستے سے گذر کر کیبرنج[3] کے راستے سے گھس آئیں۔ سلطان نے پسند کیا اور موضع مذکور کے راستہ کی طرف کوچ کیا۔ اس منزل پر ملک علاء الدین بن سہراب نے ان امیروں سے جو اس کے رفیق تھے کہا کہ میں نے سوگند کھائی تھی کہ میں اپنے آقا سے نہیں پھروں گا۔ میرا آقا سلطان قطب الدین ہے۔ میں اپنے آقا کے پاس جاتا ہوں۔ تم اس راہ پر کہ جس پر تمہارا آقا جا رہا ہے جاؤ۔ وہاں سے جدا ہو کر سلطان قطب الدین کی پابوسی سے مشرف ہوا اور کہا کہ غنیم نے کیبرنج کا راستہ اختیار کیا ہے۔ خداوند بھی عزیمت کی لگام اس طرف موڑیں۔ سلطان قطب الدین نے سلطان محمود کے آنے سے پہلے قصبہ کیبرنج کے پڑوس میں پہنچ کر اپنا خیمہ نصب کر دیا۔ اس

---

1 ج : خانپور

2 ج : انتساری

3 ج : کرنج

طرف سے سلطان محمود شیخو نکے ارادہ سے اپنی منزل سے راستہ پر آیا۔ اس کا رہبر راستہ بھول گیا۔ صبح تک تیلی کے بیل کی طرح گھومتا رہا لیکن کہیں نہ پہنچا۔ جب مشرق کے بیچ سے صبح کا جھنڈا بلند ہوا تو سلطان قطب الدین بھی فوجوں کو آراستہ کر کے اور ترتیب دے کر کھڑا ہو گیا۔ میمنہ کو ایک لشکر جرار اور خونخوار ہاتھیوں کے ساتھ دلاور خان سلطانی کے سپرد کیا، میسرہ ملک نظام مختص الملک کے حوالہ کیا اور لشکر کے قلب کو خود نے خان جہان، ملک منیر وزیر، میٹھا خان بن سلطان مظفر، ضیاء الملک، طوغانشہ کھتری جس کا خطاب افتخار الملک تھا، سلطان محمد بن احمد شاہ کے خالو سکندر خان، ملک حلیم اعظم خان اور قدر خان کے ساتھ سنبھالا۔ اور لشکر کے مقدمہ (اگلے حصہ) میں جنگ دیدہ دلاوروں اور معرکہ آزمودہ مردوں کو متعین کیا۔ اس طرف سے سلطان محمود میسرہ کو میمنہ کے اور میمنہ کو میسرہ کے مقابل اور مقدمہ کو مقدمہ کے سامنے ترتیب دے کر آن پہنچا۔ [ابیات]

دو لشکر باہم ایسے تھے جیسے دو آگ کے دریا

جو ناگاہ کارزار کے لیے آ گئے

ہر جانب سے تلواروں کے بادل اٹھے

باراں اور ابر سیاہ کی طرح خون برسانے لگے

نقل ہے کہ جب جنگ کے شعلے بھڑکے اس وقت سلطان محمود ہاتھی پر سوار تھا اور اس کے سر پر ایک سیاہ چھتری تھی جو شعلۂ آتش کی طرح چمکتی تھی۔ غالب جنگ ہاتھی کو کنجی کی طرح اپنی فوج کے آگے رکھا تھا تاکہ اس سے دشمن کے سواروں کے لشکر کا قفل کھولے لیکن وہ اس حال سے غافل تھا کہ۔ [بیت]

ہر گانٹھ جو تقدیر کی وجہ سے بندھ گئی

وہ تدبیر کے ہاتھ سے کس طرح کھل سکتی ہے

اس ہاتھی کو قفل کی طرح اس نے اپنے لشکر کے قلعہ پر لگایا تھا اس خیال سے کہ وہ کسی بھی کنجی سے نہیں کھلے گا اور اسے اس واقعہ کی خبر نہ تھی۔ [بیت]

بہت سے قفل جن کی کنجی نہیں ہوتی

انہیں کھولنے والا ناگاہ ظاہر ہو جاتا ہے

اس معرکہ میں سلطان قطب الدین ایک سرخ گھوڑے پر سوار تھا اور سبز رنگ کی چھتری اس کے سر پر تھی۔ خون کی موجیں دریا کی طرح اٹھ رہی تھیں۔ القصہ دونوں بادشاہ اپنے اپنے لشکر کے قلب میں جوانمردی سے پاؤں جمائے کھڑے ولاوری کی داد دے رہے تھے اور سپاہیوں کے آگے انعام واکرام کے وعدوں اور تسلی سے مردانگی کے دروازے کھول رہے تھے۔

نقل ہے کہ پہلے سلطان محمود کی طرف سے ولایت چندیری کے حاکم مظفر خان نے چند نامی ہاتھیوں کے ساتھ سلطان قطب الدین کے میسرہ پر حملہ کیا اور اسے زیر کر کے سلطان قطب الدین کے کیمپ تک پہنچ گیا اور وہاں لوٹ مار کرنے لگا یہاں تک کہ سلطان قطب الدین کے خزانے اپنے ہاتھیوں پر لادنے لگا۔ اس اثنا میں سلطان قطب الدین کے میمنہ نے سلطان محمود کے میسرہ کو شکست دی اور مقدمہ مقدمہ کے ساتھ لڑنے لگا یہاں تک کہ نوبت دونوں لشکروں کے قلب تک پہنچ گئی سلطان قطب الدین کے ہاتھی غالب جنگ ہاتھی سے سر چھپانے لگے۔ سلطان نے حکم دیا کہ شدنی کو آگے لاؤ تا کہ قصاب کا پیٹ پھاڑ ڈالے کہ باب جیو یعنی حضرت شاہ جیو نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ شدنی دوڑا اور قصاب سے بھڑ گیا۔ اس اثنا میں دھولقہ کے رہنے والے پیلتن مردوں اور شیر افگن دلیروں کا ایک گروہ کہ جنہیں دروازیہ کہتے تھے گھوڑوں سے اترے اور قصاب کے پیچھے پڑ گئے۔ قصاب بیل کی طرح زمین پر گر پڑا اور شدنی کے دانت کنجی کی طرح قصاب کے پیٹ میں گڑ گئے اور اس کی انتڑیوں کو تالے بھڑوں کی طرح باہر کھینچ لیا۔ اس اثنا میں ایک تیر غیب سے سلطان محمود کی چھتری کے پایہ پہ آکر لگا اور آنحضرت کا کرشمہ جس کی کیفیت اوپر مذکور ہوئی ظاہر ہوا۔ فاضلوں میں سے ایک نے اس بات کو نظم کیا اور وہ یہ ہے۔ [قطعہ]

جب اس نے خلجی کی چھتری پر تیر پھینکا

تو اس کے لشکر سے ہزاروں نالے بلند ہوئے

انہوں نے بھاگ کھڑا ہونا غنیمت سمجھا

اس وقت ان کے کمال کا نقص ظاہر ہوا

مختصر یہ کہ اس تیر کی ضرب سے اس کی چھتری کا پایہ ٹوٹ گیا اور اس کا گھیر اوندھا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سلطا محمود کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ [بیت]

جو کوئی جان بچا لے گیا خوش ہوا

کسی کو کسی کا مار ڈالنہ یاد نہ رہا

مظفر خان جو اس فتنہ کا باعث تھا گرفتار ہوا۔ سلطان نے حکم دیا تو اس کا سر کاٹ کر کبیر پنچ کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ یہ واقعہ بروز جمعی یکم رماہ صفر ۸۵۵ھ کو ظہور میں آیا۔ القصہ سلطان محمود جس نے سپاہیوں اور آلات جنگ پر بھروسہ کیا تھا مغلوب ہوا اور سلطان قطب الدین جس نے وفا کیش درویشوں کے قول پر اعتماد کیا اور ان کے حکم کو بحکم آیت کریمہ "ہم نے ہر چیز کو ایک انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے" (سورۂ قمر ۵۴: ۴۸)۔ "تم نے ان پر جو مٹھی بھر خاک پھینکی سمجھو دراصل اللہ نے پھینکی" (سورۂ انفال ۸: ۱۶) سچا جانا۔ عروس فتح اس کی نظر کے سامنے اور آنکھوں کے آگے جلوہ گر ہوئی۔ [بیت]

جو کوئی درحق کو دوست رکھتا ہے

افلاک کا گھوڑا اس سے رام ہو جاتا ہے

نقل ہے کہ وقت وداع حضرت شاہ نے فرمایا تھا کہ اس مراد کو حاصل کرنے کے لیے کوئی چیز انبیا علیہم السلام کی ارواح کو نذر کرنا۔ سلطان نے کہا کہ میں نذر مانتا ہوں کہ ہر پیغمبر کی روح کے لیے سونے کا ایک تنکہ آپ کی خدمت میں بھیجوں گا تا کہ آپ فقیروں میں بانٹ دیں۔ حضرت نے فرمایا "یہ تو بہت ہے اس کا ادا کرنا دنیاداروں کے لیے دشوار

ہے۔ سلطان نے مبالغہ کیا۔ حضرت شاہ نے فرمایا کہ سونے کے تنکے کے بجائے چاندی کا تنکہ ہو۔ سلطان نے قبول کرلیا۔ کہتے ہیں کہ فتح کے بعد ستر ہزار چاندی کے تنکے خدمت میں بھیجے۔ حضرت شاہ نے فرمایا پیغمبروں کی تعداد ستر ہزار سے زیادہ ہے۔ واپس بھیج دیے۔ حضرت شاہ نے اپنے خزانے سے ایک لاکھ چوبیس ہزار چاندی کے تنکے فقرا میں بانٹ دیے۔ سلطان قطب الدین نے حضرت قطب اقطاب کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ستر ہزار تنکے حضرت شاہ کی خدمت میں بھیجے تھے لیکن قبول نہ ہوئے۔ واپس بھیج دیے لیکن جو منّت مانی تھی اس کی کیفیت کا کچھ ذکر نہ کیا۔ حضرت قطب اقطاب نے حضرت شاہ عالم سے فرمایا کہ بابا فتوح کے بارے میں "نہ پھیرنا اور نہ جانچنا" واقع ہے۔ سلطان قطب الدین کے بھیجے ہوئے مال کو واپس نہ کرنا چاہیے تھے۔ غایت ادب سے حضرت شاہ نے سکوت فرمایا اور دم نہ مارا۔ لیکن یہ واقعہ ہونے سے حضرت شاہ سلطان قطب الدین سے ناراض ہوگئے اور دریا بہانے والی خاطر توجہ کی صفائی میں جو سلطان قطب الدین کے حال پر تھی غبار آ گیا اور اس غبار کے اثر کے بارے میں بہت سی باتیں ہیں۔ انشاء اللہ ان میں سے بعض اپنے اپنے محل پر بیان میں آئیں گی۔

نقل ہے کہ جب سلطان محمود خلجی گجرات کی سرحد میں پہنچا تو ہندوؤں[1] میں سے بعض اہل قلم نے جو سلطان محمد کی نظر میں مردود تھے جا کر سلطان محمود سے ملاقات کی۔ سلطان نے ان سے ملک گجرات کی تقسیم طلب کی۔ انہوں نے جتلائی تو دیکھا کہ ولایت کے دو دانگ[2] کا تعلق سپاہیوں کی جاگیر اور خالصۂ بادشاہی سے ہے اور ایک دانگ ائمہ وغیرہا کے نام پر خیرات ہے۔ کہتے ہیں کہ اتنی خیرات سلطان قطب الدین کے زمانہ تک جاری تھی۔ اس کے بعد ہر ایک نے اپنی سلطنت کے زمانہ میں اس پر اضافہ کیا۔ سلطان محمود بولا کہ ملک گجرات کا ہاتھ میں لانا مشکل ہے کہ اس کا لشکر بھی مرتب ہے اور شاہ کی

---

[1] ب: "ہندوؤں میں سے" نہیں ہے۔
[2] الف: دو حصّہ کو

فوج بھی۔ کیا ہی اچھا کہا کسی نے۔ [ابیات]

اگر تجھے بادشاہی سلامت رکھنی ہو
تو تجھے چاہیے کہ دلوں سے بھیک مانگے۔
وہ جہاں قلب مرتب نہیں جتنا
مگر بے قرار لشکر کا کمزور دل۔
جو تو چاہتا ہے کہ اس طرف کا دروازہ کھولے
تو عالم راز تک اپنا جھنڈا بلند کر۔
بغیر گھوڑوں اور سواریوں والے سپاہی ڈھونڈ
کہ جو ستاروں کی طرح رات بھر جاگتے رہتے ہیں۔
اس سے بہتر دعا میں تیرے لیے نہیں جانتا
کہ خداوند تعالیٰ تجھے دلوں کی طرف سے رحم بخشے۔
اگر ایک دل بھی تیرے لیے دعا کرتا ہے
تو اپنا نقارۂ جاوید بام عرش پر بجا۔

مختصر یہ کہ جب سلطان قطب الدین مظفر و منصور احمد آباد آیا عیش و کامرانی میں مشغول ہو گیا۔ ہمیشہ شاہانہ جشن مناتا اور ملوکانہ (بادشاہوں جیسی) صحبتیں رکھتا تھا اور اپنے اوقات شریف شراب پینے اور خوبصورت عورتوں کی صحبت میں گذارتا تھا۔ اس نے اعلیٰ درجہ کی عمارتیں تعمیر کیں مثلاً حوض کانکریہ کی عدیم المثل اور بے نظیر ہے اور باغ نگینہ[1] اور حوض اندرونی اور کمدلور[2] کے محلات جن میں سے ہر ایک باغ بہشت اور جنت کے محلوں کی یاد دلاتا ہے۔ آج سے چند سال قبل اس فقیر نے ان سب کو دیکھا تھا۔ فی الحال ان....

مختصر یہ کہ ۸۵۵ھ میں سلطان محمود خلجی نے ولایت ناگور کی تسخیر کے ارادہ سے

---

[1] الف: باغ نگینہ وسط میں حوض نگینہ کے واقع ہے۔
[2] ز: کمدیو

فوج کشی کی۔ سلطان قطب الدین نے سید عطاء اللہ کو جن کا خطاب قوام الملک تھا ایک زبردست لشکر کے ساتھ حکام ناگور کی کمک کے لیے متعین کیا۔ وہ سانبھر کے نواح ہی میں پہنچے تھے کہ سلطان احتراز کر کے اپنے ملک کی طرف لوٹ گیا۔ قوام الملک بھی اپنے ملک کی طرف پلٹ آئے۔ اس کے بعد فیروز خان ابن شمس خان دندانی، حاکم ناگور، نے وفات پائی تو فیروز خان کے بھائی مجاہد خان نے فیروز خان کے بیٹے شمس خان کو لڑائی کر کے نکال دیا اور ناگور کی حکومت کو اپنے تصرف میں لے آیا۔ شمس خان ابن فیروز خان نے رانا کے پاس جا کر پناہ لی۔ اس کو اپنی کمک پر لے کر ناگور پر چڑھائی کی۔ مجاہد خان میں مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ فرار پر فرار کو اختیار کر لیا اور سلطان محمود خلجی کے پاس چلا گیا۔ اس وقت رانا چاہتا تھا کہ ناگور کی شہر پناہ کو ڈھا دے۔ شمس خان نے منع کیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان دونوں کے بیچ قتال واقع ہوا۔ رانا ناراض ہو کر اپنی ولایت کو چلا گیا اور پھر مذکورہ جھگڑے کی وجہ سے جمعیت بنا کر ناگور پر چڑھ آیا۔ شمس خان نے ناگور کے قلعہ کو مضبوط کیا اور خود مدد لینے کے لیے سلطان قطب الدین کے پاس آیا اور اپنی بیٹی کو سلطان کے نکاح میں دے دیا۔ سلطان نے[1] رائے امین چند تاک اور ملک گدائی کو امیروں اور سپاہیوں کے ساتھ ناگور کے اہل قلعہ کی مدد کے لیے بھیجا اور شمس خان کو اپنی ملازمت میں رکھا۔ مذکورہ امیروں نے ناگور کے قریب رانا سے جنگ کی۔ مسلمان بڑی تعداد میں درجۂ شہادت کو پہنچے اور بے شمار کافر بھی واصل جہنم ہوئے۔ کسی بھی جانب کے لیے فتح و ظفر تجویز نہ ہوئی اور مغلوب و عاجز ہوئے۔ رانا نواح ناگور کو مع شہر کے تاخت و تاراج کر کے اپنے ملک کی طرف لوٹ گیا۔

اس واقعہ کے ہونے کی خبر سن کر ۸۶۰ھ میں نواح ناگور کی تاراجی کا انتقام لینے کے قصد سے سلطان نے رانا کی ولایت کی طرف فوج کشی کی۔ راستے میں سروہی کا راجہ کھیتا دیورہ شرف پابوسی سے مشرف ہوا اور اس نے فریاد کی کہ رانا نے زور و زبردستی سے

---

[1] ز: زمین چند ماکمک

قلعہ آبو جو ہمارے آبا و اجداد کا مسکن و ماوئی ہے چھین لیا ہے لہٰذا بادشاہِ عالم میری داد کو پہنچے۔ سلطان نے ملک شعبان عماد الملک کو متعین کیا کہ آبو رانا کے متعلقین سے چھین کر کھیتا کے سپرد کردے۔ ملک مذکور نے کبھی اس قسم کا کام نہیں کیا تھا۔ غیر سپاہیانہ[1] طریقہ سے وہ قلب کی تنگ جگہ سے گھس آیا اور روانہ ہوا۔ کافروں نے نکلنے کے راستے بند کردیے اور پہاڑوں کے اطراف سے لڑنے لگے۔ ملک نے شکست کھائی اور بہت سے لوگوں کی جان گنوائی۔ اس واقعہ کی خبر سلطان نے کونبھل میر کے نواح میں سنی۔ اس اثنا میں رانا کونبھا نے قلعہ سے نکل کر جنگ کی۔ شکست کھا کر لوٹا اور قلعہ بند ہوگیا۔ سلطان نے کونبھل کا محاصرہ کرلیا رانا کی ولایت کے چاروں طرف تاخت و تاراج کے لیے زبردست لشکر متعین کیا۔ کہتے ہیں کہ اِس مرتبہ رانا کی ولایت ایسی تاراج ہوئی کہ کسی ہندو کے گھر مویشی میں سے کچھ نہ رہا اور غلام اتنے ہاتھ آئے کہ شمار میں نہ آئیں۔ کونبھا عاجز آگیا، امان مانگی اور اپنے لایق خدمت قبول کی۔ اور عہد واعتماد کی رتی اپنے گلے میں باندھی کہ اس کے بعد ناگور یا دیار اسلام کی کسی بھی طرف لشکرکشی نہ کرے گا۔ سلطان لوٹ کر اپنی راجدھانی میں واپس آیا اور بادشاہانہ بخششوں اور خسروانہ عیش وعشرت میں مشغول ہوگیا۔

کچھ عرصہ گذرنے کے بعد سلطان محمود خلجی کے ایلچی پیغام لائے کہ اہل اسلام کا باہمی جھگڑا کفار بدانجام کے امن و آرام کا باعث ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ "بیشک مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں" کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ کی گانٹھ باندھ کر اوندھے کافروں کے دفع پر توجہ کریں۔ خاص طور پر اس ضرر رساں کافر لعین رانا سانگا کونبھا کے دفع پر توجہ کریں جس سے مسلمانوں کو بارہا نقصانات پہنچے ہیں۔ اُس طرف سے سلطان قدم رنجہ فرمائیں اور اِس طرف سے میں آؤں تا کہ اسے درمیان سے اٹھادیں اور اس کی ولایت کا آدھوں آدھ حصہ کر کے اپنے تصرف میں لے آئیں۔ سلطان نے قبول کیا۔ اس باب میں پکا عہد کر کے ۸۶۱ھ میں ولایت کو تاراج کرنے کے لیے کوچ

---

[1] ج: "غیر سپاہیانہ" نہیں ہے۔

فرمائیں۔ خود بدولت نے آ کر رانا کونبھا کے شہر کے باہر لشکرکشی کی اور ادھر سے سلطان محمود روانہ ہوکر قصبہ مندسور[1] تک آیا۔ سلطان قطب الدین نے پہلے قلعہ آبو فتح کیا اور کھیتا دیورہ[2] کے سپرد کردیا۔ وہاں سے کنبھل میر[3] کی طرف علم بلند کیا اور وہاں کے دیہاتوں کو لوٹا۔ اس وقت رانا کونبھا قلعہ چیتور (چیتوڑ) میں تھا۔ سلطان چتوڑ کی طرف متوجہ ہوا۔ رانا چالیس ہزار سواروں اور دو سو نامی ہاتھیوں کے ساتھ نیچے آیا اور تنگ راستوں اور پیچ کی زمینوں پر جم کر لڑنے لگا۔ کہتے ہیں یہ جنگ پانچ روز تک چلتی رہی۔ پانی کا ایک کٹورہ پانچ بہدیہ میں جس سے بارہ ٹکے مراد ہوتے ہیں ملتا تھا۔ پانچویں دن لشکر اسلام غالب آیا۔ رانا نے ذلیل ہوکر شکست کھائی اور درد بھرے دل اور اترے ہوئے چہرے کے ساتھ چتوڑ کے قلعہ میں قلعہ بند ہوگیا۔ سلطان نے چتوڑ کا محاصرہ کرلیا۔

آخرکار رانا کونبھا بن موکل کے وکیل آستانہ بوسی کے لیے آئے اور بصد عجز معافی مانگی۔ بادشاہانہ پیشکش گذرانی اور عہد باندھا کہ اس کے بعد ولایت ناگور پر تنگی کرنے کے درپے نہ ہوں گے۔ ان کا التماس درجۂ قبول کو پہنچا۔ سلطان اپنی راجدھانی کی طرف لوٹ آیا اور سلطان محمود بھی اپنی ولایت کی طرف واپس ہوا کیونکہ رانا نے مثل (مندسور) اور چند دوسرے پرگنے جو مملکت مالوہ کی سرحد پر تھے سلطان محمود کو دے کر اسے لوٹایا تھا۔

نقل ہے کہ تین ماہ بعد رانا کونبھا اپنا عہد توڑ کر ولایت ناگور کو تاراج کرنے کے قصد سے روانہ ہوا۔ آدھی رات کو یہ خبر وزیر ممالک عمادالملک کو پہنچی۔ ملک اسی وقت دربار بادشاہی میں آیا اور سلطان کی خبر پوچھی۔ ملازموں نے کہا کہ خواب استراحت فرما رہے ہیں۔ کہا کہ انھیں جگادو۔ نوکروں نے کہا ہمیں اس کی قدرت نہیں ہے۔ ملک خود خوابگاہ

---

[1] ج: قصبۂ نادوت اور باراسینور

[2] ج: کنبھادیو کو

[3] ج: کوبھلمیر

میں آیا اور سلطان کے پاؤں کو دھیرے سے دبایا۔ سلطان جاگ گیا۔ پوچھا کون ہے۔ کہا بندہ شعبان، کہا خیر تو ہے؟ کہا ہاں۔ سلطان نے کہا آخر کچھ تو کہو۔ کہا خبر آئی ہے کہ ملعون کوبھا پھر عہد شکنی کر کے ولایت ناگور کی طرف چلا ہے۔ اگر سلطان اسی وقت کوچ کا نقارہ بجوائیں اور خود بدولت شہر سے باہر آئیں تو یہ خبر سنتے ہی رانا واپس پھر جائے گا اور پھر یہ حوصلہ نہ کرے گا ورنہ کام لمبا ہو جائے گا۔ اُس وقت اس کے مطابق فکر کرنی پڑے گی۔ سلطان نے کہا کہ میں خمار میں مبتلا ہوں اور سواری کی طاقت نہیں۔ ملک نے کہا کہ پالکی پر سوار ہو جائیں۔ سلطان نے اسی وقت کوچ کا نقارہ بجوادیا اور خود پالکی میں سوار ہو کر شہر سے باہر نکلا اور کوبھل میر کا رخ کیا۔ جاسوسوں نے اسی وقت صورت حال لکھی۔ رانا یہ سنتے ہی لوٹ گیا اور اپنی ولایت کو چلا گیا۔ اس کے بعد ۸۶۲ھ میں سلطان قطب الدین نے سروہی کی طرف لشکر کشی کی اور وہاں سے رانا کی ولایت میں آکر تاخت وتاراج کر کے واپس ہوا۔ ماہ رجب کی تین تاریخ ۸۶۳ھ کو سلطان کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے دعوت حق کو لبیک کہا۔ اور اِس عالم سے رحلت فرمائی۔ اس کی سلطنت کی مدت بیس سال چھ ماہ اور تیرہ روز تھی۔

نقل ہے کہ سلطان قطب الدین (اللہ اس کی برہان کو روشن کرے!) تخت سلطنت پر بیٹھا تو سلطان کے سوتیلے بھائی فتح خان کو اس کی والدہ بی بی مغلی اپنے ہمراہ لے کر حضرت شاہ عالم کی پناہ میں اپنی بہن بی بی مرکی کے وسیلے سے لے گئیں جو سندھ کے بادشاہ جام[1] جوناں کی بیٹی تھیں اور آنحضرت کے نکاح میں تھیں۔ شاہ بھیکن انہی کے بیٹے ہیں۔ حضرت شاہ نے فرمایا کہ اپنی بہن کے ساتھ خاطر جمعی سے رہو، کوئی ضرر تمہیں نہ پہنچے گا۔ فتح خان کی والدہ خان کو بڑی احتیاط اور اخفا کے ساتھ اس مکان میں حفاظت سے رکھتی تھیں لیکن سلطان قطب الدین کے خوف سے جان بدن میں نہ تھی۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد سلطان قطب الدین نے نشہ کی حالت میں فتح خان کو یاد کیا اور پوچھا کہ وہ کہاں

---

[1] الف: مرکی دختر خام جوناں، ز: دختر جام خوباں۔

ہے۔ ملازموں نے کہا کہ حضرت شاہ عالم کے گھر اپنی خالہ کے پاس آنحضرت کی نظر مرحمت اور نگاہ عاطفت سے ممتاز ہے۔ سلطان کے بدن میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ عیش وطرب غصہ وغضب سے بدل گیا۔ فتح خان کو فنا کرنے کے لیے کمر کینہ باندھی لیکن وہ اس سے غافل تھا کہ یہی بات آخرکار اس کی دولت کے زوال اور اس کی بقا کی فنا کا موجب ہوگی۔ [بیت]

میں نے لالچ کی تھی کہ کرمان (شہر) کو ہضم کر جاؤں
کہ ناگاہ کرموں (کیڑوں) نے میرا سر کھالیا

نقل ہے کہ ایک دن حضرت شاہ عالم کو پیغام بھیجا اور اپنے دل کی چھپی ہوئی بات ظاہر کی اور اس کے درپے ہوا کہ فتح خان کو خواہی نخواہی اس کے سپرد کردیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اپنی جان کے خوف سے وہ درویشوں کی پناہ میں آیا ہے۔ درویشوں کے لیے مناسب نہیں کہ اسے پکڑ کر تمہارے سپرد کردے۔ تم حاکم ہو، جہاں کہیں اسے پاؤ لے جاؤ۔ سلطان نے جاسوس مقرر کیے اور خود شہر سے باہر آکر کمدلور[1] کے محلوں میں رسول آباد کے قریب جہاں آنحضرت کا مکان شریف تھا اس قصد سے رہنے لگا کہ جب بھی وہ وقت پائیں گے جلدی خبر پہنچادیں گے تاکہ فتح خان کو پکڑلوں۔ ایک دن رانی روپ منجری جو سلطان کی خاص حرم تھی اور حضرت شاہ کی مرید، اسے سلطان نے بہت سے خواجہ سراؤں کے ساتھ حضرت کی خدمت میں بھیجا اور حکم دیا کہ فتح خان کو ڈھونڈ کر پکڑ لائے۔ اس نے بڑی تاکید کی کہ جب اس پر نظر پڑ جائے تو اسے نہ چھوڑے اور اٹھا کر لے آئے۔ رانی نے فتح خان کو حضرت شاہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے لگی۔ حضرت شاہ تبسم فرماتے ہوئے بولے کہ آج تم فتح خان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ رہی ہو اور ایک دن وہ تمہارا ہاتھ کھینچے گا۔ آخرکار سلطان قطب الدین کی وفات کے بعد رانی فتح خان کے نکاح میں آئی جو دولت بادشاہی ملنے پر سلطان محمود کے نام سے موسوم

---

[1] الف: کمدلوز ، ز: کھیدپور ، ج: ملک نور

ہوا اور جو کچھ آنحضرت نے فرمایا تھا وہی دیکھا۔ یہ سنتے ہی رانی نے فتح خان کا ہاتھ چھوڑ دیا، آنحضرت کی خدمت میں معذرت چاہی اور واپس چلی گئی۔ سلطان سے کہہ دیا کہ ہر چند ہم نے ڈھونڈا لیکن نہ پایا۔

نقل ہے کہ ایک دن جاسوس نے آکر سلطان سے عرض کیا کہ فتح خان فلاں مکان میں حضرت شاہ کی خدمت میں بیٹھا سبق پڑھ رہا ہے۔ سلطان ایک نہایت تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر اسے دوڑاتا ہوا لایا اور بے محابا چاہا کہ گھر میں داخل ہو جائے۔ مقبل نامی دربان نے روکا۔ سلطان نے کہا کہ باب جیو کی رضا سے مجھے روکتا ہے؟ جب سلطان کی آواز ان کے مبارک کانوں میں پہنچی تو فرمایا "مقبل! اسے آنے دے" اور فتح خان سے کہا "پڑھ ڈوکرے"۔ یعنی "پڑھ اے بوڑھے!" فتح خان کی صورت سلطان کی نظر میں ایک داڑھی والے، سفید بھوں والے کیڑے آدمی کی تھی۔ اس وقت فتح خان کی عمر دس برس کی تھی۔ سلطان قطب الدین ایک غالیچہ پر بیٹھ گیا اور اس کمرہ میں ہر طرف نظر دوڑائی۔ لیکن آنحضرت اور اس بوڑھے کے سوا کوئی اور نظر نہ آیا۔ شرمندہ ہو کر اٹھا اور جاسوسوں پر عتاب کیا۔

سلطان محمود سے نقل ہے کہ اُن دنوں مجھے لڑکیوں کا لباس پہناتے تھے تاکہ کوئی اچانک دیکھ لے تو نہ پہچانے۔ جب میری تلاش و جستجو میں سلطان قطب الدین کی کوشش کا غلغلہ اپنے کمال کو پہنچ گیا تو ایک دن میں بالاخانہ پر چھپا ہوا تھا۔ میری دایہ میرے ساتھ تھی۔ ایک جاسوس نے یہ خبر سلطان کو پہنچائی۔ سلطان دوڑتا ہوا آیا اور بالاخانہ پر پہنچ گیا۔ میری دایہ کی روح پرواز کر گئی یعنی اس کے ہوش اڑ گئے۔ یہ خبر حضرت شیخ کو پہنچی۔ انہوں نے فرمایا "نہ ڈرو، شیر کو کیسے پکڑے گا"۔ سلطان نے میرا ہاتھ پکڑا۔ دایہ چلانے لگی کہ یہ فلاں عزیز[1] کی بیٹی ہے۔ سلطان نے میرا ازار بند کھولا اور لڑکی ہونے کی علامت دیکھی۔ میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور نیچے جا کر اپنے ندیموں سے صورت حال بیان کی۔ انہوں نے کہا

---

[1] ج: سید بخاری

جیسے بھی ہو اسے نیچے لے آنا چاہیے۔ سلطان دوبارہ بالا خانہ پر پہنچا۔ میرا ہاتھ پکڑا۔ اچانک اس نے میرے پنجہ کو شیر کے پنجہ کی طرح دیکھا۔ چھوڑ دیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اس دن سے میرا پیچھا چھوڑ دیا اور پھر میرا قصد نہ کیا۔

لیکن سلطان کی عداوت کی آگ[1] شاہ جہاں[2] پناہ کی نسبت روز بروز تیز تر ہوتی جاتی تھی لیکن اشتعال ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ اس اثنا میں حضرت شاہ عالم کی زوجہ بی بی مرکی نے اس جہان فانی سے سرائے جاودانی کی طرف رحلت کی۔ شاہ عالم پناہ نے بی بی مغلی سے کہا کہ جب تک تمہاری ہمشیرہ زندہ تھیں ہمارے ساتھ تمہاری نسبت محرمیت تھی۔ اب مناسب یہ ہے کہ تم اپنے لیے کوئی الگ مکان اختیار کرلو۔ اس بات سے بی بی مغلی بہت غمگین ہوئیں اور طرح طرح کے آلام میں مبتلا ہو گئیں۔ انہوں نے جام فیروز سے جوان کے چچا تھے راز کی بات کہی۔ کہا کہ "پہلے میرے والدین نے مجھے حضرت شاہ کی خدمت میں دینا مقرر کیا تھا۔ سلطان محمد نے اپنے حکم سے مجھے اپنے نکاح میں لے لیا۔" یہ واقعہ ایسا تھا کہ ملک سندھ کے بادشاہ جام جوناں کی دو بیٹیاں تھیں۔ بی بی مغلی اور بی بی مرکی۔ انہوں نے بی بی مرکی کی سلطان محمد اور بی بی مغلی کی حضرت شاہ عالم پناہ سے خواستگاری کی تھی۔ جب سلطان محمد نے بی بی مغلی کی خوبصورتی کی شہرت سنی تو جام کے پیشواؤں کو زیادہ سے زیادہ مال وزر کی رشوت دے کر اس بات پر راضی کرلیا کہ بی بی مغلی سلطان کو دے دی اور بی بی مرکی شاہ عالم پناہ کو۔ جب اس کی خبر انہیں (حضرت شاہ عالم کو) پہنچی تو انہوں نے یہ حقیقت بیبا کی سے حضرت قطب اقطاب کو پہنچادی۔ آنحضرت نے فرمایا "بچہ! تیرے نصیب میں دونوں ہیں اور ایک ایک بچہ یعنی فرزند ہر دو سے تیرے نصیب میں مقدر ہے۔"

القصہ جب حضرت شاہ عالم پناہ نے بی بی (مغلی) کی طبیعت کا یہ میلان دیکھا

---

[1] الف : سلطان کے غضب کی آگ

[2] الف : عالم پناہ

تو حضرت قطب اقطاب کا مقولہ انہیں یاد آیا اور بی بی سے انہوں نے نکاح کرلیا۔ بی بی مغلی نے عاشق وار اور ایک معمولی کنیز کی طرح خدمت میں کمر باندھی اور رات دن آنحضرت کی رضا کے حصول کی کوشش کرتی تھیں اور آنحضرت بھی ان کے حسن صورت اور نیک سیرت کی وجہ سے ان پر بہت زیادہ توجہ فرماتے تھے۔ ایک بار بی بی عایت اخلاص کی وجہ سے آنحضرت کے خاص حجرہ میں اپنے گھونگھر والے بالوں سے جھاڑو دے رہی تھیں۔ حضرت شاہ کو اس حال کی خبر ہوگئی۔ بہت زیادہ عنایت اور بے نہایت التفات کا اظہار فرمایا اور کہا کہ جو کچھ چاہتی ہو مانگو کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ کھلا ہے۔ بی بی نے کہا کہ چونکہ فتح خان کے بارے میں آپ نے التفات فرمایا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے تخت پر بیٹھے گا تو اس حالت میں اگر اتفاق سے اس سے کوئی بے ادبی ظاہر ہو تو حضرت ناراض نہ ہوں گے۔ میرا مطلب بس یہی ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ''فتح خان کے نصیب میں گجرات کی بادشاہت مقرر اور مقدر ہے۔ عنقریب یہ بات قوت سے فعل میں آئے گی (یعنی ظاہر ہوگی) اور یہ بھی مقدر ہے کہ میری نسبت اس سے کئی بے ادبیاں ظہور میں آئیں گی اور میں تیری خاطر ان سب کو معاف کردوں گا۔''

نقل ہے کہ ایک دن پھلوں کی ایک ٹوکری حضرت شاہ کی خدمت میں لائی گئی تھی۔ از روئے خوش طبعی حضرت نے وہ ٹوکری فتح خان کے سر پر رکھ کر التفات فرمایا۔ بی بی مغلی نے کہا کہ حضرت آپ یہ ٹوکری اس کے سر پر اوندھی کیوں نہیں رکھتے۔ حضرت نے تبسم کیا اور تحسین کرتے ہوئے ایسا ہی کیا۔ آخر اس کا نتیجہ ظاہر ہوا کہ اس کی (فتح خانی) چھتری کا کلس آسمان کے کلیجہ کے پار ہوگیا اور اس کا دورہ آسمان کی طرح مرکز سلطنت پر پھرنے لگا۔

مختصر یہ کہ جب بی بی مغلی کو آنحضرت کے بچھونے کا شرف حاصل ہوا تو سلطان قطب الدین کو بہت برا لگا۔ جو کچھ اس کے دل میں تھا وہ ظہور میں آیا۔ وہ صاف صاف جھگڑا اور شکایت کرنے لگا۔ چنانچہ ایک دن شراب کے نشہ میں وہ سوار ہوا اور رسول آباد کو

تاراج کرنے کا حکم دیا۔ لوگ جوق جوق جمع ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن کوئی بھی اقدام نہیں کرتا تھا۔ اس راستہ پر وہ ادھر سے ادھر جارہا تھا گھوڑا تیزی سے دوڑ رہا تھا اور رسول آباد کے تاراج کرنے کے لیے ہاتھ اور زبان ہلا رہا تھا۔ اس اثنا میں اللہ تعالیٰ کی قضا سے ایک مست اونٹ پیچھے سے پیدا ہوا۔ سلطان نے تلوار کھینچ کر اونٹ پر چلائی لیکن نشانہ خطا ہو گیا اور خود سلطان کے زانو پر چوٹ لگی۔ سلطان گھوڑے سے گر پڑا۔ پالکی میں ڈال کر اسے گھر لے گئے تین دن کے بعد ۸۶۳ھ میں رحلت کر گیا۔ لوگوں نے کہا یہ اونٹ نہ تھا ملک الموت تھا کہ جو اونٹ کی شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ یہ جو عوام الناس اونٹ کو فرشتہ کہتے ہیں شاید اسی دن سے ماخوذ ہے۔

کہتے ہیں کہ وہ تلوار وہی تھی جو سلطان محمود خلجی کی جنگ کے موقع پر وقت وداع حضرت شاہ نے سلطان قطب الدین کو دی تھی جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

کچھ لوگ سلطان کی وفات کے قضیہ کا دوسرے رنگ سے ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک دن سلطان نے احمد آباد کی شہریت اپنے حرم کو دکھلانا چاہا۔ حکم دیا کہ تمام مرد شہر سے باہر نکل جائیں[1]۔ اس کے بعد اپنے حرم کے ساتھ گلی گلی کی سیر کر رہا تھا۔ ناگاہ ایک آدمی گلی کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ سلطان نے غضب میں آکر اپنی تلوار اس کو ماری۔ وہ آدمی غایب ہو گیا اور تلوار نے سلطان کے زانو کے آئینہ کو شق کر دیا۔ اس زخم کی وجہ سے وہ دنیا سے سدھارا۔ بیشک اللہ بہتر جانتا ہے۔

نقل ہے کہ سلطان کے زخم کا درد ساعت بساعت بڑھتا رہا اور گھاؤ بھر نہیں رہا تھا۔ ایک دن اسی دردناک حالت میں محل کی کھڑکی سے جو سابھر ندی کے کنارے واقع ہے دیکھا کہ ایک لکڑہارا اپنے سر پر لکڑی کا بوجھ رکھے ہوئے بڑی مشقت سے ندی پار کر کے کنارہ پر آیا۔ گٹھا نیچے رکھ دیا۔ اپنی کمر سے چند روکھی سوکھی روٹیاں پیاز کے ساتھ نکالیں اور پوری اشتہا کے ساتھ بڑے مزے لے لے کر کھائیں۔ پھر ندی میں اتر کر

---

[1] الف: تمام مرد گھروں سے باہر نہ آئیں۔

فراغت سے پانی پیا، اوپر آیا اور ایک دیوار کے نیچے سو گیا۔ سلطان بولا کہ کیا ہی اچھا ہو کہ میری بادشاہت اس لکڑہارے کو دے دیں اور لکڑہارے کی تندرستی مجھے بخش دیں اور لکڑہارے کے کام میں مجھے مشغول رکھیں۔ لہٰذا کسی بزرگ نے کہا ہے۔ [بیت]

تنگ دستی سے کوئی کیوں روتا ہے

کہ تندرستی تو بے اندازہ ملک ہے

لیکن بہادر شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ شمس خان کی بیٹی خاتون سلطان نے شمس خان کی تحریک پر سلطان کو زہر دے دیا تا کہ سلطنت گجرات کا معاملہ شمس خان کی طرف راجع ہو جائے، جب سلطان حالت نزع کو پہنچا تو قطبی امیروں نے شمس خان کو قتل کر دیا۔ سلطان کی ماں نے حکم دیا تو کنیزوں نے خاتون کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور یہ بھی درویشوں کی رنجش کا نتیجہ ہے کہ دوست کے ہاتھوں دشمن کا کام سرزد ہوتا ہے۔ آنکھ والوں کے ضمیر پر مخفی نہیں ہے کہ قول مشہور جس کا اوپر ذکر ہوا اور بہادر شاہی کے مصنف کے ذکر کے درمیان تطبیق ممکن ہے۔ اس کا احتمال ہے کہ زخمی ہونے کے بعد زہر خورانی کا حادثہ واقع ہوا ہو۔ بیشک اللہ بہتر جانتا ہے!

گیارھواں باب

سلطان[1] قطب الدین (اس کی قبر خوشبودار ہو!) کے چچا سلطان داؤد بن احمد شاہ کا ذکر

[بیت]

اس حال کے مطابق ذکر کرنے والا

پردہ سے ایسا خیال ظاہر کرتا ہے

کہ سلطان قطب الدین کی وفات کے تیسرے دن وزیروں اور صاحب تمکین امیروں کے اتفاق سے سلطان[2] داؤد بن محمد[3] ۲۳ رجب سنۂ مذکور کو تخت نشین ہوا۔ اور اسی مہینہ کی آخری تاریخ کو معزول ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ ابھی اس کے حکم نے نفاذ بھی نہ پایا تھا کہ ایک فراش کو جو امیری کے زمانہ میں اس کا ہم سایہ تھا عماد الملک کے خطاب کا امیدوار بنادیا حالانکہ عماد الملک وزیر اعظم ابھی زندہ اور قائم تھا۔ اسی اثنا میں رذیل لوگوں میں سے ایک کو اس نے کہا کہ میں تجھے برہان الملک کے خطاب سے سرفراز کرتا ہوں جبکہ سلطان قطب الدین کا امیر الامراء برہان الملک زندہ سلامت تھا۔ ان دونوں کم ظرفوں سے اس بات نے شہرت پائی۔ وزرائے کرام اور امرائے عظام آپس میں کہنے لگے کہ ان کے حکم کے عدم نفاذ کے باوجود یہ اس طرح کا حکم کر رہے ہیں۔ اپنے حکم کا نفاذ ہونے کے

---

[1] ز : ذکر سلطان داؤد بن احمد شاہ بن سلطان بن سلطان قطب الدین انار اللہ برہانہ۔
ج : ذکر سلطان محمود بن احمد شاہ جو قطب الدین کا چچا تھا سلطنت گجرات کے تخت پر۔

[2] ج : داؤد شاہ نے جو سلطان قطب الدین کے عزیزوں میں سے تھا تخت سلطنت پر جلوس کیا۔

[3] الف : احمد۔

بعد کیا کریں گے۔

واقعہ کا علاج اس کے وقوع سے پہلے کرنا چاہیے
ورنہ جب کام ہاتھ سے نکل گیا تو افسوس فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں سونا اور چاندی اور اسباب جو سلطان احمد (اللہ اس کی برہان کو روشن کرے!) کے عہد میں جمع ہوئے تھے ان کے حساب کی تلاش شروع کردی اور سلطان مظفر (اس کی قبر خوشبودار ہو!) کی تابعدار بائی نازک دی[1] سے زیورات لے کر خود اپنے خزانوں میں رکھ دیے۔ کہتے ہیں کہ سلطان داؤد کا سب سے پہلا یہ حکم تھا کہ اس نے کبوتروں کا دانہ اور چراغوں کا تیل کم کردیا۔

یہ حال دیکھ کر امراء نے کہا کہ یہ ذات سلطنت گجرات کی لیاقت نہیں رکھتی سلطان قطب الدین کے سوتیلے بھائی فتح خان کو جس کا ذکر اوپر ہوا اس جگہ پر نصب کرنا چاہیے کہ بادشاہی کا شکوہ اور شہنشاہی کی شان اس کی مبارک پیشانی سے ظاہر ہے۔ انہوں نے علاء الملک بن سہراب سے عرض کیا کہ اس عالی درجات ذات کے سوا کوئی دوسرا گجرات کے تخت کے شایاں نہیں ہے۔ اس امر کا روکنا منع ہے۔ آخرکار علاء الملک فتح خان کو سوار کر کے عادت شاہانہ کے ساتھ بھدر[2] کی طرف روانہ ہوا۔ وزیروں اور امیروں نے استقبال کرتے ہوئے بادشاہانہ سلام کیے اور محمود شاہ کا لقب دے کر دعا وثنا کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ جب فتح خان شاہی محلات کے قریب پہنچا تو نقارہ اور نفیر کی آواز سلطان داؤد کے کانوں میں پہنچی۔ پوچھا کہ یہ کیا ہورہا ہے۔ بولے کہ امراء سلطنت سلطان قطب الدین کے بھائی فتح خان کو تفویض کر کے لارہے ہیں تاکہ وہ تخت شاہی پر اجلاس کریں۔ سلطان داؤد ایک کھڑکی کے راستے سے جو سابرمتی کی طرف ہے نکل کر گوشہ گیر

---

[1] الف: بائی نارنگ، ز: نائی بارگی، ج: بائی اناریک
[2] الف: اہل گجرات بادشاہی محل کو بھدر کہتے ہیں۔

ہو گیا۔ خاص وعام نے آیت کریمہ "جس کو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے" (۲۶:۳) کے مضمون کا مشاہدہ کرلیا۔ سلطان داؤد کی سلطنت کی مدت[1] ستائیس روز تھی۔ نقل ہے کہ معزول ہونے کے بعد سلطان داؤد شیخ اوحسن رومی قدس سرہ کی خانقاہ میں آیا اور مرید ہو کر ان کی خدمت میں رہنے لگا۔ تھوڑے ہی دنوں میں ترقی کرلی۔ اسی زمانہ میں اس جہان فانی سے ملک جاودانی کی طرف سدھارا۔ رحمت ہو اللہ کی اس پر!

---

[1] ہفت روز یعنی مدت سات دن ہی ہوگی کیونکہ سلطان داؤد ۲۳ رجب کو تخت نشین ہوا اور اسی ماہ کے آخری دن معزول ہو گیا۔ (مترجم)

بارھواں باب

سلطان محمود بیگڑہ کے تخت جہانبانی پر بیٹھنے اور تائید ربانی سے جوناگڑھ اور چانپانیر کے قلعے فتح کرنے کا ذکر

بعض اہل گجرات بیگڑہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ بیگڑہ ہندی زبان میں ایسے سانڈ کو کہتے ہیں جس کا دایاں اور بایاں سینگ دو ہاتھوں کی طرح جو بغل گیری کے لیے کھلتے ہیں اگا تھا۔ چونکہ سلطان کی مونچھیں لمبی اور اوپر کی طرف چڑھی ہوئی مذکور سینگوں کی طرح تھیں عرف میں وہ ایسے لقب سے مشہور ہوگیا اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہندی زبان[1] میں دو کے عدد کو 'بے' کہتے ہیں۔ اور زبان مذکور میں گڑھ قلعہ کو کہتے ہیں۔ سلطان نے دو قلعے فتح کیے تھے ایک جوناگڈھ اور دوسرا چانپانیر۔ اس وجہ سے اسے سلطان محمود بیگڑہ کہتے ہیں۔ بیشک اللہ بہتر جانتا ہے۔ [بیت]

اس نقش جیسے صفحہ کے لکھنے والے نے
روزگار کی آرائش اس طرح سے کی

کہ سلطان دین پناہ محمود شاہ نے بروز اتوار، ماہ شعبان المکرم ۸۶۳ھ کو احمد آباد کے معظم شہر میں تخت سلطنت پر قدم رکھا اور اپنی مبارک تخت نشینی سے ولایت گجرات کو زیب و زینت بخشی۔ مخفی نہ رہے کہ سلطان بادشاہان گجرات میں بہترین ہے، کیا پرانوں میں اور کیا بعد میں آنے والوں میں۔ کثرت عدل و احسان میں بھی، مقدس جنگوں کے اہتمام اور اسلام اور مسلمانوں کے احکام کی رعایت میں بھی، اور رائے کی متانت میں بھی کیا لڑکپن کے زمانے میں اور کیا بڑھاپے میں، درازی عمر اور قوت کے وفور میں بھی اور سخاوت و جوانمردی

---

[1] الف : بزبان ہندوان۔

میں بھی مالک الملک سے بڑا عطیہ پایا تھا۔ دولت سلطنت اور بادشاہی کے باوجود اس کی بھوک بہت زیادہ تھی۔ سلطان کے کھانے کی مقدار کا روزانہ معمول گجرات کے وزن سے ایک من[1] تھا اور کھانا کھانے کے بعد پانچ سیر چاولوں کا خشکہ ہضم کر لیتا تھا۔ اور بوقت خواب ایک سینی میں سنبوسے پلنگ کے دائیں جانب اور ایک بائیں ہاتھ کی طرف رکھتے تھے تا کہ جس پہلو پر بھی بیدار ہوتا سنبوسوں پر ہاتھ ڈالتا، ان میں سے چند تناول کرتا اور پھر سو جاتا تھا۔ رات کو چند مرتبہ ایسا ہوتا تھا۔ اور صبح کے وقت جب بیدار ہوتا تو نماز ادا کرنے کے بعد ایک پیالہ مکی شہد سے لبریز اور ایک پیالہ گھی ڈیڑھ سو کیلوں کے ساتھ نوش کرتا تھا۔ اور اکثر کہتا تھا کہ اگر حق تعالیٰ محمود کو بادشاہی نہ دیتا تو اس کا پیٹ کون بھرتا؟ قوت باہ اس درجہ کی تھی کہ کوئی عورت سلطان کی ہم بستری کی تاب نہ لا سکتی تھی سوائے ایک لمبی نوخیز حبشی عورت کے متعدد حرموں سے مجامعت کے بعد سلطان اس کی مباشرت سے تسکین پاتا تھا۔

عمر شریف کے تیرہ برس دس مہینے اور تین دن گذرے تھے کہ تخت شاہی پر جلوس کیا۔ اپنے آبا و اجداد کی رسم کے مطابق فوجوں کو انعام و اکرام سے نوازا اور لوگوں کو خطابات دیے۔

جب چند مہینے اس واقعہ پر گذر گئے تو چند غلط اندیش امیر جن کے نام یہ ہیں: کبیر الدین سلطان المخاطب بہ عضد الملک، مولانا خضر المخاطب بہ صفی الملک، چاند بن اسمٰعیل المخاطب بہ برہان الملک، خواجہ محمد المخاطب بہ حسام الملک، اور ملک عماد الملک وزیر جو شعبان کے نام سے مشہور تھا، سلطان کے ساتھ عناد پیدا کر کے اس کے منصب کے زوال اور دولت کی فنا کے درپے ہو گئے۔ ایک دن ملک عماد الملک کے درگاہ میں آنے سے پہلے وہ لوگ آئے اور سلطان سے عرض کیا کہ عماد الملک نمک حرامی کا ارادہ رکھتا ہے، وہ

---

[1] الف: جس کا سیر ۱۵ بہلولی کے وزن کا ہوتا ہے۔
(گجرات میں ایک من بیس سیر کا ہوتا تھا اور ایک سیر ایک رطل کے برابر۔ مترجم)

چاہتا ہے کہ اپنے بیٹے شہاب الدین کو تخت پر بٹھادے اور بعد میں وہ کرے جو وہ جانتا ہے۔ ہم کہ اس درگاہ کے نمک سے ہم نے پرورش پائی ہے کس طرح اغماض کریں؟ اس معاملہ میں فکر اصل بات کی کرنی چاہیے۔ سلطان نے کہا وہ کیا ہے؟ کہا قتل یا قید۔ سلطان نے سکوت کیا۔ جب ملک عماد الملک درگاہ میں آیا تو امراء نے اسے پکڑ کر طوق اس کی گردن میں اور بیڑیاں اس کے پاؤں میں ڈال کر معتمد لوگوں میں سے پانچ سو آدمیوں کو موکل بنا کر کہا کہ دربار جس کو بہدر کہتے ہیں کے بام پر اسے حفاظت سے رکھیں۔ اور خود اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گئے۔

جب دن کی سفیدی رات کی سیاہی میں تبدیل ہو گئی ہاتھیوں کے کوتوال عبد اللہ نے سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ ملک عماد الملک کا گرفتار کیا جانا[1] دولت کا متقاضی تھا کیونکہ اس امر کے وقوع پذیر ہونے سے وہ امراء جو ملک کے ساتھ ایک تھے فرار ہونے کا سامان کریں گے اور دشمنی رکھنے والے امیروں نے سلطان کے چچا حبیب خان ابن احمد شاہ کو اپنے گھر لا رکھا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ موقع ملنے پر وہ سلطان سے بھی غدر کریں اور حبیب خان کو تخت پر بٹھائیں۔ جو کچھ میں جانتا تھا وہ میں نے خدمت میں عرض کر دیا۔ اب صحیح رائے سلطان کی ہے۔

یہ سن کر سلطان اپنی والدہ کے پاس گیا اور جو کچھ سنا تھا بیان کیا۔ سلطان کی والدہ نے ملک عبد اللہ کو بلایا اور پکی سوگندیں دے کر احوال پوچھے۔ ملک عبد اللہ نے جو کچھ کہا تھا دُہرا دیا۔ سلطان نے اپنے خاص اور با اخلاص ملازموں کو جیسے کہ ملک حاجی، ملک کالو اور ملک عیسن[2] کہ بہترین دولت خواہ تھے بلایا اور اس باب میں ان سے مشورہ کیا۔ آخر الامر یہ طے پایا کہ عماد الملک کو رہا کر کے جفاکیش اور غدار امیروں کے گھروں

---

[1] الف، ج، ز: دولت کا متقاضی نہ تھا۔
[2] ز: عیسیٰ

پر ہلان کرنا چاہیے یعنی لوٹ لینے کا حکم دینا چاہیے تا کہ عمل کی جزا کو پہنچیں۔

سلطان نے حکم دیا تو ملک عبداللہ تمام ہاتھیوں کو مسلح کر کے دربار میں لایا۔ بعد میں سلطان آ کر تخت پر بیٹھا اور شرف الملک سے کہا کہ عماد الملک حرام خور کو قید خانہ سے لاؤ کہ ہمیں اس سے بہت داغ لگے ہیں تا کہ ہم اسے سزا دیں جو دوسروں کے لیے باعث عبرت ہو۔ ملک شرف الملک گیا۔ امیروں کے موکلوں نے سلطان کا حکم نہیں مانا۔ شرف الملک واپس آیا اور صورت حال بیان کی۔ سلطان نے خود اقدام کیا اور بہدر کے برج پر آ کر غضب کا اظہار کیا اور بلند آواز میں کہا کہ شعبان کو لاؤ۔ جب سلطان کی آواز موکلوں کے کان میں پہنچی تو کوئی چارہ نہ رہا۔ ملک کو قید خانہ سے باہر نکال کر لائے۔ سلطان نے کہا کہ اوپر لاؤ تا کہ اس نمک حرام سے پوچھوں کہ بادشاہوں کے غضب سے نہ ڈر کر اس نے ایسا کیوں سوچا۔ جب اسے اوپر لائے تو حکم کیا کہ بیڑیاں اس کے پاؤں سے نکال دیں۔ موکلوں نے جب یہ حال دیکھا تو ان میں سے بعض بھاگ کر امراء کے پاس گئے اور بعض دست بستہ کھڑے رہے اور عرض کیا کہ ہم سلطان کے غلام ہیں۔ سلطان کے حکم سے ہم نے ملک کو قید کیا تھا۔ اب سلطان کے حکم پر ہم چھوڑتے ہیں۔ اس معاملہ میں گناہ ہمارا نہیں ہے۔ سلطان نے ان کو دلاسا دیا۔

جب صبح ہوئی سلطان بہدر کے اوپر آ کر بیٹھا۔ یہ خبر امراء کو پہنچی۔ امراء اپنے لشکر کے ساتھ مسلح و مکمل ہو کر دربار کی طرف چلے۔ اس وقت اصیلوں اور غلاموں میں سے تین سو نفر سلطان کی خدمت میں حاضر تھے۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ اس دریچہ کے راستہ سے جو سابھر ندی کی طرف ہے باہر جانا چاہیے اور خود ایک جگہ پہنچ کر لشکر جمع کر کے واپس آئیں۔ سلطان نے استقامت دکھلائی اور کم ہمتوں کی بات وہاں نہ سنی۔ جب امراء دربار کے قریب پہنچے تو ملک شعبان، ملک حاجی اور ملک کالو نے کہا کہ حکم ہو کہ مہاوت یکبارگی ہاتھیوں کو ان نمک حراموں پر ہانک دیں تو وہ اسی وقت بھاگ جائیں گے۔ سلطان نے حکم دیا تو پانچ سو چھ سو ہاتھیوں نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ ان کی جمعیت درہم برہم ہو گئی اور

امراء بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے سپاہی اپنے اپنے بدن سے ہتھیار کھول کر اپنے گھروں میں گھس گئے اور امراء بھاگ کر شہر سے باہر آگئے اور ہر طرف آوارہ ہوگئے۔

حسام الملک شہر پٹن گیا کہ اس کا بھائی رکن الدین شہر مذکور کا داروغہ (میر کوی) تھا۔ کبیر الدین عضد الملک سابھر کا نتھا آیا۔ وہاں سے ایک راجپوت جس کے بھائی کو عضد الملک نے مار ڈالا تھا اس کا سر تن سے جدا کر کے سلطان کی خدمت میں لے آیا۔ یہ سر شہر کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ برہان الملک جسیم آدمی تھا بھاگ نہ سکا۔ سابھر ندی کے اُس طرف سرکھیج کی جانب ایک جگہ جہاں اب فتحپور آباد ہے گھوڑا دوڑا کر پہنچا اور ایک کونہ میں بیٹھ گیا۔ ایک شاہی خواجہ سرا قطب المشائخ شیخ احمد کھٹو کی زیارت کر کے شہر کی طرف آرہا تھا۔ اس نے اسے پہچان لیا۔ پکڑ کر سلطان کی خدمت میں لے آیا۔ سلطان نے حکم دیا تو اسے ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈال دیا گیا۔ مولینا خضر صفی الملک کو گرفتار کر کے دیو بھیج دیا گیا کہ وہاں قید میں رکھا جائے۔ چونکہ فی الجملہ وہ ملک شعبان سے رابطہ رکھتا تھا ملک مذکور نے اس کا گناہ معاف کروا کے دیو سے بلوالیا اور وظیفہ مقرر کر دیا۔

اس زمانہ میں سلطان کی عمر چودہ برس کے قریب تھی کہ اس نے ایسی مردانگی دکھلائی اور بوڑھوں جیسی رائے پر عمل کر کے دشمنوں کو ملک عدم پہنچا دیا اور بدخواہوں کا فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد عمر بھر سلطان کا حکم ایسا نافذ رہا کہ کسی کو نافرمانی کی مجال نہ ہوئی۔

مختصر یہ کہ جب باغی ملک عدم کو سدھارے تو ملک حاجی کو عضد الملک کا خطاب دیا اور ممالک کی فوجوں کا بخشی بنا دیا۔ ملک بہاء الدین کو اختیار الملک[1]، ملک طوغان[2] کو فرحت الملک اور ملک عیسیٰ کو نظام الملک کے خطابوں سے سرفراز کیا۔ ملک سعد کو برہان الملک کا خطاب مرحمت ہوا، ملک[3] کالو کو اعتماد الملک کا خطاب عنایت کیا اور ملک سارنگ

---

[1] الف : نظام الملک

[2] الف : "ملک طوغان کو فرحت الملک اور ملک عیسیٰ کو نظام الملک کے خطابوں سے سرفراز کیا" نہیں ہے۔

[3] الف، ج : عماد الملک

کو مخلص الملک کا اور کچھ عرصہ کے بعد ملک مذکور کو قوام الملک کے خطاب سے ممتاز کیا۔ باون غلاموں کو خطاب دیے، ان کے منصب بڑھائے اور[1] ان کے لیے پرگنے مقرر کیے۔ تھوڑی ہی مدت میں بہت سا لشکر، سلطان قطب الدین کے لشکر سے دوگنا، جمع ہوگیا ار گجرات کی سرزمین میں بہار کی رونق آگئی۔ اس درجہ پر کہ "نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا"، سپاہ خوشحال، رعیت فارغ البال، درویش جمعیت خاطر کے ساتھ ذکر حق میں مشغول اور سوداگر اپنے سود وسودا کے معاملوں میں دیانتدار۔ ولایت امن وامان سے بھری ہوئی اور راستے رہزنوں کے خطرے سے خالی۔ [بیت]

ایک آدمی اشرفیوں سے بھرا طشت آرام سے مشرق سے
مغرب کی طرف لے جاتا ہے
کیونکہ دنیا کے تمام اطراف بادشاہ کے خوف سے
خطرے سے خالی ہیں

کسی کو کسی وجہ سے بھی روزگار سے شکایت نہ تھی۔ تمام بحکم آیت شریفہ "ہر فرقہ جو ان کے پاس ہے اس پر ریجھ رہے ہیں" (سورۂ مؤمنون ۲۳:۵۳)

سلطان کی قرارداد یہ تھی کہ امیروں اور سپاہیوں میں سے جو کوئی درجۂ شہادت کو پہنچتا یا اپنی موت سے مرجاتا تو اس کی جاگیر اس کے لڑکے کے نام مقرر کر دیتا تھا۔ اگر بیٹا نہ ہوتا تو آدھی جاگیر اس کی بیٹی کو دے دیتا اور اگر بیٹی بھی نہ ہوتی تو اس کے متعلقین کے لیے اتنا مشاہرہ جو روزمرہ کے خرچ کی کفایت کرے مقرر کر دیتا تھا تاکہ وہ روزگار کی شکایت نہ کریں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص نے سلطان کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں امیر کا بیٹا دولت کے قابل نہیں ہے۔ سلطان نے کہا دولت خود اسے قابل بنادے گی۔ بعد ازاں کبھی کسی نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ رعایا کی آسائش کا سبب یہ تھا کہ جاگیر کا جاگیردار سے بدلنا اس کے ظلم وجور کے بغیر ممکن نہ تھا اور جو دستورالعمل قرار پایا تھا

---

[1] الف: اور پرگنے ان کی جاگیر میں مقرر کیے۔

اس میں تجاوز وتفاوت نہیں ہوتا تھا۔

لہٰذا سلطان محمود شہید (اللہ اس کی برہان کو روشن کرے!) کے زمانہ میں کفایت پیشہ وزیروں نے ولایت کے پیداوار کو ایسا سدھارا تھا کہ دس گنا فرق ظاہر ہوتا تھا۔ دگنی تگنی پیداوار کی تو کسی قریہ میں کمی نہ تھی۔ اور راستہ چلنے والے سوداگروں کو آرام تھا کہ راستوں پر چلنے میں پورا امن وامان حاصل تھا۔ سلطان کی پوری قلمرو میں چوروں اور ڈاکوؤں کا وجود نہ تھا۔ اور اماموں کی جمعیت کا باعث یہ تھا کہ خود سلطان اس جماعت شریف کا مرید ومعتقد تھا۔ ہر سال ہر ایک کے لیے وظیفہ کے علاوہ نذرانوں کا دروازہ کھلا رکھتا تھا چہ جائیکہ کوئی ان کے مقررہ وظیفہ کو روکے۔ مسافروں کے لیے اس نے عالی شان سرائیں اور بلند رباطیں تعمیر کی تھیں۔ بہشت جیسے مدرسے اور خلد برین جیسی مسجدیں بنائی تھیں۔ پیشہ وروں کی فراغت کا سبب یہ تھا کہ سلطان کمال عدل اور انتہائی انصاف کا مظہر تھا۔ کسی بھی انسان کو کسی دوسرے پر ظلم کرنے کی مجال نہ تھی یا سختی یا درشتی سے پیش آنے کی۔ یہ شعر سلطان کی شان کے لائق ہے۔

تیرے دَور میں کسی پر ہاتھ ڈالنے ظلم کی رسم ایسی ختم ہوئی
کہ کسی کا باز کبوتر پر حملہ نہیں کرسکتا تھا۔

گجرات کے کمینے اور شریف بھی اس بات پر متفق ہیں کہ گجرات کے بادشاہوں میں کوئی بھی بادشاہ سلطان محمود بیگڑہ کی طرح نہیں گذرا۔ اس کی سلطنت کی بقا کی مدت میں ملک گجرات میں کوئی بھی کام داد وعدل اور امان وآبادانی کے خلاف ظہور میں نہیں آیا۔ جوناگڈھ کا قلعہ، سورٹھ کی ولایت اور چانپانیر کا قلعہ اور اس کے اطراف کو فتح کیا اور اس دیار سے کفر کی رسموں کو نابود کرکے شعار اسلام[1] جاری کیے۔ قیام قیامت تک ہر اچھا کام جو اس ملک میں مسلمانوں سے ہوگا اس حدیث[2] کے مقتضا کے مطابق ''جو شخص کسی اچھی

---

[1] الف : ''شعار اسلام جاری کیے'' نہیں ہے۔
[2] الف : حدیث نبوی کے مقتضا کے مطابق

سنت کو رواج دیتا ہے اس کو اس کا اجر ملتا ہے اور اس کا بھی ملتا ہے اور جو اس پر عمل کرے" اس کے دفتر نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اگرچہ اس کا پوتا سلطان بہادر جہانگیری میں سلطان محمود سے زیادہ ہے لیکن جہانداری میں ایسی مہارت نہ تھی اور سلطان محمود ان دونوں باتوں میں بے نظیر تھا۔ [بیت]

جوان اور جوان بخت اور روشن ضمیر

دولت کے لحاظ سے جوان اور تدبیر کے لحاظ سے بوڑھا

سبحان اللہ! سلطان کا زمانہ کیا شریف زمانہ تھا کہ اس زمانہ میں خراسان کا تخت سلطان حسین مرزا کے وجود باوجود کے نور سے آراستہ تھا اور وزارت کی مسند وزیر بے نظیر میر علی شیر کے قدموں اور ملائی اور دلربا اشعار کی مسند حقایق پناہ، معارف دستگاہ مولانا جامی سے۔ دہلی کا تخت سلطان سکندر بن بہلول لودی کی عظمت وجلال سے اور وزارت کے امور[1] میاں بہودہ لوہانی کی جو حدّت فکر اور رائے کی روشنی میں معجزنما تھا فکر ورائے کی روشنی سے۔ اور منڈو کی بساط سلطان غیاث الدین ابن محمود خلجی کے وجود بخشش کی آرائش سے اور دکن کی جائے قرار اور سلطان محمود بہمنی کی حکومت سے اور اس کا مقام وزارت پاکیزہ اصحاب کے خادم اور انوکھے اسلوب کے موجد بادشاہ جیسے وزیر، خواجۂ جہان سے۔ کہا جاسکتا ہے کہ سلطان محمود غازی کی روح نے اتنے سالوں کے بعد سلطان محمود بیگرہ کی روح پر تجلی کی تھی کہ سلطنت کے تمام اعمال وافعال اس مقدس جنگ کے آثار رکھنے والے شہریار کے مشابہ اور مانند ہیں۔ [بیت]

عجیب عہد ہے کہ سب کامران ہیں

ہر گھر میں نشاط وشادمانی ہے

نقل ہے کہ سلطان کی تخت نشینی کے دن خداوند خان ملک عیلم نے کہ جسے

---

[1] الف : لوحانی، ز : بہلول خان، ج : موہانی

سلطان محمد کے ساتھ نسبت دامادی تھی اور آدمی فضیلت شعار اور بلاغت آثار تھا خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ والغفر ان کا دیوان سلطان کے ہاتھ میں دیا تاکہ حسب حال فال کھولے۔ جب سلطان نے دیوان کھولا تو پردۂ غیب سے یہ غزل دکھائی دی۔ [ابیات]

اے تو کہ بادشاہی کی قبر تیرے جسم پر ٹھیک آتی ہے
شاہی تاج کو تیرے درخشاں موتی سے فروغ حاصل ہے

شاہانہ کلاہ میں تیرا چاند جیسا رخسار
ہر دم فتح کا آفتاب طلوع کرتا ہے

جہاں کہیں تیری آسمان چھونے والی چھتری اپنا سایہ ڈالتی ہے
وہ جگہ خوش نصیبی کے پرندہ کی جلوہ گاہ بن جاتی ہے

شرع اور حکمت کی رسوں میں ہزاروں اختلافات کے باوجود
تیرے دل دانا سے کوئی نکتہ ہرگز فوت نہیں ہوا

جو چیز سکندر نے طلب کی اور زمانہ نے اسے نہ دی
وہ تیرے عمر بڑھانے والے پانی کے جام کا ایک گھونٹ تھا

آخر تک۔ اس فال سے ارکان دولت اور اعیان مملکت نے خوش ہو کر بوستان کے ان شعروں کے مضمون جیسی دعا وثنا کے لیے زبان کھولی۔

یارب! اپنے فضل سے اسے نگاہ رکھنا،
چشم بد کے آسیب سے اسے بچانا!

اے خدا! اسے دُنیا میں نامور کرنا
اور طاعت کی توفیق دے کر بزرگ بنانا!

اسے انصاف اور تقویٰ پر قائم رکھنا
اس کی مراد دنیا اور عقبیٰ میں پوری کرنا!

ناپسندیدہ دشمن سے اسے کوئی غم نہ ہو!

اور دنیا کی گردش سے اسے کوئی گزند نہ پہنچے!

اسی اثنا میں سلطان محمد کا دبیر (منشی) کھڑا ہوا اور مجلس کو یہ غزل سنا کر مسرور کیا۔

اے تو کہ تیرے چہرہ سے بادشاہی کے انوار پیدا ہیں!

تیری فطرت میں سینکڑوں الٰہی حکمتیں پوشیدہ ہیں

اللہ برکت دے! تیرے قلم نے ملک و دین پر

اپنی سیاہی کے قطرہ سے آب حیات کے سو چشمے کھول دیے

اسم اعظم کے انوار اہرمن (شیطان) پر نہیں چمکتے

ملک اور انگوٹھی تیرے ہیں، حکم دے جو چاہے۔

سلیمانؑ کی حشمت میں جو کوئی شک کرے

پرندے اور مچھلیاں اس کی عقل و دانش پر ہنستی ہیں

اے کہ تیرا عنصر عزت کی بزرگی سے پیدا ہوا ہے

اور اے تیری دولت جو تباہی کے صدمے سے محفوظ ہے۔

اگر تیری تلوار کا سایہ کان (معدن) پر پڑے

تو سرخ رنگ کے یاقوت کا رنگ سوکھی کٹی ہوئی گھاس کا رنگ (یعنی پیلا) ہو جائے

ایک عمر ہو گئی اے بادشاہ میرا جام شراب سے خالی ہے

یہ ہے بندہ کا دعوٰی اور محتسب کی اس پر گواہی ہے

کہتے ہیں کہ محتسب بھی اس مجلس میں حاضر تھا۔ محتسب کا لفظ بولتے وقت ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا۔ اہل طبع جو اس مجلس میں حاضر تھے خاص طور پر خداوند خان اور اس کے بیٹے نے یہ لطیفہ بہت پسند کیا اور بہت تحسین کی اور ہر ایک نے معتدبہ اشرفیاں خلعت فاخرہ کے ساتھ صلہ میں عطا فرمائیں۔

کہتے ہیں کہ سلطان کے عہد حکومت میں غلہ کبھی بھی مہنگا نہیں ہوا۔ ہر چیز اتنی

سستی تھی کہ اس کے بعد اہل گجرات نے ایسی ارزانی نہیں دیکھی اور سلطان کی فوج نے چنگیز خان کی فوج کی طرح کبھی بھی شکست نہ کھائی۔ ہمیشہ نئی نئی فتوحات اور بے اندازہ نصرتیں ہوتی رہیں۔ بادشاہ نے حکم دے دیا تھا کہ میرا کوئی بھی لشکری بیاج پر قرض نہ لے۔ اس نے ایک خزانچی الگ مقرر کر دیا تھا کہ سپاہیوں میں سے جسے قرض کی حاجت ہو اسے قرض دے اور وعدہ پر لے لے۔ اس لیے سودخوروں کا حال کتوں جیسا تھا بلکہ انہیں کتوں سے بھی کمتر سمجھتے تھے۔ بادشاہ کہتا تھا کہ اگر مسلمان قرض پر سود کھائیں گے تو ان سے جہاد کیسے ہوگا۔ اس کے حسن نیت اور خلوص عمل کی برکت سے حق تعالیٰ ہمیشہ ظفر اس کے ہم رکاب اور نصرت ہم عنان رکھتا تھا۔

اور میوہ دار درختوں کی کثرت جیسے کہ آم، تاڑ، کھرنی، ناریل، جامن، گولر، پیپل، مہوہ، بڑ، آنولہ وغیرہ جو سرزمین گجرات (اللہ تعالیٰ اسے تمام آفات سے محفوظ رکھے!) میں ہوتے ہیں وہ اسی سلطان عالی شان کی توجہ اور کوشش کا نتیجہ ہے۔ رعایا میں سے جو کوئی اپنی زمین میں درخت لگاتا تھا اس کے ساتھ بادشاہ اس درخت کی اچھی دیکھ بھال کا حکم کرتا۔ اس وجہ سے رعیت باغ لگانے اور درخت بونے میں ہر سال زیادہ سے زیادہ کوشش کرتی تھی اور کہتے ہیں کہ راستہ پر یا کسی بھکاری کی جھونپڑی کے سامنے دیکھتا کہ ایک غریب آدمی نے نیم یا بڑ یا پیپل کا درخت لگایا ہے تو لگام روک کر وہاں ٹھہرتا، درخت لگانے والے کو بلاتا، اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا اور پوچھتا کہ تو پانی کہاں سے دیتا ہے۔ اگر وہ کہتا کہ دور سے لاتا ہوں اور اس راستہ پر محنت پڑتی ہے تو اس کے قریب کنواں کھدوا دیتا اور خرچ کے لیے امداد دیتا اور کہتا کہ اگر تو بہت سے درخت لگائے گا تو نئے نئے انعام پائے گا۔ باغ فردوس جس کا طول پانچ کوس اور عرض ایک کوس ہے اسی سلطان عاقبت محمود کا لگایا ہوا ہے۔ اور باغ شعبان جو باغات جنت کے لیے باعث رشک ہے اسی سلطان جہاں کے زمانہ میں ترتیب پایا ہوا ہے۔ اسی طرح شہر، قصبوں اور قریوں میں اگر کوئی دوکان خالی یا مکان گرا ہوا اس کی نظر شریف میں آتا تو مقدموں اور متصدیوں سے وہ اس کی

ویرانی کا سبب پوچھتا تھا پھر جو کچھ درکار ہوتا فراہم کر کے اسے آباد کرتا تھا۔ گجرات کی تمام آبادیاں ''جو کوئی اس کی حد میں داخل ہوگیا وہ خدا کی طرف سے امن میں آگیا'' (۹۷:۳) کے حکم میں داخل تھیں۔ زمین کی پیائش میں کسی دل سے غبار کے آثار ظاہر نہ ہوتے تھے۔ چھوٹوں سے لے کر بڑے تک سب چین سے اور خوشحال رہتے تھے۔

اس کے عہد میں کسی کے رونے کی آواز نہ اٹھی

سوائے کمان کے کہ وہ نالہ کرے تو روا ہے

کیونکہ شاہ جہاں کے عہد انصاف میں

کسی نے سوائے کمان کے کسی پر زور نہیں کیا

نقل ہے کہ اواخر عمر میں سلطان اکثر اوقات طاعت وعبادت میں مصروف رہا۔ اور حصن الحصین جو اہل یقین کی مرشد اور متقیوں کے ہاتھ میں رہنے والی کتاب ہے کی دعاؤں کے اوراد پڑھا کرتا تھا۔ بہت رقیق القلب (نرم دل) تھا۔ روتا بہت تھا۔ ایک دن ملک سارنگ عرف قوام الملک نے کہ احمد آباد کے شہر معظم کی دیوار کے باہر جو سارنگپور ہے اسی کا بنایا ہوا ہے کہا کہ بادشاہی کی دولت ملنے اور شہنشاہی کی مراد حاصل ہونے کے باوجود گریہ کا باعث کون ہے اور زاری کا سبب کیا ہے؟ فرمایا کہ اے بے عقل! کیا کہوں میرے مربی شاہ عالم میرے حق میں فرماتے تھے کہ محمود کی عاقبت محمود ہوگی۔ ہر چند ہم ڈھونڈتے ہیں وہ نسبت خود میں نہیں پاتے۔ میری عمر کی نہر سوکھتی جاتی ہے اور گیا ہوا پانی واپس نہیں آتا۔ اس وجہ سے میں آنسو بہاتا ہوں اور حسرت بھرا دل رکھتا ہوں۔ افسوس کہ اپنے ولی نعمت کی قدر جتنی جان سکتا تھا نہ جانی اور جتنی جانی اتنی قدر نہ کی۔

نقل ہے کہ آخر کار سلطان نے شیخ سراج کہ جو اپنے زمانہ کے کامل تھے کی صحبت اختیار کی اور ان کی تربیت کی برکت سے حسرت وحیرت سے چھٹکارا پایا۔ شیخ سراج نام کے ایک درویش تھے شیخ علی خطیب کے خلفاء میں سے اور انہیں خرقۂ خلافت ملا تھا حضرت قطب اقطاب برہان الحق والشرع والدین سے۔ کامل زمانہ تھے۔ گمراہی کی وادی میں

بھٹکنے والوں کو ہدایت کی منزل تک پہنچاتے تھے اور کعبۂ وصال کے طالبین کو وادیٔ محرومی کی ہلاکتوں سے نجات دلاتے تھے۔ سلوک کے راستوں پر چلنے والے دنیا کے کناروں سے ان کی خدمت میں آتے تھے اور ان کی تلقین اور ارشاد کی برکت سے شہود کے عین الیقین کا مشہد پالیتے تھے۔ (یعنی شاہد غیب یا شاہد حقیقی - اللہ تعالیٰ - کے بارے میں عین الیقین حاصل کر لیتے تھے۔ مترجم)۔ اور یہ بات شہرت رکھتی تھی۔

ایک دن سلطان نے امین الملک سے جو سلطان کے مقرب امیروں میں سے تھا اور شیخ کا مرید و معتقد، شیخ کے احوال پوچھے۔ امین الملک نے شیخ کی تعریف میں بعض باتیں کہیں۔ سلطان کے دل میں ملاقات کی خواہش جم ہوگئی۔ امین الملک سے کہا کہ آج رات عشاء کی نماز کے بعد سابھرندی کی جانب جو دریچہ واقع ہے وہاں تنہا آنا کہ مجھے تجھ سے کچھ کام ہے۔ امین الملک نے ایسا ہی کیا۔ سلطان چھوٹی تلوار ہاتھ میں لے کر باہر آیا اور امین الملک سے کہا کہ شیخ کے آستانہ کی طرف رہنمائی کر۔ امین الملک نے قدم آگے بڑھایا اور سلطان اس کے پیچھے پیدل روانہ ہوا یہاں تک کہ شیخ کے آستانہ پر پہنچ گئے۔ سلطان باہر کھڑا رہا۔ امین الملک شیخ کی خدمت میں اندر گیا اور خبر کی۔ شیخ نے طلب کیا۔ سلطان اندر آیا اور سلام کرنے کے بعد مصافحہ کیا۔ شیخ ایک پرانی چارپائی پر بیٹھے تھے۔ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سلطان پائینتی کی طرف آکر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے بعد کہا کہ میرا یہ التماس ہے اور امید کرتا ہوں کہ اس کا جواب قریب الفہم عبارت میں تعبیر[1] فرمائیں گے۔ شیخ نے فرمایا کہیے۔ سلطان نے کہا کہ اس فقیر نے ایسا سنا ہے کہ آپ کی ہدایت گمراہی کی وادی میں بھٹکنے والوں کو ہدایت کے مقام پر پہنچاتی ہے۔ اگر واقعتاً ایسا ہی ہے تو برائے خدا اس مضمون کو سمجھائیں۔ شیخ نے کہا۔ "ہاں! اگر کوئی دردمند انکساری دکھلاتا ہے تو اس کا دردِ دل تاثیر کے دروازے کھول دیتا ہے۔ سلطان نے شیخ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور کہا کہ ان دردمندوں میں ایک محمود (بھی) ہے۔ برائے خدا شیخ ایسا علاج کریں کہ محمود ظلمت نفسانی کی تشویش سے باہر نکل آئے اور دل کے قدم کی سستی کے بغیر راہ چلے۔ شیخ نے کہا کہ

امارت (حکومت) کی چھتری تمہارے سر پر ہے اور سرداری کا بوجھ تمہارے کندھوں پر۔ اس راہ کے سالک کو پہلے تعلقات توڑنا چاہیے تاکہ مقصد بغیر دشواری کے کھل جائے جیسا کہ ایک بزرگ نے کہا ہے۔

جب تک تو قطع تعلقات نہ کرے گا

خود کو دوست کی جناب سے واصل نہ کرے گا

اس راہ کی شرطیں عیاں ہیں۔ شرح وبیان کی کیا حاجت ہے؟ سلطان نے کہا کہ حاضری کی توجہ کے وقت میری نہ نیت ہوئی ہے کہ اگر شیخ کی خدمت کا شرف قبول مل جائے تو سلطنت کی مسند سے منہ پھیرلوں۔ اس بات سے شیخ خوش ہوگئے اور فرمایا کہ اگر بادشاہ عدل پر اصرار کرتا ہے تو اس کی بادشاہی ضرر نہیں کرتی۔ [بیت]

بادشاہ کے لیے تیس سالہ عبادت اور زہد سے بہتر ہے

کہ پوری عمر کی ایک ساعت میں بھی انصاف کرے

اس کے بعد فرمایا "ابھی واپس جایئے، کل میں جو کچھ کہہ کر بھیجوں قبول فرمائیں اور چون وچرا نہ کریں۔ سلطان اٹھ کر واپس آ گیا۔ علی الصبح امین الملک کو شیخ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ شیخ جو کچھ فرمائیں وہ لفظ بلفظ کسی کی بیشی کے بغیر آ کر مجھ سے کہو۔ امین الملک شیخ کی خدمت میں آیا۔ شیخ نے فرمایا "امین الملک! سلطان کو میں نے اچھا آدمی اور فقیر دوست پایا۔ میرا دل سلطان کی محبت کی طرف مائل ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں خود سلطان کی نوکری میں رہوں۔ جاؤ اور سلطان سے عرض کرو۔ اگر درجۂ قبولیت پائے تو میرے لیے کوئی خدمت متعین کریں تاکہ میں اس میں مشغول رہوں۔ امین الملک نے کہا کہ سلطان کو جو نسبت اعتقاد آپ سے ہے وہ اس سے بڑھ کر نہیں جو آپ کی خاطر شریف میں آیا۔ نوکری کی کیا ضرورت ہے؟ آپ جو کچھ فرمائیں گے احسان ہوگا۔ شیخ نے فرمایا ایسا ہی ہے لیکن نوکری میں بہت فایدہ ہے۔ امین الملک اٹھا، متردد وحیران کہ میں نے تو سلطان کے سامنے شیخ کی تعریف دوسرے طریقہ سے کی تھی اب یہ کیا بات ہے کہ شیخ کی

جانب سے سلطان سے کہوں اور اس کا نتیجہ کیا پاؤں گا؟ لیکن چونکہ سلطان کی طرف سے صحیح صحیح پیغام گذاری کی تاکید تھی اس لیے بغیر کم وکاست کے جو کچھ شیخ سے سنا تھا آ کر سلطان کی خدمت میں عرض کر دیا۔ سلطان نے کہا کہ میں نے قبول کیا لیکن شیخ سے پوچھیے کہ کون سا منصب اختیار کریں گے۔ امین الملک نے سلطان کا پیغام پہنچایا۔ شیخ نے کہا کہ میں فن حساب میں خوب لیاقت رکھتا ہوں اور نائب میرے سمجھ دار ہیں۔ ملک کی مستوفی گری کا منصب مجھے تفویض فرمائیں۔ سلطان نے قبول کیا۔ دوسرے دن صبح شیخ نے کمر میں تلوار باندھی اور گھوڑا منگوا کر سوار ہوئے، سلطان کی خدمت میں پہنچے اور مستوفی گری[1] (ہیڈ آڈیٹر شپ) کا خلعت پہن کر اپنے گھر واپس ہوئے۔ شہر کے لوگ جو شیخ کو قطب اور غوث کے مرتبہ کا خیال کرتے تھے اس حال کا مشاہدہ کر کے بد اعتقاد ہو گئے اور بُرا بھلا بولنے لگے۔ وہ ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ تم نے دیکھا اس مکار شیخ نے کیا کیا۔ اتنے برسوں کے زہد کو برباد کر دیا اور عاملوں کے مال پر آنکھ ڈالی۔ دین کو دنیا کے عوض بیچ ڈالا۔ اس کی ریاضت محض اس لیے تھی کہ سلطان کو اپنا معتقد بنائے اور دین کو دنیا کے لیے ہار دے۔ شہر کے لوگ یکقلم شیخ کے منکر ہو گئے اور اس کی غیبت وشکایت کرنے لگے۔

[بیت][2]

مسجد، خانقاہ اور محراب میں
اس کی بدگوئی اصحاب کی دعا بن گئی

شیخ بے تکلف وتردد چند روز سلطان کی ملازمت کرتے رہے۔ اس کے بعد امین الملک سے کہا سلطان سے عرض کرو کہ میں بوڑھا آدمی ہوں اور میرا گھر دور واقع ہے۔ آنے جانے میں میں بہت تھک جاتا ہوں۔ اگر آرام کرنے کے لیے گھر قریب متعین ہو جائے تو میں ہر وقت خدمت میں رہوں گا۔ سلطان نے اپنی خوابگاہ کے نزدیک جگہ مقرر کر دی۔ شیخ

---

[1] ج: مستوفی الممالک

[2] ج: "بیت" نہیں ہے۔

نے وہاں قیام کیا اور غیروں سے چھپا کر سلطان کی ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ چند ہی روز میں فیض الٰہی کے گلشن کی نسیم اس کے (سلطان کے) مشام جان پر چلنے لگی اور اس کے دل کی کلی کھلنے لگی۔ اس کے بعد شیخ نے سلطان سے آزادی مانگی اور اپنا سامان اقامت بدستور سابق اپنے زاویہ میں لے گئے اور فرمایا کہ اس کے بعد سلطان میری ملاقات کی خواہش نہ کریں۔ اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو پیغام اور خط کے ذریعے پوچھ لیں۔ زہے درویش سلطان اور زہے سلطان درویش! اللہ کی رحمت ہو ان پر! خاقانی کا شعر اس حال کا شاہد ہے۔ [بیت]

تیس سال کے بعد خاقانی کو یہ حقیقت معلوم ہوئی

کہ سلطانی ہی درویشی ہے اور درویشی ہی سلطانی ہے

سلطان، شیخ رحمۃ اللہ ابن شیخ عزیز اللہ متوکل صدیقی کی خدمت میں مرید تھا، ان کا مقبرہ مقام شیخ پور میں مشہور و معروف ہے اور احمد آباد کے عظیم شہر کے مضافات میں یہ محلہ انہی کا آباد کیا ہوا ہے۔

کہتے ہیں کہ اگرچہ سلطان نے علوم وفنون رسمی کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن علماء کی صحبت اور فاضلوں کی مصاحبت کی وجہ سے دینی مسائل، شاعروں کے اشعار، مشائخ کے قصے اور تاریخی واقعات کا حفظ ایسا مستحضر تھا کہ سوائے علماء کے حاضرین مجلس سمجھتے تھے کہ سلطان خود عالم وفقیہ ہے کیونکہ اپنی قوت طبع اور ذکاوت فہم سے وہ دقیق نکتے بیان کرتا تھا۔

چنانچہ کتاب شفا کے مترجم ابن فرس نے اس سلطان باصفا سے چند نکتے اپنے ترجمہ میں ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بعینہ اسی عبارت میں لکھا جاتا ہے:

خبر (حدیث) میں ہے "دعا علیٰ صبی قطع علیه الصلوة ان یقطع الله اثره فاقعد"۔ یعنی بددعا کی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ پر کہ وہ ان علیہ السلام کی نماز کے سامنے سے گذرا تھا جس سے خدائے تعالیٰ نے اس سے اثر ہٹا لیا۔" تو وہ وہیں رہ

گیا۔ چلنے کے لیے قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ بعض اس روایت کو ضعیف جانتے ہیں اور بعض موضوع سمجھتے ہیں کیونکہ بچے کا مصطفےٰ کے سامنے سے گذرنا نماز نہیں توڑتا۔ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بچہ پر بددعا کیسے کریں گے؟ اور روایت کی گئی ہے کہ زید ابن عمر نے ابن مدعو[1] کو کہ نام اس کا یزید بن مہران تھا تبوک میں ایک جگہ پڑے ہوئے دیکھا۔ اس[2] روایت کے مطابق یہ حدیث صحیح لگتی ہے۔ یہ اس کا جواب ہونا چاہیے۔ آل آدم کے ملجا سلطان اعظم نے کہا کہ یہ دعا امر خدائے تعالیٰ سے صادر ہوئی جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑا اور ایک لڑکے کو مار ڈالا۔

مثنوی[3]

اگر خضر نے سمندر میں کشتی کو توڑا تو خضر کے
اس توڑنے میں سو درستیاں پنہاں تھیں

اہل اسلام کے بادشاہ (اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ فتح دے!) نے علماء کی محفل میں ایسا جواب دیا کہ تمام علماء پر صورت شفا ظاہر ہوئی۔ یہ حدیث شفا میں لکھی ہوئی ہے۔ اس کا مترجم ابن فرس مشہور علماء میں سے ہے۔

مختصر یہ کہ ۸۶۴ھ میں سلطان اپنے دولت واقبال کے ساتھ شکار کے ارادہ سے کپڑبنج آیا۔ اس کے قریب اس نے اپنے لشکر کا اندازہ کیا۔ فاتحہ پڑھی اور کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ سال ہم ایک نیا شہر آباد کرنے کی کوشش کریں گے۔ چونکہ فاتحہ پڑھتے وقت سلطان کا منہ ولایت سورٹھ کی سمت تھا اُس زمانہ کے دانا لوگوں نے یہ قیاس کیا کہ سلطان قلعۂ گرنار فتح کرنے کا ارادہ رکھتے ہے۔ القصہ کپڑبنج کی طرف گیا۔ شکار کرتے کرتے

---

[1] ج: یدعو

[2] ب: اور اس سے کیفیت حال پوچھی۔ وہ بولا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی اسی وقت میں معذور ہو گیا۔ انہوں نے مجھ پر دعائے بد کی۔ میں اس جگہ پڑا رہ گیا۔ اس روایت

[3] ب: "مثنوی" نہیں ہے۔

منڈو کی سرحد تک پہنچ گیا اور وہاں سے لوٹ کر احمد آباد سے کوچ کیا اور کھاری ندی کے کنارے مقیم ہوا۔ اس مقام پر دکھن کے بادشاہ نظام بن ہمایوں کا صحیفہ (خط) اس مضمون کا پہنچا کہ محمود خلجی، نظام الملک غوری جو ہمایوں بادشاہ کے عہد میں بھاگ کر اس سے مل گیا تھا کے اُکسانے پر لشکر کثیر لے کر ولایت دکھن میں آیا اور تاراجی کی۔ اس وجہ سے ہم نے بھی شہر بدر (بیدر) سے چالیس کوس آگے جا کر کھات (گھاٹ) کے قریب مقابلہ کیا۔ ہم امداد سلطانی کے لیے چشم براہ ہیں۔ امید کہ عزیمت کے گھوڑے کو مرحلوں کے طے کرنے کے لیے جتنی جلدی ہو دوڑائیں گے تا کہ ہم حاجتمندوں کے شکریہ (امتنان)[1] کا موجب ہو۔

یہ مکتوب پہنچتے ہی سلطان عالیشان دکھن کی طرف روانہ ہوا اور متواتر کوچ کرتا ہوا ندر بار (نندر بار) کی ولایت میں پہنچا۔ اس منزل پر پھر نظام شاہ کا مکتوب اس مضمون کا آیا کہ جب سلطان محمود نے جنگ میں عجلت کی تو اس طرف سے بھی جانے میں تقصیر نہ ہوئی ایسی کہ اس کے لشکر کو شکست دے کر پچاس ہاتھی اس سے چھڑا کر قبضہ میں لے لیے تھے۔ آخر کار دکھن کا لشکر غنیمت لوٹنے میں لگ گیا۔ اس اثنا میں سلطان محمود بارہ ہزار سواروں کے ساتھ کمینگاہ سے نکلا۔ اُس وقت ہمارے سامنے چند سپاہیوں سے زیادہ موجود نہ تھے۔ باوجود اس کے جنگ وجدل میں تقصیر نہ ہوئی۔ آخر کار سکندر خان مجھ کو میدان جنگ سے نکال کر شہر بدر (بیدر) لایا۔ سلطان محمود خلجی شہر بیدر کا محاصرہ کیے ہوئے ہے۔ اب امداد سلطانی کے بغیر یہ گرانی دور نہ ہوگی۔ امید کہ بہت جلد طلوع آفتاب کی طرح ایک نگاہ سے ہم حاجتمندوں پر سایہ پر سایہ ڈالیں گے تا کہ دشمن کی ظلمت نفسانی ہم مخلصوں کے احاطہ سے جلد دور ہو جائے۔

سلطان نے کوچ کیا۔ جب سلطان محمود خلجی نے سنا کہ گجرات کا بادشاہ سلطان محمود بڑے لشکر کے ساتھ برہانپور کے راستے سے نظام شاہ کی مدد کے لیے آتا ہے تو شہر بیدر کا محاصرہ اٹھا کر گونڈوانہ کے راستے سے اپنی ولایت کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس وقت

---

[1] ج: اطمینان

گونڈوانہ کے راجہ نے جو ہمراہ تھا کہا کہ اِس راستے میں پانی کی قلت ہے، جنگل بے شمار ہیں اور ریگی بہت زیادہ ہے۔ سلطان محمود خلجی نے سلطان محمود گجراتی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وہی راستہ اختیار کیا اور متواتر کوچ کرتا ہوا روانہ ہوا۔ وہ منزل کی راہ کو ایک منزل کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پھر وہ ایک منزل میں پہنچا کہ پانی کی نایابی کی وجہ سے چھ ہزار آدمی گیدڑوں اور گِدھوں کی خوراک بن گئے۔ جب وہ گونڈوانہ کے پہاڑی سلسلہ میں پہنچا تو بہت مشکلیں پیش آئیں۔ گونڈ لوگ ہر طرف سے نکل کر اس کے لشکر کا سامان لوٹنے لگے۔ سینکڑوں ہلاکتوں اور محتاجوں کے ساتھ وہ اس کوہسار سے نکل کر اپنی ولایت کی سرحد میں پہنچا۔ اس کے بعد گونڈوانہ کے راجہ کو پکڑ کر ہلاک کردیا ہر چند وہ کہتا رہا کہ میں اس سے پہلے ہی راستے کی حقیقت بتلا چکا تھا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔

مختصر یہ کہ جب سلطان محمود قصبہ تہاتیر[1] جو برہانپور کے مضافات سے ہے پہنچا تو اپنے لشکر کا اندازہ کیا۔ قابل اعتماد راویوں سے روایت ہے کہ گجرات کے کسی بھی بادشاہ کے زمانہ میں ایسا مسلح، مکمل اور کثیر لشکر نہیں تھا بلکہ اُس وقت کسی اطراف کے بادشاہ نے بھی کسی بھی طرف اس قدر لشکر کے ساتھ چڑھائی نہیں کی تھی۔ معتبر امرائے نامدار ہمراہ تھے۔ سارا ملک گجرات سپاہیوں کی تنخواہ اور خوراک کے لیے تھا۔ سلطان کے خالصہ میں چار سال تک ایک بھی گاؤں نہ تھا۔ شاہی خرچ (خرج خاصہ) خزانہ عامرہ سے جو سلف کے بادشاہوں سے بچا تھا مقرر تھا۔

نقل ہے کہ ان چار برسوں میں ایک تہائی (ثلثین[2] ؟) خزانہ محل شاہی (جس میں بیگمات اور شہزادیاں رہتی تھیں) کے اخراجات اور انعامات میں خرچ ہو گیا تھا۔ مختصر یہ کہ جب سلطان محمود خلجی اپنی ولایت کی طرف گیا تو نظام شاہ نے اپنے ایلچیوں کو سلطان کی خدمت میں بھیجا اور شکر گذاری کا کوئی دقیقہ نہ چھوڑا اور واپس لوٹ جانے کی استدعا

---

[1] ز: تھانیر، ج: تھامیر

[2] ج: دو تہائی

کی۔ سلطان وہاں سے اپنی راجدھانی کی طرف لوٹا۔

اس کے بعد ۸۶۷ھ میں سلطان محمود خلجی نوے ہزار سواروں کے ساتھ دکن کی طرف روانہ ہوا اور دولت آباد تک کی ولایت کو تاراج کیا۔ نظام شاہ نے دوبارہ کمک کی استدعا کی۔ سلطان اس ارادہ سے نکل کر ندربار (تندربار) تک ہی پہنچا تھا کہ سلطان محمود خلجی سلطان کے بڑھنے کی خبر سن کر اسی راستے سے جس سے پہلے لوٹا تھا واپس ہوا اور اپنی ولایت چلا گیا۔ سلطان اپنی راجدھانی میں آ گیا۔ یہاں سے سلطان محمود کو لکھا کہ ہر مرتبہ دیار اسلام کو آزار پہنچانے کا مرتکب ہونا نیک مردوں کا شیوہ نہیں۔ چاہیے کہ آیندہ اس خیال محال کو اپنے دل میں راہ نہ دیں ورنہ جب کبھی دکن کی طرف روانہ ہونے کے مرتکب ہوں گے تو ہمیں منڈو کی طرف متوجہ سمجھیں۔ اس سے پہلے اختیار باقی ہے۔ اس وجہ سے پھر سلطان محمود خلجی نے ولایت دکن کو تاراج کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

اس کے بعد ۸۶۸ھ میں سلطان نے جہاد کی نیت سے بہت سے ہتھیار فولاد کجلی یعنی جوہردار تلنگانہ کی ولایت سے منگوائے اور ۸۶۹ھ میں سلطان نے کوہ بارور[1] کی طرف فوج کشی کی اور وہ قلعہ فتح کر کے اپنی راجدھانی میں واپس آ گیا۔

اس کے بعد ۸۷۰ھ میں شکار کے لیے احمد نگر کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں بہاء الملک بن الغ خان عرف علاء الدین بن سہراب، سلطان کے سلاحدار (ہتھیار رکھنے والے) آدم کو ناحق مار کر بھاگ گیا اور کہیں چھپ گیا۔ سلطان نے ملک حاجی، عماد الملک اور ملک کالو عضد الملک کو حکم دیا کہ جاؤ جہاں کہیں گیا ہو گرفتار کر کے لاؤ۔ ملک کالو اور ملک حاجی نے تلاش کر کے بہاء الملک کو پالیا اور اس کے دو لشکریوں کو مکر و فریب سے اس بات پر راضی کر لیا کہ سلطان کے سامنے اقرار کریں کہ یہ گناہ ہم سے واقع ہوا اور بہاء الملک بیگناہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ سلطان تمہیں قید کر دے گا اور چند دنوں کے بعد ہمارے التماس پر رہا کر دے گا۔ ان دونوں اجل گرفتہ نامراد آدمیوں نے سادہ دلی سے سلطان

---

[1] ز: کوہ بارودر کی طرف، ج: کوہ مارو کی طرف، ب: کوہ بارز

کے سامنے اقرار کرلیا۔ سلطان نے اسی وقت حکم دیا تو ان کی گردن ماردی گئی۔ چند دنوں کے بعد حقیقت حالمعلوم ہوئی۔ سلطان نے کہا کہ ان دو بدکردار مکاروں نے دو مسلمان کو ناحق مروا دیا۔ اِس وقت اُن کے قصاص میں اگر اِن کو قتل نہ کروں گا تو کل قیامت کے دن خدائے رب العزۃ کو کیا جواب دوں گا۔ سلطان نے حکم دیا تو حکمت کے ایسے دو بڑے امیروں کو ایک ہی وقت میں قصاص کو پہنچایا گیا۔ پھر کبھی سلطان کے عہد حکومت میں خون ناحق واقع نہ ہوا۔ ملک بہاء الدین اختیار الملک کو عماد الملک کا خطاب بخشا اور منصب وزارت پر سرفراز کیا۔

اس کے بعد ۷۱۸ھ میں قلعۂ گرنار کے کفار پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔

تیرھواں باب

سلطان کے ولایت گرنار پر حملہ کرنے اور اس دیار کو غارت کر کے واپس ہونے اور دوبارہ لشکر بھیجنے اور کفار کے بڑے راجہ راؤ منڈلک کی طرف سے چھتری اور سونے کے زیورات پہنچنے اور سلطان کا اس قلعہ کو دوبارہ فتح کرنے کا پکا ارادہ کرنے اور خدائے جبار کی تائید سے فتح پانے اور راجہ مذکور کا جہاد شعار سلطان کی تجویز پر مسلمان ہونے کی کیفیت

اخبار کے نقل کرنے اور آثار کے پرکھنے والوں نے ایسی روایت کی ہے کہ سلطان محمود بیگڑہ کے عہد میں گرنار اور جوناگڈھ کا راجہ راؤ منڈلک بہت سرکشی کرتا تھا اور بادشاہ گجرات کا کچھ ملاحظہ نہ رکھتا تھا اور خود پر غالب نہ سمجھتا تھا کیونکہ قلعۂ گرنار جو آسمان تک بلند تھا اور گجرات کے کسی بادشاہ کے اندیشہ کی کمند اس کی تسخیر تک نہ پہنچی تھی اور قلعۂ جوناگڈھ کے ساتھ اس کے حصار کی دیوار سدِ سکندر کی طرح تھی اس کی جائے پناہ اور ملجا تھا۔ اور سورٹھ جیسی ولایت اس کے تصرف میں تھی۔ کیا ولایت ہے گویا آسمان کے ہاتھ نہ ملک مالوہ و خاندیس اور گجرات کا چیدہ خلاصہ منتخب کر کے اہل عالم کو دکھلانے کے لیے آشکارا کی یا صراف قدرت نے ہر تین ملکوں کی سونے چاندی کی چاشنی کو اس کی زمین کی سیاہ کسوٹی پر پرکھنے کے لیے کانٹے میں تولا۔ اس کی بندرگاہیں سب پر فائق ہیں۔ کیونکہ غلے اور پھلوں کی جتنی قسمیں ان تینوں ملکوں میں پیدا ہوتی ہیں وہ ولایت سورٹھ میں بھی پیدا ہوتی ہیں اور بندرگاہوں کا مال خود سورٹھ کی بندرگاہوں سے ان ملکوں کو برآمد کیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! اب وہی سورٹھ ہے کہ اس کی کم عیاری سن کر خریدار دیکھے بغیر ہی لوٹ جاتے ہیں اور دھوکے بازی کا حال سن کر خریداروں کے دل سرد ہیں۔

ڈاکوؤں کا وطن، رہزنوں کا مسکن، سرکشوں اور مفسدوں کی جلوہ گاہ اور شہر اس کے اکثر اجڑے ہوئے اور شہروں میں سب مظلوم فقیر اور جوگیوں کی قسم کے مسافر۔ وہاں کے بیوپاری بیہودہ گو اور چور اور عامل وہاں کے اللہ کے غضب میں گرفتار ہیں۔ وہاں کے جاگیردار درگاہ الٰہی کے عذاب میں مبتلا اور سپاہی ڈگمگاتی کشتی پر بند ہے سوار ہیں اور وہاں کے امام ایسی سندوں سے دل لگائے ہوئے جن سے کوئی پیداوار حاصل نہیں۔ اس حال کا باعث اور اس ملال کا موجب حاکموں کی بے استقلالی ہے کہ ایک سال میں چند آدمی اس صوبہ کے صاحب اور مقام کے حاکم بنائے گئے۔ ذیل کا شعر اس محل پر ان ایام کے لیے موزوں ہے۔ [بیت]

جیسے کہ پچھلا سال اُس کے پچھلے سال سے بدتر تھا
اِس سال کی مشقت پچھلے سال سے سوگنا زیادہ ہوگی
آیندہ سال کی مہم اگر اسی طرح گذری تو اس
دیار میں کوئی آدمی باقی نہ رہے گا

لیکن بہر حال اس محل پر سکوت اولیٰ ہے۔ "اس نے کہا" کی گنجائش نہیں اور "جواب" سے بیوقوفی پیدا ہوتی ہے۔ [بیت]

مالک اپنے ملک میں تصرف نہیں کرتا،
سعدی تو کون ہے جو اس کے ملک کا غم کھاتا ہے

مختصر یہ کہ ولایت سورٹھ کے نگہبان ہمیشہ گجرات کے شہروں کے اطراف میں حملے کر کے لوٹ مار کرتے رہتے تھے اور وہاں کے چور اپنی چوری کے پیشہ پر مُصر تھے۔ اس سے پہلے شہر احمد آباد کا بانی سلطان احمد ولایت سورٹھ اور اس کے قلعوں کو فتح کرنے کے قصد سے وہاں گیا تھا لیکن قصد کے ہاتھوں مقصد کا حصول دشوار دیکھا تو حملہ کر کے واپس چلا آیا۔ اس وجہ سے سلطان دن رات قلعۂ گرنار اور حصار جونا گڈھ اور ولایت سورٹھ

کی تسخیر کا دغدغہ دل میں رکھتا تھا لیکن وہاں کے قلعوں کی مضبوطی اور اسباب خورد ونوش کی کثرت کے سبب تامل وتحمل کرتا تھا۔

آخرکار ۸۷۱ھ میں استخارہ کرنے کے بعد قلعۂ گرنار کے کفار کو دفع کرنے کے لیے سوار ہوا۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

[ابیات]

بادشاہ کی درگاہ سے نقارہ کی آواز آئی۔
گھوڑوں کے سُم پورے خاک میں چھپ گئے
سفر کے ارادہ سے خسرو۔ تاجدار
اسپ دولت پر سوار ہوکر روانہ ہوا۔
حکومت کے جھنڈے بلند ہوئے
لشکر کی وجہ سے زمین موج مارتا دریا بن گئی
عربی نسل کے گھوڑوں پر سوار دلیر
ہتھیار بند ایسے لگ رہے تھے جیسے باز کی پیٹھ پر پہاڑ
سکندر کا آستانہ رکھنے والا بادشاہ اس عادت کے ساتھ
بے حساب لشکر لے کر جارہا تھا
شرع ودین کی قوت ونصرت کے لیے
اس نے کافروں کے گروہ سے جنگ کرنے پر کمر باندھی
دین پناہ بادشاہ لطف الٰہی
کی تائید سے مسلسل کوچ کرتا ہوا چلا
مبارک وقت اور سعید زمانہ میں
سلطان اعظم گرنار پہنچا
ایک قلعہ آسمان تک سر اٹھائے ہوئے تھا

اس کی چوٹی سورج اور چاند کی منزل تھی۔

نیلے رنگ کے نوقلعوں (نو آسمانوں) سے اوپر پہنچا تھا

اس کے پاسبان زحل کو پتھر سے بجاتے تھے۔

اس کے اطراف رات سے زیادہ تاریک تھے

اس کا راستہ بال سے زیادہ باریک تھا۔

اگر آسمان کے برج چار ثابت ہیں

تو اس کے تمام برجوں کو ثابت شمار کیا جاسکتا ہے۔

یہ جانو کہ کوہ گرنار کے ہر تین طرف ایک گول[1] پہاڑ واقع ہے لیکن شمال کی جانب گرنار پہاڑ سے جڑا ہوا ہے اور جنوب کی طرف تھوڑا سا فاصلہ ہے اور اس کے راستے میں بارہ کوس کی مسافت ہے۔ اس کے درمیان ایک جالی دار جنگل ہے جس میں گھوڑے کا راستہ ممنوع ہے (یعنی گھوڑا وہاں چل نہیں سکتا)۔ اس میں بے شمار غار ہیں۔ سوائے جنگلی جانوروں اور پرندوں کے آدمی کی جنس وہاں نہیں ہوتی مگر ایک جماعت کافروں کی جنہیں کھانت کہتے ہیں کہ وہ بھی سیرت میں جنگلی جانوروں کے مانند ہیں بھاگ کر اس جنگل اور ان غاروں میں گھس آئے ہیں۔ اس جنگل میں بے شمار ایسے نادر درخت ہیں جن کا نام ونشان کوئی نہیں جانتا اور یہ اسی زمین میں خاص ہیں۔ اور اس پہاڑ میں میوہ دار درخت مثلاً آم، کھرنی، جامن، گولر، املی، آنولہ اور ان کے مثل بہت ہیں۔ گرنار پہاڑ کے دامن میں مغرب کی سمت تین چار تیر انداز کے فاصلہ پر ایک ٹیلہ واقع ہے۔ پورا پتھر کا۔ اور اس کے اوپر ایک قلعہ بنایا ہے۔ اس کا نام جونا گڈھ ہے جس کی دیوار سدِ سکندر کے مانند ہے۔ شہر کی فصیل دروازوں پر مشتمل ہے۔ ایک کا رخ مغرب کی طرف ہے اور ایک کا مشرق کی طرف۔ مغرب کے دروازہ کے سامنے ایک اور دروازہ ہے شمال کی طرف کہ اندر آتے وقت اس دروازہ سے گذر کر قبلہ کے دروازہ کی طرف آتے ہیں۔

---

[1] ج: "گول پہاڑ" نہیں ہے۔

جونا گڈھ نام رکھنے کی وجہ بعض اہل سورٹھ یہ بیان کرتے ہیں کہ پچھلے زمانہ میں ملک سورٹھ کے راجہ کی راجدھانی موضع بنتھلی تھا جو جونا گڈھ سے مغرب کی سمت پانچ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ بنتھلی اور جونا گڈھ کے درمیان ایک ایسا گھنا جنگل تھا کہ نہ تو گھوڑا اس میں سے گذر سکتا تھا اور نہ انسان۔ وہاں حکومت کرتے ہوئے اس راجہ کی چند پشتیں گذر چکی تھیں۔ ایک دن ایک لکڑہارا سوز کیبوں اور مشقتوں کے ساتھ اس جنگل میں آیا۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں اسے پتھر کی ایک پست دیوار دروازہ کے ساتھ نظر آئی۔ واپس لوٹا اور آکر اس کی کیفیت سے راجہ کو مطلع کیا۔ راجہ نے حکم دیا تو جنگل کاٹ دیا گیا۔ اس کے درمیان ایک قلعہ ظاہر ہوا۔ راجہ نے اس دیار کے معمر لوگوں اور بلاغت آثار تاریخ دانوں سے عمارت کا زمانہ اور تعمیر کرنے والوں کا نام پوچھا۔ سب نے لاعلمی کا اعتراف کیا۔ اسی دن سے اس قلعہ کو جونا گڈھ کہنے لگے یعنی پرانا قلعہ کہ کوئی اس کی تعمیر کا آغاز اور تعمیر کرنے والے کا نام نہیں جانتا تھا۔ قلعہ کے بیچ میں دو کنویں ہیں۔ ایک کا نام نوگھن اور دوسرے کا نام انگولیہ ہے۔ اور دو ندیاں بھی واقع ہیں۔ ایک کا نام اری اور دوسرے کا چری۔

اس سرزمین کے راجہ کا نام راؤ منڈلیک تھا۔ تاریخ ہنود میں لکھا ہے کہ ایک ہزار نو سو سال گذرے کہ اس کے پرکھے راؤ منڈلیک تک پشتوں سے راج کرتے آئے تھے یعنی حکومت۔ اس مدت میں ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق، بادشاہ دہلی کے زمانہ میں، سلطان مذکور کی فوج نے قلعہ فتح کیا تھا اور دوسری بار احمد شاہ بن محمد شاہ بادشاہ گجرات نے ہر مرتبہ ہندوؤں نے زور کر کے ان کے گماشتوں سے چھین لیا تھا۔

نقل ہے کہ جب سلطان محمود قلعۂ گرنار اور جونا گڈھ کی فتح کے ارادہ سے روانہ ہوا تو ہمراہ لے لے اور قور بیگی (ہتھیاروں کے ذمہ دار افسر) کو حکم دیا کہ ایک ہزار سات سو مصری، ویلمانی، مغربی اور خراسانی قبضوں والی تلواریں کہ ہر ایک کا قبضہ (دستہ) چھ سیر سونے کا جو گجرات کے وزن سے چار سیر کا ہو جائے گا اور تین ہزار آٹھ سو احمد آبادی دستے

والی تلواریں کہ ہر ایک کا دستہ چاندی کا ہوتا ہے مختلف وزن کا کہ ان میں اعلیٰ پانچ سیر کا اور ادنیٰ چار سیر کا ہوتا ہے۔ اور ایک ہزار خنجر اور جمدھر (کٹار) کہ ہر ایک کا دستہ سیر اور ڈھائی سیر سونے کا ہوتا ہے ساتھ لے لے۔ اور آختہ بیگی (گھوڑوں کے اصطبل کے داروغہ) کو حکم دیا کہ اس حملہ کے لیے دو ہزار عربی اور ترکی گھوڑے ساتھ رہیں۔

مختصر یہ کہ جب سلطان نے جونا گڈھ کے قلعہ کا محاصرہ کیا تو قرب وجوار کے کفار اپنے بال بچوں کو لے کر مہابلہ کے درّہ میں جو بہت ہی پیچ کی جگہ تھی لے گئے اور خود کے مرنے کی ٹھان لی کہ جو کوئی یہاں ہم پر حملہ کرے گا ہم مرجائیں گے۔ ایک دن شہزادہ تغلق خان، شاہزادۂ ملک سندھ، نے سلطان سے عرض کیا کہ کہتے ہیں مہابلہ بہت ہی پیچ کی جگہ ہے اور ہرگز کوئی لشکر وہاں تک نہیں پہنچا اور فتح نہیں کیا۔ سلطان نے کہا انشاء اللہ میں فتح کروں گا۔ ایک دن سلطان شکار کے لیے سوار ہوا۔ ہندوؤں نے جب جمعیت کم دیکھی تو غفلت سے کام لیا اور سمجھا کہ یہ جمعیت ہمارے قریب نہ آئے گی۔ ناگہاں سلطان ان کے قریب پہنچ گیا۔ کفار تھوڑی سی جنگ کے بعد بھاگ کر جنگل میں گھس گئے۔ جب لشکر کو خبر ملی کہ سلطان نے جنگ شروع کردی تو وہ پیچھے سے آیا۔ گھوڑوں کو درّہ کے باہر چھوڑ کر پیادہ اندر آگیا۔ اکثر ہندوؤں کے بال بچے لشکر والوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔ سلطان مظفر ومنصور اپنے کیمپ کی طرف واپس ہوا اور محاصرہ کے بارے میں پورا اہتمام کیا۔

کہتے ہیں کہ چار دن کے محاصرہ میں پانچ کروڑ چاندی کے سکّے اور گھوڑے، تلواریں، خنجر اور جمدھر سب سپاہیوں کو بخش دیے تاکہ قلعہ فتح کرنے میں رغبت دکھائیں اور سستی وکاہلی جائز نہ رکھیں۔ اور زبردست فوجیں ولایت سورٹھ کے ہر طرف حملے اور لوٹ کے لیے بھیجیں۔ جب بے اندازہ غنیمت سپاہیوں کے ہاتھ آئی راؤ منڈلیک نے اپنے وکیلوں کو بھیج کر عجز ونیاز مندی کا اظہار کیا۔ سلطان نے مصلحت اس میں دیکھی کہ امسال قلعہ کا فتح کرنا موقوف رہے۔ چنانچہ واپس ہوکر اپنی راجدھانی میں تشریف لے

آیا۔

۸۷۲ھ میں یہ بات مبارک کانوں میں پہنچی کہ جب راؤ منڈلیک بتخانہ کی پوجا کے لیے سوار ہوتا ہے تو سونے کی چھتری اور سونے کے مرصع قیمتی زیور پہن کر نکلتا ہے۔ سلطان کی غیرت بادشاہی جنبش میں آئی۔ چالیس ہزار سوار اور بے شمار ہاتھی متعین کیے اور حکم دیا کہ چھتری اور زیورات اس سے چھین لیں ورنہ اس کی ولایت کو لوٹیں اور تاراج کریں۔ جب رائے منڈلیک نے یہ خبر سنی اسی وقت چھتری اور زیورات ایک لائق نذرانے کے ساتھ سلطان کی خدمت میں بھیج دیے۔ سلطان نے وہ زیورات کلاوتوں[1] کو بخش دیے۔

اس کے بعد ۸۷۳ھ میں خبر پہنچی کہ سلطان محمود خلجی نے وفات پائی اور اس کا بڑا بیٹا سلطان غیاث الدین تخت پر بیٹھا۔ بعض امیروں نے عرض کیا کہ شہنشاہ دین پناہ احمد شاہ کی وفات کے بعد سلطان محمود خلجی نے ولایت گجرات کی تسخیر کے لیے قدم اٹھایا تھا۔ اس وقت اگر سلطان ولایت مالوہ کی تسخیر کا ارادہ کرے تو آسانی سے ہاتھ آجائے گی۔ سلطان نے کہا کہ یہ بات مسلمانوں سے بہت بعید ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی ولایت کی طمع کرے۔ کیا تو اس کی زندگی میں کیا تو اس کی موت پر۔

اس کے بعد ۸۷۴ھ میں سلطان نے پھر سورٹھ کی طرف لشکر بھیجا۔ وہ لوٹ مار کر کے واپس آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد سلطان گرنار کے قلعہ کو فتح کرنے کے عزم صمیم کے ساتھ ولایت سورٹھ کی طرف متوجہ ہوا اور متواتر کوچ کرتا ہوا روانہ ہوا۔ یہ خبر سن کر راؤ منڈلیک بغیر طلب وپیغام کے سلطان کے پاس آیا اور عرض کیا کہ جو بھی خدمت اور نذرانہ سلطان فرمائے بندہ اپنی جان پر احسان سمجھ کر قبول کرے گا۔ کسی جرم کے صادر ہوئے بغیر اپنے مطیع کے استیصال کی کیوں کوشش کی جائے۔ سلطان نے کہا "کون سا جرم کفر کے برابر ہے؟ اگر امان چاہتا ہے تو کلمۂ توحید پڑھ اور صدق دلی کے ساتھ مسلمان ہو جا تاکہ میں

---

[1] ز: بھگل، ج: بلی

تیری ولایت میں دوسرے علاقوں کا اضافہ کر کے تیرے لیے سلامت رکھوں ورنہ میں تجھے برباد کر دوں گا۔" جب راؤ منڈلیک نے دیکھا کہ حال یہ ہے تو راتوں رات بھاگ کر قلعہ میں پہنچ گیا۔ جتنی مدت تک وہ سلطان کی خدمت میں رہا اس کے وکیلوں نے سامان خورد ونوش خوب سارا جمع کر کے گرنار اور جونا گڈھ کے قلعوں کو خوب مضبوط کر لیا تھا۔

جس دن سلطان پہاڑ کے نیچے میدان میں پہنچا تو کافر چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح قلعہ اور پہاڑ سے نیچے اتر کر جنگ کرنے لگے۔ پھر خوب لڑنے کے بعد بھاگ کر گرنار کے قلعہ میں گھس گئے۔ اس طرز سے دو دن جنگ جاری رہی۔ تیسرے دن سلطان خود جنگ کی طرف متوجہ ہوا۔ صبح سے شام تک کافر تلواریں اور برچھے بدلتے رہے۔ جب بادشاہی لشکر نے زور کیا تو بھاگ کر گرنار کے قلعہ میں چلے گئے۔ سلطان نے مورچے سپاہیوں کو بانٹ دیے۔ ہر امیر کو ایک جگہ پر متعین کر کے جونا گڈھ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ کفار ہر روز ایک طرف سے نکل کر جنگ کرتے تھے۔ ایک دن عالم خان فاروقی جو نامی سرداروں میں سے ایک تھے۔ ابھی تک ان کی سرائے احمد آباد میں مشہور ہے۔ کے مورچہ میں ایک فدائی آیا اور عالم خان کو شہید کر کے چلا گیا۔

سلطان نے اہتمام کرنے میں زیادہ ہوشیاری کی۔ ہندو عاجز آ گئے۔ بیسل نامی ایک بقال نے جو راؤ مینڈلیک کا وزیر تھا اہل قلعہ سے مشورہ کیا کہ اس مرتبہ سلطان محمود ہمارا قلعہ فتح کیے بغیر ہمارے پہاڑ سے نہیں جائے گا اس لیے جونا گڈھ میں رہنے کے بجائے ہمارا قلعہ گرنار میں مستحکم ہو جانا اولیٰ تر ہے کہ وہ اس سے زیادہ مضبوط ہے اور سامان رسد وہاں زیادہ ہے۔ اہل قلعہ نے اس کی رائے کو مانا۔ ایلچیوں کو سلطان کی خدمت میں بھیج کر عرض کیا کہ اگر سلطان ہماری جان بخشی کر کے ہمارے دل جیت لے اور ہمارے اہل وعیال کو نہ روکے تو ہم ہمارے بال بچوں کے ساتھ قلعہ سے باہر آ جائیں اور قلعہ بندگان حضرت کو سونپ دیں۔ سلطان نے کہا ٹھیک ہے۔ وہ اپنے بال بچوں کو لے کر قلعہ گرنار کی طرف چل دیے۔ یہ خبر سلطان کو پہنچی تو سلطان نے لوٹ لینے کا حکم دیا۔ لشکر دوڑا

اور پہاڑ کی کمر تک پہنچ کر جنگ کی۔ اس دن مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت شہید ہوئی اور بہت سے ہندوؤں کو جہنم رسید کر دیا۔ ہندوؤں نے اپنے اہل وعیال کو گرنار کے قلعہ میں پہنچا دیا۔ جونا گڈھ کا قلعہ فتح ہو گیا۔[1]

لیکن قلعۂ گرنار سے ہر روز باہر آ کر جنگ وجدل کرتے تھے۔ بڑی مدت کے بعد جب سامان رسد کم ہو گیا تو پورے عجز کے ساتھ دھرم دوار طلب کیا یعنی جان بخشی کا التماس کیا۔ سلطان نے راؤ کے اسلام قبول کرنے کی شرط پر ان کا مقصود بخشا۔ رأ منڈلیک قلعہ سے نیچے آ کر پابوسی سے مشرف ہوا اور قلعہ کی کنجی[2] بادشاہ کے نوکروں کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ ۸۷۵ھ کا ہے۔ سلطان نے کلمۂ توحید پیش کیا۔ اس نے اسی وقت زبان سے ادا کیا اور خود کو سلطان کے غضب کی آگ سے جو دوزخ کی آگ کے مانند تھی رہائی دی۔ اس کے بعد راؤ نے کہا اس سے پہلے شاہ شمس الدین بخاری کی ملاقات سے جو قصبہ اونہ کے نواح میں مدفون ہیں میرے دل نے تصدیق اسلام کی طرف رجوع کیا تھا اب سلطان کی توجہ سے زبان سے اقرار کرنے کی عزت سے بھی مشرف ہوا۔ لیکن کہتے ہیں کہ جب کبھی گرنار کے پہاڑ اور اپنی سلطنت کو یاد کرتا تو زار زار روتا تھا۔ جو کچھ بہادر شاہی کے مصنف نے لکھا یہ ہے:

لیکن گجرات کے ثقہ آدمیوں سے سلطان کے آخری بار قلعۂ گرنار اور جونا گڈھ کے فتح کرنے کی طرف متوجہ ہونے کا سبب دوسری طرح سنایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ موہنی[3] نام کی ایک عورت تھی جو اس زمانہ میں حسن وجمال میں عدیم المثال اور شہرۂ آفاق تھی۔ [ابیات]

---

[1] ب: "جونا گڈھ کا قلعہ فتح ہو گیا" نہیں ہے۔

[2] ج: "قلعہ کی کنجی..... ۸۷۵ھ کا ہے" نہیں ہے۔

[3] ب: نیل بقال راؤ منڈلیک کا وزیر کہ راؤ کی حکومت کا انتظام اس کے ہاتھ میں تھا اس سے پھر گیا اس وجہ سے کہ مذکور بقال کی ایک صاحب جمال بیوی تھی۔

چہرہ کے لحاظ سے آفتاب اور جسم کے لحاظ سے کلبین

جو خردمند کی عقل سے کھیلے

جس نے آرزومندوں کے خون میں اپنے پنجے ڈبوئے تھے

اور اپنی انگلیوں کے سروں کو عناب کا رنگ دیا تھا

ایک دن راؤ منڈلیک نے اس کے جمال کا سورج دیکھ لیا اور سوجان سے اس کا عاشق وگرفتار ہو گیا۔ آخر کار بڑی کوشش کے بعد اس کی سعی کا ہاتھ اس کے دامن وصال تک پہنچا اور اسے اپنے بستر کی طرف کھینچا۔ یہ برائی اس کے شوہر نے سنی۔ [بیت]

اس کے اندر غصہ کی زبردست آگ بھڑکی

اس کے سر کو جوزا کی طرح دو نیم کرنا چاہا۔

لیکن چونکہ اس قدرت کی تلوار راجہ کی عزت وشوکت کے سر پر کارگر نہیں ہوتی تھی سوچ بچار کر کے اس نے نفاق کا آرہ حیلہ کے ہاتھ میں لے کر راجہ کی دولت (حکومت) پر رکھا اور وہ یوں تھا کہ چاپلوسی اور دل سوزی کا اظہار کرنے کے بعد عرض کیا کہ قلعوں کا سامان خورد ونوش پرانا ہو کر ضائع ہو رہا ہے۔ اگر حکم ہو تو یہ نکال کر اس کی جگہ نیا سامان خورد نوش جمع کر دوں۔ راجہ کے کاموں کا انتظام اس رائے سے وابستہ تھا۔ کہا کیوں نہیں۔ اس نے سامان رسد نیچے لانا شروع کیا اور پنہاں طور پر ایک آدمی سلطان کی خدمت میں بھیج کر عرض کیا کہ اس وقت سلطان فتح کا عزم کرے تو یہ گانٹھ آسانی سے کھل جائے گی۔ سلطان خوش ہو کر اسی وقت جونا گڈھ اور گرنار کی طرف متواتر کوچ کرتا ہوا روانہ ہوا اور جنگ وجدل کر کے دونوں قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ حقیقت حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

اور بعض نے راؤ منڈلیک کے تابع اسلام ہونے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ جب راؤ منڈلیک قلعہ سے اتر کر سلطان کی خدمت میں آیا تو سلطان اسے اپنے ہمراہ احمد آباد لے آیا۔ ایک دن رسول آباد کی طرف جو حضرت شاہ عالم پناہ کا وطن ومرقد ہے گیا۔ دیکھا کہ ان کے دربار کے سامنے بہت سے گھوڑے، ہاتھی اور آدمی جمع ہیں۔ پوچھا کہ یہ گھر

کس امیر کا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ دربار حضرت شاہ عالم پناہ کا ہے۔ پوچھا کہ وہ کس کے نوکر ہیں اور کس سے دوستی رکھتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ سوائے خدائے تبارک وتعالیٰ کے کسی سے دوستی نہیں رکھتے۔ پوچھا کہ پھر یہ سلطنت کے اسباب انہیں کس طرح میسر ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ خدا پہنچاتا ہے۔ کہا کہ ایک بار میں بھی ان کے پاس جاؤں۔ گیا اور ملاقات کی۔ جیسے ہی اس کی آنکھ ان کے مبارک چہرہ پر پڑی تو کہا کہ جس چیز کو آپ مسلمانی کہتے ہیں مجھے بھی بتلائیں۔ حضرت نے کلمۂ طیبہ پیش کیا۔ راؤ نے اپنی زبان سے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق کی۔ حق تعالیٰ نے ان کے فیض آثار دیدار کی دولت سے اسے اسلام کے شرف سے عزت بخشی۔

مختصر یہ کہ اُن دنوں توپ وتفنگ جیسی چیزیں قلعہ پر کم ہوتی تھیں۔ اہل قلعہ پتھر اور کبھی کبھی توپ وتفنگ سے لڑتے تھے۔ باوجود اس کے سلطان نے لمبی مدت تک جدوجہد کی لیکن قلعہ کی فتح کا دروازہ نہ کھلا۔ سلطان کو بہت زیادہ رنج ہوا۔ اس زمانہ میں خداوند خان وزیر جو علم جفر میں بے نظیر تھا منصب وزارت ترک کر کے احمد آباد میں گوشہ نشین ہو گیا تھا۔ (سلطان نے) اسے لکھا کہ کوشش واہتمام میں کوئی کمی نہیں رہی ہے لیکن ہنوز فتح کا دروازہ کھلتا نظر نہیں آتا اور اس طرف قرارداد یہ ہے کہ یا تو فتح کی دولھن کو آغوش میں لیں یا شہادت کی موت مر جائیں۔ خداوند خان نے جواب میں لکھا کہ شہر پناہ اور مورچوں کا خاکہ اور جن امرائے نامدار کو ان پر متعین کیا ہے ان کے نام لکھ کر بھیجیں۔ سلطان نے ایسا ہی کیا۔ خان نے ہر ایک کو ایسی جگہ پر جو اس کے نام کے موافق تھی لکھ کر سلطان کو بھیجا اور عرض کیا کہ مورچوں کا تعین اس ڈھنگ سے کریں اور فلاں روز قلعہ کی فتح پر ہمت لگائیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ فتح میسر ہوگی۔ سلطان نے خان کے لکھے ہوئے پر عمل کیا۔ چنانچہ حلوی شاعر اس حال کی خبر دیتا ہے۔

[ابیات]

دین کے اصحاب ظفر مند ہوئے

ناپاک کافروں اور لعین گبروں پر

جب بادشاہ نے بازوے حیدر کھولا

تو خدا کے سایہ نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا

ایسے نامدار قلعہ کی فتح سے

ہر ملک میں شہرت ہوگئی

کفر کے قلعہ کا دروازہ توڑ ڈالا

دنیا کو بتوں اور بت پرستوں سے پاک کردیا

غضب کی آگ سے کفر کی آگ جل گئی

شریعت کا چراغ پھر سے روشن ہوا

جب وہ بے انتہا فتح ملی

تو خداوند کی حمد وثنا کہی

اس کے بعد سادات عظام، علماے کرام، شرع دین محمدی کے قاضیوں اور احمدی جھنڈے کے بلند کرنے والے محتسبوں کو گجرات کے ہر شہر اور قصبہ سے بلا کر جونا گڈھ اور اس کے مضافاتی قصبوں میں مقرر کیا اور خود وہاں قیام کرکے اس کے بسانے کی طرف توجہ کی۔ پہلے قلعۂ جہاں پناہ کی تعمیر کی اور بلند محل باندھے اور امراء کو حکم دیا کہ اونچے اونچے مکان بنائیں۔ تھوڑے ہی دنوں میں ایک شہر جسے احمد آباد کا جڑواں کہا جاسکے آباد ہوگیا۔ اس کا نام مصطفےٰ آباد رکھا اور سورٹھ کی ولایت بلاشرکت غیرے سلطان کے دائرۂ تصرف میں آگئی۔ تمام زمیندار اطاعت وتابعداری کی وجہ سے واجبی مال بغیر تقاضہ وطلب کے لانے لگے۔

اس اثنا میں یہ خبر پہنچی کہ چاپانیر کا راجہ جیپک بن گنگ داس حمایت کے طور پر سرکار بڑودہ اور ڈبھوئی کی ولایت کے مفسدوں کو پناہ دیتا ہے اور انھیں فتنہ وفساد کے لیے اکساتا ہے۔ اور منڈو کے بادشاہ سے سازش کرکے اس سے مدد کی امید رکھتا ہے۔ نواح احمد آباد کے سرکش بھی جس طرح خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ بدلتا ہے اپنا رنگ بدل رہے

تھے اور ان مفسدوں کی طرح عمل کر رہے تھے۔ سلطان نے ملک جمال الدین سلحدار ابن ملک شیخ کو محافظ خان کے خطاب سے سرفراز کر کے احمد آباد کے شہر معظم اور اس کے مضافات کی فوجداری پر متعین کیا۔ ملک مذکور نے ان کاموں کے انتظام میں ایسی کوشش کی کہ چوروں اور ڈاکوؤں کا نام ونشان نہ رہا۔ شہر اور قریوں کے لوگ دروازہ کھلا رکھ کر سوتے تھے اور مسافر راستے اور منزل پر اپنا سامان خاطر جمعی کے ساتھ کھولتے تھے۔ محافظ خان کا کام اونچا ہو گیا۔ چنانچہ ملک مذکور کا بیٹا ان سرکشوں سے سلامی (نذرانہ) لیتا تھا جنہوں نے کبھی ادا نہیں کی تھی۔ چند دنوں کے بعد سلطان نے پورے شہر کی حکومت اسے سونپ دی اور اس نے بھی اس عہدۂ خدمت کو پسندیدہ طور پر انجام دیا۔ چند دنوں کے بعد مستوفی الممالک[1] ہو گیا اور پھر کچھ دن کے بعد سلطان کی وزارت سے منسوب ہوا اور پچھلے منصب بھی اسی کے ذمہ تھے۔ ملک کے گماشتے کام انجام دیتے تھے۔ اور یہ محافظ خان تاریخ بہادر شاہی کے مؤلف کا دادا تھا۔

مختصر یہ کہ سلطان نے صوبہ بڑودہ کی ولایت کے انتظام کے لیے بھی امراء متعین کیے۔ ملک بہاء الدین عماد الملک کو سونگیرہ[2] بہادر پور[3] کے تھانہ پر مقرر کیا۔ ملک سارنگ قوام الملک کو گودھرہ کا تھانا سونپا اور تاج خان بن سالار کو موضع ثورکھ جو مہندری ندی کے کنارے واقع ہے کے تھانہ پر مقرر کیا۔ ان تھانوں کے قائم کرنے سے رائے چینک[4] نے سرکشی سے ہاتھ کھینچ لیا۔

۸۷۶ھ میں راؤ منڈلیک کو خطاب خان جہان سے مشرف کر کے جاگیر عنایت کی اور جو سونے کی مورتیاں راؤ منڈلیک کے بتخانہ سے ہاتھ لگی تھیں وہ سب سپاہیوں میں

---

[1] آڈیٹر جنرل (مترجم)۔
[2] ج: سوکھرہ
[3] ج: "بہادر پور" نہیں ہے۔
[4] ز: جھینگہ، ج: جیت سنگھ

تقسیم کر دیں۔ اس کے بعد خود ولایت سندھ پر حملہ کیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن میں اکٹھ کوس کی مسافت طے کر کے سندھ کے نواح کے زمینداروں کو تاراج کیا۔ اور[5] رن کی زمین شور (کھاری) ہے جو بارش کے وقت پانی سے بھر جاتی ہے۔ اور اس کا ایک سرا دریائے شور سے جڑا ہوا ہے اور دریا کا سیلاب بھی اس سرزمین پر آجاتا ہے۔ اس کی چوڑائی چند جگہوں پر پینتیس (۳۵) کوس ہے اور کچھ جگہوں پر کچھ کم یا کچھ زیادہ۔ پانی اس کا ہمیشہ کھارا ہوتا ہے۔ یہ زمین زراعت کے قابل نہیں۔ سوائے نمک اور مچھلی کے کچھ پیدا نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں کہ اس یلغار میں کُل چھ سو سوار رکاب ظفریاب کے ساتھ پہنچے تھے۔ اور حوالی سندھ کے زمیندار جو سومرہ، سودہ وغیرہ ہوتے ہیں چوبیس ہزار جمع ہوئے تھے۔ سلطان کے پہنچنے سے پہلے انہیں خبر ہوگئی تھی۔ بیچ کی جگہ میں پناہ لے کر جنگ کے منتظر اور آرزومند تھے لیکن جب ان کی نظر بادشاہی فوج پر پڑی سب نے اپنے وکیلوں کو سلطان کی خدمت میں بھیج کر اپنی نسبتِ اسلام اور مسلمانی کو شفیع بنایا اور اتنا عجز و انکسار ظاہر کیا کہ سلطان نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ چھوڑ دیا۔ اور کہا کہ جب اسلام کے سبب سے شفاعت کی امید رکھتے ہو تو احکام مسلمانی کو کماحقہ بجالاؤ اور کافروں سے جو رشتہ داری کرتے ہو چھوڑ دو۔ اور ہر قوم میں سے ایک قابل اعتماد آدمی ہمارے ساتھ رہے تاکہ جوناگڈھ ہمراہ چلے اور علمائے دین سے اسلام کے طور طریقے سیکھ کر اپنی قوم اور قبیلہ کو ان کی تلقین کرے۔ وہ سب فرمانبرداری اور دلی توجہ کے ساتھ قبول کر کے نذرانے لے کر سلطان کی پابوسی سے مشرف ہوئے اور رکابِ ظفر ایاب کے ساتھ جوناگڈھ آئے۔ سلطان نے ان کو علمائے دین اور فقہائے متین کے سپرد کر دیا تاکہ انہیں اسلام کے احکام کی تلقین کریں۔ کچھ زمانہ گذرنے اور احکام اسلام کے معلوم کرنے کے بعد ان میں سے بعض اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے اور بعض بادشاہی لطف و کرم اور شفقتوں پر فریفتہ ہو کر اپنے خاندان اور وطن کو

---

[5] ج: "اور رن کی زمین.... دریا کا سیلاب بھی" نہیں ہے۔

ترک کر کے سلطان ہی کی خدمت میں رہ پڑے۔ کچھ عرصہ میں اعتبار پیدا کر کے ہر ایک خطاب سے سرفراز ہوا۔

پھر ۷۷۸ھ میں سلطان نے ایک لشکر جرار کے ساتھ نواح سندھ کے مفسدوں کی طرف یلغار کی۔ نو سو سواروں کے ساتھ سرعت سے سرپلہ پہنچا اور سندھ کے چالیس ہزار زمینداروں کے ساتھ کہ جو بے خطا تیرانداز تھے جنگ کر کے فتح حاصل کی اور ان کے بال بچوں کو گرفتار کر کے جونا گڈھ لے آیا۔

اُسی سال جگت[1] اور سانکھودار[2] فتح کیا۔ سبب اس فتح کا یہ تھا کہ مولینا محمود سمرقندی جو فضیلت علوم اور شاعری میں ممتاز تھے دکھن کے ساحل سے کشتی میں سوار ہو کر دریا کے راستے عازم سمرقند ہوئے۔ اتفاق سے راستے میں سانکھودار کے لٹیروں کی کشتیاں مل گئیں۔ وہ ملاّ کی کشتی پکڑ کر سانکھودار لے گئے۔ ملاّ کو ان کے دو بیٹوں کے ساتھ ساحل پر لا کر چھوڑ دیا اور ملاّ کی اہل، مال اور کشتی کو رکھ لیا۔ ملاّ بڑی مفلسی اور ہلاکت کے ساتھ محمود شاہی دربار میں پہنچے۔ کہتے ہیں کہ ملاّ کے بیٹے کم سن تھے۔ پیادہ راہ نہیں چل سکتے تھے اور ملاّ صاحب میں اتنی طاقت نہ تھی کہ ایک ہی وقت میں دونوں کو کاندھے یا مونڈھے پر بٹھا کر راستہ چل سکیں۔ اس وجہ سے ایک بیٹے کو کندھے پر بٹھا کر راستہ طے کرتے پھر اسے نیچے اتار کر واپس جاتے اور دوسرے بیٹے کو اٹھا کر وہاں پہنچاتے۔ اسی طریقہ سے ستر کوس چند روز میں طے کر کے وہ سلطان کی خدمت میں پہنچے۔ درد دل اور روتی ہوئی آنکھ کے ساتھ ظلم کی فریاد کی۔ ایسی دہائی دی کہ سلطان اور حاضرین کا دل ملاّ صاحب کی دہائی سے باہر نکل آیا۔ سلطان نے پاس بلا کر احوال پوچھے۔ ملاّ نے جو ظلم ان پر ہوا تھا ہزار نالہ و آہ کے ساتھ انہیں کہہ سنایا۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی سلطان، جگت جو کافروں کا مشہور ترین بتخانہ ہے اور سانکھودار کی فتح کا ارادہ رکھتا تھا لیکن چونکہ سمجھ دار لوگ

---

[1] جگت دوارکا کا دوسرا نام ہے۔ مترجم۔

[2] ج: سنکودار

جگت کے راستے اور اس کے قریب کے جنگل اور جزیرۂ سانکھو دار کے استحکام کی تعریف کرتے تھے اس لیے سلطان کو تامل ہوتا تھا اور اس کی تدبیر میں غور کرتا تھا۔ اس اثنا میں جب ایسا واقعہ پیش آیا پچھلے خیال نے ایک نئی سمت لی۔ سلطان بے قرار ہوگیا اور کہا انشاء اللہ جب تک ان کافروں کو تہس نہس نہیں کردوں گا آسودگی سے بیزار رہوں گا۔ ملا صاحب کو تسلی دی اور بہت زیادہ مہربانی فرما کر انہیں احمد آباد بھیج دیا۔

اور ذی الحجہ کی سترہویں تاریخ کو جگت کی طرف کوچ کیا اور متواتر کوچ کرتا ہوا وہاں پہنچا۔ جگت کے کافر بھاگ کر جزیرہ سانکھو دار میں آگئے۔ جگت کو لوٹ کر اس کی شہر پناہ کو منہدم کردیا، بتخانوں کو توڑ ڈالا اور بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ اور وہاں سے موضع ارامرہ[1] میں جو جگت سے دس کوس پر دریا کے کنارے جزیرہ سانکھو دار کے سامنے ہے خیمہ انداز ہوا۔ محمود شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ یہ منزل خود سانپوں[2] سے بھری ہوئی تھی کہ اس رات لشکر میں کوئی بھی سانپوں کے ڈر سے نہیں سویا۔ کوئی ڈیرہ ایسا نہ تھا جس میں سانپ نہ نکلا ہو۔ کہتے ہیں کہ سلطان کے شامیانے میں سات سو سانپ مارے گئے۔

اور[3] اس ملک کے عجائبات میں سے ایک یہ ہے کہ اساڑھ مہینہ کی ۹ رتاریخ کو جو بارش کے موسم کی ابتدا ہے یا دسویں یا گیارہویں کو جسے ہندو اگیارس، بارس، تیرس، چودس اور پورنماشی کہتے ہیں ایک چڑیا شارک[4] کی مقدار کی ایک خاص ہیئت میں کہ کوئی دوسرا جانور اس کی طرح نہیں ہوتا دریا کی طرف سے آکر ایک بتخانہ کے اوپر جو پرگنہ منگلور کے دیہاتوں میں سے موضع مادھو پور میں واقع ہے بیٹھتی ہے۔ اور دو تین گھڑی سے زیادہ زندہ نہیں رہتی۔ جب مرجاتی ہے تو وہاں کے راہب اسے پکڑ کر لے آتے ہیں اور اس

---

[1] ب: لامرہ

[2] ز: اس منزل میں سانپ بہت تھے۔

[3] ج: "اور اس ملک کے عجائبات... یہی احوال ظاہر کرتا ہے" نہیں ہے۔

[4] الف: سارنگ (شارک غالباً ایک طبی وزن ہے۔ مترجم)

سے بارش کی دلیل لاتے ہیں۔ اگر وہ دیکھتے ہیں کہ اس کے سر اور دم کی طرف سیاہی زیادہ ہے اور بیچ میں سفیدی تو یہ علامت اس کی ہے کہ موسم کی ابتدا اور آخر میں بارش زیادہ ہوگی اور بیچ میں کم۔ اگر بیچ کا حصہ سیاہ ہے اور ہر دو جانب سفیدی ہیں تو یہ علامت اس کی ہے کہ بارش بیچ میں زیادہ ہوگی اور اول و آخر کم۔ اس طرح ہر جانب جدھر سیاہی زیادہ ہے بارش زیادہ اور اگر پوری سیاہ ہے تو بارش پورے موسم میں یکساں ہوگی اور اگر پوری سفید ہے تو بارش نہ گرے گی۔ اور کسی بھی سال ایسا نہیں ہوتا کہ وہ چڑیا مذکور مہینے میں مندرجۂ بالا دنوں میں نہ آئے اور کہتے ہیں کہ اس نوع کا جانور مذکور دنوں میں پٹن دیو کے بتخانہ اور جگت کے بتخانہ پر بھی جو دریائے شور کے کنارے واقع ہے آکر بیٹھتا ہے اور یہی احوال ظاہر کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ ولایت جگت کے کافر جزیرۂ سانکھو دار پہنچ کر مضبوط ہو گئے۔ یہ ایک جزیرہ ہے دریائے شور میں ساحل سے تین کوس کے فاصلہ پر۔ جگت کے راجہ کے ڈاکو وہاں رہتے تھے اور بحری مسافروں کو لوٹتے تھے۔ اور برے دنوں میں جگت کا راجہ وہاں پناہ لیتا تھا۔ جب سلطان نے دیکھا کہ ان حدود کے کفار اس جزیرہ میں آگئے ہیں تو بندرگاہوں سے کشتیاں طلب کر کے انہیں مسلح و مکمل مردان جنگی سے بھر کر خود جزیرۂ مذکور کی فتح کی طرف متوجہ ہوا۔ کشتی سوار غازیوں نے جزیرۂ مذکور کا محاصرہ کر کے جنگ شروع کر دی۔ کافروں نے تیر و تفنگ برسانے اور تلواریں اور برچھے بدلنے میں کمی نہ کی۔ آخر کار غازیوں نے بے خوف بہادری اور دلیری کے زور سے فتح پائی۔ وہاں کے اکثر کافروں کو قتل کیا اور ان میں سے بعض جہازوں میں بیٹھ کر بھاگ گئے۔ سلطان جزیرہ میں آیا۔ بحر آشام نہنگوں کی کشتیوں کو متعین کیا کہ کافروں کے جہازوں کا پیچھا کر کے انہیں پکڑیں۔ مسلمان بآواز بلند بتخانوں کے اوپر اذانیں دے رہے تھے، بتخانوں کو ویران کر رہے تھے اور بتوں کو توڑ رہے تھے۔ سلطان نے شکرانہ کا دوگانہ ادا کیا اور حمد و ثنائے باری تعالیٰ کے لیے زبان کھولی اور ملاّ کی اہل نے جو کفار کی قید میں تھی رہائی پائی۔ کہتے ہیں کہ بیشمار

غنیمت، لعل، آبدار موتی، قیمتی ریشمی کپڑے اور اسباب ہاتھ لگے۔ سلطان کچھ عرصہ تک وہاں رہا۔ مسجد تعمیر کی۔ سامان خورد ونوش بہت سا جمع کر کے ملک طوغان کو جس کا خطاب فرحت الملک تھا سنکھو دار اور ولایت جگت حوالہ کر کے جونا گڈھ آ گیا۔ جگت اور سانکھو دار کی فتح ۸۷۷ھ میں واقع ہوئی۔ کسی[1] بھی قدیم بادشاہ کے زمانہ میں یہ جزیرہ فتح نہ ہوا تھا۔ فتح اس کی خاص طور پر سلطان محمود غازی ثانی کے بازو کی سعی سے میسر ہوئی۔

اس کے بعد دوسرے سال ۸۸۰ھ میں فخر الاولیا، بدر الاتقیا، محبوب باری سید شاہ عالم ابن قطب المحققین سید برہان الدین بخاری (اللہ ان کے بھیدوں کو پاک کرے!) نے زندگانی جاودانی کے مشہد کی طرف رحلت فرمائی۔ مذکور تاریخ لفظ ''فخر'' سے نکلتی ہے اور ''آخر اولیا'' کی عبارت سے بھی۔

مختصر یہ کہ سلطان جمعہ کے دن، ۱۳ر جمادی الاول سنہ مذکور کو مصطفےٰ آباد عرف جونا گڈھ آتا۔ اتفاق سے اسی دن وہ غزی جو کشتی میں سوار ہو کر جگت کے راجہ جس کا نام بھیج بن ساگر تھا کا تعاقب کر رہے تھے بھیم مذکور کو پکڑ کر طوق وزنجیر پہنا کر مصطفےٰ آباد لائے۔ سلطان نے ہر ایک کو بہت نوازا اور حکم دیا تو ملا محمود کو احمد آباد سے لائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ملا محمود کے حوالے کر دیں تا کہ وہ اس سے اپنا بدلہ لیں۔ بھیم کو گردن میں طوق اور پاؤں میں بیڑی ڈالے حاضر کیا گیا۔ ملا کھڑے ہوئے اور بادشاہ کی اور بادشاہ کی حمیت اسلامی پر تحسین وآفرین کی اور عرض کیا کہ بادشاہ کے اقبال سے میں نے اپنی مراد پالی۔ اس کے بعد سلطان نے حکم دیا کہ اس کافر کو محافظ خان کے پاس احمد آباد بھیج دیں تا کہ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر ٹکڑا شہر کے ہر دروازہ پر لٹکا دیا جائے تا کہ دوسرے مفسدوں کو عبرت ہو۔ جب بھیم کو احمد آباد لائے تو محافظ خان نے حکم کے مطابق عمل کیا۔

مختصر یہ کہ جب سلطان مذکور کو ولایت سورٹھ کے انتظام وانصرام سے اطمینان ہوا تو قلعۂ چانپانیر کی فتح کے خیال نے جو اس کی خاطر اشرف میں چھپا ہوا تھا غلبہ کیا۔ جب

---

[1] ج: ''کسی بھی قدیم بادشاہ.... میسر ہوئی'' نہیں ہے۔

مصطفےٰ آباد سے احمد آباد کی طرف کوچ کیا تو اس اثنا میں خبر پہنچی کہ ملیباریوں کا ایک گروہ چند کشتیاں ترتیب دے کر گجرات کی بندرگاہوں کے راستے میں لوٹ مار کرتا ہے۔ سلطان بندرگاہ گھوگھہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں سے بحر آشام نہنگوں اور تیر اور تیز تلوار کی راہ کے جانبازوں کو متعدد کشتیوں پر پورے سامان کے ساتھ سوار کر کے ملیباریوں کی تنبیہ کے لیے متعین کیا اور خود گھوگھہ سے کھمبایت آیا اور وہاں سے سرکھیج میں قیام کر کے حضرت قطب المشائخ شیخ احمد کھٹو کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس منزل پر تین دن تک قیام کیا۔ ان امیروں اور سپاہیوں کے فرزند کو جو اس حملہ میں شہادت کے درجہ کو پہنچے تھے یا اپنی ہی موت مرے تھے طلب کیا۔ جس کسی کا لڑکا تھا اس کے باپ کی جاگیر اس کے لیے سلامت رکھی اور جس کسی کا لڑکا نہ تھا اس کی نصف جاگیر اس کی لڑکی کو دی اور جس کی لڑکی بھی نہ تھی اس کے متلقین کے لیے مشاہرہ مقرر کر دیا۔

ان تین دنوں میں اس کی آنکھیں اکثر ڈبڈبائی رہتی تھیں اور غم کے آثار چہرۂ مبارک پر ظاہر تھے۔ یہ حال دیکھ کر درگاہ کے مقربین میں سے ایک نے جہاں پناہ کی خدمت میں عرض کیا کہ چند سال کے بعد اپنے دولت و اقبال کی وجہ سے جونا گڈھ اور گرنار جیسے قلعے فتح کر کے اپنی راجدھانی کی طرف تشریف لائے ہیں تو شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ٹھہرنے کا سبب کیا ہے اور دریا بہانے والی طبیعت کے رنج کا کیا باعث ہے۔ شہر کے لوگ سب سلطان کی تشریف آوری کے منتظر اور سب اہل لشکر اپنے فرزندوں کے دیدار کے مشتاق ہیں۔ یہ تو خوشی وخرمی کا مقام ہے نہ کہ غم وملال کا محل۔ سلطان نے فرمایا۔ عجب بے مروت اور نامرد معلوم ہوتے ہو کہ جو لوگ صحت وسلامتی کے ساتھ آئے ہیں اگر دو تین دن پہلے اپنے گھروں کو جائیں اور اپنے فرزندوں کے دیدار سے بہرہ مند ہوں تو کوئی باک نہیں لیکن وہ لوگ جو درجۂ شہادت کو پہنچے ہیں یا اپنی قضا سے اس جہان فانی سے مقام جاودانی کی طرف گئے ہیں ان کے اہل وعیال کی دلجوئی نہ کر کے اور ان کے کاموں کے سرانجام دینے کی ذمہ داری نہ لے کر اور ان کے رنج کے شعلہ کو نہ بجھا کر شہر میں آنا اور

عشرت میں مشغول ہونا مروت اور آدمیت سے دور ہے۔

[نظم]

بنی آدم ایک دوسرے کے اعضا ہیں
پیدائش سب کی ایک جوہر سے ہے
جب زمانہ ایک عضو میں درد پیدا کرتا ہے
تو دوسرے اعضا کو قرار نہیں رہتا
تُو کہ دوسروں کے رنج سے بے غم ہے
تو تجھے آدمی کہنا ٹھیک نہیں

کہتے ہیں کہ انہی ایام میں نجم الدین جو شرع شریف کے حاکم تھے احمد آباد آئے اور مبارکباد کہی سلطان نے ایک دردناک آہ بھری اور کہا، "قاضی! اگرچہ ہمارے لیے مبارک ہے لیکن ان لوگوں سے پوچھنا چاہیے جن کے فرزند اور شوہر شہادت کے درجہ کو پہنچے ہیں یا جنھوں نے شربتِ اجل چکھا ہے۔ اگر ان چند سالوں میں میں اپنی جگہ اور مقام پر رہتا تو اہل لشکر کے کتنے بچے وجود میں آتے۔ اس سفر میں بہت سے نقصانات ہوئے جب کہیں یہ فتح دکھائی دی۔

مختصر یہ کہ رنجیدہ لوگوں کی دلجوئی کرنے کے بعد ماہ شعبان المکرم میں سلطان شہر احمد آباد تشریف لایا۔ ماہ رمضان المبارک میں چانپانیر کی طرف لشکر کشی کی۔ جب وہ موضع مور آلی جو پرگنہ سانولی کے دیہاتوں میں سے اور مہندری ندی کے کنارے واقع ہے پہنچا تو قیام کیا اور وہاں سے زبردست فوجوں کو چانپانیر کی ولایت کے مضافات لوٹنے کے لیے مقرر کیا۔ لشکر اطراف میں لوٹ مار کر کے واپس آ گیا۔ چونکہ بارش کی فضا شروع ہو گئی تھی سلطان نے اپنی عزیمت کی باگ اپنی راجدھانی کی طرف موڑی اور بارش کا موسم احمد آباد میں گذارا۔ اس کے بعد مصطفےٰ آباد کی طرف متوجہ ہوا۔ کچھ دنوں تک مصطفےٰ آباد کے نواح میں سیر و شکار کر کے پھر واپس آ گیا۔

اس کے بعد ہر سال احمد آباد سے مصطفےٰ آباد جاتا تھا اور کچھ دنوں ان حدود میں سیر وشکار کر کے احمد آباد واپس آجاتا تھا۔ لیکن چانپانیر کی تسخیر کے خیال سے بھی خالی نہ رہا۔ جب کبھی احمد آباد سے سیر وشکار کا ارادہ کرتا تو چانپانیر کی طرف جاتا تھا۔ اتفاق سے ایک دن شکار کرتے کرتے وہ باترک ندی کے کنارے جو احمد آباد سے بارہ کوس جنوب مشرق کے بیچ میں ہے پہنچا۔ وہاں[1] سنا کہ یہاں لٹیرے کبھی کبھی لوٹ مار کرتے ہیں تو حکم دیا کہ وہاں[2] ایک شہر محمود آباد نام کا آباد کریں۔ اسی دن سے شہر مذکور کی تعمیر شروع ہوئی۔ پتھر کا ایک مضبوط پشتہ مذکور ندی کے ساحل پر تعمیر کیا۔ اس پشتے پر اونچے اونچے محل تعمیر کیے اور یہ تعمیر سلطان کی لطافت طبع اور ذکاوت فہم کی دلیل ہے۔ اس[3] شہر کی فضا کی ہوا ایسی ہے کہ اگر کہا جائے کہ روئے زمین کے شہر اس جیسی ہوا کی فضا نہیں رکھتے تو روا ہے۔ اور اس شعر کا اس جگہ ایراد مناسب وزیبا ہے۔ [بیت]

اگر قلم کی نوک سے کوئی تصویر بنائی جائے

تو وہ ہوا کے اعتدال سے جانور کے حکم میں آجائے

ہر باغ کے اطراف ریاض بہشت کے ہمرنگ ہیں اور اس کے باغ کا ہر شجر ہمشیرۂ طوبیٰ ہے۔ چشمۂ سلسبیل اس کی نہر کا ٹپکایا ہوا ہے اور ریاض خلد اس کے گلزار کا ایک گلدستہ ہے۔ اس شہر کے مبارک ہونے کی دلیل ظاہر ہے کہ حضرت سید مبارک شہید الشہدا کا خوش کیا ہوا ہے۔ سید صاحب کی تعریفیں سلطان محمود شہید اور سلطان احمد (اللہ ان کی دلیلوں کو روشن کرے!) کے ذکر میں بیان کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ کہ جب ۸۸۵ھ میں سلطان جونا گڈھ کے لیے روانہ ہوا تو احمد شاہ کو جو سلطان کا بڑا بیٹا تھا احمد آباد میں چھوڑا اور خداوند خان کو شہزادہ کی اتالیقی پر مقرر کیا۔ چونکہ

---

[1] یہاں جو کچھ نسخہ الف سے شامل کیا گیا ہے تمام ہوا۔

[2] الف : یہاں

[3] الف، ز : پانی اس ندی کا نہایت میٹھا اور خوشگوار ہے۔

سلطان کے ہمیشہ کے سفر سے لشکر تکلیف پاتا تھا بعض متفنی لوگوں نے خداوند خان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ احمد شاہ کو تخت پر بٹھا کر سلطان کی نسبت غدر کا اندیشہ ظاہر کریں۔ عماد الملک نے جو سلطان کا خاص نوکر تھا ان کے اس اندیشہ کو باطل کر دیا اور اس آگ کے بھڑکنے کا احتمال نہ رہا۔ آخرکار سلطان کو اس کام کی خبر ہوگئی۔ مصطفےٰ آباد سے احمد آباد آیا۔ خداوند خان اور اس کے موافقین کو تنبیہ شدید کر کے گرفتار کر لیا اور ۸۸۷ھ میں سوائے چانپانیر کے مضافات کے پوری ولایت گجرات میں بارش نہیں ہوئی۔ ملک[1] سدا، سلطان کے خاص گروہ کے امیر نے جو موضع سورآملی موسوم بہ رسول آباد کے تھانہ میں تھا ولایت چانپانیر کو لوٹنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ چانپانیر کے قلعہ کے قریب پہنچا تو چانپانیر کا راجہ راول تپائی قلعہ سے نیچے آیا اور جنگ کرنے لگا۔ ملک مذکور نے مردانہ وار جنگ کی لیکن آخرکار شکست کھائی اور اس کے اکثر ہمراہی شہید ہوگئے۔ سرکار سلطان کے دو ہاتھی اور کچھ گھوڑے جو سلطان کے خاص[2] طویلہ کے ملک کے ہمراہ تھے اپنے تمام سازوسامان کے ساتھ لوٹ لئے گئے۔

اس خبر کو سن کر سلطان غصہ ہوگیا اور چانپانیر کے قلعہ کی تسخیر کا عزم بطریق خاص اس کی خاطر مبارک کے صفحہ پر نقش ہوگیا۔

1۔ ز: اسد

2۔ الف: "سلطان کے خاص طویلہ کے" نہیں ہے۔

چودھواں باب

سلطان کا قلعۂ چانپانیر کی طرف جانے کا ارادہ اور اسے تلوار کی کنجی سے کھولنے کی کیفیت

تاریخ اور آثار کے راستوں پر چلنے والوں اور اخبار کی راہوں سے گذرنے والوں نے ایسی روایت کی ہے کہ جب سلطان قلعۂ چانپانیر کی تسخیر کے ارادہ سے احمد آباد سے روانہ ہوا اور قصبۂ بڑودہ پہنچا تو راول تپائی اور اہل چانپانیر کے دل لرز اٹھے۔ اپنے وکیلوں کو سلطان کی خدمت میں بھیج کر بہت کچھ منت اور اپنے درجہ سے اتر کر بات کی۔ ہر چند اس کے وکیلوں نے معافی مانگی لیکن قبول نہ ہوئی اور فرمایا کہ اس وقت ہمارے اور تمہارے درمیان سوائے تلوار اور خنجر کے کوئی پیغام اور پیغام گذار نہ ہوگا۔ اس کے وکیل بڑی حیرانی و پریشانی کے ساتھ راول تپائی کے پاس پہنچے اور جو کچھ صورت پیش آئی تھی بیان کی۔ راول بھی مرنے کی ٹھان کر اور قلعہ کو مضبوط کر کے جنگ کے لیے تیار ہو گیا۔ سلطان نے آکر محاصرہ کر لیا۔ ہر روز صبح سے شام تک لشکر اسلام اور کفار بدانجام کی جماعت کے درمیان لڑائی ہوتی تھی۔ جب چند روز اس ڈھنگ سے گذرے سلطان نے ساباط تیار کرنے کا حکم دیا۔ اس فن کے استادوں نے جمع ہو کر ساباط تیار کرنے شروع کیے۔ کہتے ہیں کہ لکڑی کا ایک ڈنڈا ایک اشرفی میں خریدتے اور ترتیب ساباط میں لگاتے تھے۔ راول تپائی نے اپنی سورانامی وزیر کو سلطان غیاث الدین بن محمود خلجی کے پاس بھیج کر امداد کی عرض کیا اور وعدہ کیا کہ اگر سلطان منڈو سے چانپانیر کی طرف ہماری امداد کے لیے روانہ ہوں گے تو ہر منزل کا خرچ ایک لاکھ تنکہ کہ ہر تنکہ آٹھ اکبری تنکے کے برابر ہے پیش کروں گا۔ جب غیاث الدین کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو منڈو سے کوچ کر کے

نعلچہ[1] کے مقام پر جو منڈو سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے مقام کیا اور لشکر کی تیاری میں مصروف ہو گیا۔

یہ خبر سن کر سلطان قلعہ کا محاصرہ بعض امراء کے حوالے کر کے خود منڈو کی طرف روانہ ہوا اور متواتر کوچ کرتے ہوئے قصبہ[2] داحود میں جو منڈو اور گجرات کی سرحد پر واقع ہے مقام کیا۔ سلطان غیاث الدین نے معاملات کے انجام کا اندازہ لگا کر حیلے کے وسیلے سے اپنا ارادہ فسخ کر دیا اور وہ یہ تھا کہ علمائے عظام اور قضاۃ کرام کو بلا کر ان سے فتویٰ طلب کیا کہ سلطان محمود نے قلعۂ چانپانیر کا محاصرہ کیا ہے اور چانپانیر کے راجہ نے مجھ سے مدد مانگی ہے۔ اس باب میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ ان سب نے لفظ و معنی کے اتفاق سے کہا کہ بادشاہ اسلام کو نہیں چاہیے کہ اِس وقت کفار کی حمایت کرے۔ سلطان غیاث الدین پلٹ کر اپنی راجدھانی چلا گیا۔ سلطان محمود بھی لوٹ کر چانپانیر آ گیا۔ راول تپائی کمک سے مایوس ہو گیا۔ اس فرصت میں چھت دار پناہ گاہیں (ساباط) بھی تیار ہو گئیں۔ جب کفار پر معاملہ تنگ ہوا تو اپنے بال بچوں کو آگ کی خوراک بنا کر باہر نکلے اور جنگ شروع کر دی۔ کہتے ہیں کہ وہ سب مارے گئے۔ سوائے راول تپائی اور دونگرسی اس کے وزیر کے جو زخمی ہو گئے تھے سلطان کی خدمت میں لائے۔ سلطان نے اس کی قید نظام خان کے حوالہ کی۔ کہتے ہیں کہ اس مجلس میں ہر چند راول تپائی کو رسم تواضع برتنے اور آداب شاہی بجالانے کا حکم دیتے تھے وہ بجا نہ لاتا تھا۔ پانچ مہینوں کے بعد جب اس کے زخم بھر گئے تو اسے سلطان کی خدمت میں لائے۔ سلطان نے اسے اسلام لانے کی تجویز کی۔ اس نے قبول نہ کی۔ آخر کار علماء اور قاضیوں کے حکم سے اس کا سر کاٹ کر دار پر لٹکا دیا گیا۔ دونگرسی وزیر کو جب دار کے نیچے لائے تو اس نے پھرتی کر کے کسی کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور شمشن بن

---

[1] یہ مقام آج کل نعلچہ کہلاتا ہے۔ مترجم۔

[2] یہ مقام دراصل دوحد تھا۔ اورنگ زیب کی نال یہیں گڑی ہے۔ مترجم۔

کبیرے پر جو سلطان کے مقرب آدمیوں میں سے تھا ماری اور ایک ہی چوٹ میں اس کا کام تمام کر دیا۔ آخر کار اسے بھی جہنم پہنچا دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ راول تپائی کے پورے قبیلہ میں سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بچے تھے۔ جب انہیں سلطان کی خدمت میں لائے تو اس کی بیٹیوں کو حرم میں بھیج دیا اور اس کے بیٹے کو سیف الملک کا بیٹا بنا دیا۔ ملک کی تربیت کے حجرہ میں پروان چڑھا۔ آخر کار سلطان مظفر بن محمود (اللہ ان کی دلیلوں کو روشن کرے!) کے زمانہ میں نظام الملک کا خطاب پایا اور بڑے امیروں سے ہوگیا۔ مختصر یہ کہ قلعۂ چانپانیر کی فتح ۲رماہ ذی قعدہ ۸۸۹ھ میں واقع ہوئی چنانچہ (یہ تاریخ) کلمہ "اَلْفتح" سے نکلتے ہیں اور لفظ "ذی قعدہ" سے بھی۔

مختصر یہ کہ سلطان کو چانپانیر کی آب وہوا بہت اچھی لگی۔ اسے اپنا پایہ تخت بنالیا۔ اس وجہ سے ایک بڑا شہر آباد ہوگیا جس کا نام محمد آباد پڑ گیا۔ اس میں ایک عالی شان مسجد تعمیر کی اور ایک جہاں پناہ حصار بنایا۔ امیروں، وزیروں، سوداگروں اور بقالوں میں سے ہر ایک نے اپنے لیے اونچی اونچی عمارتیں بسائیں اور ۸۹۰ھ میں شہر کے اطراف میں جنت جیسے باغوں کی طرح ڈالی۔ تھوڑی ہی مدت میں شہر آباد نے ایسی زیب وزینت پائی کہ اہل گجرات نے احمد آباد کو فراموشی کے صفحہ پر لکھ دیا اور اس کی عدم نظیر پر اتفاق کیا۔ ایک شہر ہے اونچی اونچی عمارتوں سے معمور، فضا اس کی فرحت بخش ہے کدورتوں سے خالی۔ دنیا کے اکابر کا وطن اور خوبان جہاں کا مسکن ہے۔ باغ اس کے رنگ برنگ کے پھولوں اور طرح طرح کے میووں سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک آم ہے جس کے مور کی خوشبو سے موسیٰ یاد آتا ہے اور اس کے پھل کی خوشبو سے انبیا پر درود بھیجنا موزوں معلوم ہوتا ہے۔ مصری اپنی سنگدلی کے باوجود اس کی مٹھاس کے رشک سے پانی پانی ہے اور شکر اپنی شیرینی کی شہرت کے باوجود اس کی لذت کی حسرت میں بکھری ہوئی

لے الف : اس پر کہ محمد آباد کی طرح فرحت افزا جگہ گجرات میں موجود نہیں بلکہ روے زمین پر بھی نہ ہوگی۔

اور برباد ہے۔ انار کا دل اس کی وجہ سے لہولہان ہے اور انجیر کا جگر اس کی وجہ سے ریزہ ریزہ ہے۔ انگور کا دیدہ ڈبڈبایا ہوا اس کی وجہ سے ہے اور بادام کی آنکھ اس کی لطافت پر حیران و متحیر ہے۔ سیب خود اس کے چوگان کی گیند ہے اور بہی (امرود) اس کے غلاموں میں سے ایک۔ دوسرا نیشکر (گنا) ہے جو تمام شکروں کی ماں ہے اور طرح طرح کی مٹھائیاں پھل ہیں اس ذات عالی صفات کے۔ قامت اس کا شیرین حرکات شکرلب معشوقوں کے قد کی طرح اور اس کا ہر جوڑ نازنینوں کی کمر جیسا ہے۔ اس مطلب کی لذت صاحب ذوق ہی جانتا ہے۔ وہ ایک نازنین ہے کسب کا لباس پہنے ہوئے اور ایک طوطی ہے شیرین گفتار۔ دوسرا میوہ ہے انجیر دلپذیر جو حلاوت میں بے نظیر ہے۔ دوسرے میووں کے مقابلہ میں اس کی فضیلت کی یہ کامل دلیل ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کا محسن ہے۔ دوسرا میوہ ہے انگور کہ جس کا خوشہ پروین پُرنور ہے اور اس کا ہر دانہ ایک حباب ہے شراب طہور کا۔ چشم بد اس کے دیدار سے دور رہے کہ نادر ایام چیز ہے۔ اس کا جوش کھایا ہوا رس نمک کے ساتھ حلال اور بغیر نمک کے حرام[1] ہے۔ دوسرا میوہ انار ہے کہ ہر دانہ اس کا لعل آبدار ہے اور جنتی میووں کا ظاہر کرنے والا۔ دوسرا کیلہ کہ حلوائے بے دود[2] جسے آگ کا دھواں نہیں پہنچا ہے اور جو سونے کے ڈلے کی طرح فرحت بخش ہے۔ دوسرا انبرت[3] پھل ہے کہ جس اندرون آب حیات سے بھرا ہوا ہے اور بیرونی حصہ خضر عالی درجات کی طرح (سبز) دوسرا سدا پھل[4] جو سیب کا بھائی اور دکھاوے میں اس سے زیادہ خوشنما۔ دوسرا نارنگی جو سیرت میں انار کی ہمشیرہ اور صورت میں آگ کا کرہ۔ دوسرا میوہ کھرنی جو سونے

---

1. انگور کا جوش کھایا ہوا رس نمک ڈالنے سے سرکہ بن جاتا ہے اس لیے حلال ہے۔ اور بغیر نمک کے یہی رس شراب بن جاتا ہے جس کا بنانا بنوانا، لانا لے جانا، بیچنا بکوانا، پینا پلانا سب حرام و ممنوع ہے۔ مترجم۔
2. یعنی میٹھا پھل جو آفتاب کی گرمی سے پکے اور دھواں آگ کا اس کو نہ پہنچے۔ مترجم۔
3. 4. انبرت پھل اور سدا پھل نہ معلوم کون سے پھل ہیں۔ مترج
5. یعنی پیلا، زرد۔ زردی چہرہ علامت ہے رنج و غم کی۔ مترج۔

کی طرح غم زدہ ؂ اور لذت میں شیر وشکر کی طرح راحت افزا۔ دوسرا تاڑ جس کا قد آدم علیہ السلام کے قد کی طرح ہے اور اس کا شیرہ دنیا کے لوگوں کی ماں کے دودھ کی طرح۔ دوسرا تاڑ پھلی[1] جو بعینہٖ شربت دار فالودہ ہے۔ اگر اس کا شربت فالودہ پر مشتمل ہے تو یہ خود تاڑ کے رس پر۔ دوسرا ناریل کہ جس کا مغز، مغز کا حلوا ہے اور پانی اس کا لطافت وندرت میں کمال پر ہے۔ دوسرا کٹھل اور بڑہل اور کمرخ اور فالسہ اور پانی آملہ کہ ہر ایک کی ایک خاص لذت ہے جو دل میں روح اور جان میں راحت لاتی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ ہندوستان کے بعض خوش طبع لوگ لذت میں آم کو گنے پر ترجیح دیتے ہیں اور بعض اس کے برخلاف۔ اس باب میں ایک تطبیق راقم کی سست طبیعت میں وارد ہوئی کہ جس طرح ملائکہ کے خواص ان کے مرتبوں اور درجوں کے مطابق عام انسانوں سے فضیلت رکھتے ہیں اور انسانوں کے خواص تمام ملائکہ پر اسی طرح گنے کے خواص لذت میں عوام کے لیے آم پر فائق ہیں اور آم کے خواص گنے کی تمام قسموں پر۔ ایک صاحب ذوق نے سن کر کہا ”یہ بات میرے نزدیک ان دونوں سے زیادہ شیریں اور لذیذ ہے۔ دوسرے خوشبودار پھول مثلاً سرخ گلاب، سیوتی، چنبیلی، چنپہ، موگرہ، جائی، جوہی، باول سری، کرنی، کیتکی کہ ہر پھول عطر فروش کا صندوقچہ ہے اور جس کی ہر پتی تاتاری مشک کا نافہ۔ دوسرے رنگ رنگ کے پھول کہ جن کے دیکھنے سے دل کا زنگ دور ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھوں میں نور بڑھاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ میوہ دار درختوں اور عنبر آثار پھولوں کے علاوہ چانپانیر کے اطراف میں ایسا صندل زار تھا کہ اگر شہر والے اپنے مکانوں کی تعمیر میں لگاتے تو کافی ہوتا۔

سبحان اللہ! اب وہی چانپانیر شیر اور شیر ببر کا مقام ہے۔ اس کی عمارتیں فنا ہو گئیں اور وہاں کے رہنے والوں نے اپنی ہستی کا سامان بادفنا کے حوالے کر دیا۔ پانی اس کا زہر آب کی مانند ہے اور ہوا اس کی قوائے صحت کو آدمی کے وجود سے نکال دیتی ہے۔ گلزار کے

---

[1] گجرات میں تاڑ پھلی کو گلیلی کہتے ہیں۔ مترجم۔

ہر پودے کی جگہ کانٹے اُگے ہیں اور ہر باغ کی جگہ جنگل آگیا ہے۔ اُس صندل زار کا نہ نام ہے نہ نشان بلکہ آیت "ہر چیز فنا ہونے والی ہے" کا مظہر ہے۔ قادر مطلق جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ [بیت]

اگر ویسا ہے تو اس کے احسان کا منشور[1] ہے
اگر ایسا ہے تو اس کے فرمان کی توقیع[2] ہے

"اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ وہ جو کچھ کرے اس کا پوچھنے والا کوئی نہیں اور دوسرا کوئی جو کچھ کرے گا اللہ کے سامنے اس کی جواب وہی کرنی ہوگی۔" (سورۃ الانبیاء: ۲۳)۔

نقل ہے کہ ایک خراسانی آدمی نے سلطان سے عرض کیا کہ میں باغ لگانے اور عمارات بنانے میں مہارت رکھتا ہوں۔ اگر چہ مقرر ہو جائے تو میں ایسا باغ لگاؤں گا جو فیض آثار طبیعت میں انشراح پیدا کرے گا۔ سلطان نے فرمایا کہ شہر کے اطراف میں جو لائق جگہ دیکھو اختیار کرلو۔ اور سرکاری ملازمین کو حکم دیا کہ مطلوبہ سامان اس کو مہیا کریں۔ اس آدمی نے ایک خوشنما ترتیب کا باغ خوشنما حوضوں کے درمیان لگایا اور طرح طرح کے فوارے اور مصنوعی آبشاریں تعمیر کیں۔ چونکہ یہ صنعت پہلے گجرات میں معمول نہ تھی سلطان اس کی تفریح سے بہت خوش اور متعجب ہوا۔ اس کے معمار کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اس اثنا میں بلو[3] نامی ایک گجراتی الاصل سُتھار نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں بھی اس کے مقابل ایک باغ لگاؤں۔ سلطان نے فرمایا کہ اگر تو کرسکتا ہے تو کیوں نہیں؟ اس نے بھی چند روز میں سابق باغ سے بہتر باغ بنادیا۔ اسے دیکھ کر سلطان بہت ہی زیادہ محظوظ و مسرور ہوا اور پوچھا کہ گجرات والے ان صنعتوں کو نہیں جانتے تھے تو نے کہاں سے سیکھیں؟ اس نے کہا کہ جس وقت استاد نے تعمیر شروع کی اس فن کی تاریک باتوں کو اس طرح

---

[1] منشور یعنی شاہی فرمان جو رحم اور مہربانی کے مضامین پر مشتمل ہو۔ مترجم۔
[2] توقیع اس کے برخلاف ہے کہ اس کے مضمون میں قہر شامل ہوتا ہے۔ مترجم۔
[3] ز: بیلو نام، ج: بلو نام۔

چھپایا کہ اہل صنعت میں سے کسی کو بھی باغ کے پاس آنے نہ دیتا تھا۔ میں ایک نادان مزدور کی صورت میں گھس گیا۔ کچھ مشاہدہ سے اور کچھ قیاس سے یہ ہنر سمجھ گیا۔ سلطان خوش ہوا اور اس کی کوشش اور عقل پر آفرین کی اور بہت سا انعام خلعت خاص کے ساتھ عنایت کیا۔ ابھی تک اس باغ کے کچھ مقام بحال ہیں اور وہ باغ مشہور و معروف ہے۔ اہل گجرات کے نزدیک اس کا نام ہالول[1] ہے۔

حاصل کلام یہ کہ صنعتوں کی یہ تمام باریک باتیں اور عجیب عجیب حکمتیں کہ فی الحال گجرات میں رائج ہیں ان میں سے اکثر اس سلطان عالی شان کے زمانہ میں مختلف اقلیموں کے شہروں کے ہنرمندوں کی ایجاد کردہ ہیں۔ انسان کامل کی طرح گجرات ایک نسخۂ جامع آنحضرت کی تکمیل سے بنا اور اہل گجرات نے خوش طبعی اور لطافت میں فہم سلیم اور طبع مستقیم اس سلطان عالی شان کی سلطان کے زمانہ میں پیدا کی ورنہ اس سے پہلے اکثر نادان اور بیوقوف تھے۔ چنانچہ لشکریوں میں سے ایک آدمی جو سلطان سے تقرب کی نسبت رکھتا تھا وطن جانے کی رخصت لے کر گھر گیا۔ کچھ مدت وہاں رہا۔ جب سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک تحفہ پیش کیا اور وہ یہ تھا کہ موٹھ کی پھلیاں چن کر چند پٹاروں میں بھر کر ان کے اوپر سرخ کپڑا لپیٹ کر سلطان کی خدمت میں لایا۔ سلطان نے پوچھا یہ کیا چیز ہے۔ بولا موٹھ کی پھلیاں سلطان کے گھوڑوں کے لیے لایا ہوں۔ بہت ہی اچھی ہیں بڑے بڑے دانوں کی۔ سلطان مسکرایا۔ وہ آگے بڑھا اور بولا کہ میرے گاؤں میں ایک کولی عورت ہے جو ہر سال بیٹا جنتی ہے۔ ابھی ابھی اس کا شوہر مر گیا۔ اگر حکم ہو تو سلطان کے لیے لے آؤں تاکہ بہت سے شاہزادے وجود میں آئیں۔ سلطان ہنس پڑا۔ اسنے سوگند کھائی کہ سات سال کی مدت میں اس نے سات بیٹے جنے ہیں۔ اس میں کچھ غلط نہیں۔[2]

---

[1] ج: "ہالول نام.... گجرات میں" نہیں ہے۔

[2] الف: میں جھوٹ نہیں بولتا۔

مختصر یہ کہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے سلطان کے وجود کو لوگوں کی آسائش کے لیے پیدا کیا تھا اور سلطان کا زمانہ ایسا زمانہ تھا کہ کسی بھی فرد کو کسی بھی مرد سے دل پر بوجھ اور آزار نہ تھا۔ سب عیش وکامرانی میں بسر کرتے تھے۔

باوجود حضور بے پایان کے ظہور اور سرور فراوان کے حصول کے شرع محمدی کا رواج اور دین احمدی کی رونق صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ پر تھی کہ کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ شرع شریف کے راستے سے بال برابر بھی تجاوز کرے کیونکہ بادشاہ خود شرع شریف کی قیود کا پابند تھا اور اس کے تابعین بھی بمقتضاے ''لوگ بھی وہی دین پالتے ہیں جو بادشاہوں کا ہو'' عمل پیرا تھے۔

نقل ہے کہ ایک سنار ایک مرصع اور مکلف رباب بنا کر سلطان کی خدمت میں لا رہا تھا۔ راستے میں شریعت پناہ قاضی نجم الدین سے جو احمد آباد کے عظیم شہر کے منصب قضا پر فائز تھے مل گئے۔ جب قاضی کی نظر رباب پر پڑی تو پوچھا یہ کیا ہے اور کس کا ہے؟ ملازموں نے کہا کہ یہ سلطان کا رباب ہے۔ حکم دیا کہ لے آئیں۔ قاضی کے ملازم دوڑے اور لے آئے۔ قاضی نے لیا اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس کے زر و جواہر بھی بکھر کر خاک میں مل گئے۔ سنار سر پر خاک ڈال کر سلطان کے پاس فریاد کرتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ چند ماہ ہوتے ہیں کہ حکم کے مطابق میں نے اپنا وقت رباب کو جڑاؤ بنانے کی صنعت میں صرف کیا۔ آج کہ میں آپ کی خدمت میں لا رہا تھا قاضی نجم الدین نے میرے ہاتھ سے چھین کر ضائع اور نابود کر دیا۔ سلطان نے دم نہ مارا۔ اس کے بعد جب اٹھا اور خلوت میں بیٹھا تو کہا ''نیچی بیری سب کوئی جھورے[1]'' یعنی بیر کا درخت جو نیچا

---

[1] اس کہاوت میں لفظ جھوری کا معنی جھورنا ہے۔ ممکن ہے یہ لفظ جھوری کے بجائے جھوری ہو۔ یہ مصدر عموماً کسی پھل دار درخت کی ڈال پکڑ کر ہلانے اور پھل گرانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ خاص طور پر بیر کے درخت کو کہ پھل اس کے ہلانے سے نیچے گرتے ہیں۔ یہ مصدر مدھیہ پردیش میں خاص طور پر دیہاتوں میں عام طور سے مستعمل ہے۔ معارف کے سابق مدیر اور نہایت اہم کتابوں کے مصنف سید صباح الدین عبد الرحمٰن مرحوم (خدا انہیں غریق رحمت کرے!) نے اپنی

ہوتا ہے ہر کسی کا ہاتھ اس تک پہنچ جاتا ہے۔ ''ہمیں امر معروف کرتے ہیں۔ رسول آباد جا کر میاں منجھلا یعنی شاہ عالم صاحب کو امر معروف کیوں نہیں کرتے کہ وہ ریشمی کپڑے پہنتے ہیں اور گانا سنتے ہیں۔'' یہ مقولہ قاضی صاحب کے کان میں پہنچا۔ قاضی نے فقہ کی کتابوں سے لباس حریر، گانا اور مزامیر کی حرمت کی روایات نکال کر کاغذ پر لکھیں اور وہ کاغذ اپنی پگڑی میں اس خیال سے رکھ لیا کہ میں یہ روایات ان کو جتلاؤں گا۔ وہ خود عالم ہیں۔ دیکھوں کیا جواب دیتے ہیں۔ جمعہ کے دن قاضی صاحب رسول آباد گئے کیونکہ جمعہ کے سوا حضرت سے ملاقات ممکن نہ تھی۔ چھ روز لوگوں سے گوشہ نشینی اختیار کر کے غیروں کی روک ٹوک کے بغیر اللہ کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔ جمعہ کے دن بحکم ''اللہ کی مخلوق پر پیار'' لوگوں کو ملنے کی اجازت دیتے تھے اور دین کے طالبوں اور راہ یقین کے مریدوں کے لیے تلقین وارشاد کا دروازہ کھولتے تھے اسی دن حاجتمند بھی اپنی اپنی حاجتوں کا اظہار کرتے اور آنحضرت کی توجہ سے دینی ودنیاوی مراد حاصل کرتے تھے۔ نماز عصر تک یہ معاملہ جاری رکھتے تھے۔ عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد آئندہ جمعہ تک کے لیے حجرۂ خلوت میں چلے جاتے تھے۔ اگر بادشاہ وقت بھی دربار میں آتا تو بار نہ پاتا تھا۔ مختصر یہ کہ جب قاضی صاحب دربار میں پہنچے تو حضرت نے بلایا۔ جب قاضی کی آنکھ آنحضرت کے چہرہ پر پڑی تو قاضی کا حال متغیر ہوا اور شدت تعصب کا شعلہ بجھ گیا۔ پورے ادب کے ساتھ قاضی جوتوں کی جگہ پر بیٹھ گئے۔ ایک ستار حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا اپنا کام کر رہا تھا۔ اتفاق سے اس دن حضرت سیاہ گلیم کا جبہ اور ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ پوچھا ''حضرت قاضی! یہ کیا کاغذ ہے جو آپ کی پگڑی میں ہے؟'' قاضی نے کہا ''کچھ روایتیں لکھی ہیں۔'' فرمایا ''کس بارے میں؟'' قاضی نے کاغذ نکال کر ان کے مبارک ہاتھوں میں دیا۔ جب کھولا تو بالکل سفید نکلا۔ فرمایا ''یہ کاغذ تو سفید (کورا) ہے۔'' قاضی نے تعجب ظاہر کرتے ہوئے

کتاب میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور چھوری کا مطلب چھوٹا سمجھا ہے۔ راقم نے انہیں بذریعہ خط اس کے صحیح معنی سے آگاہ کیا تھا۔ مترجم۔

پھر پگڑی میں ہاتھ ڈالا۔ ہر چند ڈھونڈا نہ ملا۔ متحیر و متاثر ہوئے۔ ایک لکڑی گھر کے آنگن میں پڑی ہوئی تھی۔ آنحضرت کی نظر کیمیا اثر اس پر پڑی۔ خالص سونا بن گئی۔ فرمایا "قاضی! آپ کے بچے زیادہ ہیں۔ یہ اٹھا لیجیے کہ آپ کے بچوں کے کام آئے۔" قاضی نے کہا کہ حضرت، مجھے سونے کی حاجت نہیں۔ میری حاجت حصول مولیٰ ہے۔ اس شعر کا مضمون زبان سے ادا کیا۔ [بیت]

وہ جو خاک کو اپنی نظر سے کیمیا بنا دیتے ہیں
کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ایک نظر ہم پر بھی ڈالیں!

فرمایا کہ قاضی! ہمارے گھر میں گانا ہے، مزامیر ہے، ریشمی لباس ہے، جو کوئی یہ سب قبول کرے ہماری صحبت میں بیٹھے۔ نہیں سنا کہ کہا گیا ہے ؎

کہ صحبت کا اثر نہیں ہوتا جب تک مشرب موافق نہ ہوں!

قاضی بولے "سب قبول ہے اور میں نے جو کچھ کیا اس سے شرمندہ ہوں۔" حضرت شاہ عالم پناہ اٹھے۔ ایک رسّی جو ستار کے پاس پڑی ہوئی تھی کمر[1] پر باندھ لی اور ایک لکڑی خنجر کی جگہ اس میں اڑس کر مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ جیسے ہی قدم گھر سے باہر نکالا وہ رسّی حاضرین کی نظر میں ایک مرصع کمر بند نظر آنے لگی اور لکڑی کا وہ ٹکڑا چمکتا ہوا خنجر اور گلیم کا لباس اعلیٰ زربفت کا ریشمی لباس۔ حضرت شاہ نے قاضی سے کہا کہ قاضی آپ اور آپ کے بیٹے گواہ رہیں کہ منجھن کا لباس وہ ہے جو آپ نے دیکھا تھا۔ جب بھی حق تعالیٰ لوگوں کی نظر میں ایسا دکھائے تو منجھن درمیان میں نہیں۔ اس کے بعد نماز میں مشغول ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد قاضی نے دست بیعت آنحضرت کے دست ارادت میں دیا

---

[1] ج : اٹھا کر ہمیں دیجیے۔ قاضی نے دیا۔ انہوں نے لے کر اپنی کمر پر باندھ لیا اور ایک لکڑی خنجر کے بجائے درمیان میں اڑس لی اور ایک سیاہ گلیم جو پرانی ہونے کی وجہ سے ایسی پھٹ گئی تھی کہ اس کی ہر جانب سے ریشے نمایاں تھے۔ قاضی سے کہا کہ وہ پرانی گلیم ہمارے پاس لائیے۔ جب لائے تو اپنے شریف کندھے پر ڈالی وضو کیا اور مسجد کی طرف چل پڑے تاکہ نماز جمعہ ادا کریں۔

اور رفتہ رفتہ آنحضرت کے مقبول ومنظور اصحاب میں سے ہو گئے اور شرف خلافت بھی پایا۔

تاریخ شمع جلالی کے مؤلف کہ سیادت کی ان کی طرف بازگشت ہے اور تقویٰ ان کی طرف رجوع ہوتا ہے سید محمود بخاری (اللہ تعالیٰ انہیں زندہ سلامت رکھے!) سے نقل ہے کہ شریعت کے حامی اور بدعت کے مٹانے والے نواب مستطاب خان اعظم جو مرزا کوکہ کے لقب سے مشہور تھے (اللہ ان کی لمبی عمر سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے!) کے زمانۂ حکومت میں حضرت شاہ عالم قدس سرہٗ کے عرس کے دن ایک محتسب بڑی شان سے حضرت شاہ کے پاک مقبرہ کے حرم میں داخل ہوا۔ ایک مسافر سازندہ مسجد کے صحن میں بیٹھ کر بین بجا رہا تھا۔ خود بین محتسب نے غصہ کے ساتھ اس غریب کی بین چھین کر ٹکڑے ٹکڑے کر دی اور چند دُرّے سے اس دردمند قوال کی پیٹھ اور کندھوں پر لگائے۔ ایک شور بلند ہوا۔ محتسب خانقاہ کی طرف جہاں قوالوں کا مجمع اور صوفیوں کا اجتماع تھا چلا۔ مجلس میں داخل ہوتے ہی محتسب کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ چنانچہ دُرّہ ہاتھ سے گر پڑا اور وہ وجد میں آ گیا۔ کچھ مدت تک ناچتا رہا۔ پھر گر پڑا اور بیہوش ہو گیا۔ حضرت کے خوارق اتنے نہیں ہیں کہ تحریر میں آئیں۔ یہاں فی الجملہ ایک تقریب سے مختصر لکھا گیا۔

مختصر یہ کہ ۸۹۱ھ میں شہر محمود آباد[1] کو محافظ خان کے حوالے کر کے سلطان مصطفیٰ آباد کی طرف روانہ ہوا اور کچھ عرصہ تک وہاں کی مہمات پوری کر کے محمود آباد[2] واپس آیا۔

۸۹۲ھ میں پھر مصطفیٰ آباد کی طرف روانہ ہوا۔ جب قصبہ ڈھنڈوکہ جو ولایت گجرات اور سورٹھ کی سرحد پر واقع ہے پہنچا تو ولایت سورٹھ مع قلعۂ جوناگڈھ شہزادہ خلیل خان کو تفویض کر کے محمد آباد[3] کی طرف مراجعت کی۔

۱، ۲: یہاں شہر کے نام ہی کچھ غلطی ہوئی ہے۔ یہ اغلباً محمد آباد ہے، محمود آباد نہیں کیونکہ سورٹھ سے جو مراجعت ہوتی ہے وہ بھی اسی شہر کی طرف ہوتی ہے حالانکہ نسخہ ج میں اسے احمد آباد کہا گیا ہے۔ مترجم۔

۳: ج: احمد آباد

اسی سال سوداگروں کی ایک جماعت نے استغاثہ کیا کہ ہم چار سو عراقی وترکی گھوڑے ولایت عراق وخراسان سے مع ہندوستانی مویشیوں کے اس نیت سے لارہے تھے کہ سرکار سلطانی میں فروخت کریں گے۔ جب ہم کوہ آبو کے نیچے پہنچے تو سروہی کے راجہ نے ہم سے سب چھین لیے یہاں تک کہ پرانے کپڑے بھی ہمارے بدن پر نہ چھوڑے۔ اس ظلم کی فریاد ہم سوائے دین پناہ بادشاہ کی درگاہ کے اور کہاں لے جائیں۔ خدا کے لیے ہماری داد کو پہنچیے۔ سلطان نے گھوڑوں اور مال کی قیمت ان سے لکھی ہوئی مانگی۔ پیش کی گئی۔ حکم دیا کہ یہ رقم خزانہ سے سوداگروں کو دی جائے۔ ہم راجہ سروہی سے وصول کر سکتے ہیں۔ نقدی لاکر سلطان کے سامنے گن کر سوداگروں کو دے دی گئی۔ سلطان نے کوچ کا نقارہ بجوایا اور سروہی کی طرف لشکر کشی کی اور ایک تہدیدی فرمان راجہ سروہی کو اس مضمون کا بھیجا کہ فرمان وصول ہوتے ہی گھوڑے ار جو مال سوداگروں سے چھینا ہے درگاہ کے ملازموں کو پہنچادے ورنہ افواج سلطانی کے جھنڈوں کو پیچھے پیچھے پہنچا ہوا جانے۔ اس رمان عالی شان کے مضمون کی اطلاع پاتے ہی سروہی کے راجہ نے گھوڑے اور مال بجنسہٖ ایک لائق نذرانہ کے ساتھ سلطان کی خدمت میں بھیج دیے اور پوری عاجزی سے معافی مانگی۔ سلطان لوٹ کر محمد آباد آگیا۔

اس کے بعد چار سال تک محمد آباد میں عیش وفراغت میں گذارے مگر موسم گرما میں جب خربوزے پکتے ہیں محمد آباد سے احمد آباد تشریف لے آیا۔ دو تین ماہ احمد آباد میں ناز ونعمت میں بسر کیے اور پھر محمد آباد آگیا۔

۸۹۶ھ میں اس نے یہ خبر سنی کہ خواجہ محمود کو جن کا لقب خواجہ جہان تھا اور جو ایک بینظیر وزیر تھے بادشاہ دکھن سلطان محمد لشکری نے قتل کردیا۔ اس سبب سے بہادر گیلانی جو خواجہ کی نعمت کا پروردہ تھا بندرگاہ دابھول میں باغی ہوگیا۔ اس اثنا میں محمد لشکری بھی فوت ہوگیا اور اس کا لڑکا سلطان محمود بہمنی تخت پر بیٹھا ہے اور کم سن ہے۔ دکھن کے اکثر امیروں نے لاپروائی سے کام لے کر بغاوت کا راستہ اختیار کیا ہے اور دکھن کی مہمات کے انتظام

میں خلل نے راہ پائی ہے۔ اس فرصت میں بہادر گیلانی دکھن کے بعض شہروں کو اپنے تصرف میں لاکر اور بہت سے جہاز فراہم کر کے گجرات کی بندرگاہوں کے دریائی راستے میں قزاقی کر رہا ہے۔ اس کے ڈر سے کوئی کشتی گجرات کی بندرگاہوں میں سے کسی بھی بندرگاہ میں آمد و رفت نہیں رکھتی۔

گجرات کی بندرگاہوں کے راستے میں لوٹ مار کرنے کا سبب یہ تھا کہ خواجہ جہاں کے قتل کے بعد دکھن کا ملک التجار دکھن سے بھاگ کر کھمبایت کی بندرگاہ آیا اور بہادر نے دابھول سے اس کی بیٹی کی خواستگاری کے لیے ایک آدمی اس کے پاس بھیجا۔ اس اثنا میں ملک التجار فوت ہوگیا۔ محمد خیاط نے جو اس کا وکیل تھا بہادر کا پیغام رد کر دیا اور بہادر کو برا بھلا کہا کہ غلام بلی کو اس کی کیا قدرت کہ ملک التجار کی بیٹی کی خواستگاری کرے۔ جب اس کا قاصد واپس ہوا اور صورت حال بیان کی تو اس نے وہاں سے چند فدائی بھیجے جنہوں نے محمد خیاط کو چوری سے مار ڈالا۔ آخرکار اہل کھمبایت کی حمایت سے وہ لڑکی بہادر کو نہ پہنچی[1]۔ اس بدبخت نے ایک گوشہ میں بیٹھ کر گجرات کی بندرگاہوں میں قزاقی شروع کردی۔ کہتے ہیں کہ چند سال تک کوئی کشتی کسی بھی بندرگاہ پر نہ آتی نہ وہاں سے جاتی تھی۔ اور دریائی مال (یعنی درآمد کا مال) گجرات میں ایسا نایاب ہوگیا کہ لوگ پان میں بجائے سپاری کے دھنیے کھاتے تھے۔

القصہ سلطان اس واقعہ کے ہونے سے متاثر ہوا۔ اس نے ملک سارنگ قوام الملک کو ایک کثیر لشکر اور کوہ شکن ہاتھیوں کے ساتھ خشکی کے راستے سے دابھول پر متعین کیا اور تین کشتیوں میں مسلح مردان جنگی کو توپ و تفنگ کے ساتھ مکمل کر کے دریا کے راستہ سے بھیجا۔ جب لشکر خشکی کے راستہ سے کاسی اور بیسی[2] کہ گجرات اور دکھن کی سرحد پر واقع ہے

---

[1] ج: پہنچی

[2] بسی سے مراد بسین ہے جسے عام طور پر بسائی کہا جاتا ہے۔ پہلے یہاں بھی ایک قلعہ مشہور تھا۔ اور دابھول سے مراد غالباً ڈسن ہے۔ ۱۹۵۰ء میں میں نے یہ نام (دابھول) وہاں لکھا دیکھا تھا۔ مترجم۔

پہنچا تو سلطان محمود بہمنی کے وکیلوں نے سوچا کہ سلطان محمود گجراتی ہمارے بادشاہوں کا ولی نعمت ہے۔ بار بار اس نے ہماری مدد کی ہے اور منڈو کے سلطان محمود خلجی کی لڑائی سے خلاصی بخشی۔ نعمت کے حقوق اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ اس سے پہلے کہ سلطان کا لشکر بہادر کے سر پر پہنچے ہم پیش دستی کرکے بہادر کا سر پہنچانے کے لیے کافی ہوں۔ مبادا ایک بیگانہ لشکر ہماری ولایت میں آئے اور اس سے فتنہ پیدا ہو اور نہ جانے کیا نتیجہ نکلے۔ بہتر یہ ہے کہ بہادر کے شر کو کافی ہونے کا ہم ذمہ لیں اور اس فتنہ کو دفع کریں۔ انہوں نے ایک عریضہ سلطان محمود کو اس مضمون کا ارسال کیا کہ دکھن کا تمام لشکر آنحضرت کا مخلص ہے۔ حکم ہو کہ فوج سلطانی اپنی جگہ پر رہے۔ بہادر کی تنبیہ کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ اگر اس خدمت کی تقدیم میں ہم سے کوئی تقصیر ہو تو پھر اس وقت آپ کو اختیار باقی ہے۔ اس کے بعد دکھن کا سارا لشکر جمع ہو کر بہادر کے در پر پہنچا۔ بہادر باہر نکل کر جنگ کرنے لگا۔ اس کے لشکر نے شکست کھائی اور بہادر زندہ ہاتھ آیا۔ اس کا سر تن سے جدا کرکے سلطان محمود بہمنی کے سامنے لائے۔ سلطان نے یہ واقعہ سلطان محمود کو لکھا۔ سلطان نے اپنی فوج واپس بلالی۔

اس کے بعد ۸۹۹ھ میں قصبہ موراسہ کی طرف اس لیے فوج کشی کی کہ سلطان کے مولا زادہ الپ خان نے جو موراسہ کا حاکم تھا بغاوت کی تھی۔ سلطان کی پیشقدمی کے نقارہ کی آواز سن کر وہ بھاگ کر شہر میمون عرف کارنتھ جو قصبہ لوناواڑہ کے پہاڑی علاقہ کے قریب واقع ہے چلا گیا اور وہاں سے سلطان غیاث الدین خلجی کے پاس مانڈو چلا گیا۔ سلطان غیاث الدین نے اس عمل کے سبب جو اس کے والد علاء الدین بن سہراب سے سرزد ہوا تھا جیسا کہ اوپر ذکر گذرا اسے پناہ نہ دی۔ وہ وہاں سے سلطانپور آیا۔ آخرکار سلطان نے اس کا گناہ معاف کردیا اور ۹۰۱ھ میں وہ ملازمت میں شامل ہوگیا۔[1]

اس کے بعد ۹۰۲ھ میں آسیر کی طرف لشکر کشی کی اس واسطے کہ آسیر اور برہانپور کے حاکم عادل خان فاروقی نے عادت کے مطابق نذرانہ بھیجنا چھوڑ دیا تھا۔ جب سلطان

---

[1] الف: "اس کے بعد ۹۰۱ھ میں..... جڑ گیا اور اس کے بعد" نہیں ہے۔

تاپتی ندی کے کنارے پہنچا عادل خان نے نذرانہ بھیجا اور معافی مانگی۔ وہاں[1] سے لوٹ کر سلطان نے لشکر نندربار کے راستے بھیج دیا اور خود ایک لشکر کے ساتھ قلعہ بھانیر اور قلعہ دیرمال[2] جو ملک عیسن نے فتح کیے تھے کی سیر کے لیے گیا۔ وہاں سے لوٹ کر نندربار آیا اور لشکر سے مل گیا اور وہاں سے محمد آباد تشریف لایا۔

اس کے بعد ۹۰۶ھ میں سمع مبارک میں یہ خبر پہنچی کہ سلطان ناصر الدین بن سلطان غیاث الدین اپنے والد کو ہلاک کر کے تخت نشین ہو گیا ہے۔ سلطان نے چاہا کہ منڈو کی طرف فوج کشی کرے۔ آخر کار جب سلطان ناصر الدین نے بہت نرمی برتی تو سلطان نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا۔

سات سال تک کسی بھی طرف سواری نہ کی۔ اس کے بعد ۹۱۳ھ میں موضع جاول[3] کی طرف لشکر کشی کی اور وہاں سے فرنگیوں کے خلل کے سبب خطہ بسئی اور خطہ مہائم کی طرف روانہ ہوا۔ جب خطہ دَوَن[4] پہنچا تو خبر آئی کہ سلطان کا غلام ملک ایاز جو دیو کا حاکم تھا لشکر روم کے ساتھ مل کر دس رومی جہاز اپنے ہمراہ لے کر جیول کی بندرگاہ کی طرف گیا اور مفسد فرنگیوں کے ساتھ جنگ کی۔ بہت سے فرنگیوں کو قتل کیا اور ان کا ایک بڑا جہاز جس میں بہت مال تھا توپ کی ایک ضرب سے غرق کر دیا۔ ملک کی طرف سے چار سو آدمی رومی وغیرہ شہید ہوئے اور ملک مظفر و منصور ہو کر دیو واپس آیا۔ سلطان بہت خوش ہوا۔ ملک ایاز پر نوازش کی، خلعت بھیجا اور لوٹ کر بسئی آیا۔ وہاں چھ دن رکا۔ ۱۱ محرم ۹۱۳ھ کو اپنی راجدھانی واپس آ گیا۔

اس کے بعد عالم خان بن احسن خان جو سلطان کی بیٹیوں میں سے ایک کا نواسہ

---

[1] ج: "وہاں سے لوٹ کر۔۔۔سیر کے لیے گیا" نہیں ہے۔

[2] الف: "قلعہ دیرمال۔۔۔اور وہاں سے" نہیں ہے۔

[3] الف: جیول ہے ز: جلول

[4] غالباً بعد میں یہ لفظ دَوَن "ڈمن" بن گیا۔ مترجم۔

تھا اور جس کے باپ دادا آسیر اور برہانپور کے حاکم تھے اپنی والدہ سے کہا تو اس نے سلطان سے عرض کیا کہ عادل خان بن مبارک سات سال ہوئے کہ فوت ہوگیا اور دنیا سے لاولد گیا۔ امراء ملک راجا الملقب بہ عادل خان کی اولاد کی خانہ زادوں (غلاموں) میں سے ایک کو بادشاہ بنا کر ملک کے تصرف میں تغلب کر رہے ہیں۔ اگر سلطان مجھے خاک سے اٹھا کر میرے باپ دادا کی مسند تک پہنچادے تو شیوۂ ذرّہ پروری اور بندہ نوازی سے جو اس سلسلۂ عالیہ کا خاصہ ہے بعید نہ ہوگا۔ جب عالم خان ابن احسن خان کی والدہ نے یہ التماس عرض کی بلندی پر پہنچایا تو سلطان نے قبول کیا اور ماہ رجب سنہ مذکور میں آسیر عالم خان کو سونپ دیا اور خود نندربار کے راستہ سے روانہ ہوا۔ ماہ رمضان[1] زبدا ندی کے کنارے موضع سیلی[2] میں گذرا اور شہزادہ خلیل خان کو بڑودہ کے خطہ سے بلا کر اپنے ہمراہ لیا۔

جب خطہ نندربار میں پہنچا تو ملک حسام الدین مغل نے کہ آدھی ولایت برہان پور کی اس کے تصرف میں تھی اس سے پہلے عالم خان کے ساتھ خفیہ مراسلت اس مضمون کی کی تھی کہ اگر حضرت سلطان کے حکم اور اعانت سے تم اس طرف توجہ کرو تو تمہارے بزرگوں کی مسند تمہارے قدموں کی عزت سے آراستہ ہوجائے گی۔ بندہ یہ خدمت پیش کرنے میں دل وجان سے کوشش کر کے اس مہم کو کامیابی تک پہنچائے گا۔ جب اس نے دیکھا کہ سلطان محمود خود اس مہم کی طرف متوجہ ہے تو وہ اپنی قرارداد سے پھر گیا اور احمد نگر کے حاکم نظام شاہ بحری سے مل کر اس سے کمک مانگی۔ عالم خان[3] نے خان زادہ کو برہانپور میں تخت پر بٹھایا اور ملک لادن[4] خلجی کہ آدھی ولایت برہانپور اس کے تصرف میں

---

[1] الف : آب مندری

[2] ز : سلی

[3] ز : الف خان

[4] ج : دادن خلجی

تھی حسام الدین سے مخالفت ہونے کے سبب احتراز کر کے خود کوہ آسیر کے دامن میں چلا گیا۔ مختصر یہ کہ جب سلطان قلعہ تھالنیر کے مقام پر پہنچا تو نظام الملک چار ہزار سوار اپنے لشکر سے منتخب کر کے حسام الدین کی کمک کے لیے برہانپور میں چھوڑ گیا۔ اور خود اپنی راجدھانی میں چلا گیا۔

تھالنیر میں سلطان کو کوئی علالت لاحق ہوئی اس لیے چند روز مقام مذکور میں توقف کیا۔ یہ دو شعر سید آصف خان جو جودت طبع اور حدت فہم میں یگانۂ روزگار تھے کے قصیدہ کے ہیں جو انہوں نے خواجہ خسرو علیہ الرحمۃ والغفران کے قصیدہ بحرالابرار کے تتبع میں لکھا تھا۔ [قطعہ]

اگر فقیر ہر شخص کے دروازہ پر جاتا ہے تو وہ کتا ہے

اور اگر کوئی تونگر فقیروں سے منہ پھیرتا ہے تو وہ گدھا ہے

جز واں برائی بدبختی اور بدبخت کی طرح ہوتی ہے

اور نیک زاد عبیر اور عنبر کے مشابہ ہوتا ہے

انہیں نندربار اور سلطان پور کے گورنر عزیز الملک کے ہمراہ حسام الدین پر متعین کیا تاکہ اسے ولایت سے خارج کریں اور لادن خلجی کا حوصلہ بڑھا کر اسے اس کی جگہ پر نصب کریں جب سید قصبہ راتویر[1] جو برہانپور کے دیہاتوں میں سے ہے پہنچے تو نظام الملک بحری کی فوج عالم خان[2] خانزادہ کے ساتھ بھاگ کر دکھن کی طرف چلی گئی اور حسام الدین مقابلہ چھوڑ کر دوسرے راستے سے قصبہ تھالنیر آیا اور سلطان کی پابوسی سے مشرف ہوا۔ ملک لادن خلجی نے بھی آکر چوکھٹ کو بوسہ دیا۔

عید الضحیٰ کے بعد عالم خان بن احسن خان کو عادل خان کا خطاب دے کر ہاتھیوں کے چار سلسلے اور تیس لاکھ ٹنکے انعام فرما کر آسیر اور برہانپور کی حکومت پر متعین کیا

---

1. موجودہ نام راویر ہے۔ مترجم۔
2. الف: "عالم خان خانزادہ کے ساتھ" نہیں ہے۔

اور ملک لادن کو خان جہان کے خطاب سے سرفراز فرما کر موضع بیاس جو سلطان پور اور نندربار کے دیہاتوں میں سے ہے بطور انعام دیا کہ دراصل مذکور گاؤں ملک کی جائے پیدائش تھا اور عالم خان کے ہمراہ نامزد کردیا۔ ملک حسام الدین کی خان جہان کے ساتھ صلح کروا کے اس کے ہمراہ کیا۔ عماد الملک آسیری کے بیٹے ملک باکھا کو غازی خان کا خطاب اور ملک شاہ عالم کو جو تھالنیر کا تھانیدار تھا قطب خان[1] کا خطاب مرحمت ہوا۔ اس کے بھائی ملک یوسف کو سیف خان کا خطاب عنایت ہوا۔ اور ملک لادن کے پہلے بیٹے کا لقب مجاہد خان رکھا۔ اور ان تمام امیروں کو ملک نصرت الملک اور مجاہد الملک گجراتی کے ساتھ عادل خان کے ہمراہ متعین کیا۔ عادل خان خوشدلی اور آزاد خاطری کے ساتھ بڑے کروفر سے آسیر کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان اپنی راجدھانی کی طرف لوٹا۔ ملک حسام الدین دو منزل تک رکاب سلطانی کے ساتھ آیا پھر وہاں سے وداع پائی۔ رخصت کے وقت موضع دنہورہ[2] جو سرکار[3] سلطانپور اور نندربار میں تھے اس کے لیے بطور انعام مقرر فرمایا۔

مختصر یہ کہ جب محمد آباد تشریف لایا شاہزادے خلیل خان کو وداع کیا کہ قصبہ بڑودہ کو اپنی قرارگاہ بنائے اور سکندر خان اور لطیف خان بن خلیل خان کو ہمراہ بھیجا اور اس کے چھوٹے بھائی بہادر خان کو اپنے پاس حفاظت سے رکھا اور پدرانہ مہربانی اور جدّی شفقت اس پر ظاہر کرتا اور بارہا کہتا کہ میرا یہ بیٹا بڑا بادشاہ ہوگا۔ نقل ہے کہ ایک دن بہادر خان کو اپنے زانو پر بٹھا کر مہربانی کا اظہار کرتے ہوئے بولا "بہادر خان! میں نے درگاہ الٰہی سے بادشاہی تیرے نام پر مانگی اور وہ دعا قبول ہوئی۔" اس کے بعد ماہ ذی الحجہ ۹۱۶ھ میں پٹن کی طرف روانہ ہوا۔ یہ سواری سلطان کی آخری سواری تھی۔ اس لیے اکابرین اور علماء مثلاً مولینا معین الدین گازرونی اور مولینا تاج الدین سیتوئی وغیرہ سے ملاقات کی اور

---

[1] ز : فتح خان

[2] ز : دنہتورہ

[3] الف : اعمال میں سے

کہا کہ میں اس مرتبہ آپ لوگوں سے وداع ہونے آیا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میری عمر کا پیانہ لبریز ہو چکا ہے۔ سب نے دعائے خیر کی۔ سلطان نے پٹن کے تمام پیروں کے مقبروں کی زیارت کی۔ چوتھے روز پٹن سے احمد آباد روانہ ہوا۔ جب سرکھیج پہنچا تو صدیقوں کے چاند اور عارفوں کے برہان حضرت شیخ احمد کھٹو کی زیارت کی۔ سلطان نے اپنا مقبرہ حضرت شیخ کے مقبرہ کے پایان بنایا تھا۔ وہاں گیا اور عبرت کی نظر سے دیکھا اور بولا کہ "یہ محمود کا آگے کا گھر ہے۔ عنقریب وہ یہاں آئے گا۔"

اس کے بعد احمد آباد آیا اور بیمار ہو گیا۔ بیماری تین ماہ تک چلتی رہی۔ شہزادہ خلیل خان کو بڑودہ سے طلب کیا اور اپنی سفر آخرت کی اسے خبر دی اور پدرانہ نصیحتیں کیں۔ اتفاق سے اس حال میں صحت ہوگئی۔ خلیل خان کو وداع کر دیا لیکن بیماری سے ہونے والی کمزوری[1] اور بڑھاپے کی کمزوری کے جمع ہونے سے معدہ بہت ضعیف ہو گیا تھا۔ تین ماہ کے بعد علالت پھر عود کر آئی۔ حکم کیا اور خلیل خان کو طلب فرمایا۔ اس سے پہلے کہ شاہزادہ پہنچے نماز عصر کے وقت پیر کے دن رمضان کے ماہ مبارک ۹۱۷ھ میں اس عالم فانی سے مقام جاودانی کی طرف کوچ کیا۔ اس کے مبارک تابوت کو سرکھیج لے گئے اور مذکورہ حظیرہ میں سپرد خاک کر دیا۔ اللہ کی رحمت ہو اس پر! اس کی سلطنت کی مدت ۵۴ سال ایک ماہ تھی اور عمر شریف سڑسٹھ سال (۶۷) تین ماہ۔

سلطان[2] حضرت شیخ رحمۃ اللہ بن شیخ عزیز اللہ المتوکل کا جو شیخ پورہ، احمد آباد میں آسودۂ خاک ہیں اور یہ محلہ انہی کا بسایا ہوا ہے مرید تھا۔ مقامات ان کے بہت بلند و بزرگ تھے۔

نقل ہے کہ شاہزادگی کے زمانہ میں تین نفر سلطان کے مصاحب اور ندیم تھے ایک دریا خان جو بانی ہیں ایک بڑے گنبد کے جو قطب کی سمت احمد آباد کی شہر پناہ میں واقع

---

[1] الف: "بیماری سے ہونے والی کمزوری" نہیں ہے۔

[2] الف، ج: "سلطان..... بزرگ تھے" نہیں ہے۔

ہے اور وہ ایسا اونچا ہے کہ ولایت[1] گجرات میں اس کے طول وعرض کا کوئی دوسرا گنبد اینٹ کا نہیں بنا۔ دوسرا الف خان بھوکا ہی کہ قصبہ دھولقہ کے حوالی میں قلعہ کے قبلہ میں ایک مسجد عالی بنائی ہوئی اسی کی ہے۔ خشکی اور تری کے مسافر اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی ملک میں اینٹ سے ایسی مسجد عالی تعمیر نہیں ہوئی۔ دوسرا ملک محمد اختیار۔ جب سلطان تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے ہر ایک کو پنج ہزاری کا منصب عطا کیا اور خان کا خطاب دیا۔ لیکن ملک[2] نے خطاب اختیار نہ کیا اور کہا کہ میرا نام محمد ہے۔ کون سا خطاب اس نام سے بہتر رکھا گیا ہوگا لیکن عطا کیے ہوئے منصب کے فرمان کو ہر ایک نے قبول کیا اور تصرف میں لایا۔

ایک مدت اسی طور سے گذری۔ ایک دن ملک محمد پالکی میں سوار متی[3] پور جو احمد آباد کے شہر معظم کا ایک محلہ ہے گذارا۔ شاخوں اور پتوں سے لدے ہوئے املی کے درخت کے سایہ میں جو راستے ہی میں واقع تھا کھڑا ہوگیا۔ ہوا میں گرمی تھی۔ ٹھنڈا سایہ ملا تو آرام کیا اور کچھ دیر ٹھہرا۔ دیکھا کہ سایہ کے کونہ میں ملاّ کی مسجد ہے اور وہ وہاں بیٹھے ہوئے بچوں کو پڑھانے میں مشغول ہیں۔ یہ ملاّ جن کا نام شیخ کبیر ہے سلطان[4] التارکین شیخ حمید الدین ناگوری کے پوتوں میں سے ہیں۔ ایک شاہباز ہیں بلند پرواز اور ایک ہما ہیں مسکین نواز۔ ان کا سایہ تنگ دستوں کو سلطنت بخشنے والا اور ہمسایہ اس کا بادشاہ ہے جو فقیر کی صورت میں ہے۔ اپنی بلندی[5] کے سورج کو عوام کے طرز کی پگڑی میں چھپا رکھا ہے اور سعادت کے بیج کو گمنامی کی زمین میں بوتے ہیں۔ کچھ دیر تک اس سائے میں سو گئے۔ ظہر کی نماز کے وقت اٹھے، وضو کیا اور ملاّ (صاحب) کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ نماز

---

[1] ج: "ولایت گجرات میں... مسجد عالی" نہیں ہے۔

[2] الف: لیکن ملک محمد اختیار نے خطاب اختیار نہ کیا۔

[3] ز: متھاپور

[4] ز: سلطان العارفین۔

[5] ب: رفعت کے بجائے "طلعت" ہے۔

سے فارغ ہونے کے بعد ملاّ (صاحب) نے ایک نگاہ کرم ملک پر ڈالی اور ملک کے باطن کو اپنی طرف جذب کیا۔ ملک کو وہ وقت بہت ہی اچھا محسوس ہوا اور اس وقت کی لذت سے وہ بے ہوش ہو گئے۔ ہوش میں آنے کے بعد اپنے گھر گئے۔ اگرچہ گھر میں ناز ونعمت کی چیزیں مہیا تھیں لیکن شیخ کے جذب نے ان کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ علی الصباح اس سائے اور ہمسائے کی طرف روانہ ہوئے۔ جب ملاّ صاحب کی خدمت میں پہنچے تو ادب سے دوزانو ہو کر چند ساعت خاموش بیٹھے، پھر اٹھے اور اپنے گھر گئے۔ جب کچھ دن اس ڈھنگ سے گذرے تو ایک دن ملاّ صاحب نے خلوت میں کہا کہ تم دنیادار ہو۔ یہاں تم کس مطلب سے تشریف لاتے ہو اور اپنے اہم کاموں کو بیکار چھوڑ دیتے ہو۔ اگر خدا پرستی کا ارادہ ہے تو اپنا ہاتھ ماسوا سے اٹھا لو اور خود کو پوری طرح خدا کے سپرد کر دو ورنہ تکلیف اٹھاؤ کہ اس تن آسانی کے ساتھ کام میسر نہیں ہوتا۔ ملک نے کہا کہ آج فرصت چاہتا ہوں تاکہ اپنے دل سے مشورہ کرلوں۔ دیکھوں کہ کون سا امر قبول کرتا ہے اور کس چیز سے احتراز کرتا ہے۔ ملاّ صاحب نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ ملک گھر آئے۔ آمدنی کا حساب رکھنے والے افسروں کو بلایا۔ ملازموں کی طلب اور ان کے تقاضوں کو شمار کر کے ان میں اضافہ کر کے اس نیت سے انہیں پہنچایا گیا کہ گذران کرنے کی فکروں کے زمانہ میں اشیائے ضروری کے سبب تنگی نہ اٹھائیں۔ اس کے بعد اپنی خریدی ہوئی لونڈیوں کو بلایا اور کہا کہ جس نے آزادی کی خواہش رکھی ہوا سے میں نے آزاد کیا اور جو کوئی شوہر چاہتی ہے اسے شوہر کو دوں گا۔ جس نے جو کوئی مدعا طلب کیا اس کے مطابق عمل کیا۔ ملک یہ کام خدا کے لیے کر رہے ہیں لیکن کسی سے اپنے مدعا کا اظہار نہیں کرتے۔

مختصر یہ کہ اس کے بعد کہا جو کچھ میری سرکار میں ہے گھوڑے ہاتھی نقد جنس سب لکھ کر لائیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے بعد وہ سلطان کی خدمت میں گئے۔ اموال کی تفصیل اور خود کی مملوکہ چیزوں کا تذکرہ مع جاگیر کے فرمان کے سلطان کو پیش کیا کہ سلطان کے نصیب سے دنیا کی کوئی ہوس وآرزو مجھے نہیں رہی۔ اب میں نے ہوس وآرزو

پوری کرنے کے اسباب چھوڑ دیے۔ یہ جاگیر کا فرمان اور نقد وجنس کا تذکرہ جو دولتِ
سلطان سے میری ملکیت سے متعلق ہے جس کو چاہیں پہنچادیں۔ سلطان سمجھا کہ کسی سے
تیرے بارے میں کوئی ناسزا بات ہوئی ہو تو میں اسے سزا دوں گا۔ کہا کہ میری عمر ہو گئی کہ
میں سلطان کی خدمت میں قیام کر رہا ہوں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ کسی ایسے کی خدمت
کروں کہ جس نے مخدومی کی کلاہ سلطان کے سر پر رکھی اور کمر خدمت ہمیں دیا۔ یہ کہا،
کھڑے ہو گئے اور اپنے گھر آ گئے۔ سلطان نے دریاخان اور الغ خان کو جو سلطان کے
محب ومخلص تھے طلب کیا اور جو کچھ ملک سے سنا تھا دہرایا۔ دونوں تحریریں دکھلائیں۔
انہوں نے دوست کی تعریف اور نیک کوشی[1] کی رو سے کہا، شاید وہ دیوانہ ہو گیا ہے کہ ایسی
بات کرتا ہے۔ یہ کاغذ ہمیں عنایت ہوں کہ ہم جا کر اسے سمجھائیں۔ سلطان نے دونوں
کاغذ ان کو دے دیے۔ وہ ملک کے گھر آئے۔ ملک سمجھ گیا کہ ان کا مقصد کیا ہے۔ کہلوایا
کہ کچھ دیر توقف فرمائیں کہ میں آتا ہوں۔ آراستہ کرنے والے ملازم کو بلایا اور تلوار ہاتھ
میں لی اور کہا کہ اگر میرا حکم بجالانے میں دیر کرے گا تو میں تجھے ہلاک کردوں گا۔ آ، اور
میرا سر مونڈ دے۔ آراستہ کرنے والے نے سر مونڈ دیا۔ اس کے بعد ڈاڑھی، مونچھ اور
بھنوؤں کا کہا تو اس نے مونڈ دیں۔ اس نیت سے کہ ان چیزوں نے حرام ومشتبہ غذاؤں کی
قوت سے نشوونما پائی ہے اس لیے متاعِ دنیوی کے وداع کے ساتھ اس جنس کا وداع بھی
اولیٰ ہے۔ اس کے بعد اپنی منکوحہ کو بلایا اور کہا کہ جو کچھ تمہاری ملکیت میں ہے بحال ہے۔
وہ اتنی مقدار میں ہے کہ بقیہ عمر کی معاش کے لیے کفایت کر سکتی ہے۔ میں نے تم کو
رخصت کیا۔ ماں باپ کے گھر چلی جاؤ اور اگر تم نے شوہر کی خواہش رکھی ہو تو تمہارا اختیار
باقی ہے۔ ہم نے خدائے تعالیٰ کی راہ میں تمام تعلقات اور موانعات کو ترک کر دیا۔ اس
پردہ نشین عصمت مآب خاتون نے کہا، "اگر اس راہ پر چلنے میں میری جدائی کی شرط ہے تو
پھر کیا کہوں ورنہ جس راستے پر آپ قدم رکھ رہے ہیں اس میں مجھے اپنے سایہ میں سمجھئے

---

[1] الف : نیک اندیشی

سایہ کی طرح ہم ہمراہ ہیں جدھر بھی چلو

کیا یہ روا ہے کہ دولت فانی کے زمانے میں مجھے یار جانی کہیں اور دولت جاودانی کے وقت مجھ سے جدائی مانگیں۔ کہا کہ اگر میری رفاقت کرنا چاہتی ہو تو میری موافقت دکھلاؤ اور زر وزیور کی قید سے باہر آجاؤ۔ عفت مآب بیوی نے جو کچھ سونا اور زیور پاس تھا لا کر حاضر کردیا۔ ملک نے کہا کہ اپنے ہاتھ سے ہر طرف پھینک دو اور دل کو ان کے تعلقات سے خالی کرلو۔ ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد کہا اپنا لباس اس لونڈی کے لباس سے بدل لو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اپنی پردہ نشین بیوی کا ہاتھ پکڑا، دن دہاڑے گھر سے باہر نکلے اور بے تکلفی سے دریا خان اور الغ خان کی مجلس کے سامنے سے گذر کر شیخ کے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ دوست یہ حال دیکھ کر حیران رہ گئے اور تحیر کی انگلی تاسف کے دانتوں میں دبا کر اٹھے اور صورت واقعہ سلطان سے عرض کی اور کہا افسوس اسے کوئی آسیب ہوگیا جس نے اسے دیوانہ کردیا۔

مختصر یہ کہ ملک اس حال میں شیخ کی خدمت میں آئے۔ شیخ نے کہا۔ [بیت]

اچھے آئے اور تمہارا آنا مجھے اچھا لگا

ہزار گرمی جانیں تمہارے ہر قدم پر فدا ہوں!

شیخ اٹھے۔ ملک کی بیوی کو کہا "میری بہن! گھر میں اپنی بہنوں کے پاس جاؤ"۔ شیخ ملک کی بیوی کو اپنے عیال کے پاس لے گئے اور کہا "تم جانتی ہو کہ یہ کون ہیں؟ یہ ہمارے زمانہ کے ابراہیم ادہم کی بیوی ہیں! ان کی صحبت کو غنیمت جاننا اور ان کی خدمت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑنا۔" اس کے بعد شیخ نے ملک کی ہدایت کی طرف توجہ کی۔ طریقت میں قدم رکھ کر مَلِک سلوک کی داد دینے لگے۔

نقل ہے کہ ہر روز شیخ کے لیے پانی کی صراحی سابھر ندی سے بھر کر اپنے سر پہ رکھ کر تر پولیہ بازار کے میدان سے گذر کر لاتے تھے۔ اس راستہ کا فاصلہ شاید ایک کوس ہوگا اور لوگ ان کے اس عمل کو دیوانگی اور بیوقوفی پر محمول کرتے تھے لیکن وہ اس سے برا نہیں

مانتے تھے اور پنی سعادت سمجھتے تھے۔ ایک دن سلطان شکار سے لوٹ کر شہر میں آرہا تھا اور ملک پانی کا برتن سر پر رکھے تیزی سے جارہے تھے۔ دور سے سلطان کی نظر ملک پر پڑی۔ پہچان لیا اور کہا ''دریا خان! ملک محمد کو دیکھتے ہو؟'' کہا ''جی ہاں!'' کہا ''خوب ترقی کی ہے اگر راہ سلوک ایسی فرومائیگی کی مقتضی ہے تو عجیب حال ہے!'' دریا خان نے عرض کیا کہ میں اس آدمی کے کام کے اشتیاق سے ایسا سمجھتا ہوں کہ عنقریب لوگ اپنے سر اس کے قدموں کی خاک پر رکھیں گے اور وہ کسی کے سامنے سر نہیں جھکائے گا۔ مختصر یہ کہ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد اقبال کی نسیم چلی اور مراد کا پھول ان کی امیدوں کے باغ میں کھلا۔ ایک عالم ان کے حال پر فریفتہ ہوگیا اور دنیا ان کے کمال کی شیفتہ ہوگئی۔ اس طرح پر ہزاروں لوگ ان کی پابوسی کی امید میں ان کے دروازہ پر جمع ہوکر انتظار کا ہاتھ آرزو کے دروازہ کی کنڈی پر مارتے تھے اور امید کی بساط پر قدم رکھ کر ان کی خاک راہ سے سرفرازی ڈھونڈتے تھے۔ نقل ہے کہ ایک دن شیخ نے فرمایا کہ ایک دنیا دار کو ہدایت کرنے سے میرا راز لوگوں کے سامنے آگیا ورنہ گمنامی کے گوشہ میں شہرت محیط ہونے کے دائرہ سے باہر تھا۔ فرصت کو غنیمت سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ اسے مرتبۂ کمال کو پہنچاؤں اور ہستی کے بند سے چھڑادوں۔ اس نے خود بیچ مقام ہی میں اپنی جگہ بنالی اور کام کی انتہا کو ترک کردیا۔ ملک اس سرزنش کے وارد ہونے سے شرمندہ ہوگئے اور متاثر ہوئے۔ اپنے اشتہار کی نسبتوں کے نفی کرنے اور بازار شہرت کے توڑنے پر کمر باندھی اور ایک ایسا پیشہ اختیار کیا کہ خلق نے اپنا سر پکڑلیا اور وہ یہ تھا کہ اگر کوئی امیر زادہ اچھے گھوڑے پر سوار ہوکر ان کی خدمت میں آتا تو ملک اس سے پوچھتے کہ یہ تمہارا گھوڑا ہے۔ وہ کہتا کہ ہاں تو کہتے کہ میری خاطر سے یہ گھوڑا قوالوں کو دے دو۔ تو وہ بیچارہ دے دیتا لیکن دوسری بار اس کا دل ملک سے ملاقات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اسی طرح تلوار یا جامہ لوگوں سے طلب کرتے اور مسکینوں کو دے دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ لوگ نفرت کرنے لگے اس درجہ تک کہ جس راستے سے ملک گذرتے تو لوگ ان سے احتراز کرتے تھے اس لیے کہ ابھی ہم سے کوئی چیز لے

لیں گے اور کسی دوسرے کو دے دیں گے۔ اس طرح کوئی ملک کے پاس نہیں آتا تھا۔ تھوڑی ہی مدت میں لوگوں کے رجوع کا ہنگامہ ختم ہوگیا اور زیارت کے بازار کی گرمی ٹھنڈی پڑگئی۔ ملک کا کام روز بروز بلند ہونے لگا چنانچہ درگاہ رب غفار سے ملک محمد اختیار کے لقب سے شہرت پائی اور[1] ماسوئی سے بالکل اپنا منہ موڑلیا۔ یا پاک پروردگار! ملک محمد اختیار کی دعا اور دیندار پاک لوگوں کی برکت سے اس گنہگار خاکسار اور دنیا کے تمام بیقرار لوگوں کو گمراہی کی تنگی سے نکال اور ہدایت کی وسعت کی راہ پر لے آ۔ اس طرح بیہودہ اور بیکار مت چھوڑ، بحق سید مختار وآلہ الاخیار واصحابہ الابرار![2]

نقل ہے کہ محبوب حضرت باری شاہ عالم بخاری قدس سرہ کے محبوب مریدوں میں سے ایک نے اعتقاد کی وجہ سے ملک محمد اختیار کے ساتھ رہنا اختیار کیا۔ ایک دن ایک آدمی نے حضرت شاہ سے اظہار کیا کہ حضرت کا فلاں مرید ملک محمد اختیار کے ساتھ رہنا اختیار کرکے اجتہاد کے طریقہ پر چلتا ہے اور اپنا مقصود ان سے مانگتا ہے۔ حضرت شاہ نے فرمایا۔ کچھ باک نہیں۔

جس کسی کا دو عالم میں بخت یار ہوتا ہے
وہی محمد کی خدمت اختیار کرتا ہے

نقل ہے کہ ایک دن اتفاق سے حضرت شاہ کی ملاقات ملک سے راستے میں ہوگئی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے خرقہ طلب کیا۔ ملک نے کہا "عطا تو شاہوں کی طرف سے ہوتی ہے۔" حضرت نے فرمایا "مَلِک بھی انہی میں سے ہے"۔ آخرکار حضرت نے ملک کو اپنا پیراہن دیا اور ملک نے اپنی ٹوپی حضرت شاہ کے قدموں میں رکھ دی۔

سلطان کے دوسرے دیندار اور ولایت شعار امراء میں ایک داور الملک ہیں۔ ان کا اسم شریف عبداللطیف ہے۔ ملک محمود قریشی الاصل کے بیٹے ہیں دنیاوی تجمل کے

---

[1] الف : ماسوئی اللہ

[2] ج : اللہ ملک الجبار کی طرف سے صلوٰۃ وسلام ہوں ان پر!

باوجود ان کی ساری ہمت شریف صلاح وورع میں مصروف تھی۔ کہتے ہیں کہ تقرب سلطانی کا اختصاص پانے کے بعد انہیں داور الملک کا خطاب عطا ہوا اور سپاہ اور ان کے متعلقین کی ان کے دروازہ پر بھیڑ رہنے لگی۔ تو انہوں نے اپنے ہمسایوں کو اعلان کیا کہ ہم اپنے مکانات بیچ رہے ہیں تم خریدنا چاہو تو خرید لو۔ وہ تعجب کرنے لگے اور بولے کہ وقت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آپ خود اپنے مکانوں کی مرمت کروائیں چہ جائیکہ خود اپنے مکان ہی بیچ ڈالیں۔ ملک اس محلہ سے نقل مکان کر کے شہر کے باہر رہنے لگے اور اپنے لیے مکانات تعمیر کروالیے۔ اس واسطے کہ میرے گھر کے دروازہ پر بہت لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور ہاتھی گھوڑے بھی بہت آتے جاتے رہتے ہیں۔ مبادا یہ بات ہمسایہ کی گرانی خاطر کا موجب اور ان کی دل آزاری کا باعث ہو۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنی جاگیر سے شرع شریف کے احکام کے مطابق حاصل بازیافت جتلاتے تھے اور اس سے تجاوز نہ کرتے تھے۔ اگر حکومت بادشاہی کے ارکان انہیں کوئی ویران جاگیر دیتے تو رعایا بے طلب وتسلی ان مقامات پر آکر آباد ہو جاتی تھی۔ اتفاقاً ان کی جاگیر بہت زیادہ آباد ہو گئی تھی۔ سلطان کے داماد نے اس کی لالچ کی اور سلطان سے عرض کیا کہ ملک کی جاگیر مجھے عنایت ہو جائے۔ ملک[1] کو خود جہاں کہیں دیں گے آباد ہو جائے گی۔[2] سلطان نے قبول نہ کیا۔[3] خدا سے بے خبر اس (داماد) نے اپنے لشکریوں میں سے چند کو اس بات پر مقرر کیا کہ ملک کو ہلاک کرنے کا قصد کریں (چنانچہ) ایک رات ان گمراہوں نے فرصت پا کر ملک کا قصد کیا۔ حق تعالیٰ نے محافظت کی۔ ان کی تلواروں کے زخم کارگر نہ ہوئے۔ انہیں پکڑ لیا گیا۔ ملک نے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے اس بات پر آمادہ کیا۔ بولے ہماری بالغ لڑکیاں ہیں اور ہم ان کی شادی کے سامان پر قادر نہ تھے۔ سلطان کے داماد نے ہم سے تھوڑی نقدی کے وعدہ پر اس

---

[1] ج: ہر جاگیر۔
[2] ج: سلطان نے کہا کہ کئی مرتبہ ایسا ہو چکا ہے اب تبدیل کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔
[3] ج: ”سلطان نے قبول نہیں کیا“ نہیں ہے۔

امر کا ارتکاب کروایا۔ فرمایا سچ کہتے ہو۔ احتیاج واقعی ایسی ہی چیز ہے کہ محتاج آدمی نہ کیے جانے والے کاموں کے کرنے پر اقدام کرتا ہے۔ پھر حکم دیا تو کچھ ان کی ضروریات تھیں مہیا کر دی گئیں۔

نقل[ع] ہے کہ ایک دن قصبہ آبرون سے کچھ کے کفار پر رن کے پانی سے جو دریائے شور کی طرح ہے گذر کر یلغار کی تھی۔ تین دن کے بعد لوٹ کر آباد زمین پر آ کر ایک درخت کے نیچے تھوڑی دیر خواب استراحت میں مشغول رہے۔ جب جاگے تو دیکھا کہ سپاہیوں نے اپنے گھوڑے قریب کے کھیتوں میں چھوڑ دیے ہیں اور چر رہے ہیں۔ فرمایا کہ "یارو! تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ دوسروں کی ملکیت میں تصرف کرتے ہو؟" انہوں نے کہا کہ صاحب! آج تیسرا دن ہے کہ گھوڑوں اور آدمیوں نے کھانے کی کوئی چیز نہیں دیکھی ہے، ہم خدا کے ڈر سے تحمل کر سکتے ہیں حیوان میں یہ سمجھ کہاں؟ فرمایا اگر تمہارا تحمل

ع الف : کچھ زمانہ گذرنے کے بعد ملک کو آبرون کے تھانہ پر جو ولایت کچھ کی سرحد پر ہے سرکار جھالاواڑ کے مضافات میں سے قصبہ موربی سے دس کوس کے فاصلہ پر، بھیج دیا۔ یہ مقام کفر کی کان اور سرکشی کی معدن ہے۔ ان حدود میں قدم رنجہ فرمانے کے بعد وہ اکثر اوقات اس دیار کے نواح کے کفار سے جہاد کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ ایک دن مضافات کچھ جو کچھ کے راجہ کی راجدھانی ہے کے کفار پر یلغار کی تھی دریائے شور کے پانی سے گذر کر۔

ز : ایک دن کچھ جو کچھ کے راجہ کی جگہ ہے کے مضافات کے کفار پر یلغار کی تھی رن کے پانی سے جو دریائے شور سے آتا ہے گذر کر۔ تین دن کے بعد لوٹ کر آباد زمین میں آئے اور ایک درخت کے نیچے اترے اور کچھ دیر آرام سے سوئے۔ جب جاگے تو دیکھا کہ سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کو قریب کے کھیتوں میں چرنے کے لیے چھوڑا ہے۔ فرمایا "یارو! تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرتے ہو۔ وہ بولے صاحب! تین دن ہوتے ہیں کہ گھوڑوں اور انسانوں نے کوئی کھانے کی چیز نہیں دیکھی ہے۔ ہم تو خدا کے ڈر سے تحمل کر سکتے ہیں لیکن حیوانات میں یہ شعور کہاں؟ فرمایا کہ اگر تمہارا تحمل محض رضائے خدا کے لیے ہے تو تمہارے گھوڑے بھی تمہاری موافقت کریں گے۔ اپنے گھوڑے کی لگام کھول کر کھیت کے قریب لے گئے اور چھوڑ دیا۔ گھوڑے نے لگام سے آگے قدم نہیں رکھا اور اپنا سر پیچھے موڑ کر کھڑا ہو گیا۔

محض خدا کے واسطے ہو تو تمہارے گھوڑے بھی تمہاری موافقت کریں گے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کے سر سے لگام کھولی اور ایک کھیت کے قریب لے جا کر چھوڑ دیا۔ گھوڑے نے اس جگہ سے قدم آگے نہیں بڑھایا اور اپنا سر پیچھے موڑ کر کھڑا ہو گیا۔

ملک کو نسبت ارادت محبوب باری شاہ عالم بخاری[1] بن قطب اقطاب سید برہان الدین بن سید محمود بن قطب جہاں مخدوم جہانیان (اللہ ان کی ارواح کو پاک کرے!) کے حضور میں تھی اور وہ آنحضرت کی دستگیری سے مرتبۂ پیری کو پہنچے ہیں۔[2] کہتے ہیں ایک دن حضرت شاہ وضو کر رہے تھے اور ملک ان کے مبارک ہاتھوں پر پانی ڈال رہے تھے کہ یہ خدمت ان کے لیے مخصوص تھی۔ اس اثنا میں دکھن کے شاہزادہ کو جو مشہور مرض برص میں مبتلا تھا اس کے وکیل حضرت کی خدمت میں لا کر شفا کی استدعا کر رہے تھے اور وہ بار بار منت وسماجت کر رہے تھے۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد بقیہ پانی میں سے چند قطرے شہزادہ پر ڈال دیے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس کا مرض صحت سے بدل گیا۔ پھر فرمایا کہ چونکہ لوگ اپنی بہت سی حاجتیں حضرت خواجہ معین الدین کی خدمت میں عرض کرتے تھے اس لیے وہ سالار مسعود غازی کے حوالہ کر کے خود فارغ ہو گئے تھے۔ مجھے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔ ملک کے دل میں یہ اندیشہ آیا کہ اس زمانہ میں سالار مسعود کے مثل کا ظہور تو بہت بڑی بات ہے۔ آنحضرت کو ملک کے اس خطرہ کا کشف ہوا۔ فرمایا تعجب کیا ہے؟ حق تعالیٰ یہ مرتبہ تمہیں بخشے گا۔ یہ جو واقعہ ہے کہ لوگ دور دراز سے پورے اعتقاد کے ساتھ ملک کی زیارت کو آتے ہیں، خاص طور پر اہل دکھن، اور اپنی مراد کو پا کر لوٹتے ہیں اسی واقعہ کے سبب سے ہے۔

مختصر یہ کہ مذکورہ اجازت کے وارد ہونے کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں ملک کو ایدر کے تھانہ پر جو ولایت کچھ کی سرحد میں ہے، موربی سے جو سرکار سورٹھ کے دیہاتوں

---

[1] الف: "بن قطب اقطاب..... سید محمود" نہیں ہے۔

[2] الف: "کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت..... جہاد میں مصروف رہے" نہیں ہے۔

میں سے ہے دس کوس کے فاصلہ پر، بھیجا گیا اور وہ مقام کفر کی کان اور سرکشی کا معدن ہے۔ اس مقام پر قدم رنجہ فرمانے کے بعد وہ دن رات اس دیار کے نواح کے کفار کے ساتھ جہاد میں مصروف رہے۔ آخرکار ان حدود کے کفار ان کے حکم کے تابع ہوئے یہاں تک کہ قصبہ آنبرون کے گراسیے بھی آکر حاضری دیتے اور ہمیشہ خدمت کرنے کا قرار کرتے تھے۔ ان میں سے ایک نے جو شیطنیت پیشہ اور شریر تھا ملک سے کہا کہ میرے فلاں رشتہ دار گراسیہ کے پاس ایک عدیم المثل اور بے نظیر تلوار ہے۔ جب کبھی وہ آئے اس کے ہاتھ سے لے کر غلاف سے نکال کر دیکھیے کہ دیکھنے کے لائق ہے۔ اور اس گراسی سے اس نے کہا کہ ملک نے یہ قرار دیا ہے کہ تجھے دغا سے مار ڈالیں۔ اگر باور نہ ہو تو اس بات سے معلوم کرلے کہ جب تلوار تیرے ہاتھ سے لے کر غلاف سے نکالیں گے تو یہ اشارہ تیرے قتل تک جائے گا۔ اس نے اپنے متعلقین سے کہا کہ جب ملک تلوار ہمارے ہاتھ سے لے اس سے پہلے کہ غلاف سے نکالے تم لوگ پیشدستی کر کے ملک کو مار ڈالنا۔ جب وہ گراسیہ مجلس میں حاضر ہوا، اس حال سے خالی الذہن ملک نے تلوار اس کے ہاتھ سے لی اور قبضہ پر ہاتھ ڈالا۔ اس اثنا میں اس کے ہمراہیوں نے ملک کو شہید کردیا۔ اُس وقت سے اب تک لوگ ان کے مشہد مطہر کی زیارت کے لیے اطراف سے، کیا دور سے اور کیا نزدیک سے، آتے ہیں اور اپنا مقصد حاصل کر کے لوٹتے ہیں۔ قدس اللہ سرہ العزیز!۔

[بیت]

وہ جو تیری راہ میں شہید ہوتے ہیں

اپنے مارے جانے کو بادشاہت سمجھتے ہیں

ان[1] کی شہادت کی تاریخ لفظ ''ذی القعد'' سے نکلتی ہے کہ ۹۱۵ھ ہوتا ہے۔ اور ان کی شہادت شریف بھی ۱۳؍ماہ ذی القعدہ میں واقع ہوئی ہے۔[2] سلطان کے بڑے

---

[1] ج: ''ان کی شہادت کی تاریخ.....۱۳؍ماہ ذی القعدہ'' نہیں ہے۔

[2] الف: شہادت کے بعد ملک سے خوارق عادات بے شمار ظاہر ہوئے اور ہوتے ہیں۔ چنانچہ

امیروں میں سے ایک ملک ایاز تھا۔ اگرچہ زرخرید غلام تھا لیکن قیمت میں ایک اقلیم کی حکومت کے برابر تھا۔ اس کا سامان عجیب تھا۔ کہتے ہیں کہ شاگرد پیشہ کے علاوہ ایک ہزار نفرسقے اس کی سرکار میں پانی بھرتے تھے۔ انہوں نے چمڑے کا ایک حوض بنایا تھا جو لشکر کشی کے ایام میں وہ بھر دیتے تھے۔ اہل لشکر اسی سے پانی لے جاتے اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ بھی اسی سے پانی پیتے تھے۔ ملک نے گجرات میں بڑے کارنامے چھوڑے ہیں چنانچہ دیو کا قلعہ اسی نے بنایا تھا کہ اس وقت فرنگیوں نے اسے ویران کر دیا ہے۔ اس نے ایک دوسرا قلعہ بھی بنایا ہے جس کا ایک برج دریا کے بیچ سے نکالا ہے۔ نام اس کا سانکل کوٹ ہے اور ساحل تک ایک زنجیر باندھی ہے تاکہ فرنگی جہاز اس راستے سے پار نہ جاسکیں۔ ابھی تک یہ عمارت موجود ہے۔ سلطان بہادر کی شہادت کے بعد سلطان محمود شہید [1] کے زمانہ میں وہ قلعہ، شہر اور بندرگاہ فرنگیوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ اور جزیرہ دیو میں باغات اسی کے بنائے ہوئے ہیں۔ دریا کی دو شاخیں جو جزیرہ دیو کی دو جانب سے نکلی ہیں شمال

ہزاروں لوگ کیا دور سے اور کیا نزدیک سے زیارت کے لیے آتے ہیں اور ہر ایک کسی حاجت کا محتاج ہوتا ہے۔ بعض اندھے ہیں لنگڑے اور مفلوج ہیں۔ بعض زن و فرزند کے طالب ہیں اور بعض طالب زر۔ بعض نے اپنے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہیں اور بعض لوہے کا تالا اپنے منہ پر لگا کر اپنے گھر سے نکلے ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ جب ہماری حاجت کی عرض درجۂ قبول کو پہنچے گی تو بیڑی اور تالا خود بخود کھل جائیں گے۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ بیڑی ناگہاں خود بخود کھل جاتی ہے اور تالا بھی ایک دم کھل جاتا ہے۔ اس سے وہ اپنے حصول مقصد کی دلیل پکڑ کر واپس ہو جاتے ہیں۔ اور ہر فرد کو خواب میں اس کی حاجت کا جواب ملتا ہے۔ بعض کو جلد اور بعض کو دیر میں اور بعض تو ابھی مرقد مبارک پر پہنچے بھی نہیں ہوتے کہ ان کو وداع کا حکم ہو جاتا ہے۔ بعض جو طالب زر ہوتے ہیں انہیں خواب میں حکم ہوتا ہے کہ جا! فلاں شخص سے جو فلاں جگہ رہتا ہے اس مقدار میں روپیہ پیسہ لے لے اور اس شخص کو بھی خواب میں اتنا پیسہ دینے کا حکم ہوتا ہے اور وہ شخص اپنی جان پر احسان سمجھ کر ادا کر دیتا ہے۔ تاریخ شہادت سے آج تک یعنی ایک ہزار بیس سنہ ہجری تک ایک سو پانچ سال گذر چکے ہیں کہ یہ معاملہ خلق خدا کے ساتھ جاری ہے۔

[1] الف، ز: اس کا برادر زادہ جس کا نام

کی طرف ایک دوسرے کو کاٹتی ہیں۔ ان پر ایک پتھر کا پل ہے۔ یہ بھی اسی کا بنایا ہوا ہے کہ ابھی فرنگیوں نے اسے ویران کر دیا ہے۔ چنانچہ جزیرۂ مذکور کے نقشہ سے جو ثبت کیا گیا اس کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ ملِک کے زمانہ حکومت میں اہل فرنگ کو یہ قدرت نہ تھی کہ گجرات کی بندرگاہوں میں دخل کر سکیں۔ اب انہوں نے اس قدر قدرت حاصل کر لی ہے کہ گجرات کی کسی بھی بندرگاہ سے کوئی کشتی فرنگیوں کی اجازت کے بغیر سفر نہیں کر سکتی۔ سوائے بندرگاہ سورت و[1] رانیر کے اور یہ وہاں کے گماشتوں کی جرأت و مردانگی کی وجہ سے ہے۔

نقل ہے کہ کھانا کھانے کے وقت ملک کا حکم تھا کہ کرنا بجائیں اور دربان اپنی جگہوں سے اٹھ جاتے تھے تاکہ جس کسی کو کھانے کی خواہش ہو وہ دسترخوان پر حاضر ہو جائے اور کھائے صدر سے لے کر پائین مجلس تک ایک جیسا کھانا چنا جاتا تھا اور ملک ہر وقت دسترخوان پر دائیں بائیں نظر ڈالتا تھا۔ افسوس دسترخوان لگانے والے کی جان پر اگر کھانا چننے میں ذرا بھی فرق دیکھ لیتا تھا۔ کھانے کی ہر قسم کیا تو اہل عجم کے کھانے کیا اہل ہند کے اور کیا اہل روم (ترکی) کے، جو بہشت کے کھانوں کی یاد دلاتے تھے دسترخوان پر حاضر کیے جاتے تھے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بچا ہوا کھانا ہر ایک کے خادموں کو بھیجا جاتا تھا اس احتیاط کے ساتھ کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔ اس کے بعد پان اور عطریات لاتے تھے۔ کھانا کھانے کا یہ طرز مستقل تھا۔

نقل ہے کہ ملک کا پورا لشکر زربفت اور مخمل کے کپڑے پہنتا تھا یہاں تک کہ حلال خور بھی بانات کا چکن[2] پہنتا تھا۔ سونے چاندی کی زنجیریں اور سامان لباس، تلوار، ترکش، خنجر تمام سپاہیوں کے پاس ہوتے تھے۔[3]

---

1. موجودہ نام راندیر ہے جو اب سورت کی میونسپل حدود میں داخل ہے۔ مترجم۔
2. وہ کپڑا جس پر ریشم، سوت یا چاندی کے تاروں کا کام بنا ہو۔ مترجم۔
3. ج: "نقل ہے کہ ملک کا پورا لشکر۔۔۔ سپاہیوں کے پاس ہوتے تھے" نہیں ہے۔

نقل ہے کہ سلطان مظفر بن محمود کی سلطنت کے زمانہ میں رانا سانگا تقریباً ایک لاکھ سوار جمع کر کے گجرات کی سرحد میں احمد نگر سے جو ایڈر سے دس کوس پر واقع ہے سات کوس پر پہنچا۔ سلطان مظفر کا لشکر ولایت میں منتشر تھا اس لیے جمع ہونے میں[1] دیر لگی۔ اس صوبہ کے حاکم سرحد نظام خان بھٹی[2] نے چار ہزار سواروں کے ساتھ نکل کر جنگ کی۔ رانا کی اکثر فوجوں کو شکست دی۔ آخر کار ان میں سے اس کے تین ہزار ساتھی شہید ہو گئے اور وہ خود تھوڑے آدمیوں کے ساتھ زخمی ہوا۔ رانا کے بھی تقریباً سات ہزار سوار قتل ہوئے۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی تو ملک ایاز کو سورٹھ سے بلایا۔ ملک یلغار کرتا ہوا آیا۔ سلطان نے ملک کو چند امیروں کے ساتھ رانا پر متعین کیا۔ رانا بغیر لڑے واپس ہو گیا۔ ملک نے اس کا پیچھا کیا۔ کہتے ہیں کہ اس متواتر کوچ اور جنگ کی تشویش کے وقت میں امرائے نامدار ہر روز کھانے کے وقت ملک کے دسترخوان پر حاضر ہوتے تھے اور جو حاضر نہ ہوتے ان کا کھانا انہیں بھیج دیا جاتا تھا۔ بعض امیروں کو جو خود کو ملک کا ہمسر سمجھتے تھے انہیں یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ انہوں نے آدمیوں سے کہا کہ چینی کے طباق واپس نہ کرو تاکہ پھر ہمارے لیے کھانا نہ لائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ خوانچہ بنانے والے تین دن تک چینی کے خوانچے مانگتے رہے۔ جب نہ ملے تو باورچی خانہ کے داروغہ کے پاس جا کر ملک کو عرض پہنچائی کہ چینی کے خوانچے امیروں کے ڈیروں میں پہنچائے جاتے ہیں وہ واپس نہیں آتے۔ فرمایا۔ کوئی باک نہیں۔ تم ہر روز جس دستور سے بھیجتے تھے اسی طرح بھیجتے رہو۔ کہتے ہیں کہ ایک ماہ تک اسی طرح کھانا بھیجتے رہے اور خوانچے طلب نہیں کیے۔ ایک ماہ کے بعد امیروں نے ملک کی ہمت اور سامان پر آفرین کی اور خوانچے واپس بھیج کر ملک کی فضیلت کا اعتراف کیا۔

1۔ الف: رانا احمد نگر پر حملہ کر کے اپنی ولایت چلا گیا۔
2۔ الف: "نظام خان بھٹیک ... یہ خبر سلطان کو پہنچی" نہیں ہے۔

مختصر[1] یہ کہ ملک نے مدہ دسور[2] تک رانا کا پیچھا کیا۔ رات کو اس کے راجپوتوں نے ملک کے لشکر پر شبخون مارا۔ بہت سے گھوڑوں کو ہلاک کر کے چلے گئے۔ ملک نے اسی وقت حکم دیا تو مقتول گھوڑوں کو دفن کر دیا گیا اور ان میں سے ہر گھوڑے کی جگہ اسی رنگ اور نشان کے گھوڑے ملک کے طویلہ سے لا کر باندھ دیے۔ سات لاغر اور بری طرح زخمی اور مرے ہوئے گھوڑوں کو ان کے حال پر رکھا۔ صبح رانا کے جاسوسوں نے آ کر گنے اور جا کر رانا سے کہا کہ ملک کے لشکر کے کل سات گھوڑے شبخون میں زخمی اور قتل ہوئے۔ رانا نے اپنے راجپوتوں پر نفرین کی اور کہا کہ تم نے نہیں کہا تھا کہ ہم بہت سے گھوڑے مار کر آئے ہیں۔ یہ خود ہمارے جاسوس گن کر آئے ہیں کہ کل سات گھوڑے تھے۔

ملک کے تین بیٹے تھے۔ اسحاق جس کا خطاب چنگیز خان تھا۔ دوسرا طوغان اور الیاس اسحاق بہت جسیم اور آرام پسند تھا۔ اکثر اونٹ پر سواری کرتا تھا کیونکہ ہر گھوڑے میں اسے اٹھانے کی طاقت نہ تھی۔ اس حال کے باوجود کشتی میں دو پہلوانوں کو چت کر دیتا تھا اور کشتی کا فن خوب جانتا تھا۔ کوئی پہلوان اس کا پنجہ نہیں پکڑتا تھا۔ آخر کار سلطان بہادر ابن سلطان مظفر نے رومی خان کے بہکانے سے ملک کے تینوں لڑکوں کو مروا دیا۔ رانا کے سلطان مظفر ابن سلطان محمود بیگڑہ کے زمانہ میں آنے اور سلطان بہادر ابن سلطان مظفر کے حکم سے ملک ایاز کے تینوں لڑکوں کے مارے جانے کا سبب سلطان مظفر کے ذکر میں تفصیل سے لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

کہتے ہیں کہ اسحاق کی سو[3] عورتیں تھیں، منکوحہ اور سراری[4]۔ انتہائی قوت باہ کی وجہ سے سب کو خوش رکھتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد ان میں سے اکثر اپنا پیٹ چیر کر

---

[1] الف: رانا کے آنے نظام خان بیٹی کے جنگ کرنے اور لشکر کے تعین کرنے کی تفصیل سلطان مظفر بن سلطان محمود کے مکمل ذکر میں لکھی جائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

[2] ج: مند سور۔

[3] ج: تین سو

[4] وہ کنیزیں جن سے جماع کیا ہو۔ مترجم۔

مرگئیں۔ ملک[1] ایاز کا سلطان مظفر بن سلطان محمود کے زمانہ میں انتقال ہوا۔

سلطان محمود کے دوسرے بڑے امیروں میں ایک سلطان احمد تھا۔ سلطان محمود کے زمانہ میں بڑا ہوا اور منصب وزارت کو پہنچا۔ آدمی ہوشیار اور کریم الطبع تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ اس زمانہ میں ملک کے مرتبہ کوئی وزیر مشرق و مغرب میں نہ ہوگا۔ اپنی حکومت کے زمانہ میں تمام خلق خدا کو راضی رکھتا تھا۔ احمد آباد کے نزدیک ایک باغ ایک عالیشان مسجد کے ساتھ شہر احمد آباد کے مشرق میں باغ شعبان کے نام سے ترتیب دادہ اسی کا ہے۔ آخر کار تائب ہوکر اسی باغ میں گوشہ نشین ہوگیا۔ ہر چند سلطان نے وزارت کرنے کا حکم دیا قبول نہ کیا اور بولا کہ جتنی فراغت مجھے ایک دن میں باغ کے گوشہ اور گوشہ گیری سے حاصل ہوئی ویسی تمام عمر میسر نہ ہوئی۔ آخر عمر تک باغ سے باہر نہ آیا اور وہیں اس کی عمر پوری ہوئی اور صحن مسجد میں جو باغ میں ہے مدفون ہوا۔ اللہ کی رحمت ہو اس پر!

دوسرا خداوند خان عیلم کہ احمد آباد شہر کے جنوب میں عیلم پور اور اس میں ایک بڑی مسجد اسی کی بنائی ہوئی ہے۔ مسجد کی عمارت پتھر کی ہے اور فرش سنگ رخام کا جو دو سو کوس کی راہ سے لایا گیا ہے۔ اور سلطان محمد ابن سلطان احمد سے نسبت دامادی رکھتا تھا۔ آدمی فاضل اور تیز زبان تھا۔ فن تیراندازی اور چوگان بازی میں بے نظیر تھا۔ کہتے ہیں کہ چھوٹے خربوزہ کے بیج[2] انجروٹی[1] کے پودے بیجانگر دکھن سے گجرات میں اسی نے منگوائے تھے۔ چند بار سلطان سے باغی ہوگیا اور سلطان نے معاف کردیا اور کہا کہ اگر ملک عیلم کو قتل کردوں یا جلا وطن کردوں تو اس کا مثل گجرات میں کہاں پیدا ہوگا۔ آخر حال میں تائب ہوگیا اور گوشہ نشینی اختیار کرلی اور بقیہ عمر گوشہ نشینی میں اسی مقام پر گذار دی۔

---

[1] الف : "ملک ایاز کا.....انتقال ہوا" نہیں ہے۔

[2] الف : "چھوٹے خربوزہ کا بیج" نہیں ہے۔

[1] غالباً مراد اس سے انجیر کے پودے ہیں جو ملک نے وجیا نگر سے منگوائے تھے۔ دیکھیے اشاریہ۔ مترجم۔

[نظم]

ہر اس شخص کو جو عزلت کو ترجیح دیتا ہو
اس کو بلا مہلت عزلت میسر آجاتی ہے
جب تیری عزلت (گوشہ نشینی) صحبت سے بہتر ہو
تو پھر عزلت سے صحبت رکھ۔
عزلت حاضری کی کنجی ہے
عزلت اس وجود کے رنج کا علاج ہے۔
اس میں عز اور لت دونوں متصل ہیں
لت سے مراد ہے نفس کا مارنا اور عز سے مراد ہے جان و دل کی عزت
عین سے علم اور زا سے زہد سمجھ
یعنی اس میں علم اور زہد اساس ہیں
علم کے عین کے بغیر کچھ نہیں ہے سوائے لغزش کے
اور زہد کے زا کے بغیر کچھ نہیں سوائے علت (مرض) کے
تیری عزلت نے ان دو حرفوں سے عزت پائی
نہیں ہے تیری بزرگی (استواری) بغیر ان دو حرفوں کے

دوسرا الغ خان[1] بہو کا ہی بہت عظیم الشان تھا۔ ایک بڑی مسجد اور اس کے پیچھے پتھروں سے بڑا ایک حوض قصبہ دھولقہ کے قریب اس کے تعمیر کردہ ہیں۔ یہ عمارت اس کی عظمت شان اور رفعت مکان پر دال ہیں۔ روے زمین کے سیاحوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس جیسی مسجد اینٹ کی دنیا میں کہیں نہیں بنی چنانچہ اس کا ذکر اوپر ہوا۔ دوسرا دریا خان، دریاپور کی عمارت کا بانی۔ یہ ایک مشہور محلہ ہے احمد آباد کا شہر پناہ سے باہر قطب رویہ اور ایک بڑا گنبد چنانچہ ذکر اس کا اوپر گذرا۔ دوسرا حاجی بہاء الدین کہ حاجی پور اور اس میں پتھر کی ایک بڑی مسجد اس کی بنائی ہوئی ہے، شہر پناہ کے باہر قطب رویہ۔

---

[1] ز: الف خان۔

دوسرا عمادالملک عیسن[1] کہ رسول آباد اور بٹوہ کے درمیان جو عیسن پور (محلّہ) ہے اس کا آباد کردہ ہے۔ احمد آباد کا کوئی محلّہ اس کی خوبی کا نہیں۔ اس کے گرد ایک حصار (شہر پناہ) پکی اینٹ کا گچ ماش سے بنایا ہے۔ اس کے اطراف میں آم، کھرنی اور تاڑ کے بہت سے باغ ہیں۔ موگرہ کا پھول جو تمام خوشبودار پھولوں کا سرتاج ہے جیسا کہ عیسن پور کے باغوں میں بڑا اور خوشبودار ہوتا ہے کہیں نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ عالم پناہ اس محلّہ کو کریم الطرفین کہتے تھے کہ ایک طرف جنوب میں موضع بٹوہ ہے جہاں قطب اقطاب کا مرقد ہے اور دوسری طرف شمال میں رسول آباد ہے جو مسکن اور مرقد حضرت شاہ عالم کا ہے۔ بٹوہ سے عیسن پور تک اور رسول آباد سے محلّہ مذکور تک ہر دو جانب کھرنی اور آموں کے باغوں کا راستہ ہے جس پر درختوں کے سایے مسافروں کو شفقت پدری کے سایہ کی ہوا دیتے ہیں۔ ملک عیسن کا مقبرہ مذکور محلّہ کی شہر پناہ کے سامنے ہے جہاں ایک فرحت افزا مسجد اور ایک دہ در دہ حوض ہے۔ گنبد کی موزونیت اور مسجد اس درجہ کی ہے کہ زبان اس کی تعریف سے قاصر ہے۔

دوسرا تاج خان سالار جو ایک سخی اور کریم الطبع آدمی تھا اِس مرتبہ کا کہ اس کی وفات کے بعد امیروں میں سے کوئی بھی اس خطاب کو قبول نہ کرتا تھا۔ اس واسطے کہ طرح طرح کی سخاوتیں اور مروت کہ جیسی اُس کی تھیں دوسروں کے امکان میں نہ تھیں اور اِس لیے اُس کی بخشش اور سخاوت کے پیش نظر لوگ دوسرے کو کنجوسی سے منسوب کریں گے اس لیے اس کا خطاب کا ترک اولیٰ سمجھتے تھے۔ بہت مدتوں کے بعد سلطان مظفر بن محمود کے زمانہ میں تاج خان نرپالی[2] جو حضرت شاہ عالم کے روضہ کا بانی ہے اس خطاب سے مخاطب ہوا۔ وہ بھی سخاوت کا ہاتھ اُسی دستور بالا کے مطابق اونچا رکھتا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ بلند کیا۔ تاج پور کہ شہر احمد آباد کے حصار میں جنوب رویہ ہے اسی کا آباد کیا ہوا ہے۔

دوسرا قوام الملک سارنگ۔ وہ دراصل راجپوت لڑکا تھا۔ سارنگ نام اور اس کے

---

[1] ز: "عمادالملک عیسن آنکہ عیسن پور" نہیں ہے۔

[2] ز: ترپالی، ج: بونبالی، ب: ترمانی۔

بھائی کا نام مولا تھا۔ دونوں سلطان کی قید میں آئے تھے۔ سلطان نے ان کو اسلام سے آگاہ کر کے بزرگواری سے مشرف کیا۔ نقل ہے کہ مولا کے ختنہ کے دن جب حجام نے استرہ اس کے مختون پر چلایا تو اس کی ہوا خارج ہوگئی۔ حاضرین مجلس ہنسنے لگے۔ وہ بولا "سوں ہنسو چھو؟ جے نا، بھائی نا ماتھا وادھے تے نی بھوُن نا نکرے؟" یعنی کیا ہنستے ہو، جس کے بھائی کا سر کاٹا جائے تو بہن کیوں نہ روئے؟" یہ بات سلطان کو پہنچی تو بہت ہنسا۔ ملک امین خان شاعر سلطان بہادر کا ندیم جو اپنے ہدیوں اور لطیفوں کے لیے مشہور تھا، اسی کے پوتوں میں سے ہے۔ بندہ اس کا ذکر سلطان محمود شہید[1] کے ذکر کے ضمن میں کرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ!

مختصر یہ کہ دونوں بھائیوں نے سلطان کی خدمت میں بڑا اعتبار حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ ملک سارنگ گفتگو میں بہت گستاخ تھا اور سلطان روا رکھتا تھا۔ ع

ہر عیب جو سلطان پسند کرتا ہے ہنر ہے

سارنگ پور اور اس میں ایک مسجد، حصار کے باہر، شہر کے مشرق میں اسی کی آباد کردہ ہیں۔

دوسرا حاجی کالو سلطان کا غلام تھا۔ شہر پناہ کے اندر مشرقی جانب کالو پور اسی کا بسایا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ فاضل و قابل غلام تھا۔

دوسرے اعظم و معظم دو بھائی تھے۔ خراسانی تیر انداز اور بڑی سخت کمان والے۔ سرکھیج اور احمد آباد کے بیچ میں ایک حوض کہ پانی جس میں نہیں ٹھہرتا اور ایک گنبد اور اس کے پہلو میں ایک مسجد انھی کی بنائے ہوئے ہیں اور دونوں بھائی اسی گنبد میں مدفون ہیں۔ بعض اہل گجرات ان دو بھائیوں میں سے ایک کی ایک ایسی برائی نقل کرتے ہیں جو قابل تحریر نہیں۔ اللہ ایسی باتوں سے محفوظ رکھے!

---

[1] ز: سلطان بہادر

پندرھواں باب

سلطان محمود بن محمد (اللہ تعالیٰ ان کی دلیلوں کو روشن کرے!) کی اولاد کے ذکر میں بیان

سلطان محمود سے چار بیٹے ہوئے۔ ایک کا نام محمد کالا تھا۔ اس کی والدہ کا نام رانی روپ منجری تھا جو پہلے سلطان قطب الدین کی بیوی تھی۔ اس کی وفات کے بعد سلطان محمود کو پہنچی۔ مذکور شہزادہ اور اس کی والدہ نے سلطان محمود کی زندگی ہی میں وفات پوئی۔ رانی روپ منجری کا مقبرہ محلہ مانک چوک احمد آباد میں مشہور و معروف ہے۔

دوسرا اباخان۔ اس کی والدہ کا ام رانی سُبرائی[1] تھا۔ رانی کا مقبرہ اسرولیہ[2] دروازہ کے قریب ہے۔ سلطان کے حکم سے اباخان کے پیالہ میں زہر ڈال دیا گیا تھا اس وجہ سے کہ وہ ایک آدمی کے گھر میں گھس گیا تھا۔ وہ آدمی حاضر ہوگیا اسے پکڑا اور مارا۔ یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ اس نے حکم دیا تو زہر آلود شربت دے دیا گیا۔

دوسرا احمد خان کہ لقب اس کا احمد شاہ خداوند خان تھا چنانچہ اس کا ذکر اوپر ہوا۔ دوسرا خلیل خان، سلطان کا ولی عہد جس کا لقب سلطان مظفر تھا۔ اللہ کی رحمت ہو اس پر! سلطان مظفر کی ولادت طلوع صبح کے بعد بروز بدھ، ۲۰/ماہ شعبان ۸۸۰ھ میں واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ سنہ مذکور کا سال لفظ "فرخ" سے نکلتا ہے۔ چونکہ نیک خصلتی کے نور کی کرن اس کے مبارک چہرہ سے سورج کی طرح نکلتی تھی اس کا نام خلیل خان رکھا گیا۔ اس کی والدہ کا نام ہربائی[3] ہے جو مہندری ندی کے کنارے تاک رانا راجپوت زمیندار کی بیٹی تھی۔ اس کی پیدائش کے چوتھے یا پانچویں روز رانی اس جہان فانی سے سرائے جاودانی کی

---

[1] ز: سرائی [2] ز: سوریہ [3] ز: ہیرابائی

طرف رحلت کر گئی۔ رانی کے فوت ہو جانے سے سلطان بیحد غمگین اور رنجیدہ ہو گیا۔

نقل ہے کہ جب سلطان مظفر پیدا ہوا تو سلطان محمود نے اسے جو کپڑا پہنے ہوئے تھا اس میں لپیٹ کر سلطان محمد کی حرم محترم جو سلطان محمود کی سوتیلی والدہ تھیں جن کا نام ہانس بائی تھا کے سپرد کر دیا کہ ان کی یہ آرزو تھی کہ سلطان اپنے فرزندوں میں سے ایک فرزند مجھے سونپے تا کہ میں اس کی پرورش میں مشغول رہوں اور کہا۔

[ابیات]

آفرین ہے مادر روزگار کی خوش قسمتی پر

کہ وہ ایسا بیٹا اپنی گود میں پالے

جو سیپی تو موتیوں سے بھری ہوئی دیکھتا ہے

ان کی قیمت اتنی نہیں ہوتی جتنی ایک موتی کے دانہ کی

کیونکہ یہ چھپا ہوا موتی ایک دانہ ہے

جو سلطنت کے گھر کی زیبائش ہے۔

یارب اسے اپنے فضل سے محفوظ رکھنا!

اورر اسے چشم بد سے امان دینا!

وہ والدہ سے زیادہ سلطان کی پرورش میں کوشش کرتی تھیں۔ جب کبھی سلطان محمود شاہزادہ کو دیکھتا تو کہتا کہ ہمارے خاندان کا سلسلۂ شاہی اسی بیٹے اور اس کی اولاد سے چلتا رہے گا حالانکہ اس زمانہ میں سلطان کا بڑا بیٹا ابا خان زندہ تھا۔ سب لوگوں کا یہ خیال تھا کہ سلطان کے بعد سلطنت کا کام ابا خان کے دست اقتدار سے متعلق رہے گا کیونکہ سلطان کی زندگی میں بھی حکومت کا رابطہ اور سلطنت کا ضابطہ اسی کے قبضۂ اقتدار سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن چونکہ یہ خوش نصیبی سلطان مظفر کے نصیب میں تھی وہ سلطان محمود کی زندگی ہی میں رحلت کر گیا جیسا کہ اوپر اس کا ذکر ہوا۔

مخفی نہ رہے کہ سلطان محمود کی زندگی کے اواخر ایام میں سید محمد جونپوری نے

مہدیت[1] کا دعویٰ کیا تھا۔ جونپور سے وہ شہر احمد آباد آئے اور تاج خان بن سالار کی مسجد میں جو جمال پور دروازہ کے قریب واقع ہے مقام کیا۔ اکثر اوقات نصیحتیں کرتے اور وعظ فرماتے تھے۔ شہر کے لوگ جوق جوق ان کی ملاقات کو آتے تھے۔ اور جب بدر[2] العارفین سید شاہ شیخ جیو[3] بن سید محمود ابن قطب العالم سید برہان الدین سید صاحب کی ملاقات کے لیے پہنچے تو مصافحہ کے بعد مسجد مذکور میں بیٹھے۔ اس وقت سید صاحب نے آیات قرآنی میں سے ایک آیت مناسب حال پڑھی۔ انہوں نے بھی اسی طرح سے آیت ہی میں جواب دیا۔ سید صاحب نے پھر ایک آیت پڑھی۔ انہوں نے بھی ایک آیت جواب میں پڑھی۔ تین بار سوال وجواب آیات کی قرأت میں واقع ہوئے۔ اس کے بعد وہ وداع ہو گئے۔ راستہ میں ایک معتقد نے سید صاحب کے بارے میں پوچھا تو فرمایا "صاحب حال آدمی ہیں۔ خاص کی باتیں عام سے کہتے ہیں "لوگوں کی عقل کے مطابق ان سے بات کرو" کا خیال نہیں رکھتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کی وفات کے بعد ان کے اصحاب سے فتنہ سرزد ہوگا۔ کہتے ہیں کہ سید کا وعظ بہت مؤثر تھا۔ جو کوئی سنتا خرقۂ تجرید (ترک دنیا) پہن لیتا اور فقیری کی کلاہ سر پر رکھ لیتا تھا۔ سلطان نے بھی سید صاحب سے ملاقات کا قصد ظاہر کیا تھا لیکن وزیروں نے منع کیا۔ انہوں نے کہا مبادا سید صاحب کی باتیں سلطان کو اپنے مقام سے ہٹا دیں اور امور مملکت کی مہمیں معطل ہو جائیں۔

نقل ہے کہ ایک دن اوباشوں میں سے ایک آدمی زنا کے قصد سے اپنی محبوبہ کے گھر میں گھس گیا تھا۔ اتفاق سے صحبت اچھی نہیں رہی۔ رنجیدہ ہو کر آخر شب میں وہاں سے مستی کی حالت میں تلوار پکڑے اپنے گھر کی طرف چلا۔ جب صبح صادق ہوئی دیکھا کہ سید صاحب سابرمتی کے کنارے اپنے اصحاب کے ساتھ کھڑے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ

---

[1] ج: قطب المتقین

[2] ج: کہ مخدوم جہانیان کے ثانی تھے۔

[3] ج: "ابن سید محمود... برہان الدین" نہیں ہے۔

تم بیکار آدمی ہو یہاں کیا کر رہے ہو؟ سید صاحب نے کہا کہ جو کوئی دوست سے رنجیدہ ہو نکلتا ہے وہ ہماری رہنمائی سے صلح کر لیتا ہے۔ یہ مقولہ سن کر اس آدمی کی ایسی حالت ہوئی کہ نعرہ لگایا اور ایک مدت کے لیے بیہوش ہو گیا۔ افاقہ ہونے کے بعد توبہ کی توفیق ہوئی اور اس نے تجرید کا خرقہ اور فقر کی ٹوپی پہن لی۔

نقل ہے کہ ایک دن سید صاحب نے کہا کہ ہم دنیا میں خدا کو اسی سر کی آنکھوں سے دکھاتے ہیں۔ یہ بات سن کر احمد آباد کے علماء نے سید صاحب کے قتل کا فتویٰ دیا۔ تمام علماء نے کتبہ لکھ دیا سوائے مولانا محمد تاج کے کہ علمائے عصر میں سب سے زیادہ عالم تھے اور شہر کے اساتذہ کے استاد۔ انہوں نے علماء سے کہا کہ تم نے علم بس اسی لیے سیکھا ہے کہ سید کے قتل پر فتویٰ لکھو۔ اس واقعہ کے ہونے کے بعد سید صاحب احمد آباد سے نقل مکان کر کے پٹن کی طرف روانہ ہو گئے۔ پٹن سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں برلی نام ہے وہاں اقامت کی اور مہدیت کا دعویٰ کیا۔ جب پٹن کے علماء نے اس بات کی اطلاع پائی تو سید صاحب کو قتل کر دینے کے لیے دوڑے۔ سید صاحب وہاں سے ہندوستان کی طرف چلے گئے اور ہندوستان سے خراسان کی طرف منتقل ہو گئے۔ جب قندھار کے قریب فرح نامی گاؤں پہنچے تو ایک جماعت نے ہجوم کر کے سید صاحب کو مار ڈالا۔ لیکن مہدوی کہتے ہیں کہ سید صاحب نے اپنی موت سے وفات پائی، کسی نے ان کو قتل نہیں کیا۔ بیشک اللہ صحیح بات سے واقف ہے۔ اور یہ[1] ۹۱۰ھ میں ہوا۔ چنانچہ عبارت "دعوا کذب مبین" سے سنہ مذکور نکلتا ہے اور عبارت "لیس ذلک مهدیا" سے بھی۔

☆

---

1 ز: ۹۱۱ھ

سولھواں باب

فرشتہ سیر سلطان مظفر کے تخت محمودی پر بیٹھنے اور امیروں اور وزیروں کا خوشی وخوشنودی کے ساتھ اطاعت کرنے کا ذکر

اخبار کی پھلواریوں کے مالیوں اور تواریخ و آثار کے دیوار سے گھرے ہوئے باغوں کے سنوارنے والوں نے (رحمت ہو اللہ کی ان سب پر!) ایسا ذکر کیا ہے کہ منگل کی رات، رمضان کی تیسری تاریخ کو سلطان کے فوت ہونے کے دوسرے دن سلطان مظفر شہر بڑودہ سے شہر احمد آباد تشریف لایا۔ وزیروں اور امیروں نے استقبال کر کے قدم بوسی کے شرف سے اختصاص پایا اور جمعہ کی نماز کے وقت رمضان المبارک کی سات تاریخ کو ۹۱۷ھ میں ستائیس سال کی عمر میں سلطان نے تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ اپنے آبا واجداد کی رسم کے مطابق امیروں اور سپاہیوں کو ہر ایک کے لائق زر نقد، گھوڑے اور خلعت کے ساتھ، انعام میں دیا۔ ان ناموں کی تفصیل جو اس دن خطاب سے مخاطب ہوئے یہ ہے:

رشید الملک کو خداوند خان کا خطاب ملا اور منصب وزارت تفویض ہوا۔ خوش قدم کو مختص[1] خان کا، ملک برہان کو منصور خان کا، ملک قطب کو عضد الملک کا، ملک مبارک

---

[1] الف: اس کے بعد ماہ شوال میں خبر پہنچی کہ عراق و خراسان کے بادشاہ شاہ اسمٰعیل کا ایلچی میر ابراہیم خان آیا۔ سلطان نے ملک الشرق حمید الملک اور قطب الملک کو امراء کی ایک جماعت کے ساتھ حکم دیا کہ استقبال کر کے لائیں۔ مذکور امراء پورے اعزاز کے ساتھ جمعہ کے دن ماہ مذکور کی ۲۵ رتاریخ کو اسے چالیس نفر تاجپوش کے ساتھ راجدھانی میں لائے۔ میر مذکور نے ایک نہایت نفیس فیروزہ کا پیالہ، جواہرات سے بھرے ہوئے ایک صندوقچے اور سونے کے تاروں سے بنے ہوئے پشمینہ کے کپڑے اور عراقی گھوڑوں کی تیس راس کے ساتھ جو بادشاہ نے بھیجے تھے بطور ہدیہ پیش کیے۔ سلطان نے میر کے ساتھ بہت نوازش اور بے دریغ مہربانیاں کیں۔ اس کے تمام ہمراہیوں کو

معین کو افتخار الملک کا، نصیر شادی کو مبارز الملک کا، ملک شیخ جو تمیم کو تائید الملک کا، اور ملک شہ کو رکن الملک کا۔ اُن تمام امیر زادوں نے جو شاہزادگی کے زمانہ میں سلطان کی خدمت میں اختصاص رکھتے تھے خطاب پائے اور محمود شاہی امراء بھی اضافۂ منصب اور قریوں کی زیادتی سے ممتاز ہوئے۔ علماء اور صلحاء کو بھی طرح طرح کی تشریفات کا حکم ملا۔ عام و خاص سبھی خوشدلی اور خوشحالی کے ساتھ سلطان کی دعا و ثنا میں تر زبان ہوئے۔

اس کے بعد شوال کے مہینہ میں عراق و خراسان کے بادشاہ شاہ اسمٰعیل کا ایلچی آیا۔ امراء اسے استقبال کر کے پورے اعزاز سے لائے۔ جو سوغات لایا تھا نظر اشرف سے گذاری۔

چند روز کے بعد سلطان بڑودہ کی طرف روانہ ہوا اور اس کے ضلع میں دولت آباد نام کا ایک شہر آباد کیا۔ اس حال کے قریب خبر پہنچی کہ سلطان محمود خلجی کے خواجہ سرا خواجہ جہان نے جو اس کے بہترین امیروں میں سے تھا جھگڑا کر کے منڈو کے بادشاہ سلطان ناصر الدین بن محمود کو نکال کر سلطان محمود کے چھوٹے بھائی سلطان محمد بن ناصر الدین کو تخت پر بٹھا دیا ہے۔ پھر سلطان محمود جمعیت کثیر لے کر آیا اور قلعہ منڈو کا محاصرہ کر لیا۔ طرفین سے جنگ و جدل کچھ عرصے تک جاری رہا۔ آخر کار سلطان محمود ناصر الدین پر غالب آیا۔ سلطان محمد نے فراز ہو کر سلطان (مظفر) کی درگاہ میں پناہ لی اور محمد آباد کے قریب ٹھہرا۔ اسی اثنا میں سلطان محمد کا عریضہ انہی واقعات پر مشتمل پہنچا۔ سلطان نے شہر محمد آباد کے داروغہ محافظ خان کو فرمان بھیجا کہ سلطان محمد کو پورے اعزاز کے ساتھ شہر میں لا کر جو کچھ ان کی روزمرہ کی ضروریات ہوں مہیا کرے اور جب راستے کی تکان راحت سے بدل جائے تو ہمارے حضور میں روانہ کرے۔ فرمان آنے پر محافظ خان نے خدمتگاری

خسروانہ خلعتوں اور بادشاہانہ انعامات سے نوازا اور حکم دیا کہ انہیں ایک لائق منزل میں اتاریں اور ان کے وظیفے مقرر کریں۔

لے الف: سلطان محمود بن ناصر الدین نکال کر۔ (ان ناموں میں کچھ گڑبڑ ہے۔ مترجم۔)

اور مہمان داری کے قاعدوں میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ کچھ دن گذرنے کے بعد جب وہ (سلطان محمد) سلطان کے پاس پہنچا تو سلطان نے اسے شفقت و مہربانی کی نظر سے دیکھا اور حکم کیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ موسم باران ختم ہونے کے بعد ہم منڈو جائیں گے اور مالوہ کی ولایت کے آدھوں آدھ بانٹ کر ایک حصہ تمہیں اور ایک سلطان محمود ناصر الدین کو دے دیں گے۔

قیصر خان کو قصبہ داحود جو ولایت مانڈو کی سرحد پر واقع ہے کے تھانہ پر متعین کیا تاکہ ان حدود کے زمینداروں کو جمع کر کے اُس طرف کے راستوں سے واقف ہو جائے اور بڑے بخشیوں کو حکم دیا کہ سپاہیوں کو اس ارادہ کی خبر دے کر ان کا سامان مہیا کریں اور خود مور آسٹلی کی طرف جو سلطان محمود مغفور کی شکارگاہ تھا شکار کے لیے نکلا۔ کچھ عرصہ تک موضع مذکور کے محلوں میں قیام کر کے شکار میں مشغول ہوا۔ اسی مقام پر مسند عالی اعظم ہمایوں عادل خان، حاکم آسیر و برہانپور کہ سلطان سے نسبت دامادی رکھتا تھا اپنے بچوں کے ساتھ آکر خدمت میں رہا۔ چند دنوں کے بعد عادل خان کو اپنی ولایت کی طرف جانے کی اجازت ملی۔ سلطان محمد آباد آ گیا۔

اتفاق[1] سے ایک دن سلطان محمد منڈوی کے آدمیوں کی شاہ اسمٰعیل کے ایلچی

---

[1] اتفاق سے ایک دن شاہزادہ سلطان محمد منڈوی کے آدمیوں کی شاہ اسمٰعیل کے ایلچی کے آدمیوں سے بات چیت ہوگئی اس وجہ سے کہ شاہزادہ مذکور کے پاس ایک گرانمایہ موتی تھا۔ امیر ابراہیم ایلچی نے اس کی خریداری کی رغبت ظاہر کی لیکن قیمت کی زیادتی کی وجہ سے میسر نہ ہوا۔ اور خرید و فروخت کی باتوں سے جادلہ میں طرفین میں رنجش ہوگئی۔ شاہزادہ چونکہ کم عمر تھا اور ناتجربہ کار، وہ ایک رات اپنے چند آدمیوں کے ساتھ اپنے قدیم ملازموں میں سے ایک کے گھر گیا۔ اس آدمی کا گھر ایک سرائے میں تھا جہاں امیر ابراہیم ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک افترا پرداز نے امیر ابراہیم سے کہا کہ شہزادہ کا فرار کا ارادہ ہے بلکہ تیرے گھوڑوں اور اسباب کے لوٹنے کا ارادہ اس کے دل میں ہے۔ اس وقت اس کا سرائے میں آنا امر مذکور پر دال ہے۔ اگر آج رات تو اسے اس سرائے میں روک سکے تو کل درگاہ سلطانی میں تیری یہ بات پسندیدہ ہوگی۔ میر ابراہیم نے کاموں کے انجام پر نظر کیے بغیر

کے آدمیوں سے گفتگو ہوئی اور معاملہ لڑائی تک پہنچا۔ گجرات والے سلطان محمد کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ شاہ کے ایلچی کے تین[1] آدمی مارے گئے۔ اس واقعہ سے سلطان

سرائے کا دروازہ بند کر دیا اور شہزادہ کو زور زبردستی سے اپنے گھر لے جا کر بند کر دیا۔ اس طرح شاہزادہ کو سخت تکلیف اٹھانی پڑی۔ جب صبح صادق ہوئی قید سے چھٹکارا ملا۔ اس کے ملازموں نے جمع ہو کر شہر اور بازار میں اس بات کو شہرت دی کہ فرمان ہوا ہے تاچپوشوں کی جماعت کو لوٹ لیا جائے۔ چونکہ شاہزادہ کی توہین شکستہ خاطری لوگوں کو بہت ہی زیادہ مکروہ اور بری لگی تھی یہ شہرت سنتے ہی عوام کا ہجوم ہو گیا اور بیشار لوگ سرائے کے دروازہ پر جمع ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک تاچپوش منع اور مدافعت کرتے رہے لیکن لوگوں کی بھیڑ ان کی طاقت سے زیادہ تھی۔ انہوں نے سرائے کا دروازہ کھولا اور ایک جماعت کو قتل کر دیا اور اس کے گھر میں آگ لگا کر لوٹ مار میں لگ گئے۔ جب صورت حال سلطان کو عرض کی گئی تو حکم ہوا کہ عماد الملک ملک الشرق سلطان کے ہاتھیوں کے ساتھ جائے اور فتنہ کی آگ بجھا کر تاچپوشوں کی جماعت کو کوئی صدمہ نہ پہنچنے دے اور فسادیوں کے سرداروں کو کڑی سزا دے۔ عماد الملک متوجہ ہوا فتنہ کی آگ بجھادی اور اوباش عوام کو سزا دی اور امیر ابراہیم کی ذات کو کوئی صدمہ نہ پہنچنے دیا اور اسے اس کے متعلقین کے ساتھ درگاہ سلطانی میں لے آیا۔ سلطان نے ان کے لیے ایک منزل وہیں متعین کر دی۔ اس کے بعد میر ابراہیم نے عرض کیا کہ ہماری نقدی اور چیزیں جن کی قیمت گجرات میں رائج چھ لاکھ تنکے کے برابر تھی لوٹ لی گئیں۔ اس وقت گجرات کا تنکہ آٹھ مرادی تنکوں کے برابر تھا۔ چنانچہ آج تک وہی تنکہ ولایت خاندیس اور دکھن میں رائج ہے۔ سلطان نے وہ رقم خود اپنے خزانہ سے انہیں دے دی۔ بروز جمعہ ۱۳/ ماہ رمضان کو ایک لاکھ تنکہ نقد فاخرہ خلعتوں کے ساتھ ایلچی کو دے کر اسے وداع کیا اور خراسان خان کو قواعد محبت کی بنا ڈالنے اور اتحاد کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے اس کے ہمراہ روانہ کیا اور مہیب ہاتھیوں کی سات زنجیریں (قطاریں)، عجیب قسم کے پاکھروں سے بھرے ہوئے صندوق، ایک بھیڑیا اور دوسری قسم کے جنگلی جانور اور پرندے جو پروردگار کی عجیب غریب کاریگری کا نمونہ تھے، اور بہت سے نفیس کپڑے اور مال تحفہ کے طور پر خراسان خان کے ہمراہ شاہ ایران کے لیے ارسال کیے۔ میر ابراہیم کے ساتھیوں اور متعلقین کے لیے اس کے علاوہ دوسری مہربانیوں کے دو بڑی کشتیاں بنوائیں۔ مختصر یہ کہ اس واقعہ کے ہونے کے بعد سلطان بہت زیادہ پریشان ہو گیا۔

[1] ب: چند

بہت زیادہ پریشان ہوگیا اور جو التفات اسے سلطان محمد کی طرف تھا اس میں کمی ہوگئی۔
سلطان محمد مانڈو کے چند امراء کے بلانے پر سلطان سے اجازت لیے بغیر روانہ ہوگیا۔ اس
واقعہ کی سلطان محمود ناصر الدین کو خبر ہوگئی۔ امراء کا نفاق معلوم ہوگیا تو اس نے ہندوؤں کا
ایک لشکر جمع کیا اور ان کے بہترین آدمی کو میدنی [1] راؤ کے خطاب سے سرفراز کیا اور اپنی
تمام مہموں کا انتظام (حل وعقد) اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ اس نے اپنے خاندان اور
رشتہ داروں کو تربیت دے کر کافروں کا ایک بڑا لشکر جمع کر کے سلطان محمد سے جنگ کی۔
خواجہ جہان مارا گیا اور سلطان محمد کو شکست ہوئی۔ منڈو کی پوری حکومت میدنی رائے کے
ہاتھوں میں آگئی یہاں تک کہ تمام سلطانی کارخانے بھی اپنے رشتہ داروں اور مخلصوں کے
سپرد کردیے اور مسلمان امیروں اور سلطان کے پیشواؤں میں سے ہر ایک کو موقع پا کر قتل
کردیا۔ اہل کفر نے ظلم وفساد کہ ان ملعونوں کا لازمہ ہے شروع کردیا اور ایسی بدعتیں پیدا
کیں کہ شہر اور بلاد کے لوگ تنگ آگئے۔

اس صورت حال کی خبر سلطان مظفر کو پہنچی کہ اتنے سالوں کے بعد ملک مالوہ میں
کفار کی حکومت پھر سے عود کر آئی اور سلطان محمود سے سوائے سلطانی نام کے اور کوئی چیز
باقی نہ رہی۔ اور یہ بھی ایسا لگتا ہے کہ عنقریب ختم ہوجائے گا۔ سلطان پیچ وتاب کھانے لگا
اور کفار کا دفع کرنا خود کے ذمہ واجب سمجھا۔ اس نے حکم دیا کہ سپاہ لشکر کی تیاری کا سامان
کریں اور خود محمد آباد سے احمد آباد آیا اور حضرت قطب المشائخ شیخ احمد کھٹو اور اپنے باپ
دادوں کے مزاروں کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور آنحضرت سے دعا کی امداد مانگی۔
ایک ہفتہ احمد آباد میں ٹھہر کر پھر محمد آباد آگیا۔

☆

---

[1] منڈلی رائے۔

سترھواں باب

سلطان کا مالوہ کی طرف کفار کے تعصب[1] کو دفع کرنے کے لیے روانہ ہونا، قصبہ دھار تک پہنچنا اور پھر اس ملک سے واپس آنا۔

ذی اعتبار مخبر اور محتاط ناقابل راوی یوں روایت کرتے ہیں کہ ماہ شوال ۹۱۸ھ میں سلطان نے محمد آباد سے کفار کے دفع کرنے اور دیندار مسلمانوں کی حمایت کرنے کے ارادہ سے مالوہ کی طرف کوچ کیا۔ قصبہ گودرہ[2] کے مقام پر چند روز ٹھہرا تاکہ لشکر جمع ہوجائے۔ اس اثنا میں خبر پہنچی کہ شہر نہروالہ عرف پٹن کا گورنر (مقطع) عین الملک خدمت میں حاضر ہونے کے لیے متوجہ ہوا تھا کیونکہ ایڈر کے راجہ بھیم بن بھان[3] نے نافرمانی کرکے سابر کے کناروں کے مقامات میں خلل کے دفع کرنے کے لیے عین الملک نے ایڈر کی طرف فوج کشی کرکے ولایت ایڈر میں لوٹ مار شروع کی تھی۔ جب وہ ایڈر سے تین کوس تک پہنچا تو ایڈر کا راجہ جمعیت کے ساتھ آیا اور جنگ کی اور عین الملک کا بھائی عبد الملک کچھ آدمیوں کے ساتھ شہید ہوگیا۔ عین الملک شکست کھا کر پٹن آگیا۔

سلطان نے مالوہ کی طرف جانے کے ارادہ کو ایڈر کی سمت موڑ دیا اور وہاں سے متواتر کوچ کرتا ہوا موراسہ پہنچا اور موراسہ سے فوجیں ایڈر کے راجہ کے لیے متعین کیں تاکہ اس کی ولایت کو لوٹیں۔ راجہ ایڈر بھاگ کر پہاڑوں میں چلا گیا۔ چوتھے روز سلطان موراسہ سے کوچ کرکے ایڈر کے قریب خیمہ زن ہوا اور حکم دیا تو ایڈر کے مکانوں اور بتخانوں کو اس طرح مسمار کردیا گیا گویا اس ویرانہ میں مکان اور بتخانہ کا نام ونشان نہ تھا۔

---

[1] الف : تسلط

[2] موجودہ گودھرا۔ مترجم۔

[3] الف : بغاوت کرکے

اور یہ ۹۱۹ھ میں ہوا۔ جب راجہ ایڈر کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے ملک گوپی سے جو زناردار تھا یعنی ہندو تھا اور سلطان کا وزیر تھا التجا کی۔ ملک گوپی نے سلطان سے اس کے گناہ کی معافی چاہی۔ چونکہ سلطان کا ارادہ کفار مالوہ کو سزا دینے کا تھا اس کا گناہ معاف کردیا۔ معتدبہ پیشکش لے کر واپس ہوا اور پھر گودھرہ آ گیا۔

وہاں سے سکندر خان شاہزادہ کو محمد آباد بھیجا اور خود مالوہ کی طرف چلا۔ جب قصبہ داحود پہنچا وہاں ایک قلعہ کی تعمیر کا حکم دے کر کوچ کیا۔ جب دیولہ کی منزلہ میں جو بالکل بیچ میں ہے گذر کیا تو وہاں تین دن قیام کر کے صفدر خانکو وہاں کی تھانیداری پر مقرر کیا تاکہ راستے کے جاری رہنے میں کوئی خلل نہ پہنچے۔ اس مقام پر قصبہ دھار کہ مالوہ کے دیہاتوں میں سے ہے کے مقدم کا لڑکا آ کر حاضر خدمت ہوا اور امان مانگی۔ قوام الملک ملک سارنگ کو چند امیروں کے ہمراہ قصبہ دھار بھیجا تاکہ اہل قصبہ کو امان دے کر اپنی طرف ملالیں۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ سلطان محمود ناصر الدین اور میدنی[1] رائے چندیری کی طرف اس تقریب سے گئے ہیں کہ سلطان محمد، سلطان محمود ناصر الدین کے بھائی نے شکست کے بعد جس کی کیفیت اوپر گذری سلطان سکندر لودی کی پناہ لی تھی اور سلطان سے کمک لے کر ولایت چندیری کا کچھ حصہ اپنے قبضہ وتصرف میں لے آیا تھا۔ سلطان مظفر نے کہا کہ اس لشکر کشی سے مقصود یہ نہ تھا کہ ملک مالوہ کو سلطان محمود سے چھین لوں کیونکہ وہ مسلمان بادشاہ ہے بلکہ غرض میری یہ تھی کہ میدنی رائے اور دوسرے کافروں کو اس کے گرد وپیش سے دور کر کے دونوں بھائیوں کے بیچ صلح کرادوں۔ فی الحال سلطان محمود کو ایک مہم پیش آئی ہے۔ دیکھوں آخر اس کا کیا انجام ہوتا ہے اس کے بعد جو مقتضائے وقت ہوگا ویسے عمل کا حکم دوں گا۔

حکم دیا کہ قوام الملک دھار سے آجائے۔ قوام الملک دوسرے دن آ گیا اور دھار کے آہو خانہ کی عمارتوں کی جو سلطان غیاث الدین کی فرمائش سے بنی تھیں ایسی تعریف کی

---

[1] ج: "اور میدنی رائے.... شکست کے بعد" نہیں ہے۔

کہ سلطان کو ان کی سیر کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اسے وہیں چھوڑ کر بارہ ہزار زبردست سواروں اور ڈیڑھ سو ہاتھیوں کی زنجیر ساتھ لے کر آہو خانہ کی سیر کے لیے روانہ ہوا اور دھار کے تالاب کے کنارے اترا۔ بعض امیروں نے عرض کیا کہ اگر منڈو کی سیر کا ارادہ بھی پکا ہوجائے تو خوب ہو! سلطان نے کہا کہ گھر کو گھر کے مالک کے بغیر دیکھنا لطافت نہیں رکھتا۔ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد بندگی شیخ کمال مالوی اور شیخ عبداللہ جنگالی کی زیارت کے لیے جو دھار کے قریب آسودہ ہیں گیا۔ شہر کے لوگ چھوٹے بڑے سب خدمت میں حاضر ہوئے اور سلطان کے لیے دعا و ثنا میں زبان کھولی۔

دوسری صبح نظام الملک سلطانی، رضی الملک، ملک جمن[1] محافظ الملک اور سیف خان کو حکم ہوا کہ موضع دلاورہ کے محل اور وہاں کے آہوخانہ کی سیر کر کے اُسی دن واپس آئیں تاکہ معلوم ہو کہ کس قسم کی جگہ ہے اور خود (سلطان) دھار کے آہوخانہ کی سیر کے لیے گیا۔ جب بیوقت ہوگیا اور امراء واپس نہ آئے تو فرمایا کہ کیا ہے اگر ہم بھی موضع دلاورہ کی سیر کریں۔ چنانچہ سلطان دلاورہ کی طرف گیا۔ وہاں امراء کو نہ پایا۔ الغ خان نے عرض کیا کہ نظام الملک شاید موضع نعلچہ اپنے بھائی رائے سنگ سے کہ وہاں کا متوطن ہے ملنے گیا ہو۔ سلطان دلاورہ کے محلوں کی سیر کر کے دھار واپس آ گیا۔ مغرب کی نماز کے وقت خبر آئی کہ نظام الملک فتح کر کے آرہا ہے۔ سلطان نے پوچھا کہاں کی فتحیں؟ لوگوں نے کہا کہ جب نظام الملک نعلچہ سے اس طرف چلا تو کافر جو منڈو کے قلعہ میں تھے نیچے آئے اور اس کا پیچھا کیا۔ نظام الملک لوٹا اور جنگ کی۔ چالیس کافر مارے گئے۔ دوسرے بھاگ کر قلعہ پر چڑھ گئے اور نظام الملک مظفر و منصور واپس لوٹ کر حاضر خدمت ہوا۔ سلطان غضبناک ہوا اور نظام الملک پر غصہ کیا کہ حکم کے بغیر وہاں کیوں گیا۔ اگر کوئی واقعہ ہوجاتا تو اس کی بد اقبالی اور شرمندگی کا باعث ہوتا!

مختصر یہ کہ تیسرے دن سلطان دھار سے اپنے کیمپ میں آیا اور وہاں سے اپنی

---

[1] ز: چمن

راجدھانی کی طرف لوٹا۔ تاریخ بہادر شاہی کے مصنف کا بیان ہے کہ یہ ماجرا میں نے مشاہدہ اور معائنہ کے بعد لکھا ہے کیوں کہ اس یورش میں میں سلطان کے ہمرکاب تھا۔

مختصر یہ کہ سلطان مراجعت کر کے محمد آباد آیا۔ پھر ۹۲۰ھ میں یہ عرض کیا گیا کہ ایڈر کے راجہ راؤ بھیم کے بھائی کے لڑکے رائے مل نے مذکور راجہ کے مرنے کے بعد چیتوڑ کے راجہ رانا سانگا کی حمایت سے بہار مل بن بھیم کو ایڈر سے نکال دیا اور خود قابض اور متصرف ہوگیا۔ سلطان کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔ فرمایا کہ بھیم ہماری[1] افاضت سے ایڈر پر متصرف تھا۔ رانا کی کیا مجال کہ اس کی حمایت سے رائے مل ایڈر میں جم جائے۔ احمد نگر (گجرات) کے گورنر کو حکم صادر ہوا کہ رائے مل کو ایڈر سے نکال کر ایڈر بھیم کے بیٹے بہار مل کے سپرد کردے۔ اس کے بعد خود احمد نگر روانہ ہوا پھر وہاں سے احمد آباد آیا۔ یہاں تک کہ ۹۲۳ھ تک رائے مل سلطان کی فوجوں کے ساتھ لڑتا رہا۔ کبھی غالب آجاتا لیکن زیادہ مغلوب ہوتا تھا۔

مختصر یہ کہ موسم باراں سلطان احمد آباد میں عیش و کامرانی میں گذار رہا تھا اس اثنا میں مالوہ کے امراء مثلاً حبیب خان اور شیخ جالکیدہ[2] وغیرہ میدنی رائے کے خوف سے بھاگ کر سلطان کی خدمت میں آئے اور اہل منڈو کے احوال گوش گذار کیے کہ شہر منڈو میں دین اسلام کے آئین برطرف ہوگئے، میدنی راؤ نے اکثر معتبر آدمیوں کو قتل کردیا۔ بعضے بھاگ کر جلا وطن ہوگئے۔ آج کل ہی میں وہ سلطان محمود کو قتل کردے گا یا آنکھ میں سلائی پھروا کر قید کردے گا۔ کفار کے تغلب کا حال سن کر سلطان نے پکا ارادہ کرلیا کہ انشاءاللہ بارش کے بعد مانڈو جاؤں گا اور میدنی رائے کو برباد کروں گا اور دین اسلام کے آئین پھر سے تازہ کردوں گا۔

☆

---

[1] الف، ز: اجازت سے، ج: اضافت سے

[2] الف: چاند

اٹھارواں باب

سلطان محمود خلجی کے گجرات میں آنے، ظفر کی نشانیاں رکھنے والے سلطان مظفر کا اس کی خبر پانے اور اسی وقت منڈو کی طرف لشکر کشی کرنے اور لعنت مآل کافروں پر فتح پانے اور ملک مالوہ کو قلعہ سمیت سلطان محمود خلجی کو بخش دینے اور حصول مقصد کے ساتھ اپنے ملک کی طرف لوٹنے کی کیفیت

فصاحت آثار راویوں اور بلاغت شعار ناقلوں نے ایسی خبر دی ہے کہ جب سلطان محمود خلجی نے دیکھا کہ ملک، خزانہ اور حکومت تمام میدنی رائے کے ہاتھوں میں چلے گئے، سلطان کے پاس سوائے نام سلطانی کے کچھ نہ رہا تو اس نے چاہا[1] کہ منڈو سے ہٹ جائے اور چند روز شکار میں مشغول رہے۔ ایک دن صبح سے شام تک گھوڑا دوڑایا۔ ہندو جو اس کے ساتھ بطریق موکل تھے شکار کی تکان سے سو گئے حالانکہ سلطان کے اردگرد میدنی رائے کے خاص آدمیوں کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ اگر پانی پلاتا تو ہندو پلاتا، اگر کھانا کھلاتا تو ہندو لاتا یہاں تک کہ سائیس اور دربان سب ہندو تھے۔ ان میں کشنا نام کا ایک راجپوت تھا۔ قصبہ کبھرلی کا رہنے والا۔ چونکہ وہ مالوہ کے زمینداروں میں سے تھا اور دوسرے راجپوتوں کی بہ نسبت خدمت اخلاص سے کرتا تھا سلطان نے اس سے کہا کہ کشنا! میں بہت عاجز ہو گیا ہوں کیا تو دو گھوڑے پایگاہ سے لاسکتا ہے اور میری گجرات کی طرف رہنمائی کرسکتا ہے تاکہ میں سلطان مظفر کے پاس جاؤں اور وہاں سے کمک لے کر ان حرام خوروں کو سزا دوں؟ اگر تو یہ خدمت انجام دے سکتا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ تو بہت سی عنایتوں

---

[1] الف: اس نے چاہا کہ منڈو سے نقل کرکے سلطان مظفر کے پاس پہنچے لیکن فرصت کا منتظر تھا اور نقل و حرکت کا سامان کررہا تھا۔

سے سرفراز ہوگا۔

کشتا نے قبول کیا۔ آدھی رات کو دو گھوڑے سلطان کے خاص طویلہ سے لایا۔ ایک گھوڑے پر سلطان سوار ہو گیا اور دوسرے پر اس کی حرم محترم جس کا نام رانی کنسا گر تھا اور جو تمام بیویوں میں سب سے زیادہ محبوب تھی سوار کر دیا۔ کشتا آگے آگے چلا اور گجرات کا رخ کیا۔ آدھی رات اور پورا دن راستہ طے کر کے موضع بھکورہ جو ولایت گجرات کی سرحد ہے پہنچے۔ جب گھوڑے تھک گئے تو موضع بھکورہ کے قریب ایک درخت کے نیچے اترے۔ دوسرے دن یہ خبر قصبہ داحود جو موضع بھکورہ سے دس کوس کے فاصلہ پر ہے کے گونر قیصر خان کو پہنچی۔ قیصر خان سلطان کی خدمت میں آیا اور تعظیم پادشاہانہ بجالایا اور کمر خدمت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ جو چیزیں ضروری تھیں وہ مہیا کیں اور اسی وقت چست وچالاک شترسوار سلطان مظفر کی خدمت میں روانہ کیے اور سلطان محمود کے آنے کے بارے میں جیسا کہ اس نے دیکھا تھا خبر دی۔ سلطان خوش ہو گیا۔ اسی وقت عربی گھوڑے زین اور مرصع لگام کے ساتھ، پہاڑ کی طرح اونچے ہاتھی زربفت کی شاندار جھولیں پہنے ہوئے، شاہانہ ملبوسات، شاہانہ خیمے، حور خصال کنیزیں، مبارک انجام غلام، خزانہ اور کارخانہ نامدار امیروں کے ساتھ روانہ کیے اور لکھا کہ آپ کا آنا دوستوں کے لیے راحت بخش ہوا اور فتح کی نشانیوں والے جھنڈے تکلیف بڑھانے والے دشمنوں کے تعاقب میں منزل شریف کے قریب پہنچے ہوئے سمجھیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان مردود اور نمک حرام ہندوؤں کو ہلاک کر کے منڈو کے قلعہ کو ملک مالوہ سمیت آپ کے ملازموں کے حوالے کر دوں گا۔

جب سلطان کا لشکر قریب پہنچا تو سلطان محمود نے استقبال کیا۔ سلطان مظفر کے حکم کے مطابق تمام امراء گھوڑوں سے اتر پڑے اور پابوسی کر کے اسی وقت بارگاہ اور سراپردہ تمام شاہی کارخانوں کے ساتھ کھڑے کر دیے۔ سلطان خوش وخرم ہو کر شاہی سراپردہ میں گیا۔ امراء بارگاہ کے چاروں طرف اترے اور پورا سلسلۂ بادشاہی مہیا ہو گیا۔

جب میدنی رائے کے جاسوسوں نے اس حال کا مشاہدہ کیا جا کر حقیقت حال

اس سے بیان کردی برگشت روزگار کفار لرز اٹھے۔

مختصر یہ کہ امراء کو بھیجنے کے دوسرے [1] دن سلطان مظفر منڈو کے کافروں کو سزا دینے کے ارادہ سے محمد آباد سے روانہ ہوا۔ جب گودھرہ کے مقام پر جو محمد آباد سے بارہ کوس کے فاصلہ پر ہے پہنچا تو خبر ملی کہ سلطان سکندر لودی بادشاہ دہلی نے وفات [2] پائی اور سلطان [3] ابراہیم بن سکندر شہر [4] آگرہ میں تخت شاہی پر بیٹھا اور یہ واقعہ [5] ۹۲۳ھ میں ہوا۔ سلطان مظفر نے علماء اور صلحاء کو جمع کر کے سلطان سکندر کی روح کے لیے فاتحہ پڑھی

---

[1] الف، ز : دوسرے دن کہ جمعرات کا دن، ۲۰ ماہ ذی قعدہ ۹۲۳ھ تھا سلطان مظفر نے جہاد کی نیت سے خوش اقبالی کا پاؤں بادرفتار گھوڑے کی رکاب میں رکھا۔ مظفر شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ جب سلطان نے منڈو جانے کا پکا ارادہ کرلیا تو فرمان سلطانی کے مطابق اشراف و اکابر کلام ربانی کے ختم میں مشغول ہو گئے۔ سلطان نے بھی کلام اللہ کا ایک پارہ منگوا کر اس کے ختم سے فال نکالنے کا خیال اپنے دل میں کیا اور اس جزو کا ختم سے اس آیات پر تھا: ''تو یہ نتیجہ ہوا کہ اللہ والوں نے اللہ کے حکم سے دشمنان خدا کو شکست دے دی اور جالوت (کافر) کو داؤد پیغمبر نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور اللہ نے حکومت اور حکمت کے ساتھ اور بھی جو چاہا داؤد کو دیا۔ تو تم جہاد کی بات تو یوں سمجھو کہ اگر فرمانبردار بندوں کے ذریعے سے اللہ نافرمانوں کے زور کو نہ توڑتا رہے تو اللہ کی زمین فساد سے بھر جائے۔ پس اللہ امن و انصاف کی خاطر جہاد کی شکل میں لوگوں پر اپنا فضل فرماتا رہتا ہے۔'' (سورہ بقرہ: ۲۵۱، ۲۵۲)۔ کلام ربانی کے ختم کے بعد سلطان نے پورے اعتقاد کے ساتھ آیت مذکور کو فتح کو تھامنے والی بنا کر محمد آباد سے کوچ کیا۔ جمعرات کے دن ماہ مذکور کی گیارہویں تاریخ کو تین منزل کے مسافت طے کر کے قصبہ گودھرہ پہنچا۔ اتوار کے دن مہینے اکیسویں تاریخ کو شاہزادہ سکندر خان کو محمد آباد وداع کیا اور شاہزادہ لطیف خان اور بہادر خان کو ہمراہ لے کر مظفر آباد کی طرف کوچ کیا۔ منگل کے دن مہینے کی اٹھائیس تاریخ کو موضع بکور کو اپنے خیموں اور سواریوں سے خوش نصیبی اور سعادت بخشی۔ بدھ کے دن ماہ ذی الحجہ کی تو تاریخ کو مقام مذکور پر یہ خبر پہنچی۔

[2] الف : ودیعت حیات سپرد کی۔

[3] الف : اور اس کا بیٹا

[4] الف : ''شہر آگرہ'' نہیں ہے۔

[5] الف : ''اور یہ واقعہ ۹۲۳ھ میں ہوا'' نہیں ہے۔

اور کوچ کیا۔ موضع[1] دیولہ کے مقام پر اثنائے شکار میں سلطان محمود سے ملاقات کی جس طرح دیندار اور مرحمت شعار بادشاہ نامدار بادشاہوں سے ملاقات کرتے ہیں اور اسے اتنی تسلی دی کہ سلطان محمود سختی روزگار، رنج راہ اور درشتی بدخواہ بھول کر آسودہ ہو گیا۔

مختصر[2] یہ کہ جب میدنی رائے نے سنا کہ سلطان مظفر ایک زبردست فوج کے ساتھ سلطان محمود کی کمک کے لیے دیولہ مقام پر جو ولایت مالوہ کی سرحد میں ہے پہنچا تو اس نے شادی خان، بھیم کرن، مدن، کہا کہو اور اگرسین کو جو اس کے لشکر کے بہترین سردار تھے منڈو کی قلعداری کے لیے بھیجا اور خود قصبہ دھار میں مقابلہ کیا۔ آخرکار دبدبۂ شاہی کا حال سن کر اور ظل الٰہی کے جھنڈوں کو دیکھ کر بھاگ گیا اور اجین پہنچا۔ سلطان نے قلعۂ منڈو کا محاصرہ کر لیا۔ مورچے[3] تقسیم ہوئے۔ ہندو[4] ہر روز قلعہ سے نکل کر جنگ وجدل کرتے تھے۔ جب چند روز اس ڈھنگ سے گذرے تو اہل قلعہ کے لیے تنگی پیدا ہوئی۔ میدنی راؤ نے انہیں کہلا بھیجا کہ تم سلطان سے صلح کی بات کر کے ایک ماہ کی مہلت مانگو کہ ہم قلعہ خالی کر دیں گے، اس وقت تک میں رانا کے پاس سے کمک کے لیے اتنا لشکر لے آؤں گا کہ

---

[1] الف: منزل مذکور پر ٹھہر کر رسم زیارت کہ متعارف ہے ادا کی۔ جمعہ کے دن مہینے کی گیارہ تاریخ کو روانہ ہو کر رات میں موضع دنتی کالو میں مقام کیا۔ پیر کے دن مہینے کی چودہ تاریخ کو فتحمند جھنڈوں اور نصرت مقام خیموں کو دیولہ میں نصب کیا۔ منگل کے دن پندرہ تاریخ کو سلطان محمود سے ملاقات کی۔

[2] الف: جمعہ کے دن مہینے کی اٹھارہ تاریخ کو ظفر مند جھنڈوں کا رخ دھار کی طرف کیا میدنی راؤ جو دھار میں جنگ اور مقابلہ کے خیال سے کھڑا تھا بھاگ کر اجین پہنچا۔ پتھورا، میرکن، شادی خان، بدھن، کھاکو اور اگرسین جو اس کے لشکر کے بہترین سردار تھے ان کو قلعہ منڈو کی قلعداری کے لیے بھیجا۔ اتوار کے دن مہینے کی ۲۳ تاریخ کو سلطان اپنی نصرت قرین فوجوں کے ساتھ قلعۂ منڈو کے قریب خیمہ زن ہوا۔

[3] الف: مورچے متعین کیے۔ قیصر خان کو دہلی دروازہ پر نامزد کیا۔ ملک عمادالملک کو بدارہ پر متعین کیا اور قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

[4] الف: "ہندو ہر روز..... تنگی پیدا ہوئی" نہیں ہے۔

سلطان مظفر بغیر جنگ کے قلعہ کو چھوڑ کر گجرات چلا جائے گا۔

کفار نے مکروفریب سے کام لے کر اپنا ایلچی[1] ایسے مال کے ساتھ جو پیشکش کے لائق تھا خداوندخان وزیر کے پاس بھیجا۔ خداوندخان اُس کو سلطان کی خدمت میں لے گیا۔ ایلچی[2] نے عرض کیا کہ اہل قلعہ سب سلطان کے غلام ہیں۔ اپنے عجز کا اعتراف کر کے ایک ماہ کی مہلت مانگتے ہیں تاکہ سامان تیار کر کے اپنے بال بچوں کو لے کر نیچے اتر آئیں اور قلعہ کو سلطان کے غلاموں کو سونپ دیں۔ سلطان نے کہا کہ مبادا اس نے مکر کھڑا کیا ہو اور فریب چاہا ہو۔ ایلچی نے سوگند کھائی۔ سلطان نے ایک ماہ کی مہلت دے دی۔ بظاہر انہوں نے سامان باہر لانا شروع کر دیا اور خفیہ طور پر میدنی راؤ کو لکھا کہ جو کچھ آپ کا ارادہ تھا ویسا ہی کیا گیا اب آپ جو کچھ کر سکتے ہیں اس میں تقصیر مت کرنا۔

میدنی راؤ رانا کے پاس گیا اور کہا کہ ہندوستان میں تجھ سے بڑا کوئی نہیں اس وقت اگر تو اپنی قوم کی مدد نہیں کرے گا تو کب کرے گا؟ چند نامی ہاتھی سلطان محمود کے فیل خانہ کے اور قیمتی جواہر سلطان کے خزانے کے جو اس کے پاس تھے کمک کی شرط پر اس نے رانا کو دینا قبول کئے۔ رانا نے سوچا کہ ایک دفعہ سارنگپور تک جاؤں اور ہاتھی اور جواہرات اس سے لے لوں۔ اس کے بعد جو کچھ وقت کا اقتضا ہوگا ویسا عمل کروں گا۔ رانا ایک بھاری لشکر کے ساتھ سارنگپور کی طرف جو ولایت مالوی کے مضافات سے منڈو سے پچاس کوس کے فاصلہ پر ہے روانہ ہوا۔

جب یہ خبر سلطان کو پہنچی تو وہ اہل قلعہ کے مکروفریب کو تاڑ گیا۔ اس نے عادل خان آسیری اور اقوام الملک سارنگ کو شجاعت شعار اور چست و چالاک امیروں کے ساتھ

---

[1] الف: جمعہ کے دن مہینے کی ۲۵ تاریخ کو محاصرہ کا تیسرا دن تھا۔ تھوراوغیرہ جیسے اپنے چند رشتہ داروں کو ایسے مال کے ساتھ جو پیش کش کے لائق تھا خداوندخان کے پاس اور بعضے کہتے ہیں کہ قیصر خان کے پاس بھیجا، امان طلب کی اور مہلت مانگی۔ قیصر خان ان کو سلطان کی خدمت میں لے گیا۔

[2] الف: "ایلچی نے ...... سوگند کھائی" نہیں ہے۔

[3] الف: مقرر کی تاکہ آسانی سے باہر آ کر قلعہ سلطان کے ملازموں کو سونپ دیں۔

رانا پر متعین کر کے لشکر کو حکم دیا کہ پھر سے قلعہ کا محاصرہ کر لیں اور سعی و کوشش پر پہلے سے زیادہ دھیان دیں۔ سلطان کی فوج نے اس مرتبہ ایسا زور کیا کہ دوسرے ہی دن[1] قلعہ فتح کرلیا اور بہت سے کافروں کو قتل کردیا۔ کہتے ہیں کہ کفار کے جو مقتولین شمار ہوئے انیس ہزار تھے اور یہ واقعہ[2] ۹۲۴ھ میں ہوا جیسا کہ اس مصرع کے[3] حروف کے مجموعہ سے واضح ہے۔ مع

قد[4] فتح المندو سلطاننا

سید جلال منور الملک بخاری اور مَلِک ملائک صفات ملک محمود سے نقل ہے کہ اس جہاد میں اکثر کفار کو رجال الغیب (مردان غیب) نے قتل کیا۔ اتفاق سے ملک مذکور اس فتح میں سلطان کے ہمراہ تھے۔ ان سے نقل کیا گیا ہے کہ کفار کے شکست کھانے کے بعد جب دروازے کھلے تو ہم چند آدمی قلعہ کے اوپر آئے۔ ہم حویلیوں کی سیر کر رہے تھے۔ جہاں کہیں ہمیں کافر حربی ملتا تھا ہم اسے مار کر وہاں سے مڑ جاتے تھے۔ اتفاق سے ہم ایک حویلی پر پہنچے کہ جس کا دروازہ اندر سے بند کرلیا گیا تھا۔ ہم نے گمان کیا کہ کافر اس میں

---

[1] الف: سنیچر کے دن، ماہ صفر کی ۲ رتاریخ کو قلعہ فتح کیا۔

[2] الف: مؤلف مظفر شاہی لکھتا ہے کہ چالیس ہزار تھے اور ستاون نامدار سردار۔ بیشک اللہ سب سے زیادہ صحیح جانتا ہے۔ کفار کے سرداروں کے نام یہ ہیں: ٹھورا، اودی کرن، کانھ دیو، عجائب دیو، غازن خان، شادی خان، رتن چند، مانک چند، بہادر خان، دولت خان، اکھی چند، گیرت چند، دونگرسی، کالو، بکرم سی، ملتان، رای سنگ، جیون پٹھان، جیت سنگھ، فتح خان اور اس کا لڑکا شیر خان، ٹھاکر سین کانھ اور باہی کے لڑکے وغیرہ۔

[3] الف: اس قطعہ کے اخیر مصراع سے مستفاد ہوتا ہے۔ [قطعہ]

مظفر شاہ کردہ فتح مندو — کہ اول تخت گاہش دھار باشد
اگر پرسند از تاریخ فتحش — پریشانی ہمہ کفار باشد

اور اس مصرعہ سے بھی۔

[4] بغیر ہمارے سلطان نے منڈو فتح کیا۔

ہوں گے۔ دروازہ توڑ کر ہم اندر آئے تو خالی پایا۔ اس میں ایک تہہ خانہ تھا۔ وہاں پہنچے اور سوچا کہ شاید وہاں ہوں گے۔ اللہ اللہ کہتے ہوئے ہم داخل ہوئے تو دیکھا کہ چالیس پچاس نفر کافر مقتول پڑے ہیں۔ چنانچہ ان کے سر ان کے دھڑ سے جدا پڑے تھے۔ ان میں سے ایک میں جان کی رمق باقی تھی۔ ہم نے اس سے حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ جان کے ڈر سے ہم اس تہہ خانہ میں داخل ہو گئے تھے۔ ناگاہ ایک ہاتھ کا پنجہ ننگی شمشیر لیے پیدا ہوا اور ہم سب کو قتل کر دیا اور سر دھڑ سے جدا کر دیے۔ کچھ دیر کے بعد اس نے بھی اپنی جان مالکان دوزخ کے سپرد کر دی۔

نقل ہے کہ اسی دن ایک کافر ایک غازی کے سامنے سے بھاگا۔ غازی نے اس کا پیچھا کیا۔ جب کبھی وہ اس تک پہنچتا اور چاہتا کہ نیزہ اسے بھونک دے اس کا چلتہ (خفتان) اس کی پیٹھ کی طرف چاک ہو جاتا تھا۔ غازی تعجب کر رہا تھا اور اپنا ہاتھ کھینچ لیتا تھا۔ چند بار یہی معاملہ دیکھا۔ غازی نے لگام روکی۔ اچانک اس کافر کا گھوڑ ٹھوکر کھا کر گرا تو ایک لکڑی میخ کی طرح اس کے سینے میں چبھ گئی اور پیٹھ کی جانب سے نکلی۔ غازی حیران ہو گیا اور خدا کی قدرت کی تعریف کی۔

القصہ جب سلطان مظفر و منصور قلعہ کے اوپر آیا تو بعض دولت خواہوں نے عرض کیا کہ ملک مالوہ کی طرح جو وسعت میں ملک گجرات سے زیادہ کہا جا سکتا ہے ایسی مشکل اور مشقت سے ہاتھ میں آئے کہ جس میں دو ہزار نامی سوار شہادت کے درجہ پر پہنچے ہوں اسے سلطان محمود کے لیے چھوڑ دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ [بیت]

ملک کسی کو میراث میں نہیں ملتا
جب تک دونوں ہاتھوں سے خوب تلوار نہ چلائے

یہ بات سنتے ہی سلطان قلعہ سے نیچے آ گیا اور سلطان محمود سے کہا کہ یہ اہتمام کیجیے کہ میرے آدمیوں میں سے کوئی قلعہ کے اوپر نہ جائے۔ سلطان محمود نے عرض کیا کہ

[بیت]

بیغمی کی دولت اور شادمانی کا کونہ

جو کچھ میرے پاس ہے آپ ہی کی ہمت کی برکت سے ہے

ملک ومال، دل وجان اور خانمان سب کچھ آپ حضرت کے طفیل سے ہے۔ اگر کچھ دن قلعہ میں قیام کریں تو میرے لیے باعث افتخار ہوگا۔ سلطان نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ۔ تیسرے دن ہم آپ کے مہمان ہوں گے لیکن فی الحال مصلحت اسی میں ہے۔ سلطان محمود نے ہر چند مبالغہ کیا لیکن سلطان نے قبول نہ کیا۔ کہتے ہیں کہ کچھ دن گذرنے کے بعد بعض مقربوں نے قلعہ سے اتنی جلدی نیچے آجانے کا سبب پوچھا۔ فرمایا لوگ اس کوشش میں تھے کہ قلعہ سلطان محمود کو نہیں دینا چاہیے حالانکہ میں نے یہ جہاد محض خدا کے واسطے کیا تھا۔ میں ڈرا کہ مبادا فساد کا خیال میری نیت کے خلوص میں ہوجائے اور عمل کا چہرہ اس نیت کے پورا کرنے سے پھر جائے۔ اس لیے فوراً ہی چل پڑا اور فاسد خیال کا راستہ بند کردیا۔ اس معاملہ میں میرا سلطان محمود پر احسان نہیں بلکہ سلطان کا احسان مجھ پر ہے کہ میں اس کے طفیل اس سعادت کو پہنچا اور مراد کی صورت میں اپنی آنکھوں سے دیکھی۔

مختصرا[1] یہ کہ تیسرے دن سلطان محمود کی ضیافت قبول کرنے کے لیے سلطان قلعہ

---

[1] الف : مختصر یہ کہ مرصع کمربند کی کیفیت کی صورت جو جاندار کی غفلت اور گردوں رفتار گھوڑے کی تندی کی وجہ سے خلجیوں کے ساتھ میں پڑا تھا یہ ہے کہ جب سلطان قطب الدین نے سلطان محمود خلجی کو کپیر بج میں شکست دی تو قتل وخون اس طرح کیا کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔ اتفاق سے اس قیامت مثال دار و گیر میں سلطان قطب الدین کے جاندار کہ ایک مرصع کمربند اس کی تحویل میں تھا کا گھوڑا آیا اور خود کو بھاگتے ہوئے دشمن کے پیچھے ڈالا۔ آخر کار جاندار گھوڑے سے گر پڑا اور غنیم کے آدمیوں کے ہاتھ گرفتار ہوگیا۔ کمربند اس سے لے کر سلطان محمود خلجی کو دے دیا۔ اس طرح سے وہ کمربند سلطان محمود خلجی کے ہاتھ میں آیا تھا۔ سلطان محمود نے وہ اپنے بیٹے کے ساتھ جو کفار کے ہاتھوں سے قلعہ منڈو کے فتح ہونے کے دن آزاد ہوا تھا ایک تلوار اور ایک مناسب گھوڑے کے

میں گیا اور شہر منڈو کے تمام لوگ، چھوٹوں سے لے کر بڑوں تک، حتیٰ کہ عورتیں اور حاملائیں تک باہر نکل کر تماشا کر رہے تھے اور سلطان کو دعائیں دے رہے اور اس کی تعریفیں کر رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود نے مہمانداری میں بہت تکلف کیا اور انتہائی تواضع بجالایا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد محلوں کی سیر کے لیے سلطان کی رہنمائی کی۔ اچانک ایک حویلی میں پہنچے جس میں ایک عمارت کعبہ جیسی پائی۔ منقش و مصلاّ اور اس کے چاروں طرف حجرے۔ جب سلطان نے اس مکان کے دالان میں قدم رکھا سلطان محمود کی حرمیں آراستہ و پیراستہ ہو کر ایک دم حجروں کے دروازے کھول کر حور اور پری کی طرح جلوہ گر ہوگئیں۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود کے مکان کے حرم میں دو ہزار صاحب جمال عورتیں تھیں۔ منڈو کے سلطانوں نے عیش و فراغت میں اس درجہ بڑھایا تھا کہ اس سے بالاتر متصور نہیں۔ خاص طور پر سلطان غیاث الدین نے۔ چنانچہ اب بھی کوئی عیش و کامرانی میں افراط دکھاتا ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں عیش و کامرانی میں سلطان غیاث الدین ثانی ہے۔ اس واسطے کہ کوئی ایسی بات جس سے غم کی بُو آئے یا دلگیری کا شائبہ دکھائے حکم نہیں تھا کہ کوئی اس کا چہرہ سلطان کے سامنے کھولے۔ اس پوری سلطنت کی مدت میں صرف دو المناک واقعے اس سے عرض کیے گئے تھے۔ ایک تو یہ کہ جب اس کے داماد کا انتقال ہوا تو اس کی بیٹی کو سفید لباس پہنا کر اس کے قریب سے گذارا گیا تھا۔ جب سلطان کی نظر اس پر پڑی تو کہا شاید اس کا شوہر مر گیا۔ دوسرے سلطان بہلول لودی کی فوجوں نے سرکار چندیری کے چند پرگنوں پر حملہ کیا تو وزیروں سے یہ اصرار کیا گیا کہ یہ واقعہ عرض کر دیں

ساتھ سلطان کی خدمت میں بھیجا اور دعوت کا التماس کیا۔ سلطان نے قبول کیا اور لڑکے کو اعزاز واکرام کے ساتھ وداع کیا۔ سلطان محمود نے آسودگی اور خوشحالی کی رُو سے حکم دیا تو شہر میں آئینہ بندی کی گئی، محلات صاف ہوئے اور شاہانہ بساط بچھائی گئی۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود نے مجلس آرائی میں ایسی کوشش کی تھی کہ اس سے زیادہ متصور نہ تھی۔ ماہ صفر کی پندرہ (ز: گیارہ) تاریخ کو وعدہ کے مطابق قلعہ میں گیا۔

لیکن مجھ میں یہ قدرت نہ تھی کہ آ کر صاف لفظوں میں بیان کردیں۔ تو بھانڈوں کے ایک طائفہ کو کہا کہ خود کو افغان کی صورت میں آراستہ کر کے اور ان پرگنوں کے نام لے لے کر مال اور اشیاء لوٹنا شروع کردیں۔ انہوں نے کہا کہ چندیری کا گورنر مرگیا کیونکہ وہ اپنی ولایت کے پرگنوں کا انتقام افغانوں کی ولایت کے پرگنوں سے نہیں لے سکتا تھا۔

مختصر یہ کہ سلطان کی اہل حرم زر و جواہر کے طباق سلطان مظفر پر سے نچھاور کرنے کے لیے طاؤس بہشتی کی طرح نمودار ہوئیں۔ یہ شعر ان کے مناسب حال تھا۔

[بیت]

حوریں میرے معشوق کے نظارے کے لیے صف باندھ کر کھڑی ہوگئیں
رضوان نے تعصب سے تالیاں بجائیں

جب سلطان کی آنکھ ان کی خوبصورتی پر پڑی تو اس نے سر جھکالیا اور کہا کہ نامحرموں کا دیکھنا موجب وبال ہے۔ سلطان محمود نے کہا کہ یہ سب میری مملوکہ (زرخرید) ہیں اور میں سلطان کے کرم کا خریدا ہوا ہوں۔ ع

غلام اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کے آقا ہی کی ملکیت ہے

لہٰذا حلال ہیں۔ سب سلطان کی نذر ہیں۔ سلطان نے کہا کہ آپ ہی کو مبارک ہوں۔ حکم ہو کہ پردہ میں چلی جائیں۔ سلطان محمود کے ایک اشارہ پر وہ سب پریوں کی طرح چھپ گئیں۔ سلطان باہر آیا اور وداع ہو کر اپنی جائے اقامت پر تشریف لایا۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود نے اس طریقہ پر جو مذکور ہوا سلطان مظفر سے التجا کی تھی۔

میدنی راؤ نے حرم سلطانی کی سرکار کے اخراجات میں تبدیلی نہیں کی۔ جو کچھ کپڑوں کی جنس، خوشبو اور نقد مقرر تھی بغیر کمی کے پہنچاتا تھا اور زر و زیور جو انکے پاس تھے اسی حال میں چھوڑ دیے تھے۔ دن میں ایک بار وہ دربار میں آتا، دوا کہلواتا اور عرض کرتا کہ مجھ سے دولتخواہی کے خلاف کوئی امر وقوع میں نہیں آیا کہ سلطان ناراض ہو کر چلے گئے۔ آپ لوگ عرض کرتا کہ اپنے ملک کی خبر لیں اور زیادہ سے زیادہ وزارت کا منصب

کسی دوسرے کو سونپ دیں۔ میں کفش برداری کرتا رہوں گا۔ اس قسم کی باتیں کرتا اور چلا جاتا تھا۔ حرم کی احتیاط کا ضابطہ جس طرح سلطان کے حضور میں قرار پاچکا تھا خواجہ سرا اسیطرح اس کی رعایت کرتے تھے۔

مختصر یہ کہ فتح کے دن شادی خان اور پتھورا اور کہا کھو جو قلعہ والوں میں سب سے بہتر تھے مارے گئے۔ ہیمکرن اور بدن ایک کھڑکی سے باہر نکل کر بھاگے اور میدنی راؤ کے پاس پہنچ گئے۔ کہتے ہیں کہ اہل قلعہ کے زبردست رنج والم کی ہیبت بدن کے دل میں ایسی بیٹھ گئی تھی کہ چند ہول آمیز کلمے میدنی راؤ کے سامنے کہے اور پانی مانگا۔ پانی پیتے ہی گر پڑا اور اپنی جان مالکان دوزخ کے سپرد کردی۔ یہ حال دیکھ کر میدنی راؤ اور رانا کا مرغ روح قلب سے پرواز کر گیا۔ میدنی راؤ نے کہا کہ ہمارے سگے سنبدھی سب عدم آباد کو سدھارے اور بال بچے مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ اب ہماری زندگی کس کام آئے گی۔ وہ چاہتا تھا کہ خودکشی کرلے لیکن رانا مانع ہوا اور اپنے ساتھ اسے چیتوڑ لے گیا۔ کہتے ہیں کہ رات میں ۴۷ کوس کا راستہ طے کر کے منزل کی۔

عادل خان نے دیپال[1] پور کی منزل سے جو منڈو سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر ہے رانا کے فرار ہونے کی اطلاع سلطان کو بھیجی اور اجازت چاہی کہ اگر حکم ہو تو تعاقب کرے۔ سلطان نے اس میں مصلحت نہ دیکھی۔ عادل خان کو طلب کیا اور خود اپنی راجدھانی کی طرف روانہ ہوا۔ مقام دیولہ تک سلطان محمود ہمراہ رہا۔ وہاں سے آصف خان کو چند امیروں کے ساتھ سلطان محمود کی کمک پر متعین کر کے وداع کیا اور عادل خان آسیری کو بھی اسی منزل سے رخصت کردیا تاکہ وہ آسیر اور برہانپور کی طرف روانہ ہو جائے۔ اور خود دولت واقبال کے ساتھ وہاں سے ایڈر آیا۔ وہاں کچھ دن شکار کے سبب قیام کیا اور وہاں سے محمود آباد آیا۔ گرما اور بارش کے موسم اپنی راجدھانی میں عیش وتنعم میں گذارے اور سپاہیوں نے بھی وقت بیوقت کے سفر کی تکان سے آرام پایا۔

---

[1] اسے دیپال پور بھی کہتے ہیں۔ اندور سے رتلام کی جانب پہلا اسٹیشن ہے۔ مترجم۔

اس کے بعد ۹۲۵ھ میں خبر پہنچی کہ سلطان محمود کا گرون گیا تھا۔ بھیمکرن کہ جس کا ذکر اوپر گذرا وہاں کا متصرف تھا۔ وہ جنگ میں سلطان کے ہاتھ آیا۔ سلطان نے اسے قتل کردیا۔ اس وجہ سے رانا نے بڑا لشکر جمع کیا اور سلطان محمود سے جنگ کرنے کے لیے بڑھا۔ بہت بڑی جنگ واقع ہوئی۔ آخرکار سلطان زخمی ہوکر رانا کے ہاتھوں میں پڑا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی۔ بہت سے مسلمان درجۂ شہادت کو پہنچے۔

یہ واقعہ سن کر سلطان متفکر ہوا اور قلعۂ منڈو کی حراست کے لیے لشکر بھیجا۔ یہ خبر سن کر رانا واپس ہوگیا اور چیتوڑ جو اس کی راجادھانی تھا چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان محمود زخمی ہوکر گرا رانا کے لشکریوں نے اسے ایک بلند زمین پر رکھ کر رانا کو خبر کی۔ رانا خود آیا اور سلطان کو پورے اعزاز کے ساتھ پالکی میں ڈال کر چیتوڑ لے گیا اور مسلمان بادشاہوں کے ڈر سے جو ولایت منڈو کے پڑوس میں تھے مثلاً سلطان ابراہیم لودی بادشاہ دہلی اور سلطان مظفر وغیرہ سلطان محمود کے ساتھ بہت نرمی سے پیش آیا۔ جب سلطان کے زخم بھر گئے تو پورے اعزاز کے ساتھ چند منزل تک رخصت کرنے کے لیے آیا اور وداع کیا اور سلطان کے لڑکے کو گروی کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا تاکہ سلطان انتقام کے درپے نہ ہو۔

مختصر یہ کہ سنہ مذکور میں سلطان مظفر محمد آباد سے ایڈر آیا، کچھ دنوں وہاں کی شکار گاہ میں شکار کیا اور ملک نصرۃ الملک[1]، ایڈر کے حوالدار کو بدل کر اس کی جگہ وزیروں کے علی الرغم ملک حسین بھٹی کو جس کا خطاب نظام الملک تھا اور جو شجاعت و دلیری میں اپنے زمانہ کا رستم تھا نصب کیا۔ اور خود احمد آباد کے شہر معظم میں آیا۔ وزیروں نے اس معاملہ پر ناخوشی کا اظہار کیا۔ سلطان نے کہا کہ میں نے تمہارا بازو[2] (گنگ) فراہم کیا ہے۔ بیقراری میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس واسطے امراء آزردہ ہوئے اور نظام الملک کو توڑنے کی

---

[1] ج: "ملک نصرۃ الملک.... ایڈر کے حوالدار کو" نہیں ہے۔
[2] ز: استاد، ج: ہتھیلی

کوشش کرنے لگے۔

مختصر یہ کہ ۹۲۷ھ میں ایک خوشامدی نے ایک تقریب پر نظام الملک[ب] کی مجلس میں کہا کہ رانا جیسا آدمی کہ اس جیسا راجہ آج ہندوستان میں نہیں ایڈر کے راجہ رائیمل کی حمایت کرتا ہے۔ اس وجہ سے کہ تم کچھ دنوں تک ایڈر میں رہو گے ایڈر رائیمل کے ہاتھ سے نکلے گا۔[ج] نظام الملک نے کہا کہ رانا کون ہوتا ہے جو رائیمل کی حمایت کرے۔ اب کہ میں یہاں بیٹھا ہوں اگر مرد ہے تو آتا کیوں نہیں۔ اس نے کہا کہ عنقریب وہ آتا ہے۔ ملک نے کہا اگر نہ آئے تو کتا ہے بلکہ ایک کتا منگوا کر دربار میں باندھا اور کہا کہ اگر رانا نہ آئے تو اس کتے کی طرح ہے۔

خوشامدی اٹھا اور رانا کے پاس گیا اور قصہ بیان کر دیا۔ رانا سانپ کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا اور اسی وقت چادر باہر کھینچی اور متواتر کوچ کرتا ہوا قصبہ سروہی پہنچا۔ یہ خبر سن کر سلطان نے چاہا کہ کمک بھیجے۔ سلطان کے رہنماؤں نے جو نظام الملک[د] سے عناد رکھتے تھے عرض کیا کہ رانا میں کیا طاقت ہے کہ سلطان کے غلاموں سے چھیڑ کرے اور قاصد خبر لائے کہ رانا واپس لوٹ گیا اور چیتوڑ چلا گیا۔ اور یہ خبر اس وقت واقعہ کے مطابق تھی۔ سلطان قوام الملک کو احمد آباد کے شہر معظم میں چھوڑ کر محمد آباد چلا گیا۔

رانا راستے سے پلٹ کر ولایت باکر کی طرف جو ولایت ایڈر کے مشرق میں ہے متوجہ ہوا۔ یہ حقیقت نظام الملک[ہ] نے سلطان کو لکھ بھیجی کہ رانا چالیس ہزار سوار لے کر باکر کی طرف آ رہا ہے اور ارادہ یہ ہے کہ ایڈر پر چڑھائی کرے جب کہ ایڈر میں کل پانچ ہزار سوار تعینات ہیں۔ ان میں سے بھی بہت سے آدمی احمد آباد چلے گئے ہیں۔ یہ واجب تھا اس لیے عرض کیا۔ وزیروں نے وہ عریضہ سلطان کی نظروں سے نہیں گذرا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ کینہ پیشہ اور عناد اندیشہ پیشواؤں نے کتنے ہی سلسلوں کو برباد نہیں کر دیا ہے اور کتنے ہی سروں کو معرض تلف میں نہیں رکھا ہے۔ ذیل کے شعر کا مضمون اس حال کی

ب تا ہ الف : نظام خان

گواہی دیتا ہے۔ [بیت]

اگرچہ ظالموں کے قلم کا تنکا ہی حقیر ہوتا ہے

لیکن سلطنت کی بنیاد اکھیڑنے کے لیے ایک زبردست سیلاب ہوتا ہے۔

حاکم میں یہ تمیز ہونی چاہیے کہ ایسے آدمیوں کو

پیشوائی (رہنمائی) کی خدمت نہ دے۔

مختصر یہ کہ کمک بھیجنے میں غفلت ہوئی۔ رانا تیزی سے ایڈر پر چڑھ آیا۔ نظام الملک[1] نے جوان دونوں مبارز الملک کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا نادانی[2] کی اور اس پر اڑ گیا کہ میں جنگ کروں گا۔ اس کے خاص لوگوں نے ایسا نہیں کرنے دیا اور کہا کہ رانا نے ہم پر چالیس ہزار سواروں کے ساتھ چڑھائی کی ہے۔ نامناسب ہے کہ ہم تو سو سوار اس کے ساتھ جنگ کریں۔ اس معاملہ میں سلطان کی مہم برہم ہوجائے گی اور سرکار کی بدنامی کا باعث ہوگی۔ ہر چند انہوں نے بحث کی لیکن مبارزک الملک اپنی پہلی بات سے نہیں پلٹا آخر کار بڑی کوشش سے یہ طے پایا کہ احمد نگر (گجرات) تک جائیں اور احمد نگر کے قلعہ کو مضبوط کر کے توپ وتفنگ کی جنگ لڑیں یہاں تک کہ کمک آجائے۔ پھر ہم صف باندھ کر لڑیں گے۔

آخر کار مبارز الملک[3] کو لے کر وہ احمد نگر گئے لیکن سو سوار جو سلطان کی سلحداری سے منسوب تھے ایک دوسرے سے شہادت کا اقرار کر کے ایڈر ہی میں رہ گئے اس طور سے کہ نظام الملک کو اس حال کی خبر نہ لگی۔ جب رانا ایڈر پہنچا تو وہ نکلے اور جنگ کر کے سب کے سب شہید ہوگئے۔ ان میں سے بہترین ملک نجن اور سہریہ[4] تھے۔ باعث

---

[1] الف: نظام خان

[2] ز: قرار دیا کہ کل جنگ کروں گا۔

[3] الف: مبارز الملک کو خواہی نخواہی ساتھ لے کر احمد نگر گئے۔

[4] الف: اوتہریہ ز: شیرو

اس واقعہ کا یہ تھا کہ وزیروں نے ملک نجن سے کہا تھا کہ ملک[1] کوئی ایسا کام کرے گا جس کے وقوع سے نظام الملک[2] کو بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ کہتے ہیں کہ ایک خوشامدی نے نظام الملک کی مدح میں ایک شعر اس مضمون کا کہا تھا کہ رانا کا لشکر حکم[3]؟ تھا اور نظام الملک کا لشکر باز کی طرح اس پر حملہ کرتا ہے۔ جب رانا ایڈر کے قریب پہنچا تو اس خوشامدی سے کہا کہ کہاں گئے وہ شہباز جن کا تو نے کہا تھا؟ اس اثنا میں وہ جوان ایڈر سے نکلے اور حملہ آور ہوئے۔ رانا کے آدمی جو آگے آگے جاتے تھے بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ خوشامدی بولا "نہیں آئے یہ شہباز جن کا میں نے کہا تھا؟"

مختصر یہ کہ راستے میں صفدر خان[4]، شجاع الملک[5] اور سیف خان نے جو احمد نگر سے مبارز الملک کی مدد کے لیے جا رہے تھے نظام الملک سے ملاقات کی انہوں نے ملک[6] سے کہا کہ تمہیں ایڈر میں ٹھہرنا چاہیے تھا۔ ہم بھی خود وہاں پہنچ جاتے تا کہ متفق ہو کر رانا سے جنگ کرتے۔ کل جب رانا احمد نگر آئے گا تو ہم خود کے لیے یہ قرار نہیں دے سکتے کہ اس کافر سے ڈر کر قلعہ بند ہو جائیں۔ ہم[7] میدان میں جنگ کریں گے لہٰذا ہماری جنگ ایڈر میں بہتر ہو گی۔ مبارز الملک نے کہا کہ یاروں نے یہی صلاح دیکھی کہ احمد نگر جانا چاہیے لیکن میں راضی نہ تھا۔ اب صلاح وہ ہے جو تمہاری صلاح ہے۔ ہم بھی وہی مانیں گے جو تم کہو گے۔ چونکہ ملاقات کا اتفاق احمد نگر کے قریب ہوا تھا وہ احمد نگر آئے۔ علی الصباح ہتھیار لگا کر فوج بنا کر شہر سے باہر آ کر کھڑے ہوئے۔ لشکر اسلام میں کل ایک ہزار دو سو

---

1. ج: "ملک" نہیں ہے۔
2. الف، ز: مبارز خان، مبارز الملک
3. الف: کلنگ
4. ز: مبارز الملک نے صفدر خان، اسد الملک، غازی خان، شجاع الملک اور سیف خان۔
5. الف: اسد الملک
6. الف: نظام خان سے
7. الف: البتہ میدان میں

سوار اور ایک ہزار پیادے گنتے میں آئے۔

مختصر یہ کہ دن کا ایک پہر نہ گذرا تھا کہ رانا کی فوجوں کی گرد پہاڑوں کی طرح اٹھنے لگی۔ ان ایک ہزار دو سو سواروں میں سے چار سو سواروں نے خود کو شہادت کے لیے قرار دے کر قدم آگے بڑھایا اور اللہ اللہ کہتے اور لڑائی کی طلب کرتے ہوئے میدان میں آگئے۔ انہوں نے غنیم کے مقدمہ پر حملہ کر دیا اور تلوار کی ضرب اور برچھے کے زور سے مقدمہ کو ہراول فوج پر الٹ دیا اور ہراول فوج کو بھی شکست دی۔ تقریباً بیس ہزار سواروں کو آگے لاکر ایک کوس تک لے گئے چنانچہ اس فوج کی نظر سے جو پیچھے تھی غائب ہوگئے۔ وہ سب یہ سمجھے کہ یہ سب شہید ہوگئے۔ ان میں سے ایک بھی زندہ واپس نہ آیا۔ تو وہ دشمن کی طرف پیٹھ کر کے احمد آباد کی طرف چل پڑے۔ مختصر یہ کہ جب شہادت طلب غازی ہراول (آگے کے فوجی دستے) کو التمش (ہراول کے قریب کا دستہ) تک لے آئے تو فوج ہراول کو بھی شکست دی۔ اس گھمسان لڑائی میں غازی خان، راوت پر، راوت حسان، ملک پر اور سلطان شہ کو اس معرکہ کے بہترین دلاور تھے درجۂ شہادت کو پہنچے بعض میدان میں زخمی ہوکر گر پڑے۔ کم ایسے ہوں گے جو زخمی نہ ہوئے ہوں۔

مبارز الملک کے خاص آدمیوں نے جب دیکھا کہ سر کو پہاڑ سے ٹکرانے سے سوائے اس کے کہ سر ٹوٹے پہاڑ نہیں ٹوٹتا لشکروں کو لے کر خواہی نخواہی معرکہ سے نکل کر قلعہ احمد نگر کی طرف چلے اس اعتقاد کے ساتھ کہ قلعہ قلعہ داروں کے ہاتھ میں ہوگا۔ جب قلعہ کے دروازہ پر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پہنچنے سے پہلے قلعہ دار قلعہ چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ مبارز الملک [1] اور صفدر خان قصبہ [2] برہتی کی طرف جو احمد نگر سے دس کوس کے فاصلہ پر احمد آباد کے راستے میں ہے روانہ ہوئے۔ کفار تعاقب کر کے اسد الملک تک پہنچے۔ اسد الملک نے پلٹ کر جنگ کی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مارا گیا۔ ہاتھی اور پرتل (جھول)

---

[1] الف : مبارز خان

[2] ز : قصبہ برہتی

وغیرہ جو کچھ تھے کافروں کے ہاتھ لگے۔

رانا قصبہ احمد نگر کے نواح میں آیا۔ پورا شہر لوٹ لیا اور شہر والے گرفتار کر لیے گئے۔ رات کو رانا نے اپنے امیروں کو بلا کر مشورہ کیا۔ بعض نے کہا کہ احمد آباد یہاں سے تیس کوس ہے۔ یلغار کر کے اس پر حملہ کرنا چاہیے۔ رانا نے کہا کہ مسلمانوں کے چار سو سواروں نے بیس ہزار سواروں کو شکست دی اور ہزار تک نامی سوار مار ڈالے۔ اگر چار ہزار جمع ہو کر جنگ کے لیے آئیں گے تو تم ان کے سامنے نہیں ٹک سکتے۔ ہمارے بزرگوں میں سے کوئی کبھی یہاں تک نہیں آیا اس لیے ہمیں بس اس پر اکتفا کرنا چاہیے۔

ولایت گجرات کے گراسیے جو رانا کے ہمراہ تھے کہنے لگے کہ اگر آپ احمد آباد پر حملہ نہیں کرنا چاہتے ہو تو قصبہ بڑنگر[1] قریب ہے اس پر حملہ کر کے لوٹنا چاہیے کیونکہ اس قصبہ کے رہنے والے سب بیوپاری ہیں اور بہت مالدار ہیں تاکہ لشکر غنیمت کے ساتھ لوٹے۔ چنانچہ صبح بڑنگر کی طرف کوچ کیا۔ چنانچہ بڑنگر کے رہنے والے سب زنار دار (ہندو) تھے وہ جمع ہو کر رانا کے سامنے آئے اور کہا کہ ہماری بائیس پشتیں یہاں گذریں۔ ہم پر کسی نے ظلم نہیں کیا۔ تم خود ہندو بادشاہ ہو تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ رانا بڑنگر پر حملہ کرنے کے لیے راضی نہیں ہوا لیکن نذرانہ لے کر بیسلنگر[2] کے قریب خیمہ زن ہوا۔ بیسلنگر کا حال قلعہ بند ہو گیا۔ رانا کے آدمی قلعہ کے آس پاس جم گئے اور مغرب کی نماز تک قلعہ پر نگاہ رکھی۔ اس لڑائی اور شور میں قصبہ بھی لٹ گیا۔ رات کو رانا کے کیمپ میں زلزلہ آ گیا کہ ملک عین الملک اور فتح خان[3] حوالہ داران صوبہ پٹن آ گئے۔ رانا کا لشکر رات بھر ہتھیار بند رہا۔ صبح کے وقت ایڈر کی طرف چل پڑا اور وہاں سے اپنی ولایت کی طرف چلا گیا۔

مختصر یہ کہ جنگ کے دن کی تاریخ کو قوام الملک، حاکم احمد آباد، احمد آباد سے

---

[1] ز: ہرنگر
[2] ز: بلنگر
[3] الف: مقطعان

مبارز الملک[1] کی مدد کے لیے نکل کر موضع بلاد[2] جو احمد آباد سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے آچکا ہے۔ بعض شکست یافتہ لشکری وہاں پہنچے اور کہا کہ مبارز الملک، صفدر خان اور غازی خان نے شہادت پائی۔ قوام الملک نے موضع مذکور میں قیام کر کے حقیقت حال پر مشتمل ایک عریضہ سلطان کو لکھ بھیجا۔ تیسرے دن قوام الملک کو معلوم ہوا کہ مبارز الملک اور صفدر خان زندہ ہیں اور موضع روپال میں جو پرگنہ کڑی میں ہے ٹھہرے ہوئے ہیں۔ تاریخ بہادر شاہی کا مؤلف لکھتا ہے کہ قوام الملک نے اس کاتب (مؤلف بہادر شاہی) کو مبارز الملک اور یہ کاتب ملک قوام الملک کو اس کی جگہ پر چھوڑ کر احمد نگر گئے۔ شہداء کی شہادت کے اٹھارویں دن جو میدان میں پڑے ہوئے تھے ان کو ہم نے دفن کیا اور کانٹھ[3] کے کولیوں میں سے جو غلہ لے جانے کے لیے احمد نگر آئے تھے ساٹھ کو جہنم رسید کیا۔ ایک رات ہم احمد نگر رہے۔ دوسرے دن صبح غلہ نہ ملنے کے سبب ہم قصبہ برہتی آگئے۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ سلطان مظفر نے عماد الملک اور قیصر خان کو ایک کثیر لشکر اور ہاتھیوں کی سو زنجیروں کے ساتھ کمک کے لیے بھیجا۔ لشکر احمد آباد آیا۔ احمد آباد سے موضع بلاد پہنچ کر قوام الملک سے مل کر کوچ کر کے موضع برہتی آیا۔ اور وہاں سے سلطان کو عرضی پہنچائی کہ لعین رانا پلٹ کر چیتوڑ پہنچ گیا۔ اگر حکم ہو تو درگاہ کے یہ بندے چیتوڑ کی طرف متوجہ ہوں اور انتقام لینے کی کوشش کریں۔ سلطان نے جواب میں لکھا کہ فی الحال بارش کا موسم ہے۔ یہ احمد نگر میں گذاریں۔ اس کے بعد ہم بھی دولت واقبال کے ساتھ اس کافر لعین کو سزا دینے کی طرف متوجہ ہوں گے۔ امراء نے احمد نگر آکر قیام کیا۔ بارش کے بعد سلطان نے لشکر کی خوراک دس گنا[4] بیس گنا زیادہ کر کے ایک سال کے لیے خزانہ سے نقد مال دیا تا کہ ہر کوئی لشکر کا سامان مہیا کر سکے۔

---

[1] الف : یعنی نظام خان

[2] ز : ملاد

[3] ج : ”کانٹھ“ نہیں ہے۔

[4] ز : مہینہ میں دس گنا بیس گنا زیادہ کی۔

اور خود ماہ شوال سنہ مذکور میں محمد آباد سے کوچ کر کے موضع ہالول جو محمد آباد سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے شان وشوکت سے آیا۔ وہاں سے متواتر کوچ کرتا ہوا احمد آباد آیا اور کمدھرول کے محلوں میں جو کانکریہ تالاب کے قریب ہیں ٹھہرا۔ اس اثنا میں سورٹھ کے پرگنوں کا حاکم، ملک ایاز بیس ہزار سواروں اور بہت سی توپوں اور توپچیوں کے ساتھ آکر سلطان کی پابوسی کے شرف سے مشرف ہوا اور عرض کیا کہ اگر یہ خدمت بندہ کو دی جائے تو انشاء اللہ رانا کو زندہ گرفتار کر کے خدمت میں لے آؤں گا یا اس کی زندگی کی بنیاد کو فنا کر دوں گا۔ ملک ایاز کی یہ طلب سلطان کو اچھی لگی۔ ماہ محرم ۹۲۳ھ میں کمدھرول سے کوچ کر کے موضع ہرسول جو شہر سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے مقام کیا اور احمد نگر کے لشکر کو بلایا۔ لشکر آکر چھاؤنی سے جڑ گیا۔ ملک نے سابق عرض پھر دہرائی۔ سلطان نے ملک کو سروپا (خلعت) عنایت کر کے رخصت کیا۔ تاریخ بہادر شاہی کا مؤلف لکھتا ہے کہ ایک لاکھ سوار[1] ملک ایاز کے ہمراہ کیے اور سو ہاتھیوں کی زنجیریں اور بیس ہزار سوار اور بیس زنجیریں ہاتھی کی قوام الملک کے ہمراہ کیں اور دونوں فوجوں کو رخصت کیا۔ ملک ایاز اور قوام الملک موراسہ آئے اور موراسہ سے موضع دھولہ جو ولایت باگر کا دیہات ہے اور وہاں سے فوجیں متعین کر کے ہر طرف لوٹ مار کی۔ اس تقریب سے کہ راجہ باگر خود مذکور فساد میں رانا کے ساتھ تھا ڈونگر پور کو جو راجہ کے رہنے کا مقام تھا جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ وہاں سے ساگواڑہ کے راستہ بانسیلہ آئے۔ اتفاق سے شجاع الملک اور صفدر خان دونوں بھائی اور مجاہد الملک کیمپ کے کنارے دو سو زبردست سواروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی نے آکر ان سے کہا کہ بانسیلہ کا راجہ اور میدنی راؤ کے رشتے دار وہاں سے دو کوس کے فاصلہ پر فوج بنا کر کوہستان کے درمیان کھڑے ہیں۔ مذکور امراء اس جماعت کے ساتھ جو وہاں حاضر تھی سوار ہو کر اس کوہستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب کافروں کے قراولوں نے بلندی سے دیکھا کہ مسلمانوں کی فوج گنے چنے آدمیوں کے ساتھ آتی ہے تو

---

[1] الف: ایک لاکھ کے قریب

مقابلہ کر کے لڑنے لگے۔

کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کی طرح ان عظیم مسلمانوں میں سے ہر ایک دس کے ساتھ لڑا۔ آخر کار فتح کی نسیم پرچم اسلام پر چلی اور کفار کا چہرہ خاک مذلت میں مل گیا۔ اس جنگ میں مسلمانوں میں سے کل آٹھ آدمی شہید ہوئے اور بہت سے کافروں کو تہ تیغ کیا۔ یہ خبر چھاؤنی میں پہنچی۔ فوج کی ٹکڑیاں پیچھے سوار ہو کر حملہ کرتی تھیں یہاں تک کہ زبردست فوجوں کے پہنچنے تک امراء فتح کر کے مظفر و منصور لوٹ چکے تھے۔ مسلمانوں کی دلیری کا مشاہدہ کر کے کافر مرعوب اور بدحال ہو گئے۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی فوجوں کو آیت کریمہ ''اللہ کے حکم سے اکثر چھوٹی جماعت والے بڑی جماعت والوں پر غالب آئے ہیں'' (۲۴۹:۲) کے مقتضا سے غالب فرمایا۔ اس خبر کو سن کر رانا کے ہوش اڑ گئے۔ (لفظی: رانا کے سر سے مرغ روح اڑ گیا)۔

وہاں سے کوچ کر کے کہات کرجھی[1] سے گذر کر مدجسور[2] جس کا تعلق رانا سے تھا اور اس کی طرف سے اشوک مل راجپور اس شہر پناہ میں تھا آئے اور اسے محاصرہ میں رکھا۔ کہتے ہیں کہ یہ حصار بہت زیادہ مضبوط تھا۔ نوگز اس کا عرض تھا۔ بنیاد سے آدھے حصار تک دیوار سخت پتھر سے اٹھائی تھی اور اوپر کا آدھ حصہ اینٹ سے چنا گیا تھا۔ یہ مانڈو والی سلطان ہوشنگ کا بنایا ہوا تھا۔ رانا بھی ایک کثیر جمعیت کے ساتھ موضع ندیسی[3] جو مدوسور[4] سے بارہ کوس کے فاصلہ پر ہے آ کر ٹھہرا۔ ملک ایاز نے قلعہ میں نقب لگوائے اور چھت دار راستے بنوانے لگا۔ لیکن قوام الملک اور لشکر کے امراء نے ملک ایاز کے ساتھ دوغلے پن کا برتاؤ کیا۔ اس اثنا میں رانا نے اپنے وکیلوں کو ملک ایاز کے پاس بھیجا کہ مجھ سے بڑا گناہ

---

[1] ز : کھرچی

[2] ج،ز : مندسور

[3] ج : بدلسی

[4] الف : مدجسور، ج : مندسور

صادر ہو گیا اور غدر کا راستہ بند ہے۔ اگر آپ کرم سے کام لیں اور میرا گناہ معاف کر دیں تو میں لکھ دیتا ہوں کہ اب سوائے خدمتگاری کے کچھ اور کام نہ رکھوں گا۔ ہاتھی، گھوڑے اور غلام جو کچھ احمد نگر کی جنگ میں میرے ہاتھ لگے ہیں ان پر نذرانہ کا جو کچھ آپ مقرر کریں اضافہ کر کے خدمت میں بھیج دوں گا۔

اس اثنا میں سلطان محمود خلجی بھی لشکر سلطانی کی امداد کے لیے مانڈو سے آ کر جڑ گیا۔ رائے سین کے قلعہ سے ایک سلھدری[1] راجپوت لوتو زہ[2] الاصل دس ہزار سواروں کے ساتھ ملک ایاز سے ملنے آ رہا تھا۔ میدنی راؤ نے راستے ہی سے بہکا کر رانا کے پاس لے گیا اور اس نواح کے تمام راجہ رانا کی کمک پر آئے۔ دونوں طرف بڑے لشکر جمع ہو گئے لیکن یہ مہم امراء کی نااتفاقی کی وجہ سے جیسی سلطان مظفر اور ارکان حکومت کو توقع تھی صورت پذیر نہ ہوئی۔

قلعہ مدوسور[3] ہاتھ نہ آیا۔ ملک ایاز نے قوام الملک اور اس کے موافق امراء کے علی الرغم صلح قبول کر لی۔ قوام الملک راضی نہ ہوتا تھا۔ اس نے سلطان محمود سے کہا کہ اگر آپ اتفاق کریں تو آپ کے ساتھ رانا سے جنگ کروں۔ سلطان نے بھی قبول کر لیا تھا لیکن چونکہ سپاہیوں میں سے بہترین اور لشکر کا سردار ایاز تھا سلطان محمود نے بھی اس کی مخالفت نہ کی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ملک ایاز نے سلطان محمود اور قوام الملک کے اتفاق کے بغیر رانا سے صلح کر لی اور کوچ کر کے دس کوس سرے[4] جا کر مقام کیا۔ سلطان محمود نے بھی تغافل کیا کیونکہ رانا نے سلطان محمود سے بھی موافقت کر لی تھی۔ اس بات پر کہ سلطان محمود کا لڑکا جو رانا کی قید میں تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے اسے چھوڑ کر پیشکش بھی قبول کر لی

---

[1] الف : "سلہد اری راجپوت"، نسخہ ج میں نہیں ہے۔

[2] الف : تو تورالاصل، ز : پورالاصل

[3] ج : مندسور

[4] الف : زیادہ آگے جا کر (پیشتر رفتہ)، ج : آگے بڑھ کر (پیش رفتہ)

تھی۔ سلطان محمود نے قوام الملک سے کہا کہ ملک ایاز تمہارے لشکر کا سردار ہے۔ جب وہ کہتا ہے کہ ہم سلطان مظفر کے حکم پر عمل کریں گے تو ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ ہم سلطان کی رائے کے خلاف قدم اٹھائیں۔ سلطان محمود بھی مانڈو کی طرف روانہ ہوگیا۔ امراء نے بہت پیچ وتاب کھایا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ آخرکار ملک ایاز گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ جب احمد آباد آیا تو اس معاملہ کی وجہ سے سلطان نے ملک کی طرف سے منہ پھیر لیا اور بے التفاتی ظاہر کی۔ اور سارے اہل گجرات نے ملک پر نفرین کی۔ سلطان نے یہ قرار دیا کہ موسم باران کے بعد وہ خود متوجہ ہوگا۔ ملک ایاز کو سورٹھ رخصت کردیا۔ سلطان نے موسم برشگال محمد آباد میں گذارا۔ اس موسم کے بعد ۹۲۹ھ میں محمد آباد سے رانا کو سزا دینے کے لیے روانہ ہوا۔

جب وہ احمد آباد آیا تو اس دوران رانا کا لڑکا ہاتھیوں کو پیشکش کے ساتھ جو قبول کی تھی سلطان کی خدمت میں لایا۔ چنانچہ سواری موقوف ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان شکار کے لیے جھالاواڑ کی طرف گیا اور وہاں سے واپس ہوکر گرما اور بارش کے موسم احمد آباد میں گذارے۔ بارش کے بعد رانا کے لڑکے کو وداع کیا۔ اسی سال ملک ایاز کا انتقال ہوگیا۔ جب یہ خبر سلطان کے کانوں میں پہنچی تو فرمایا کہ ملک کی عمر آخر پہنچ گئی تھی اگر رانا کے ساتھ جنگ کرکے مارا جاتا تو بہتر ہوتا کہ شہادت کے درجہ کو پہنچتا۔ مختصر یہ کہ سلطان نے ملک ایاز کا منصب ملک کے بڑے بیٹے اسحاق کے لیے مقرر کیا اور سورٹھ کا خزانہ منگوایا۔ اسحاق نے خزانہ بیشمار سامان کے ساتھ بھیجا۔

احمد آباد سے سلطان کیبر بیج کے راستے محمد آباد آیا اور موسم باران عیش وتنعم کے ساتھ شہر مذکور میں گذارا۔ اس کے بعد ۹۳۰ھ کی ابتدا میں اپنے ملک کے انتظام کے لیے موراسہ گیا اور موراسہ کے قلعہ کو از سر نو مضبوط ومرتب کیا۔ جب موسم گرما قریب آیا تو احمد آباد روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں بی بی رانی نے جو سلطان کی بہترین حرم، شاہزادہ سکندر کی والدہ جو وزیر اور سرکار وممالک سلطان کی صاحب اختیار تھیں، تمام خاص وعام پر

شفقت مادرانہ مبذول رکھتی تھیں اور ضیاے فکر اور متانت رائے میں یگانۂ آفاق تھیں، اس عالم سے سفر آخرت اختیار کیا۔ سلطان کی والدہ کے حظیرہ میں جو کمدھرول کے قریب واقع ہے سپرد خاک کی گئیں۔ سلطان[1] بی بی مذکور کی زیارت کر کے احمد آباد تشریف لے گیا۔ اس واقعہ سے سلطان کو بہت رنج ہوا چنانچہ انتہائی غم واندوہ کی وجہ سے وہ چند روز تک بیمار رہا۔ جب صحت پائی تو شہر محمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ موسم باران وہاں گذارا۔

اس اثنا میں عالم خان[2] بن سلطان بہلول نے جو سلطان محمود کے عہد میں پاس رہا تھا عرض کیا کہ میرے بھائی کے لڑکے سلطان ابراہیم نے بعض بڑے امراء کو مروا دیا اور سپاہ کو خود سے ناراض کر لیا ہے اس وجہ سے اکثر امراء سلطان ابراہیم سے متنفر ہو گئے ہیں اور مجھے بلایا ہے۔ اگر بادشاہ رخصت فرمائیں تو میں دہلی چلا جاؤں۔ سلطان نے سامان کر کے رخصت کر دیا۔ آخر کام نہ بنا سکا اور فرار ہو کر کابل کے بادشاہ ظہیر الدین بابر کے پاس گیا اور خود اپنے ہی خاندان کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ چنانچہ اس حال کی تفصیل اس کے بعد مذکور ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ کہ ۹۳۱ھ میں سلطان مظفر محمد آباد سے احمد آباد کی طرف گیا۔ کچھ دنوں موراسہ کی طرف شکار کر کے موسم گرما میں احمد آباد آیا۔ اس اثنا میں شاہزادہ بہادر خان نے عرض کیا کہ جو جاگیر آپ نے میرے لیے مقرر کی ہے اس کی آمدنی میرے خرچ کو کفایت نہیں کرتی۔ امیدوار ہوں کہ میری جاگیر سکندر خان کی جاگیر سے کم نہ ہو۔ یہ التماس قبول نہ ہوا۔ بہادر خان رنجیدہ ہو کر سنہ مذکور کے ماہ رجب میں ڈونگر پور کی طرف روانہ ہو گیا۔ ڈونگر پور کا راجہ راول رائے سنگھ[3] پورے اعزاز کے ساتھ خدمت بجا لایا۔ چند روز کے بعد وہاں سے چیتوڑ گیا۔ راجہ چیتوڑ رانا سانگا کے ہمراہ رہا۔ وہاں ایک واقعہ ہو گیا جس کی

---

[1] الف : سلطان تین دن وہاں توقف کر کے احمد آباد تشریف لے گیا۔

[2] ز : عادل خان

[3] ج : اودے سنگھ

شرح بعد میں مذکور ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ کہ (بہادر خان) وہاں سے ولایت میوات آیا۔ حسن خان میواتی نے عرض کیا کہ جو کچھ سرکار کے لیے درکار ہے مہیا ہے۔ جس چیز کا بھی حکم دیں۔ لیکن اس نے کوئی چیز قبول نہ کی۔ وہاں سے سلطان ابراہیم لودی کے پاس اس جگہ گیا جہاں سلطان مذکور نے ظہیر الدین بابر بادشاہ کے ساتھ پانی پت میں جو دہلی سے چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے مقابلہ کیا۔

سلطان ابراہیم نے بہادر خان کو بلایا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ ملاقات اور نوازش فرمائی۔ ایک دن مغلوں کی ایک جماعت سلطان ابراہیم کی چند آدمیوں کو حیلہ سے پکڑ کر لے جا رہی تھی۔ بہادر خان اپنی جماعت کے ساتھ تعاقب کر کے ان تک پہنچا۔ لڑائی ہوئی۔ آخرکار چند مغلوں کو قتل کر کے قیدیوں کو چھڑا کر لے آیا۔ یہ حال دیکھ کر دہلی کے لوگوں نے بہادر خان کو آفرین کہی اور تعریف کی۔ جب سلطان ابراہیم نے سنا کہ دہلی کے لوگ بہادر خان سے بہت زیادہ رضامندی کا اظہار کر رہے ہیں اور اسے دل و جان سے چاہتے ہیں تو اس کے دل میں غیرت آئی۔ یہ حال بہادر خان کو معلوم ہوا تو وہ سلطان ابراہیم سے جدا ہو کر جونپور کی طرف گیا کیونکہ جونپوری امراء سلطان ابراہیم سے بہت ناراض تھے اور لوگوں نے بھی عاجز ہو کر بہادر خان کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر شاہزادہ اپنے خوش نصیبی کا اثر رکھنے والے جھنڈے اِن حدود میں کھولے گا تو ہم دل و جان سے ہوا خواہی کے راستہ پر چلیں گے۔ شاہزادہ نے اپنے ارادہ کی لگام اُدھر موڑی ہی تھی کہ ایسے میں سلطان مظفر کی وفات کی خبر پہنچی اور وہ گجرات کی سمت روانہ ہوگیا۔

مختصر یہ کہ جب سلطان مظفر نے سنا کہ بہادر خان رنجیدہ ہو کر باکر کی طرف گیا ہے تو خداوند خان وزیر کو کہا کہ بہادر خان کی مراد کو ورق حصول پر تحریر کر کے بھیج دے تاکہ وہ آجائے۔ خداوند خان نے عرض کیا کہ بہادر خان باکر سے بھی گذر کر سلطان ابراہیم لودی کے پاس گیا ہے۔ اس خبر کو سن کر سلطان بہت پریشان ہوا اور احمد آباد سے محمد آباد کی

طرف کوچ فرمایا۔ جو کچھ بہادر شاہی کے مصنف نے تحریر کیا تھا مذکور ہوا۔ اور جو کچھ ثقات گجرات سے سنا گیا ہے اور بمنزلہ خبر متواتر کے پہنچا ہے اس کے بعد لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ کہ اِن ایام میں بارش کی کمی ظاہر ہوئی۔ لوگ شورش و فریاد کرنے لگے۔ سلطان مظفر نے دست دعا درگاہ ربّ علا میں اٹھائے اور دعا کی کہ "یا بار خدا! اگر گناہ کی وجہ سے خلق کے لیے مواخذہ مقرر ہوا ہے تو اس کے عوض مظفر کو دنیا سے اٹھالے اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے اور قحط کی بلا میں مبتلا نہ کر یہ حقیر مظفر بیچارہ اور غریب لوگوں کی تنگدستی کے نظارہ کی تاب نہیں رکھتا۔ سلطان ولایت شعار مستجاب الدعوات تھا۔ اس کی دعا اجابت کے نشانہ پر پہنچی باران رحمت آسمان سے نازل ہوا اور سلطان بیمار ہوگیا۔ بھوک کم ہونے لگی۔ ایک دن تفسیر معالم التنزیل پڑھ رہا تھا۔ بولا کہ شاہزادگی کے دنوں بہ نسبت میں نے بادشاہی کے دنوں میں زیادہ علم حاصل کیا۔ صحاح ستہ میں نے بادشاہی کے دنوں میں پڑھی۔ فی الحال آدھی تفسیر معالم التنزیل کا مطالعہ کیا اور امیدوار ہوں کہ باقی نصف بہشت میں پڑھوں گا۔ حاضرین مجلس نے دعا کے لیے زبان کھولی۔ سلطان نے کہا کہ ہر روز میرے اعضاء میں سے ایک عضو کی قوت فوت ہوتی جاتی ہے اور میں جان لیتا ہوں۔ آخرکار اسی بیماری کے عالم میں ۹۳۲ھ میں احمد آباد کے معظم شہر سے بڑودہ عرف دولت آباد کی طرف تشریف لے گیا ار فرمایا کہ میں بڑودہ سے وداع لینے کے لیے کہ میرا مسکن مولف تھا آیا تھا۔ اب احمد آباد اپنے ولی نعمت کے حظیرہ کی طرف جاؤں گا۔ وہاں سے متواتر کوچ کرتا ہوا کھمد لورے[1] کے محلات میں آکر قیام کیا۔ ضعف روز بروز غالب آتا جاتا تھا۔ ایک ماہ تک کھانے کی طرف رغبت نہ کی مگر اتفاق سے۔ وہاں سے شہر کے اندر کے محلوں میں آیا۔ خرم خان نے جو درگاہ کے مقبروں میں سے تھا عرض کی کہ میرے سلطان! حکم ہو جائے کہ خیرات کریں۔ بولا خرم خان! میں نے بیت المال سے بہت مال

---

1 ج: کمد حرول

خرچ کیا ہے۔ اسی کے حساب میں میں عاجز ہوں کہ درگاہ ذوالجلال میں اسی کے جواب سے میں کس طرح عہدہ برآ ہوؤں گا۔ پھر اس وقت اس علت میں کیوں اضافہ کروں؟

مختصر یہ کہ جب لوگ سلطان کی زندگی سے ناامید ہو گئے تو لطیف خان شاہزادہ نے دیکھا کہ ولی عہد سکندر خان ہے اور وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گا تو اس وجہ سے جمادی الآخر کی پہلی تاریخ کو وہ اپنے جتھے کے ساتھ نکل کر بڑودہ روانہ ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ سلطان نے اس کا اشارہ کر دیا تھا جو لطیف خان عمل میں لایا۔ مختصر یہ کہ ماہ مذکور کی دوسری تاریخ کو نماز فجر ادا کرنے کے بعد سلطان نے سکندر خان کو بلایا اور نصیحت جو امر سلطنت کے لیے مفید تھی اسے کی اور یہ بھی کہا کہ اپنے بھائیوں کو آزار پہنچانے کے لیے قدم نہ اٹھانا اور امراء کو نقصان پہنچانے کا وہم و گمان بھی نہ کرنا تاکہ سلطنت کا انتظام خلل پذیر نہ ہو۔ سکندر خان رونے لگا۔ سلطان نے وداع کیا اور کہا کہ اپنے گھر جاؤ۔ پھر ملاقات کے لیے آنا۔

اس کے بعد پالکی منگوا کر سوار ہوا۔ فیلخانہ اور پایگاہ کی طرف گیا اور کہا کہ سب کو وداع کر چکا ہوں۔ آج جمعہ کا دن ہے۔ اپنے کارخانوں کے آدمیوں کو بھی وداع کر دوں اور معافی مانگ لوں۔ تمام کارخانوں میں پہنچا اور تمام شاگرد پیشہ (ملازموں) سے معافی مانگی۔ سب نے دل و زبان اور روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ معاف کیا۔ اس کے بعد اپنی خوابگاہ کے محل میں آیا اور کہا کہ میرا فرش اس تخت سے جو میرے آباواجداد کا ہے اٹھالیں اور دوسرے تخت پر بچھا دیں کہ اس کا تعلق میرے جانشین سے ہے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اس اثنا میں جمعہ کی نماز کی اذان مبارک کانوں میں پہنچی۔ پوچھا نماز کا وقت ہو گیا؟ حاضرین نے کہا ہاں۔ سلطان نے کہا کہ مجھ میں اتنی قوت نہیں کہ مسجد تک جاؤں۔ حاضرین میں سے بعض کو بھیجا کہ نماز جمعہ ادا کرو۔ کچھ دیر کے بعد وضو کیا اور خود نماز ادا کی اور پورے عجز کے ساتھ استغفار اور دعا پڑھی۔ اس کے بعد تخت پر لیٹ گیا۔ تین مرتبہ کلمۂ شہادت پڑھا اور اپنی روح مطہر کے گھوڑے کو جنت کی طرف ہانک دیا۔ سلطان محمود کے مقبرہ میں جو

حضرت قطب اولیا شیخ احمد کھٹو کے گنبد کے پائین میں ہے سپرد خاک کیا گیا۔ اور یہ واقعہ روز جمعہ، ماہ جمادی الآخر کی دوسری تاریخ ۹۳۲ھ کا ہے۔ اس کی سلطنت مدت چودہ سال نو ماہ کی تھی۔

سلطان[1] نسبت ارادت سید طاہر[2] سے جو بڑودہ میں آسودہ ہیں رکھتا تھا۔ ثقات گجرات سے منقول ہے کہ سلاطین گجرات میں کوئی بھی تقویٰ، علم اور فہم میں سلطان مظفر کی طرح نہیں ہوا۔

چنانچہ سلطنت اور بادشاہی کے زمانہ میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم خواب میں اس کے حق میں اپنی موتی برسانے اور گوہر نثار کرنے والی زبان سے یہ دعا فرمائی "یا اللہ! اسے آگ سے آزاد کر دے!" کہتے ہیں کہ اسی رات صلحاء میں سے چند نے بعینہٖ یہی خواب دیکھا اور صبح کے وقت اس دعا کی بشارت کے جواہر سلطان کے کانوں تک پہنچائے۔ آفرین ہے اس نیک بختی پر کہ دنیا میں دولت بادشاہی سے شاد ہو اور آخرت میں آگ کی سزا سے آزاد!

نقل ہے کہ چودھویں راتوں میں سے ایک رات کو جو شب قدر کی یاد دلاتی تھی محمود عاقبت سلطان محمود علما اور صلحا سے بات چیت کر رہا تھا۔ ہر طرح کی نقل اور روایتیں بیان ہو رہی تھیں۔ ایک دانشمند بیان کر رہا تھا کہ قیامت کے دن سورج کو چوتھے آسمان سے گنہ گاروں کو جلانے کے لیے ایک نیزہ کے قد پر لے آئیں گے اس دن کلام ربانی کے حافظ اور ان کے اسلاف کی سات پشتیں حضرت ربّ غفور کی چھتریوں کے سایہ میں ہوں گی اور اس کلام ربانی کی برکت سے جو ان کے سینوں کے صندوقوں میں محفوظ ہے آفتاب کی حرارت کا اثر ان میں سرایت نہ کرے گا۔ سلطان نے دل پُر درد سے آہ سرد کھینچی اور کہا کہ ہمارے بیٹوں میں سے کوئی بھی اس سعادت سے نیک بخت نہیں ہوا تا کہ ہم بھی اس

---

1. ج: "سلطان نسبت ارادت..... رکھتا تھا" نہیں ہے۔

2. ب: سید جنید سید طاہر۔

بزرگی کے امیدوار ہوتے۔

سلطان مظفر اس مجلس میں حاضر تھا۔ سلطان کی بات سنی۔ چند روز کے بعد اجازت لے کر جب بڑودہ آیا کہ اس وقت وہ شہر اور اس کے دیہات سلطان کی جاگیر میں مقرر تھے تو تلاوت قرآن اور اس کے حفظ کرنے کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا۔ کثرت تلاوت سے اس شاہی قرۃ العین کی آنکھوں میں آشوب چشم کی شکایت پیدا ہوگئی۔ حکیموں نے کہا کہ یہ کثرت بیداری اور تلاوت قرآن کی وجہ سے ہے۔ اگر چند روز اس نص معجز نما کے حکم کے مطابق "اور دیکھو، اللہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا" (۲:۲۸۶) تلاوت اور بیداری کم کردیں اور خواب استراحت کی طرف میل کریں تو یہ سرخی چشم برطرف ہوجائے گی۔ مقربان درگاہ نے حکیموں کی یہ بات عرض کی تو سلطان نے کہا اگر میری یہ آنکھیں تلاوت قرآن اور شب بیداری کی وجہ سے سرخ ہوجاتی ہیں تو ہوجائیں کہ یہ ہماری دنیا اور آخرت کی سرخروئی ہے۔

مختصر یہ کہ اس سعی واہتمام سے ایک سال اور چند ماہ کی مدت میں قرآن حفظ کرلیا اور رمضان کے ماہ مبارک میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو تراویح ختم قرآن میں کروں۔ یہ سن کر سلطان اس درجہ مسرور وخود کو بری الذمہ محسوس کرنے لگا کہ تحریر وتقریر میں نہیں اسکتا۔ اس کے بعد حفظ کرنے کا سبب پوچھا۔ کہا کہ اس رات جب کہ مجلس عالی میں حافظوں کے مناقب کا ذکر ہورہا تھا اور بات سلطان کی زبان مبارک پر آئی کہ میرے بیٹوں میں سے کوئی بیٹا اس سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوا تا کہ ہم بھی اس بزرگی کے امیدوار ہوتے تو یہ بات میرے دل میں پتھر نقش کی طرح ثبت ہوگئی۔ اس کے بعد میں حفظ میں مشغول ہوگیا اور حضرت کی توجہ کی برکت سے میرا مقصد حاصل ہوگیا۔ [بیت]

تیرے خوبصورت چہرہ نے اپنے لطف سے ایک آیت ہمارے لیے کھولی
ناچار ہماری تفسیر میں لطف وخوبی کے سوا کچھ نہیں

سلطان نے بغل میں لے لیا اور اس کی آنکھ اور سر پر بوسہ دیا اور دعا وثنا کے لیے زبان کھولی۔ کہتے ہیں کہ اس ماہ رمضان میں سلطان کی پیروی کے ساتھ تراویح قرآن ختم کیا۔ ختم قرآن کی رات سلطان نے کہا خلیل خان کا احسان کس زبان سے بیان کروں کہ مجھے اور میرے اسلاف کو ایسی جلن کی ملاقات سے چھٹکارا بخشا! اس کے برابر میں کیا کرسکتا ہوں؟ جو چیز میرے ہاتھ میں ہے وہ بادشاہی ہے وہ میں نے اپنی زندگی ہی میں اس کی نیک خواہی کا طفیل بنادیا مبارک ہو! یہ کہہ کر اٹھا اور خلیل خان کو تخت پر بٹھادیا اور خود سلام بادشاہانہ کے لیے کھڑا رہا۔ اللہ کی رحمت ہو ان پر! دوسرے دن صبح تمام مددگاروں، خاندان والوں، وزیروں، امیروں اور سپاہیوں کی دعوت کی۔ طرح طرح کے کھانے چنوائے اور مجلس آرائی کے معاملہ میں ایسی کوشش کی کہ اس زمانہ کے لوگ کہتے تھے کہ ایسی ضیافت ہم نے کسی بادشاہ سے نہیں دیکھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد عظیم اماموں اور بڑے بڑے امیروں کے سامنے گذشتہ رات کا ماجرا یعنی حفظ قرآن کے صلہ میں خلیل خان کو امر بادشاہی تفویض کرنے کا واقعہ بیان کیا۔ سب لوگوں نے تحسین کی اور بادشاہ اور شہزادہ دونوں پر آفرین کہی۔

نقل ہے کہ سلطان کے پاس ایک گھوڑا تھا جو اس دور میں تیز روی اور خوش رفتاری میں منفرد تھا اور سلطان کی سواری کے لیے مخصوص۔ ایک دن اس کے پیٹ میں درد ہوا۔ کتنی بھی دوا کرتے تھے مؤثر نہ ہوتی تھی۔ ایک حاذق معالج نے کہا کہ اگر خالص شراب اس کے حلق میں انڈیلی جائے تو البتہ سود مند ہوگی۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اسی وقت درد دور ہوگیا۔ اصطبل کے داروغہ نے سلطان کو عرض کیا کہ آج فلاں گھوڑے کے پیٹ میں درد پیدا ہوگیا تھا۔ بہت سی دوائیں استعمال کی گئیں آخرکار شراب خالص نے فائدہ کیا۔ سلطان نے تاسف کی انگلی تفکر کے دانتوں میں پکڑی (یعنی افسوس کرنے لگا اور فکرمند ہوگیا) اور اس کے بعد کبھی بھی اس گھوڑے پر سوار نہیں ہوا۔

نقل ہے کہ سلطان کیا تو شاہزادگی کے دور میں اور کیا تو بادشاہی کے زمانہ میں،

اپنی پوری عمر میں کبھی نشہ آور چیزوں کے پاس نہیں گیا۔ ایک دن قوام الملک سارنگ نے عرض کیا: ''کیا کبھی سلطان نے نشہ آور چیزوں میں سے کوئی چیز کھائی ہے؟'' فرمایا: ''ہاں! بچپن میں جب میری عمر پانچ برس کی تھی بالاخانہ کے زینہ سے لڑھک کر نیچے آ گیا اور مجھے بہت چوٹ لگی۔ اس وجہ سے بائی ہانس مائی میری دادی نے جو میری پرورش کی ذمہ دار تھیں شراب یک دو تین پیالے مجھے پلا دئے۔ اسی وقت میں نے قے کر دی اور میری حالت مرنے جیسی ہوگئی۔ بائی نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی کہہ رہا ہے کہ تو نے خلیل خان کو شراب دی تھی۔ انہوں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا توبہ کر اور اب اس کے ہونٹوں کو شراب سے ہرگز آلودہ نہ کرنا تاکہ اسے صحت ہو۔ ہانس بائی نے کہا کہ میں لرز گئی اور جاگ اٹھی اور خدا سے معافی مانگی۔ اسی وقت مجھے صحت ہوگئی۔ مجھے یاد ہے کہ اس دن میں نے شراب پی تھی۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے مجھے بچایا اور اس االودگی میں نہ چھوڑا۔''

نقل ہے کہ سلطان مظفر نے نشہ آور چیزوں کا نام صاف طور پر بہت کم لیا ہے۔ اگر نشہ آور چیزوں کے نام لینے کی ضرورت پڑتی تو اُسے گولی کے نام سے بدل دیتا تھا اور اس وقت سے اہل گجرات نشہ آور معجون کو گولی کہتے ہیں۔

نقل ہے کہ کوئی مستحب عمل سلطان سے نہیں چھوٹتا تھا اور وضو کا ہتھیار وہ ہمیشہ اپنے بدن پر رکھتا تھا۔ اس عمل کا مدار حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تھا۔ موت کا ذکر کبھی فراموش نہ کرتا اور چشم گریاں اور دل بریاں رکھتا تھا۔ نقل ہے کہ سلطان علماء کی تعظیم وتکریم میں بہت کوشش کرتا تھا لیکن درویشوں کا ایسا معتقد نہ تھا جیسا کہ ہونا چاہیے بلکہ ان کا انکار کرتا تھا۔ جیسا کہ علمائے ظاہر کو صوفیہ موحدہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن سلطان العارفین شاہ شیخ جیو ابن سید محمود ابن سید برہان الدین بخاری جن کا لقب قطب عالم تھا، اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو پاک کرے! کی صحبت کا شرف حاصل ہوا تو وہ[1] انکار خلوص اعتقاد سے بدل گیا۔ اس کے بعد جہاں کہیں کسی درویش کے بارے میں سنتا اس کی خدمت میں جاتا تھا اور اس

---

[1] ج: ''وہ انکار.... بدل گیا'' نہیں ہے۔

کے جمال[1] کے انوار حاصل کرتا تھا۔ اِن حضرت سے سلطان کی ملاقات کی کیفیت اس کے بعد مذکور ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مخفی نہ رہے کہ اہل گجرات سلطان کی بہت سی کراماتیں بیان کرتے ہیں ان میں سے ایک ہے کہ ملک[2] الہدیا کا جس کا لقب ہزبر الملک تھا اور سلطان کے مقرب امراء میں سے تھا کوئی فرزند نہیں تھا۔ اس وجہ سے وہ بہت غمگین اور رنجیدہ رہتا تھا۔ اس کے دل میں آیا کہ کعبہ معظمہ دعا کے قبول ہونے کی جگہ ہے وہاں جاؤں اور زندگی دینے والے کے حضور سے بچہ کی دعا مانگوں شاید قبول ہوجائے۔ تو سلطان کی خدمت میں آیا اور آنکھوں میں آنسو لاکر اپنا ارادہ بیان کیا اور رخصت مانگی۔ سلطان پر بھی رقت طاری ہوئی اور کہا ''ملک الہدیا! اس سال توقف کر! حق تعالیٰ تجھے بیٹا دے گا۔'' ملک نے صبر کیا۔ سلطان نے ترک حیوانات[3] کرکے شب بیداری شروع کی۔ نماز تہجد ادا کرنے کے بعد جسموں کے پیدا کرنے والے کی درگاہ میں دست دعا اٹھاتا تھا اور ملک الہدیا کے لیے بیٹا ہونے کی دعا مانگتا تھا۔ اسی ہفتہ جمعہ کی رات کو حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور ملک کے لیے بیٹے کی دعا مانگی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملک الہدیا سے دو بیٹے وجود میں آئیں گے لیکن اس کے لیے دوسری بیوی کرے۔ یہ بشارت سن کر سلطان جاگ گیا اور خوش ہوگیا۔ دوبارہ تازہ وضو کرکے شکرانہ کا دوگانہ ادا کیا۔ اپنی بیٹیوں کے گھر سے ایک کم عمر بالغ کنیز جو اصلاً راجپوت نسل کی تھی اور پسندیدہ حسن رکھتی تھی ہمراہ لے کر ملک الہدیا کے گھر آیا اور وہ کنیزک ملک الہدیا کو دی اور کہا کہ اس اس کنیزک سے تیرے دو بیٹے پیدا ہوں گے۔ کوئی چیز نذر مان لے۔ ملک نے نذر کی گانٹھ اپنے دل میں باندھ لی۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کنیزک کو حمل ظاہر ہوا۔ جب حمل کی مدت پوری ہوئی تو

---

[1] ز: اس کے کمال کے انوار حاصل

[2] الف: الہدایا

[3] یعنی حیوانی چیزیں (مثلاً گوشت، انڈا، مچھلی، دودھ، دہی، گھی، شہد وغیرہ) کھانا ترک کر دینا عموماً جلالی عمل میں ترک حیوانات ضروری ہوتا ہے۔ کھٹمل، مچھر، جوں وغیرہ بھی مار نہیں سکتے۔ مترجم۔

ایک خوبصورت لڑکا پیدا ہوا۔ سلطان خود قدم رنجہ ہوا اور اس لڑکے کے کانوں میں اذان کہی اور خوشیاں منائیں۔ ایک ہفتہ کے بعد اس کا ایک لائق نام رکھا۔ حضرت سید محمود ابن سید جلال منور الملک بیان کرتے تھے کہ میں نے اس لڑکے کو دیکھا تھا۔ سلطان احمد ثانی کے زمانہ میں وہ بھی ہزبر الملک کے خطاب سے مخاطب ہوا تھا اور سلطان کی یہ کرامت مشہور ومعروف ہے۔ کچھ مدت کے بعد اس کنیز سے دوسرا لڑکا متولد ہوا اور آخر میں وہ بھی صاحب خطاب ہوا۔

اور ثقات سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ سلطان کو حضرت رسالت پناہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بہت زیادہ تھی اور درود بہت پڑھتا تھا۔ آن سرور کی مولود کے ایام میں آنحضرت کی روح پاک کو ثواب پہنچانے کی نیت سے ہر روز طرح طرح کے کھانے چنواتا تھا اور سادات اور علما کو جمع کرتا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالتا تھا (یعنی ہاتھ دھلاتا تھا) اور بارہویں روز وداعت کے وقت ان میں سے ہر ایک کو اتنا نقد اور کپڑے اور سامان دیتا تھا کہ جو آئندہ سال تک کے لیے ان کے اخراجات کے لیے کفایت کرتے تھے۔

نقل ہے کہ ایک دن وہ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران جب احوال قیامت کی تفسیر والی آیت پر پہنچا تو بے اختیار رونے لگا اور بولا ''اس دن ہمارے کیا حال ہوں گے؟'' میاں شیخ جیو نے جو سلطان کے ندیم تھے عرض کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ سلطان سے کبھی کوئی کبیرہ گناہ سرزد نہیں ہوا اور وہ اکثر اوقات طاعت وعبادت میں مشغول رہتا ہے اور خلق خدا سب اس سے راضی وشاکر ہے۔ اس دن بھی یہ باتیں درجات کی موجب ہوں گی۔ فرمایا کہ میری گردن پر بھاری بوجھ ہے میرا عاجزی سے رونا اس لیے ہے کہ تو نے سنا نہیں کہ'' ہلکے نجات پائیں گے اور بھاری ہلاک ہوں گے'' یہ آخر الزماں پیغمبر کی حدیث ہے۔

☆

انیسواں باب

فرشتہ نشان بادشاہ کے حلم و مروت کا بیان

حضرت سید جلال منور الملک بخاری سے نقل ہے کہ میں چار سال کا تھا کہ میرے والد سید محمد نے شربت شہادت چکھا۔ تیسرے دن ملک اسد الملک نے جن کا نام شیخ جیو تمیم تھا اور سلطان کے معتبر امراء میں سے تھے میرا ہاتھ پکڑا اور سلطان کی خدمت میں لائے اور میرے والد کا واقعہ بیان کیا۔ (سلطان نے) مجھے پاس بلا کر میرے سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ یہ لڑکا دولت مند ہوگا۔ اس تاریخ سے دس سال تک میں سلطان کی خدمت میں مقرب رہا۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ سلطان نے کسی سے منہ پھیرا ہو یا بے مروتی برتی ہو۔ یہاں تک کہ سلطان، قوام الملک ملک سارنگ سے بدگمان تھا او راس میں اخلاص کی نسبت جو نوکر کو اپنے مالک سے ہونی چاہیے نہیں پاتا تھا۔ لیکن چونکہ وہ سلطان محمود کے حضور میں مقرب تھا اور پورا اعتبار رکھتا تھا، سلطان مغفور کی وفات کے بعد شراب داری (پانی پلانے کا) کا عہدہ اس سے متعلق ہوگیا تھا اور وہی روزوں کے دنوں میں افطار کے وقت پانی پلاتا تھا، سلطان پانی اس کے ہاتھ سے لیتا تھا اور بعض آیتیں اور دعائیں جو زہر کے اثر کی واقع ہیں پڑھتا تھا لیکن انتہائی مروت کی وجہ سے اسے اس کے عہدہ سے بدلتا نہیں تھا۔ آخر کار ملک مذکور اس بات سے واقف ہوگیا اور عرض کی کہ یہ غلام بوڑھا ہوگیا ہے اس لیے پانی پلانے کی خدمت مجھ سے نہیں بنتی۔ سلطان نے کہا کہ تمہارے عہدہ میں سوائے تمہارے کون داخل ہوگا؟ کہا کہ میرے چچا کا لڑکا جو آپ کی شہزادگی کے دنوں میں سلطان کی شراب داری کی خدمت سے منسوب تھا۔ اب بھی یہ خدمت اسے ہی سونپی جائے کہ جوان ہے اور خدمت کی طاقت رکھتا ہے اور یہ بوڑھا غلام آزاد ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ اور اپنی پوری عمر میں کسی آزاد یا غلام کو بے حرمت نہیں

کیا اور نہ کبھی کسی کا نام حقارت سے لیا مگر اس کی تعظیم کے انداز ہ سے۔ کوئی بھی کسی بھی معاملہ میں سلطان سے ناراض نہیں ہوا۔ کبھی کبھی وہ کہتا تھا کہ اگر میں جنگل میں اکیلا بھی ہوؤں تو کوئی میرے ساتھ برائی نہ کرے گا کیونکہ میں نے کبھی کسی کے ساتھ برائی نہیں کی اور نہ کرتا ہوں۔

نقل ہے کہ سلطان فجر کی نماز سے پہلے غسل کر رہا تھا۔ آفتابہ اٹھانے والے نوکر پانی ڈال رہے تھے۔ بدن کا غسل کر لینے کے بعد سلطان نے پانی مانگا کہ سر پر ڈالے۔ اتفاق سے رات کو اندھیرے میں ایک چھوٹا چوہا گرم پانی میں گر گیا تھا۔ گل کر اس کا گوشت، ہڈیاں اور آنتیں بکھر گئی تھیں۔ آفتابچی اس حال سے غافل تھے۔ اسی دیگ سے آفتابہ بھر کر سلطان کے ہاتھوں میں دیا۔ سلطان نے وہ پانی اپنے سر پر ڈالا تو تمام آنتیں، گوشت اور چمڑی اس کے چہرہ اور کندھوں پر گرے۔ سلطان کراہیت سے اچھل پڑا اور ایک چھوٹے حوض میں کود گیا۔ اپنے سر، چہرہ اور کندھوں کو اپنے ہاتھوں سے دھویا اور باہر نکل کر نماز پڑھنے لگا۔ نماز ادا کرنے کے بعد آفتابچیوں کو بلایا۔ آفتابچی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو کر حاضر ہوئے۔ پوچھا تم میں سے کتنے آدمی اس خدمت کے لیے مقرر ہیں؟ بولے سو آدمی! فرمایا کہ تم سو آدمی ایک آدمی کی خدمت شایستہ طور پر نہیں کر سکتے؟ میں خود بوڑھا ہوں اس لیے تمہارے گناہ سے درگذر کرتا ہوں لیکن میرے بیٹے جو جوان ہیں ان کی خدمت تم کس طرح کر سکو گے؟ مجھے تمہاری زندگی پر افسوس ہوتا ہے کہ اس تساہل اور سستی کے ساتھ تم میرے فرزندوں کی خدمت سے کس طرح عہدہ برآ ہوگے اور جان سلامت لے جاؤ گے؟ اے بدنصیبو! اس کے بعد غفلت نہ کرنا تا کہ مجھے تمہیں اتنی باتیں کہنے میں وقت ضائع نہ کرنا پڑے۔ کتنا اچھا ہے جو کہا گیا ہے۔ [قطعہ]

پہلوان وہ نہیں جو کشتی میں
دوسرے پہلوان کو پٹخ دے
پہلوان وہ ہوتا ہے جو غضب کے وقت
اپنے نفس امّارہ کو عاجز کر دے!

آخرکار سلطان بہادر بن مظفر کے زمانہ میں انہی آفتابچیوں میں سے ایک نے گرم پانی سلطان کے ہاتھ پر ڈال دیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ ابلتا ہوا پانی اس کے خصیے پر ڈالیں تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ کہتے ہیں کہ ویسا ہی گرم پانی اس کے خصیوں پر ڈالا گیا جس سے وہ تڑخ گئے اور اسی وقت وہ اپنے رخت حیات کے ساتھ دریائے عدم میں پہنچ گیا۔

حضرت سید جلال بخاری سے نقل ہے کہ سلطان ہر روز قرآن کا ایک رکوع خط نسخ میں لکھتا تھا اور جب پورا ہو جاتا تو وہ مصحف وقف کر کے مکہ معظمہ یا مدینہ مکرمہ بھیج دیتا تھا تاکہ جسے پڑھنے کی ضرورت ہو پڑھے۔ ایک دن وہ کتابت میں مشغول تھا۔ ایک صفحہ اس نے بہت ہی عمدہ لکھا۔ خوش ہو گیا اور کہا کہ یہ صفحہ میں نے بہت ہی اچھا لکھا ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ ورق پلٹے اس اثنا میں لطیف الملک سوندھا کا جو سلطان کا سلاحدار تھا اور تلوار اٹھائے سلطان کے پیچھے کھڑا تھا نشہ[1] اتر گیا اور اونگھ گیا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گری اور سلطان کے کندھے پر آئی۔ سلطان کے ہاتھ سے قلم صفحہ پر گر پڑا اور چند سطریں سیاہ ہو گئیں۔ حاضرین نے اسے دھکا دے کر باہر کر دیا۔ سلطان کچھ نہ بولا۔ قلمتراش ہاتھ میں لے کر سیاہی کو جو صفحہ پر گری تھی کھرچ دیا اور اس پر سفیدہ مل دیا۔ مہرہ لگا کر پھر لکھنا شروع کر دیا۔ جب رکوع پورا کر لیا تو قلمدان میں رکھ کر کہا ''کہاں ہے وہ گندہ؟'' یعنی ضدِ سوندھا۔ ہندی زبان میں خوشبودار چیز کو سوندھا اور بدبودار چیز کو گندہ کہتے ہیں۔ اسد الملک شیخ جیو تمیم نے شفاعت کی اور کہا ''سلطان سلامت! وہ باہر کھڑا ہے اور زار زار رو رہا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے بڑی تقصیر ہو گئی۔ میں اس لائق ہوں کہ میرا ہاتھ کاٹ ڈالیں یا ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈال دیں۔ سلطان نے کہا کہ مجھے کیا ضرور ہے کہ میں اس کا ہاتھ کاٹوں۔ جو کوئی ایسی غفلت کرتا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ لیکن اس سے کہو کہ آئندہ دربار میں نہ آئے۔ ملک شیخ جیو نے کہا ''سلطان سلامت! یہ گردن مار دینے سے زیادہ

---

[1] الف : اس کی افیون کی کیفیت۔

دشوار ہے۔ دنیا میں اُس کی جگہ اور کہاں ہے؟" پھر فرمایا "میاں شیخ جیو! تو اب اس سے کہہ دینا کہ گولی نہ کھائے اور نشہ آور چیزوں کے پاس نہ جائے۔" ملک شیخ جیو نے عرض کیا "سلطان سلامت! اب نہیں کھائے گا اور توبہ کرتا ہے"۔ آخرکار ملک شیخ جیو اُسی مجلس میں اس کا گناہ معاف کروا کے اسے لائے اور سلطان کے قدموں میں ڈال دیا۔ سلطان نے معاف کر دیا۔ پھر تلوار اٹھا کر سلطان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ کیا اچھا ہے جو کہا گیا۔ [بیت]

برائی کی سزا برائی سہل ہوتی ہے

اگر تو مرد ہے تو جو بدسلوکی کرے اس کے ساتھ احسان کر!

حضرت سید جلال بخاری سے نقل ہے کہ ایک آفتابی لڑکا بہت شوخ و شنگ تھا۔ کبھی سلطان کوئی بات اس سے پوچھتا تو وہ چست جواب دیتا تھا۔ سلطان کو اچھا لگتا اور مسکراتا تھا۔ ایک دن سلطان وضو کرنے میں مشغول تھا اور لڑکا پانی ڈال رہا تھا۔ قرار یہ دیا گیا تھا کہ مسح کے وقت خدمتگاروں میں سے ایک سلطان کے سر سے پگڑی اٹھالے۔ سلطان پورے سر کا مسح کرتا تھا اور پھر پگڑی سر پر رکھ لیتا تھا۔ وضو سے فارغ ہونے کے بعد سلطان دو تین پیچ کھول کر پگڑی پر لپیٹ لیتا تھا۔ جب وضو سے فارغ ہوا تو حسب عادت ہاتھ پگڑی پر لے جا کر دو تین پیچ کھول کر چوڑے کر کے پھر لپیٹنے لگا۔ ایک ندیم نے دخل دیا کہ سلطان سلامت! اس پگڑی کا کپڑا کتنا نفیس ہے۔ سلطان نے کہا "اتنا بھی نہیں۔ ہمارے خدمتگار اس سے زیادہ نفیس باندھتے ہیں۔ لیکن وہ کھینچ کر باندھتے ہیں اچھا نہیں کرتے۔" وہ لڑکا بولا کہ اگر کھینچیں تو اچھی نہیں لگتی۔ سلطان نے کہا "مگر میری پگڑی کی بندش بری لگتی ہے؟" وہ بولا "سلطان کی پگڑی ملاؤں اور بوہروں کی طرح لگتی ہے۔" اسد الملک نے ایک طمانچہ اس کے چہرہ پر جڑ دیا اور ڈرایا۔ سلطان بولا "کیوں مارتا ہے؟ بچہ ہے۔ نہیں جانتا۔ جو کچھ اپنے ماں باپ سے سنتا ہے وہی کہتا ہے۔ میں اس پر راضی ہوں کہ میری پگڑی ملاؤں اور بوہروں کے مشابہ ہو لیکن بہوروں کی پگڑی سے کیوں تشبیہ دیتے ہیں کہ وہ رافضی ہیں اور میں سنی۔ ان سے اللہ پناہ میں رکھے۔

نقل ہے کہ ایک دن ایک کلال نے ایک عرضی سلطان کے ہاتھ میں دی[1]۔ اس کے ہاتھ میں ایک لوہے کی انگوٹھی تھی وہ سلطان کی آستین سے الجھ گئی۔ آستین پھٹ گئی۔ سلطان نے اس کی عرضی لے لی اور حاجت روا کردی۔ پھر حکم دیا کہ اس کے بعد جو کوئی عرضی گذارے ایک لکڑی کے سرے باندھے اور دکھائے تا کہ اس کے ہاتھ سے لے کر مجھے دیں۔

---

[1] ج: اس کو بلا کر اس کی حاجت پوری کردی۔ جب یہ معلوم ہوا کہ یہ آدمی کلال ہے پانی منگوا کر ہاتھ دھوئے۔ پھر حکم دیا کہ اس کے بعد جو کوئی عرضی گذارے ایک لکڑی پر باندھ کر دکھلائے تا کہ اس کے ہاتھ سے لے کر میرے ہاتھ میں دیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ سلطان کی مروت وحلم اس نوع کی تھی کہ حیطۂ تحریر میں نہیں آسکتی۔

بیسواں باب

سلطان عالی شان کی سخاوت کا بیان

مخفی نہ رہے کہ سلطان کا علم عمل سے آراستہ تھا وہ اسراف سے بچتا تھا۔ اس وجہ سے غیر مستحق لالچی اس کی نیکی کے طور پر اس بات کو کنجوسی پر محمول کر کے مجلسوں اور محفلوں میں بیان کرتے تھے۔

سخاوت ہنر ہے... دوسرے تمام ہتھیار ہیں

اگر تیری ہر انگلی میں سو ہنر بھی ہیں

ان کا ایسا سمجھنا ان کی لالچ کی قوت کی افراط کی وجہ سے تھا نہ کہ سلطان کی دنیا دوستی کی وجہ سے، کیونکہ اگر سلطان دنیا دوست ہوتا تو ملک مالوہ اور اس کے خزانے، ہاتھی، گھوڑوں کے گلے جو اس مشقت سے میدنی راؤ سے لیے تھے، سلطان محمود خلجی کو نہ دے دیتا چنانچہ اس کا ذکر اوپر گذرا۔ اگرچہ گجرات کے دوسرے سلطانوں نے زر بخشی میں افراط کی ہے مثلاً سلطان محمد ابن سلطان احمد اور سلطان بہادر ابن سلطان مظفر لیکن زر بخشی سے تاج بخشی تک بہت تفاوت ہے۔ اگرچہ سلطان زر بخشی کی وادی میں بھی ہمت عالی رکھتا تھا لیکن موقع محل سے۔ چنانچہ منقول ہے کہ محب الملک خواجہ سرا نے جسے سلطان بہادر ابن سلطان مظفر نے اپنے زمانہ میں خان جہاں کے خطاب سے نوازا تھا اور سلطان مظفر کے عہد میں شہر احمد آباد کی کوتوالی اور حکومت کا منصب اسے تفویض ہوا تھا عمر دراز پائی تھی۔ کہتے ہیں کہ فن کوتوالی میں وہ بے نظیر تھا۔ چور کو اس کے قیافہ سے پہچان لیتا تھا۔ نقل ہے کہ ایک دن وہ بازار سے گذر رہا تھا۔ ایک شخص کو بیٹھے دیکھا تو کھڑا ہو گیا۔ جیون نام ایک جلاد تھا جس کی ناک کٹی ہوئی تھی۔ اس سے کہا ”جیون! اسے پکڑ لے!“ لوگ متعجب ہوئے کہ اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تو ایسا کیوں کیا۔ جب اسے پکڑ کر لائے تو اس کے سر

اور کمر کی چھان بین کی گئی تو گھوڑوں کی زنجیروں کی تمیں چالیس کنجیاں اس کی پگڑی کے اندر سے نکلیں۔ آخر معلوم ہوا کہ گھوڑوں کا بہترین چور ہے۔

مختصر یہ کہ خان جہاں کو یہ خیال آیا کہ گجرات کے بادشاہوں کے چار پشتیں گذریں کہ اماموں کا وظیفہ اپنے حال پر ہے اور اِس مدت میں اُس میں کوئی تغیر تبدل نہیں ہوا بلکہ ہر سابق بادشاہ نے اپنے عہدہ میں اس وظیفہ میں اضافہ ہی کیا ہے۔ ایک بار میں تلاش کرو کہ کون فوت ہو چکا اور کون فرار ہو گیا ہے۔ تفتیش کے بعد بہت سے فوت شدہ نکلے اور فراری ایک بھی نہیں کیونکہ زمانہ سابق میں ملک گجرات اس قدر ناز و نعمت سے بھرا ہوا تھا کہ دنیا سے جو کوئی اِس ملک میں آیا پھر باہر نہیں گیا۔ یہ بہت بعید بات تھی کہ اہل گجرات میں سے کوئی نقل مکان کر کے کہیں اور جائے۔ مختصر یہ کہ اس نے فوت شدہ آدمیوں کا وظیفہ وصول کر کے ایک بڑی رقم حاصل کی، سلطان کی خدمت میں لایا اور وہ رقم سلطان کے سامنے ڈھیر لگا دی۔ سلطان نے پوچھا کہ یہ کیا ہے اور کس کا مال ہے؟ عرض کیا کہ سلطان مظفر[1] (اللہ اس کی برہان کو منور کرے!) کے زمانہ سے ملکتیں اماموں کے نام تفویض ہیں اور اس کے بعد ہمارے سلطان کے زمانہ تک روز بروز ان میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ جب تلاش کی گئی تو بہت سے فوت شدہ نکلے۔ ان فوت شدہ آدمیوں کے وظیفوں کی آمدنی جمع کر کے سلطان کی خدمت میں لایا ہوں۔" سلطان نے منہ پھیر لیا اور برا بھلا کہنا شروع کیا کہ اے بے عقل! تجھے کیا کہوں؟ اگر تو مرد ہوتا تو میں تجھے نامردی کی گالی دیتا اور اگر عورت ہوتا تو تجھے بدکارہ کہتا۔ تو نہ مرد ہے نہ عورت لیکن دونوں کی بری صفتیں تجھ میں موجود ہیں۔ جو شخص فوت ہو گیا اس کا لڑکا تو زندہ ہوگا؟ اور اگر لڑکا نہ ہو تو لڑکی! اگر لڑکی بھی نہ ہو تو لونڈی غلام تو اپنے حال پر ہوں گے۔ کس کے کہنے پر تو نے یہ عمل کیا؟ اگر خود کیا تو برا کیا۔ اس کے بعد ایسے کام کے پاس بھی نہ جانا۔ جا اور جن سے مال لیا ہے

---

[1] ج: مغفرت کی نشانی رکھنے والے سلطان آج تک کہ یہ خداوندگار کی حکومت کا زمانہ ہے اور ہر صاحب تخت نے اپنے عہد دولت میں اضافہ کیا ہے۔

انھیں سونپ دے اور کمزوروں کے دلوں میں جو سوراخ کیے ہیں انھیں معذرت کے گارے سے بھرا!" اس کے بعد حکم دیا کہ گجرات کے تمام ائمہ کے نام ایک فرمان اِس مضمون کا صادر ہو کہ فوت شدہ کا وظیفہ اللہ کے فرض کیے ہوئے کے مطابق تقسیم کردیا جائے۔ زمانۂ حال و مستقبل کے کوئی بھی عامل کسی بھی وجہ سے ان میں دخل نہ دیں۔ اس سے پھر فوت شدہ کا وظیفہ فرائض کے مطابق "اور اگر بھائی بھی ہوں اور بہنیں بھی تو پھر اسی قاعدے سے مرد کے لیے دو عورتوں کے برابر حصہ ہوگا۔ دیکھو اللہ تمہارے لیے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ راست سے بھٹک نہ جاؤ اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔" (سورۂ نساء: ۱۷۶)، تقسیم ہوگیا۔

نقل ہے کہ سلطان محمد بن سلطان احمد کے زمانہ میں مالوہ کا بادشاہ سلطان محمود خلجی ولایت گجرات کی تسخیر کے ارادہ سے نکلا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ جب وہ گجرات کی سرحد میں آیا تو بعض اہل قلم نے جو سلطان محمد کی نظر میں مردود تھے جا کر سلطان محمود خلجی سے ملاقات کی اور گجرات کے پرگنوں کا مفصل دفتر سلطان کو دکھایا۔ سلطان نے ایک ایک کو کہتے سنا کہ لوگوں نے کہا شگون اچھا ہوا چنانچہ گجرات کا دفتر ہاتھ میں آگیا۔ ملک گجرات بھی ہاتھ میں آجائے گا۔ سلطان محمود بولا اس ملک میں اوقات بہت ہیں۔ کوئی پرگنہ بلکہ کوئی گاؤں ایسا نہیں ہے جس میں وقف اور وظیفہ نہ رکھتے ہوں اور یہ لشکر بغیر گھوڑوں اور سواریوں کا ہے جو ہر رات ستاروں کی طرح بیدار رہتا ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے۔ [بیت]

جب دو دل ایک ہوتے ہیں تو پہاڑ کو اکھاڑ دیتے ہیں
اور بھیڑ کو منتشر کردیتے ہیں۔

اگرچہ حکایت اس سے پہلے لکھی جاچکی ہے لیکن یہاں بھی ایک وجہ سے لکھی گئی ہے۔ دوسرے مکہ معظمہ اور مدینہ مکرمہ کے غریبوں کے لیے ہر سال وظیفہ معین کیا تھا وہ بغیر تاخیر واہمال کے بھیجتا تھا۔ اور ایک جہاز محض غریبوں کے لیے وقف رکھا تھا۔ مکہ معظمہ

ا ج: دکھائے گا، ب: دکھاتا ہے۔

جاتے وقت اور لوٹتے ہوئے اس جہاز اور اس کے سوار ہونے والوں سے اخراجات سرکار سے دیے جاتے تھے۔ سلطان مظفر کا خرچ بے مصرف نہ تھا۔ وہ فضول خرچی سے بچتا لیکن خیرات کرنے میں چشم پوشی نہ کرتا تھا۔ ایک بزرگ نے کہا جو کوئی فضول خرچی میں تفریق نہیں کرتا اس کے ہاتھ سے خیرات میں افراط نہیں ہوتی۔ مرد میں ایسی سخاوت ہونی چاہیے جو اُس جہان میں درجات کے دروازے کھولتی ہے[1] یا پھر اس کا مال کوئی گویا لے لیتا ہے جس کا نتیجہ دنیا میں مفلسی ہے اور آخرت میں لعنت کی بارش اس پر ہوتی ہے۔ "بے محل اور فضول خرچ کرنے والا تو شیطان کا بھائی ہے۔" (سورہ بنی اسرائیل ۱۷:۲۶) اس حال پر منطق ہے۔

دوسرے[2] سلطان فنون سپہ گری میں بے نظیر تھا۔ شمشیر زنی میں ایسی مشق بہم پہنچائی تھی کہ[3] ذبح کی ہوئی بکری کو جس کا خون نکل گیا ہو اُلٹے ہاتھ میں رکھ کر تلوار کی ایک ضرب سے دو ٹکڑے کر دیتا تھا۔ اور نیزہ بازی حلقہ ربا رکھتا تھا۔ اس موقعہ پر اس شعر کا لکھنا مناسب معلوم ہوا۔ [بیت]

اگر دوسرے، نیزہ سے حلقہ نکال سکتے ہیں تو تُو نیزہ سے
اندھیری رات میں سیاہ فام کے چہرہ سے تِل نکال دیتا ہے

نقل[4] ہے کہ غریبوں اور رعایا کا حال اور امیروں اور لوگوں کے عمل معلوم کرنے کے لیے سلطان راتوں کو تنہا نکلا کرتا تھا۔ گلی کوچوں اور بازار میں اس کے کان تحقیق و تجسس میں لگے رہتے تھے۔ جو کچھ لوگ بات چیت میں بیان کرتے وہ سنتا اور دوسرے دن اس

---

[1] الف، ز : اور اس دنیا میں ظاہر ہوتا ہے نہ یہ کہ کوئی خوشامدی اسے لے لے۔
[2] الف : فنون سپہ گری میں سلطان کی مہارت کا بیان اور بعض اوقات جو سلطان کے دور سلطنت میں وقوع میں آئے۔ گجرات کے ثقات سے سنا ہے کہ سلطان....
[3] ج : دو بکری یا دو بھیڑیں جن کا خون نکل گیا ہو۔
[4] ج : "نقل ہے کہ سلطان...اللہ کی رحمت ہو اس پر!" نہیں ہے۔

کی تلافی وتدارک کا اہتمام کرتا تھا۔ ایک رات وہ ایک مسجد میں پہنچا۔ دیکھا کہ ایک دردمند ایک کونہ میں بیٹھا ہوا رو رہا ہے۔ سلطان نے اس کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ کیا پوچھتے ہو کہ اس حال کا راز نہ کہنا ہی بہتر ہے۔ کہا کہ کچھ تو کہو شاید میں تیری تکلیف رفع کرسکوں۔ وہ بولا "میں ایک غریب آدمی ہوں۔ ایک نامراد بدمعاش میرے گھر میں گھس آتا ہے۔ میں اسے روک نہیں سکتا۔ میں عاجز وحیران ہوں کہ اپنا یہ بھید کس سے کہوں اور کس سے اس کا علاج حاصل کروں۔" سلطان نے پوچھا کہ وہ کب آتا ہے۔ کہا کہ ہر رات۔ کہا کہ خاطر جمع رکھ۔ جب تک میں اسے ختم نہ کردوں کھانا مجھ پر حرام ہے۔ آ اور مجھے دکھلا۔ وہ آگے بڑھا اور سلطان کے پیچھے چلا یہاں تک کہ اس کے گھر پہنچے۔ اتفاق سے اُس رات وہ نہ آیا۔ سلطان دوسری رات وہاں گیا۔ اس رات بھی وہ نہ آیا۔ تیسری رات وہ آیا۔ وہ بیچارہ اسی مسجد میں بیٹھا رو رہا تھا اور سلطان کے آنے سے مایوس ہوگیا تھا کہ وہ مرد متواتر نہ آیا شاید آج رات بھی نہ آئے۔ اس اثنا میں سلطان پہنچ گیا۔ اس نے کہا وہ آج رات آیا ہے۔ آ میں دکھاؤں۔ سلطان روانہ ہوا۔ پوچھا کہ دونوں کو مار ڈالوں یا زانی کو؟ کہا زانی کو۔ سلطان اس کے گھر میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ ایک بدمعاش اس کی بیوی کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ سلطان نے کہا "سامنے آ کہ آج رات تیرے عمل کا بدلہ تجھے ملے۔" تلوار پکڑ کر اس کے روبرو ہوا۔ سلطان نے اس کی چوٹ رد کردی اور تلوار اس کی کمر پر ایسی ماری کہ دو ٹکڑے ہوگیا۔ گرا اور مرگیا۔ اِس طرف سلطان کو بھی کمزوری محسوس ہوئی۔ بیٹھ گیا کہ جب سے قسم کھائی تھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس آدمی سے پوچھا کہ گھر میں تیرے کچھ ماحضر ہے؟ بولا "باجرہ کی روٹی کا ٹکڑا ہے"۔ فرمایا "لے آ۔" وہ لایا تو اس نے کچھ کھایا اور وہاں سے باہر آیا۔ وہ دردمند بولا کہ کل جب لوگوں اور کوتوال کو یہ حال معلوم ہوگا وہ میرا گھر تاراج کردیں گے اور مجھے قید خانہ لے جائیں گے۔ سلطان نے کہا کہ اس کا بھی علاج کرسکتا ہوں۔ خاطر جمع رکھ۔ سلطان اپنے دولت خانہ گیا۔ اسی وقت کوتوال کو بلایا اور کہا کہ فلاں محلہ میں ایک مکان اس شکل کا ہے۔ آہستہ سے اس مکان میں جا۔ اس

طرح کہ پڑوسیوں کو بھی خبر نہ لگے۔ اس گھر میں ایک آدمی مرا ہوا پڑا ہے۔ اسی گھر کے ایک کونہ میں دفن کردے اور آجا۔ یہ بات تو کسی پر ظاہر نہیں کرے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اللہ کی رحمت ہو اس پر!

تیر اندازی کا ذکر

نقل ہے کہ ایک دن اولکھ سورٹھ میں شکار کے لیے گیا۔ گھوڑا ایک ہرن کے پیچھے دوڑایا۔ چلتے چلتے اپنے لشکر سے جدا ہو کر تنہا رہ گیا۔ ناگاہ راجپوت ڈاکوؤں کی ایک ٹولی پیدا ہوئی۔ سلطان نے انہیں اپنے تیروں پر دھر لیا۔ ان میں سے چند کو جہنم رسید کیا اور کچھ نے بھاگ کر سو حیلوں سے چھٹکارا پایا۔ اس اثنا میں سپاہی پیچھے سے آگئے۔ دیکھا کہ چند راجپوت مرے پڑے ہیں اور سب کو تیروں کے زخم لگے ہیں اور سلطان ان کے پاس کھڑا ہے۔ سب نے اتر کر سلطان کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور سلطان کی[1] تیر اندازی کی مردانگی پر آفرین کی اور اس شعر کا مضمون زبان پر لائے۔ [بیت]

بادشاہ کی سبک کمان کی شکل

ایک خفیف نون ہے جو کام کی تاکید کے لیے بناتے ہیں

دوسرے کشتی گیری کے ہنر میں یہ فن سلطان نے استادوں سے سیکھا تھا۔ اور فوقیت حاصل کی تھی۔ ہم عصر پہلوان سب کمال عاجزی دکھاتے تھے اور کشتی میں دو پہلوانوں کو جدا کرنے کے علم میں بھی ایسا ہی تھا۔ خرادی کے ہنر میں بھی پوری مہارت رکھتا تھا۔ مختصر یہ کہ جو کوئی ہنر سلطان کی نظر سے ایک مرتبہ گذرتا وہ ہنر گویا سلطان نے پہلے ہی سے سیکھ رکھا تھا۔ ایسا پاک سلیقہ رکھتا تھا۔ لطیفہ گوئی اور بدیہہ گوئی میں بھی اپنے زمانہ میں بے بدل تھا۔ سلطان کا ایوب نامی ایک ندیم تھا۔ پسندیدہ علم کا طالب اور خوشگو شاعر۔ تھوڑی افیون کھاتا تھا۔ اس نے ایک قطعہ افیون کی ترغیب میں لکھا تھا اور وہ یہ ہے۔

---

1. ز: ہفت اندازی، ج: لقب اندازی

اے خواجہ! ذرہ بھر افیون کھا

که وه تیرے وقت میں مدد کرے

علماء کے لیے افیون مناسب ہے

علم ایسا ہونا چاہیے جو باعمل ہو

ایک آدمی نے یہ قطعہ سلطان کو سنایا۔ سلطان مسکرایا اور بولا "ملا نے یہ قطعہ ترغیب میں نہیں بلکہ ترہیب (ڈرانے کے لیے) کے لیے معنی کا یہ موتی پرویا ہے۔ اس کے سرے پر کاتب نے غلطی سے میم کے بجائے ب لکھ دیا اور بھول کی۔ پھر اس نے پڑھا "مخوراى خواجہ ذرۂ افیون" (اے خواجہ! ذرہ بھر افیون مت کھا۔) باقی دو مصرعوں کو سوالیہ مصرعے بیان کیا اور چوتھے مصرعہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

نقل ہے کہ ایک شخص طالب علم کی صورت میں سلطان کی مجلس میں آیا اور کہا "السلام علیکم" سلطان نے فوراً جواب دیا "وعلیکم السلام یا جامع التنوین واللام" (اے تنوین اور لام کو جمع کرنے والے!)

دوسرے سلطان علم موسیقی میں بال کی کھال نکالتا تھا۔ بہت ہی خوش آواز تھا۔ جو کوئی ساز ہاتھ میں لیتا اسے بجاتا تھا۔ کیا ارباب کیا جنتر کیا جنتری اور اوتھ، سرمندل اور منڈل وغیرہ۔ اس فن کے استاد سلطان کا شاگرد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ سلطان خود مصنف تھا۔ کیا تو تمام فنون موسیقی میں اور کیا تو سوروھیا[1] میں۔ کیا تال ودھیا میں اور کیا بداکیت میں، کیا سوراوھ میں اور کیا چند میں، کیا دھرو میں کیا درپد میں۔

نقل ہے کہ ایام جوانی میں جشن گاہ میں اس فن کے استادوں سے کہا کہ کوئی رقاصہ اس زمانہ میں ایسی ہے جو سرسوتی کا سوانگ بھرے یعنی خود کو سرسوتی کی شکل میں ظاہر کرے اور جو مضمون اس کا ہے اسے زبان پر لائے۔ ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ہر ممتاز شاعر، خوش آواز گویا، ہر ساز کا سازندہ اور ہر ناز و انداز والا رقاص سرسوتی کی

---

[1] ج: "کیا تو سوراوھیا میں... کیا چند میں اور کیا" نہیں ہے۔

امداد وارشاد سے ہدایت پاتا ہے۔ لہٰذا سرسوتی کا سوانگ کس کے لیے مسلّم ہے کہ جس کی سیرت جملہ فنون مذکورہ پر پورے کمال کے ساتھ مشتمل ہو اور صورت بھی اس کی نہایت حسین وجمیل ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ بادشاہ سلامت! سرسوتی کی تقلید بہت مشکل ہے۔ اِس زمانہ میں کوئی نہیں کرسکتا مگر بائی[1] جھاؤ، سلطان کی رقاصہ اس فن میں یگانۂ عصر اور منفرد زمانہ ہے۔ سلطان نے کہا ہاں وہ کرسکتی ہے۔ پھر حکم دیا کہ اس کام کے لیے جو کچھ درکار ہو تیار کریں۔ انہوں نے عرض کیا کہ تمام چیزیں موجود ہیں لیکن ہنس چاہیے کہ وہ سرسوتی کا واہن ہے یعنی اس کی سواری ہے۔ سلطان نے کہا کہ شہر کے تمام ستاروں کو حاضر کرو۔ اس کے بعد جو کچھ سونا اور جواہرات درکار تھے ستاروں کے سپرد کیے۔ چھ مہینوں میں ستاروں نے تیار کردیا۔ سلطان جشن میں بیٹھا۔ بائی جھاؤ خود کو سرسوتی کی طرح آراستہ کرکے جشن گاہ میں اس شکل سے آئی کہ۔ [قطعہ]

اگر وہ اس شکل وصورت کو ایک دم کے لیے بھی دیکھ لیتا

تو مانی اپنی انگلیوں میں قلم کو توڑ دیتا

پری اگر اس گڑیا کو دیکھے

تو حیرت سے انگلیاں دانتوں سے کاٹنے لگے۔

پہلے اس نے فی البدیہہ شعر کہنا شروع کیے۔ ہر مصرع کو دوسرے مصرع سے ممتاز کرتی تھی اس کے بعد اس نے ساز ہاتھ میں لیا۔ وہ اس نے ایسا بجایا کہ اہل مجلس مست وبیخود ہوگئے۔ اس کے بعد رقص شروع کیا ایسے طریقے سے کہ اس عہدہ سے برآئے۔ جس نے دیکھا حیران رہ گیا اور بولا کہ جب سے یہ دنیا بنی ہے، اس قسم کی تقلید وقوع میں نہیں آئی۔ اگر آئی بھی ہو تو ایسی چست ومسلّم نہیں آئی۔ اصحاب تاریخ (اللہ ان پر رحم کرے!) نے لکھا ہے کہ سلطان مظفر بہت ہی بردبار تھا۔ اس وجہ سے سرکش طبیعت والے افسر حکم بجالانے میں تساہل برتتے تھے اور ڈاکہ زنی اور چوری کے پیشہ پر نظر نہیں رکھتے تھے۔ احمد آباد تک

---

[1] ج: بار جھار قاصہ

راستے خطرناک تھے اور ننگے لوگ یعنی بیباک اور ناپاک لوگ عین شہر میں خونریزی کا بیج بوتے تھے۔ لہٰذا بعض فاضلوں نے کہا ہے۔ [قطعہ]

جب بادشاہ میں عزت وسیاست نہیں ہوتی

تو وہ گستاخوں کے ہاتھوں ذلت اٹھاتا ہے

جب شیر کے دانت اور ناخن بکھر جاتے ہیں

تو وہ لنگڑی لومڑی کے طمانچے کھاتا ہے

سلطان کی سرکار کا حل وعقد قوام الملک سارنگ اور ملک گوپی زناردار کے قبضۂ اقتدار میں تھا۔ وہ سلطان کے حکم کے پابند نہیں تھے۔ جو کوئی کام کرنا چاہتے تھے سلطان کی مرضی یا بغیر مرضی کے کر ڈالتے تھے۔ وہ حکم سلطان کے پابند نہیں تھے۔ لوگ فریاد کرتے تھے لیکن اس کے تسلط کی زیادتی کی وجہ سے سلطان سیاست کا ہاتھ تحمل کی آستین سے باہر نہ نکالتا تھا اور قہر کے خنجر کو حکم کے غلاف سے باہر نہیں لاتا تھا۔ اور جواب میں کہتا تھا کہ ہم بھی دعا کرتے ہیں اور تم بھی دعا کرو تاکہ حق تعالیٰ ظلم اور ظالم دونوں کو دفع کردے۔ اس سب تحمل کا سبب یہ تھا کہ جب سلطان محمود (اللہ اس کی برہان کو روشن کرے!) نے اس عالم سے سفر کیا تو امراء نے امر سلطنت کی تجویز میں اختلاف ظاہر کیا۔ بعضوں نے کہا کہ خلیل خان یعنی سلطان مظفر ملاّ طبیعت ہے۔ بادشاہی کی شان اس میں نہیں اس بڑے امر کو بہادر خان ابن خلیل خان کو تفویض کرنا اولیٰ ہے۔ اس کی پیشانی سے بادشاہی کی شان اور سلطنت کا شکوہ روشن وتابدار ہیں اور بعض خلیل خان کی رعایت رکھتے تھے۔ ان میں سے قوام الملک اور ملک گوپی نے کہا کہ جب سلطان مغفور نے اپنی زندگی ہی میں خلیل خان کو اپنی جگہ پر بٹھا دیا ہو تو ہمارے لیے مناسب نہیں کہ ہم سلطان کی رائے کے خلاف قدم اٹھائیں۔ سب نے یہ بات پسند کی اور خلیل خان کو تخت پر بٹھا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہوا خواہی ان کی تقصیروں کا عذر کرتی تھی۔ جو کوئی ناسزا بات ان سے واقع ہوتی سلطان اس سے درگذر کرتا تھا یہاں تک کہ کافر ان کی تحریک سے نظام الملک پر چڑھ آیا جیسا کہ

اس کا ذکر اوپر لکھا گیا اور یہ بات سلطان کو صحیح صحیح معلوم ہوگئی پھر بھی اس نے درگذر سے کام لیا۔ بہرحال سلطان کا مزاج ان سے بالکل پھر گیا۔ اس کے نیک خواہوں نے عرض کیا کہ۔ [بیت]

جو کوئی مملکت کا برا چاہنے والا ہے

اسے مار ڈال کہ اس بے حرمت کا خون حلال ہے

اسی اثنا میں ایک نیا سبب پیدا ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ ملک گوپی ایک عیاش آدمی تھا۔ جشن منانے کی طرف اس کا میلان بہت زیادہ تھا۔ اچھی اچھی رقاصائیں جمع کر رکھی تھیں۔ کہتے ہیں کہ جس رات وہ جشن مناتا تو باغ و بازار سے ڈھیروں پھول اس کی سرکار میں لے جاتے تھے۔ اس رات اگر کسی کو پھولوں کی ضرورت پڑتی تو نہیں ملتے تھے۔ مختصر یہ کہ ان سب میں ایک رقاصہ تھی جس کا نام دھارو تھا۔ [ابیات]

وہ حسن کے آسمان پر کمال کے برج میں تھی

وہ ایسا سورج تھی جسے زوال نہ آئے

اس کے چہرہ کے عکس کے رشک سے سورج

اس کی گلی میں عاشقوں کے چہرے سے زیادہ زرد تھا

جس کسی نے اپنا دل اس دلدار کی زلف سے باندھا

تو اس کی زلف کے خیال میں زنار باندھ لی (کافر ہوگیا)

جس کسی نے اپنی جان اس دلبر کے لعل (ہونٹوں) پر رکھی

راہ میں پاؤں رکھے بغیر اس نے اپنا سر رکھ دیا (مطیع ہوگیا)

جب صبا اس کی زلفوں سے مشکین ہوتی

تو روم (ترکی) اس ہندو صفت (راہزن) سے پُر چین[1] (پُر شکن) ہوجاتا

---

[1] یعنی جب صبا اس کے بالوں کو بکھیرتی تھی تو اس کا گورا گورا چہرہ (روم۔ ترکی) ان ہندو صفت یعنی سیاہ زلفوں سے اور زیادہ خوبصورت ہوجاتا تھا۔ اگر دوسرے مصرع کے لفظ پر چین کو پُر چین پڑھیں تو اس کا مطلب بارہ نکلے گا اور پُر چین پڑھیں تو مضبوطی ہوگا یعنی زیادہ خوبصورت۔ مترجم۔

اس کی دونوں آنکھیں عاشقوں کے لیے فتنہ تھیں

اس کے دونوں ابرو خوبی میں طاق تھے

اس کے تروتازہ لعل (ہونٹ) ایک دنیا کو پیاسا رکھتے تھے

اس کی نرگس مست (مست آنکھ) ہزاروں خنجر رکھتی تھی۔

اتفاق سے قوم تاک[1] کا ایک جوان احمد خان نام جو سلطان کے عزیزوں میں سے تھا اس کی خوبصورتی پر غائبانہ عاشق ہوگیا۔ اس کے جشن کی راتوں میں سے ایک رات وہ چراغداری کرنے کے لیے آیا۔ اپنا چراغ ہاتھ میں لے کر جشن گاہ میں داخل ہوا۔ ہر چند اس نے خود کو چراغچی کی صورت میں چھپانے کی کوشش کی لیکن اس کے چہرہ کا آفتاب ان چمگادڑ کی صفت رکھنے والوں پر روشن ہوگیا۔ کہنے لگے۔[بیت]

اس کی پریشان زلفوں کے سروں میں چوروں کی نشانیاں ہیں

اس کے دامن کے نیچے چراغ کا ہونا اس کی روشن دلیل ہے

انہوں نے احمد خان کو پکڑ کر اتنا پیٹا کہ وہ ادھ موا ہوگیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ایک رمق سے زیادہ جان نہیں رہی تو تجاہل عارفانہ کے ساتھ اپنے آدمیوں کو ملامت کرنے لگا اور خود نرمی اور عذر خواہی کے ساتھ پیش آیا کہ میں اس حال سے واقف نہ تھا۔ اگر تمہیں جشن کے تماشہ کی خواہش تھی تو کیوں ہمیں خبر نہ کی تا کہ ہم تمہیں بلاتے اور جشن دکھلاتے۔ اپنی پالکی منگوائی اور اس میں ڈال کر اس کے گھر بھجوادیا۔ دوسرے دن احمد خان اس کوفت سے مرگیا۔ اس واقعہ کا حال سلطان کو عرض کیا گیا۔ سلطان کو سخت تکلیف ہوئی۔ احمد خان کے رشتہ دار قصاص کے طالب ہوئے۔ سلطان نے پوشیدہ طور پر اجازت دے دی۔ ایک رات ملک کوپی سلطان کے دربار سے اپنے گھر جارہا تھا۔ راستے کے نکڑ پر پکڑ کر اسے منظر بانہ طور پر چند زخم لگا کر نکل گئے۔ ایک بھی کارگر نہ ہوا۔ علی الصباح محب الملک خواجہ سرا نے رات کا ماجرا سلطان سے عرض کیا اور ملک کے زخموں کی کیفیت بیان کی کہ ایک بھی

[1] ج: قوم تانک جو سلطان کی رشتہ دار تھی۔

کارگر نہیں ہوا۔ قوام الملک نے کہا کہ گوپی سلطنت کا نیک خواہ ہے۔ بدخواہ کا زخم ہرگز اس پر کارگر نہ ہوگا۔ سلطان نے تغافل برتا لیکن دل میں سوچا کہ دم کچلے ہوئے سانپ کو چھوڑنا ٹھیک نہیں۔ دوسرے دن ملک کے گھر پر حملہ کروادیا یعنی تاراجی کا حکم دیا۔ لوگ دوڑے اور آنکھ جھپکنے میں اس کا گھر خوان یغما کی طرح لوٹ لیا۔ گوپی کے ہاتھ اس کے کاندھوں پر باندھ کر سلطان کی خدمت میں لائے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ "حلیم کے غضب سے اللہ بچائے!" سلطان نے اسے قید کرنے کا حکم دیا۔ گوپی نے عرض کیا کہ میں جنیو پہننے والا بھکاری تھا۔ سلطان کے والد کے نصیبہ سے اس مرتبہ کو پہنچا۔ جو کچھ میرا تھا اس کا تعلق سرکار سے تھا وہ سب لٹ گیا۔ ان میں دو نادر چیزیں تھیں اگر وہ سلطان کی سرکار میں لے آتے تو مجھے افسوس کی کوفت نہ ہوتی۔ ایک تو ایک کنیزک تھی صاحب جمال بلکہ عدیم المثال۔ دوسرے چند جواہرات تھے کہ سوائے بادشاہوں کے گھر کے کہیں اور نہیں ہوتے۔ دونوں چیزیں ضائع ہوگئیں اور لٹ گئیں۔ سلطان نے کہا۔

کوئی گھر خانہ زاد کا بھی ہوتا ہے

اگر ہوا میں اڑا تو ہوا ہی کا ہو جاتا ہے

اس کے بعد کہا کہ اس کافر کے ظلم سے مسلمانوں پر کیا[1] کچھ نہ گذرا۔ اسے مار ڈالو۔ اس حکم سے سب لوگ راضی ہوئے اور اس ملعون کو کتے کی طرح مار ڈالا۔

---

[1] ح: لوگ اس سے تنگ آچکے ہیں اور اس نے مسلمانوں کو بہت دکھ دیے ہیں۔

اکیسواں باب

سلطان کی ملاقات کا ذکر حضرت العارفین ثانی مخدوم جہانیان سے جن کا نام شاہ شیخ جیو تھا

ابن سید محمود ابن قطب اقطاب سید برہان الدین ابن سید جلال جو مخدوم جہانیاں بخاری کے لقب سے مشہور ہیں (اللہ ان کی ارواح کو پاک کرے!) گجرات کے ثقہ لوگوں سے منقول ہے خبر متواتر کے درجہ کی بات ہے کہ جب سلطان محمود اس جہان فانی سے مقام جاودانی کی طرف گیا اور سلطان مظفر تخت جہانیانی پر بیٹھا تو بعض وفا کیش مریدوں اور معتقدوں نے آنحضرت سے عرض کیا خلیفہ ماضی گذر کیا اور خلیفہ حال تخت سلطنت پر بیٹھا تو گذرے ہوئے کی فاتحہ اور تخت پر بیٹھنے والے کی مبارکبادی کے لیے قدم رنجہ فرمائیں تو مرحمت سے بعید نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اخیر مرتبہ ان کے والد کے ساتھ ہماری ملاقات اچھی نہ رہی اور وہ خود جوان ہیں اور عالم۔ خشک طبع عالموں کو درویشوں سے کچھ اعتقاد واتحاد نہیں ہوتا اس لیے نہ جانا اولیٰ ہے۔ ان لوگوں نے دوبارہ عرض کیا کہ بادشاہان گجرات کو امر سلطنت آپ کے سلسلۂ عالیہ کا تفویض کردہ ہے اور یہ توجہ (دراصل) آپ کے سلف کی سنت پر عمل ہوگا۔ اگر ان کے والد نے اس نعمت کی قدر نہ جانی تو وہ خود عالم اور دانا ہیں وہ جان لیں گے۔ آخرکار ان نیک اندیش لوگوں کی سعی والتماس سے آنحضرت چانپانیر تشریف لے گئے۔ اکثر امیر اور وزیر ان کے اور ان کے بزرگوں کے مرید تھے۔ وہ لوگ استقبال کر کے حضرت کو سلطان کے گھر لے گئے۔ شاہی سراپردہ کے قریب ایک مکان تھا۔ وہاں لے جا کر بٹھایا۔ حاجبوں نے دوڑ کر حضرت کی تشریف آوری کی خبر سلطان کو دی۔ سلطان اس حال سے بے خبر کہ حضرت سراپردہ کے قریب ہی تشریف رکھتے

ہیں بولا "انہوں نے میرے والد کے لیے ایسی بددعا کی تو میرے حق میں کیا (دعا) کریں گے؟" یہ بات بغیر کسی واسطہ کے حضرت کے کانوں میں پہنچی۔ رنجیدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ملاقات کیے بغیر اپنے مسکن مالوف کی سمت روانہ ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد سلطان احمد آباد روانہ ہوا۔ جب حضرت قطب اقطاب کے مرقد مبارک کے دربار کے قریب پہنچا جیسا کہ[1] اس کے سلف کا قاعدہ تھا وہ بجا نہ لایا یعنی گھوڑے سے نہ اترا[2] اور آداب زیارت ادا نہ کیے۔[3] گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے فاتحہ پڑھی اور چلا گیا۔ آنحضرت نے بھی کچھ التفات نہ کیا۔

کچھ عرصہ کے بعد سلطان کو ایک بیماری لاحق ہوئی اور وہ زمانہ حضرت قطب اقطاب کے عرس کے قریب تھا۔ عرس کی رات سلطان نے کہا کہ کل حضرت قطب العالم کا عرس ہے۔ باورچی خانہ سرکھیج لے جائیں اور آنحضرت کی روح کے لیے کھانا تیار کریں کہ میں کل وہاں آؤں گا۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اسی رات سلطان نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قطب فرماتے ہیں کہ "مظفر! تو ہمارے گھر کیوں نہیں آتا؟" سلطان پوچھتا ہے کہ آپ کا خانہ شریف کہاں ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بٹوہ میں شیخا یعنی شاہ شیخ جیو کے گھر۔ جو کوئی شیخا کے گھر آیا گویا ہمارے گھر آیا اور جس کسی نے شیخا کو خوش کیا گویا ہمیں خوش کیا۔ کل شیخا کے گھر آنا تا کہ جو تیری بیماری ہے عنایت باری (تعالیٰ) سے صحت میں بدل جائے۔ صبح سلطان اٹھا، پالکی منگوائی اور سوار ہو کر بٹوہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اسی رات آنحضرت نے خواب میں شاہ جیو کو کہا کہ کل مظفر تمہارے گھر آ رہا ہے۔ اس سے شفقت سے ملاقات کرنا اور اپنا ہاتھ اس کے سر اور کاندھے پر پھیرنا اور دعائے خیر کرنا تا کہ حق تعالیٰ تمہاری دعا کی برکت سے اس بیماری سے جو اسے ہے صحت بخشے۔ دوسرے دن صبح اس سے پہلے کہ

---

[1] ب: "جیسا کہ اس کے سلف...... ادا نہ کیے" نہیں ہے۔

[2] ج: "یعنی گھوڑے سے نہ اترا" نہیں ہے۔

[3] ج: نہیں ادا کیے گھوڑے پر بیٹھے فاتحہ پڑھی۔

سلطان ان کی منزل شریف میں آئے انہوں نے اپنے اصحاب کو کہا کہ آج رات قطب اقطاب نے ہمارے اور سلطان کے درمیان مصلحت کروا دی۔ آج سلطان آ رہا ہے۔ کھانا تیار کرو اور اپنے گھر والوں کو کہلا بھیجا کہ جس کے گھر جو کھانا اچھا پکتا ہو تیار کریں۔ چند گھنٹوں کے بعد خبر پہنچی کہ سلطان آ رہا ہے۔ جب سلطان عیسن پور پہنچا تو پہلے ایک خدمتگار کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ جا! عرض کر کہ میں بھوکا ہوں۔ میرے لیے کھانے کا حکم دیجیے کہ تیار کریں۔ سلطان بھی پیچھے پہنچا چاہتا ہے۔ جب سلطان دربار کے قریب پہنچا تو پالکی سے اتر گیا اور پہلے حضرت قطب اقطاب کے پاک روضہ کی زیارت کی طرف متوجہ ہوا۔ احکام زیارت ادا کرنے کے بعد آنحضرت سے مصافحہ کیا۔ دونوں بزرگ ایک دوسرے پر مسکرائے۔ آنحضرت نے آہستہ سے فرمایا کہ جس طرح تم اس درویش کی ملاقات پر مامور ہوئے ہو یہ درویش بھی اسی طرح تمہاری ملاقات پر مامور ہوا ہے۔ سلطان آنحضرت کے پاؤں پر گر پڑا۔ اپنا ہاتھ سلطان کے سر اور چہرہ پر پھیرا، پھر اٹھا کر بغلگیر کر لیا۔ اس کے بعد ہر ایک شاہزادہ کو حضرت کے پاؤں پر گرایا اور پابوسی سے مشرف کروایا۔ آنحضرت سلطان کو اپنے گھر لے گئے اور بات چیت کرنے لگے چونکہ آنحضرت کی ذات فرشتہ صفات علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھی انہوں نے دینی نکتے اور یقین کے معارف بیان فرمائے۔ سلطان پر ایک حالت طاری ہوگئی اور ان کے سننے سے حاضرین مجلس بھی بے خود ہو گئے۔ آنحضرت کے بیان سے در و دیوار مست ہو گئے۔

[ابیات]

ولی کی تین نشانیاں ہوتی ہیں ان میں معنا پہلی یہ ہے
کہ جب تو اس کے چہرہ کی طرف دیکھتا ہے تو تیرا دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے
دوسری یہ کہ مجلسوں میں وہ مستی کے ساتھ بولتا ہے
اور سب کو ان کی ہستی[1] سے اپنی باتوں سے کھینچ لیتا ہے

[1] ح : سب راز مستی۔ (اس مصرعہ میں ہستی کے بجائے مستی ہی زیادہ موزوں لفظ معلوم ہوتا ہے۔ مترجم)

تیسری یہ کہ ولی روحانی طور پر دنیا کا خاص ترین آدمی ہوتا ہے

کہ اس کے کسی بھی عضو سے بری حرکات صادر نہیں ہوتیں

یہ تینوں نشانیاں آنحضرت کی برکتوں کا فیض پہنچانے ولی ذات میں اس درجہ عیاں تھیں کہ بیان کی حاجت نہں۔ اس کے بعد اٹھ کر حرم میں تشریف لے گئے اور سلطان کے لیے کھانا بھیجا۔ سلطان نے ہم نمکی یعنی ساتھ کھانے کا التماس کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے کھانسی کی شکایت ہے۔ سلطان نے دوبارہ استدعا کی تو باہر تشریف لائے اور سلطان کے ساتھ طعام تناول فرمایا۔ کھانا بہت ہی لذیذ تھا۔ سلطان آیت کریمہ "اور اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کر" کے مقتضا کے مطابق بار بار ذکر اور تعریف کرتا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد اٹھے۔ سلطان نے قیلولہ کیا اور پھر ظہر کی نماز کے لیے اٹھا۔ آنحضرت کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ اس کے بعد پھر بیٹھے۔ سلطان نے اپنی بیماری کا اظہار کیا اور کہا کہ چند روز سے مجھ پر نسیاں غالب ہے اور طبیعت میں وسوسہ پیدا ہو گیا ہے۔ گذشتہ دنوں کی بہ نسبت آج حضرت کی اسی حاضری میں اس میں کمی محسوس کرتا ہوں۔ امیدوار ہوں کہ اس کے بعد یہ شکایت بالکل دور ہو جائے گی۔ حضرت نے دعا فرمائی اور وداع کیا۔ سلطان نے راستے میں اپنے ندیموں سے کہا کہ اگر میں ان کی خدمت میں حاضر نہ ہوتا تو معرفت کے ذوق سے محروم رہتا۔ افسوس ہے عمر کے اس حصہ پر جو ان کی جدائی میں گذرا۔ اس دن سے پھر سلطان دل و جان سے درویشوں کا معتقد ہو گیا اور ان کی صحبت کی برکت سے ذوق معرفت حاصل کیا اور علم سے جو کچھ مقصود ہے عمل کے آئینہ میں دیکھ لیا۔ اس پر اللہ کا شکر ہے!

☆

بائیسواں باب

مخدوم جہانیان ثانی حضرت شاہ شیخ جیو کی بہادر خان کے حق میں نفس رانی کی کیفیت اور بالآخر اس کے نتیجہ کا ظہور میں آنا

سلطان مظفر کے آٹھ لڑکے تھے۔ پہلا سکندر خان اور دوسرے بہادر خان، لطیف خان، چاند خان، نصیر خان، ابراہیم خان وغیرہ اور دو بیٹیاں، راجی رقیہ جو عادل شاہ برہانپوری کی منکوحہ تھی اور راجی عائشہ جو ولایت سندھ کے بادشاہزادہ فتح خان کے نکاح میں تھی۔ سکندر خان، راجی رقیہ اور راجی عائشہ ایک ماں سے جن کا نام بی بی رانی تھا۔ بہادر خان کی والدہ لکھم[1] بائی راجپوت گوہیل اور لطیف خان کی والدہ راج بائی بنت مہب رانا راجپوت الاصل تھیں۔ اور چاند خان، نصیر خان، ابراہیم خان اور دوسرے لڑکے کنیزوں (سراری) سے تھے۔ گھر، ملک اور لشکر کے تمام اختیارات بی بی رانی کے ہاتھ میں تھے۔ سات ہزار نوکر بی بی رانی کی خاص سرکار سے روزی پاتے تے۔

سکندر خان کو سلطان نے اپنی زندگی ہی میں ولی عہد نامزد کر دیا تھا۔ دوسرے بیٹوں کا کچھ اعتبار نہ تھا۔ دو تین گاؤں ہر ایک کے نام مقرر کر دیے تھے کہ انہی سے ان کی وجہ معاش تھی۔ تو ان میں سے دو پورے موضع بہادر خان کی جاگیر سے متعلق تھے۔ ایک کنج[2] جو احمد آباد سے نو کوس کے فاصلہ پر واقع ہے، محمد آباد[3] کے قریب، دوسرا کوٹھ[4] جو شہر مذکور سے دس کوس پر ہے۔ دوسرا باعث موضع بنوہ کہ بانتہ کے آگے وہ موضع حضرت قطب

---

[1] ج: لکھمان بائی

[2] ج: کج جو احمد آباد سے دس کوس کے فاصلہ پر ہے۔

[3] ز: شاطبہ کے قریب

[4] ز: کوٹنہ جو شہر مذکور سے نو کوس پر ہے۔

اقطاب کی اولاد کے وظیفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس وجہ سے بہادر خان اکثر بٹوہ میں رہتا تھا اور حضرت شاہ شیخ جیو کی حاضری میں مداومت کرتا تھا اور حضرت کے مریدوں کے سلسلہ میں منسلک ہوگیا تھا۔ آنحضرت بھی بہادر خان کے مشفق تھے اور اس پر مہربانی فرماتے تھے۔

منقول ہے کہ بہادر خان کے شجرۂ ارادت میں آنحضرت نے اپنے قلم خاص سے "سلطان بہادر" لکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ "بہادر شاہ گجرات" لکھا تھا۔ باوجود اس بات کے بہادر خان کو اپنے خاص پلنگ پر بٹھا کر حاضرین مجلس سے کہا کہ گجرات کا آخری بادشاہ یہ ذات ہے۔ ہر کوئی آداب کورنش اور سلام بادشاہانہ بجالایا۔ اس خبر کی شہرت ہوئی اور بی بی رانی کے کانوں میں پہنچی۔ بی بی بہت ہی متفکر و متردد ہوگئیں اور صورت واقعہ سلطان سے عرض کی اور اپنی پریشانی اور بے طاقتی کا اظہار کیا اور کہا کہ سکندر خان کو بھی آنحضرت کی خدمت میں لے جائیں اور عرض کریں کہ میں نے اسے اپنا ولی عہد کہا ہے۔ حضرت بھی میرے ارادہ کے مطابق سکندر خان کے حق میں دعا فرمائیں اور توجہ کریں۔ سلطان نے کہا کہ بہادر خان کی جاگیر بٹوہ میں ہے اس لیے اکثر اوقات وہ وہاں ہوتا ہے اور ان کی خدمت کا التزام کرتا ہے۔ جب کوئی درویشوں کی خدمت میں جاتا ہے وہ اس کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔ خاطر جمع رکھو جب میں نے خود اپنی زندگی میں سکندر خان کو ولی عہد بنادیا ہو اور سپاہ رعیت سب اس کی گرویدہ ہوں تو بہادر خان اس دولت کو کیسے پہنچے گا۔ آنحضرت بھی اس حال سے واقف ہیں۔ علی الصبح ان کے پاس جا کر پھر اپنے ارادہ کا اظہار کروں گا اور سکندر خان کے حق میں ان سے دعا کرواؤں گا۔ بی بی نے اپنی طرف سے بے شمار فتوح سلطان کے سامنے رکھیں اور عرض کیا کہ آنحضرت کی خدمت میں پیش کیجیے گا کہ سکندر خان کے حق میں دعا سے مدد فرمائیں۔ علی الصبح سلطان اپنے بال بچوں کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں پہنچا۔ پہلے سکندر خان اور دوسرے لڑکوں کو حضرت کی ارادت کے سلسلہ میں داخل کیا۔ اس[1] اثنا میں بہادر خان آیا اور سلام کر کے سکندر خان اور

---

[1] الف: سکندر خان حضرت سلطان ابن عالم شاہ، اللہ ان کے بھیدوں کو پاک کرے! کا مرید تھا۔

سلطان کے بیچ میں بیٹھ گیا۔ سلطان آنحضرت سے گفتگو میں مشغول تھا اس لیے بہادر خان کے آنے اور بیٹھنے کی اسے خبر نہ ہوئی۔ جب بات چیت کی نوبت سکندر خان کی سفارش پر پہنچی تو سلطان نے کہا کہ حضرت آپ کو خود معلوم ہے کہ سکندر خان میرے تمام فرزندوں میں عمر میں بڑا ہے اور ہر لحاظ سے قابل اور شایستہ۔ میں نے اسے اپنا ولی عہد بنایا ہے۔ یہ کہا اور ہاتھ بڑھا کر بہادر خان کا ہاتھ اس اعتقاد سے پکڑا کہ یہ سکندر خان کا ہاتھ ہے اور کہا کہ حضرت بھی اِس کے حق میں دعا فرمائیں کہ حق تعالیٰ میرے بعد گجرات کی بادشاہت اسے نصیب کرے! آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارا یہ التماس درگاہ مالک الملک میں مقبول ہوا۔ یہ گجرات کا بادشاہ ہوگا اور گجرات کے علاوہ دوسرے ملک بھی فتح کرے گا۔ سلطان نے خوش ہوکر سکندر خا کی طرف نگاہ کی اور بہادر خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیکھا تو سلطان کا حال متغیر ہوا اور وہ حیران ہوگیا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارا ارادہ بھی ظہور پذیر ہوگا۔ اہل مجلس جو صاحب فراست اور مالک دانائی تھے سمجھ گئے کہ خوش نصیبی کی گیند بہادر خان کی چوگان کے سپرد ہوگئی اور سکندر خان اس خوش اقبالی سے محروم ہوگیا۔ "نصیب میں جو ہو پہنچ کر رہتا ہے"

اس کے بعد سلطان وداع ہوا۔ اثنائے راہ میں مقربان درگاہ سے کہا کہ تم نے دیکھا کہ آج اس چھوٹے رند بیباک یعنی بہادر خان نے کیسی بے حیائی کی کہ آ کر بڑے بھائی کے آگے بیٹھ گیا۔ سکندر خان سے کہا "تو نے اسے اپنے سے بہتر جگہ کیوں بیٹھنے دیا؟" سکندر خان خاموش رہا۔ دوسرے دن سلطان نے تمام امیروں اور وزیروں کو بلا کر دربار عام کیا اور کہا کہ تم سب جانتے ہو اور آگاہ ہو کہ میرا ولی عہد سکندر خان ہے۔ اس کا حکم بجالانا تمہارے ذمے واجب ولازم ہے۔ تمام لوگ فرمانبرداری اور شوق کے ساتھ قبول کرکے تعظیم کی شرطیں بجالائے۔ بی بی رانی اور سکندر خان کو اطمینان ہوگیا۔ لیکن وہ ارادۂ الٰہی سے غافل تھے اور مقدر کے حکم کی ان کو خبر نہ تھی کہ آخرکار آسمان کس کی مراد کے مطابق پھرے گا اور زمانہ موافقت کی گانٹھ کس کے ساتھ باندھے گا۔

مختصر یہ کہ اگرچہ اس سے پہلے سپاہ و رعیت کی نظر اعتبار میں یہ ظاہر تھا کہ سلطان مظفر کا ولی عہد سکندر خان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے اور نہ ہوگا لیکن اِس وقت یہ بات تجویز ہوگئی اور یقین سے جڑ گئی۔ تمام لوگ سکندر خان کی خدمت کا پالان اپنے کندھوں پر رکھ کر اپنی امیدوں کے پودوں کو اس کے فیوض کے سرچشمہ سے تازہ و سیراب رکھتے تھے۔ سکندر خان نے کینہ کا تیشہ حسد کے ہاتھ میں لے کر بہادر خان کی جڑ کاٹنے کا قصد کر لیا۔

بہادر خان بھاگ کر اپنے پیر دستگیر کے سایہ حمایت میں پہنچ گیا۔ اور اپنے باپ کی مہربانی کی مدد سے ناامید ہو کر بٹوہ میں رہنا قرار دیا اور سعادت دارین کو اپنے پیر کی خدمت میں سمجھ کر ان کی خدمت میں رہنا اختیار کیا۔ آنحضرت نے بھی اسے اپنی شفقت کے سایہ میں لے کر گوشۂ خاطر کے اختصاص سے ممتاز فرمایا۔

لیکن بہادر خان سے کبھی کبھی بٹوہ کے بعض لوگوں کے ساتھ لڑکپن کی ادائیں اور بچوں جیسی حرکتیں سرزد ہوتی تھیں۔ چنانچہ کبھی مذاق میں کسی کی پگڑی اتار لیتا تھا تو کبھی چھوٹے کتوں کو کسی نامراد کے پیچھے چھوڑ دیتا تھا۔ آنحضرت کے خادموں میں ایک دربان قابل نامی تھا۔ وہ افیون کا نشہ بہت زیادہ کرتا تھا۔ بہادر خان کے ساتھ کھیلتا تھا اور پھر عطا و انعام اور مٹھائی اور طعام سے اسے خوش کر دیتا تھا۔ ایک دن حکم دیا تو اس کے ہاتھ پکڑ کر اس کا ازار بند کھولا اور پائنچوں کو باندھ کر ایک کاٹنے والا چوہا اس کے پاجامہ میں چھوڑ دیا۔ اس کی (چوہے کی) گھبراہٹ سے اس کے ناخن پنڈلیوں اور سرینوں پر لگے اور بدن پر خراشیں ڈال دیں۔ اس کے ناخن کے ہر زخم سے خون جاری ہوگیا۔ اسی حال میں آ کر اُس نے آنحضرت سے فریاد کی۔ بعض آدمیوں نے جو بہادر خان سے پریشان تھے کہا کہ بہادر خان بے اعتدالی بہت کرتا ہے۔ کل فلاں آدمی کی پگڑی کھینچ لی۔ فلاں روز فلاں کے پیچھے کتا چھوڑ دیا۔ اگر وہ بھاگ کر گھر میں نہ گھس جاتا تو کتا اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ یہ سن کر آنحضرت غضبناک ہوگئے اور فرمایا کہ مینڈک کھانے والے اور فرنگی کتے اسے بھی پارہ پارہ کر دیں گے۔ انہی سگ صفت لوگوں سے اس کا زوال وقوع میں آئے گا۔ یہ سن

کر بہادر خان پچھتایا، توبہ کی اور بعض رشتہ داروں کی شفاعت سے آکر حضوری کے شرف سے مشرف ہوا۔

آخرکار بہادر خان فرنگیوں کے ہاتھوں مارا گیا اور[1] اس کی تختی محتاجی سے بدل گئی۔ ایک نادر اتفاق یہ ہے کہ بعض فضلاء نے سلطان بہادر خان کے قتل کی تاریخ ''قتیل کلاب فرنگ'' سے نکالی ہے اور بعض نے ''ذل بہادر سلطان البر شہید البحر'' سے بھی۔ ان الفاظ سے ۹۴۳ھ نکلتا ہے۔ اس حال کی کیفیت اور سلطان بہادر کا ذکر (بعد میں) لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

---

[1] ج: یہ تاریخ ملک ولد کمال نے کہی تھی۔

سلطان کے مناسب حال وہ تاریخ ہے جو افادیت پناہ اختیار خان (اللہ کی رحمت ہو اس پر!) نے کہی ہے ''سلطان البر والبحر شہید البحر۔'' ایک نادر اتفاق یہ ہے کہ

تینیسواں باب

سکندر خان کے ڈر سے بہادر خان کے ہندوستان کی طرف جانے کا بیان

جو کچھ گجرات کے معتبر لوگوں (اللہ انہیں تمام آفات سے محفوظ رکھے!) سے نقل کیا گیا ہے یہ ہے کہ وہ بات سن کر جو حضرت شاہ شیخ جیو نے بہادر خان کے حق میں کہی سکندر خان نے از روے حسد و عناد بہادر خان کے قتل پر کمر باندھی۔ بہادر خان یہ بات سمجھ گیا۔ اپنے چند مخصوص آدمیوں کے ساتھ اتفاق کر کے اس نے فرار ہونا طے کیا۔ اور صورت حال حضرت پیر دستگیر سے عرض کی کہ سکندر خان کا قصد میرے سلطان بابا کے کانوں میں بھی پہنچ گیا ہے۔ سلطان نے فرمایا کہ بڑھاپے نے مجھے آلیا ہے۔ اس کے باوجود مجھے ایسی تشویش لاحق ہوئی ہے کہ حکیم اس کے علاج میں بے علاجی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ کی زمین وسیع ہے۔ ملک خدا فراخ ہے۔ تو اسے خود پر تنگ کیوں کرتا ہے اور کسی کونہ میں کیوں نہیں چلا جاتا۔ اس لیے میرا ارادہ دہلی جانے کا ہے۔ اگر حضرت کی اجازت ہو تو اس طرف عازم ہو جاؤں۔ انہوں نے فرمایا۔ [بیت]

دل خدا سے لگا کہ وہ سب سے بڑا جبّار ہے

اگر تیرا دشمن قوی ہے تو وہ اس سے قوی تر ہے

مالک الملک کی درگاہ میں گجرات کی بادشاہت کا فرمان تیرے نام ثبت ہو چکا ہے۔ اس بات کا ظہور وقت پر موقوف ہے۔ اس وقت تک کے لیے سامان سفر اٹھا کہ سفر مبارک ہے۔ اس موقعہ پر بہادر خان نے نذر مانی کہ اگر حق تعالیٰ گجرات کی بادشاہت میرے نصیب کرے گا تو اپنی شاہزادگی کی جاگیر حضرت قطب اقطاب کے پاک روضہ کے فقراء کے خرچ کے لیے دے دوں گا۔ مختصر یہ کہ بہادر خان اپنے پیر دستگیر کی اجازت سے دہلی کی

طرف روانہ ہوا۔

نقل ہے کہ وقت وداع حضرت نے فرمایا کہ ملک گجرات کی بادشاہت تیرے نام مقرر ہوگئی ہے۔ اگر کوئی دوسری آرزو بھی رکھتا ہو تو بیان میں لاتا کہ حق تعالیٰ وہ بھی مراد کی نظر میں ظاہر کرے (یعنی وہ مراد بھی برلائے)۔ بہادر خان نے عرض کیا کہ سوائے چیتوڑ کی فتح کے میں کوئی اور آرزو نہیں رکھتا اس لیے کہ چیتوڑ کے راجہ یعنی رانا سے احمد نگر کے مسلمانوں کو بے شمار تکلیفیں پہنچی ہیں چنانچہ اس نے مسلمانوں کو جان سے مارا اور مسلمان عورتوں کو قیدی بنایا۔ حضرت نے مراقبہ کیا۔ بہادر خان نے پھر یہی بات دہرائی اور جواب نہ پایا۔ تیسری بار پھر یہی التماس کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ چیتوڑ کی فتح تمہاری سلطنت کے زوال پر موقوف ہے۔ بولا میں سو جان سے قبول کرتا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا "ایسا ہی ہوگا۔ تقدیر کو کون بدل سکتا ہے؟"

بعد میں فرمایا ہماری تمہاری یہ آخری ملاقات ہے۔ تم جلد ہی واپس آؤ گے لیکن ہمیں نہ پاؤ گے۔ سید محمد عرف شاہ بڈھ کا پاس خاطر رکھنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑنا کہ تمہاری بہبودی اسی میں ہے۔ مختصر یہ بہادر خان چانپانیر کی طرف گیا۔ اس نواح کے گاؤں کھیڑوں سے کچھ رقم وصول کر کے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ اور یہ ۹۳۱ھ میں ہوا۔ اور اسی[1] سال حضرت شاہ شیخ جیو الموسوم بہ سید جلال ابن سید محمود ابن قطب العالم سید برہان الدین اس جہان فانی سے مقام جاودانی کی طرف رحلت فرما ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک پچھتر سال چھ ماہ تھی چنانچہ یہ لفظ "سید" سے مستفاد ہے۔

کہتے ہیں کہ بہادر خان چانپانیر سے قصبہ بانسیلہ گیا اور وہاں سے رانا کے پاس چیتوڑ۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ رانا پورے اعزاز سے پیش آیا۔ رانا کی والدہ نے اسے اپنا بیٹا بنایا اور اس سے محبت رکھتی تھی۔

نقل ہے کہ ایک دن رانا کا بھتیجہ ضیافت کی استدعا کر کے بہادر خان کو اپنے گھر

---

[1] ج: "اور اسی سال.... مستفاد ہے" نہیں ہے۔

لے گیا۔ رات کو جشن میں بیٹھے۔ ایک صاحب حسن رقاصہ بہت اچھا ناچی۔ بہادر خان اس کی طرف متوجہ ہوا اور اسے پسند کیا۔ رانا کے بھتیجے نے کہا کہ بہادر خان تم پہچانتے ہو کہ یہ رقاصہ کون ہے؟ کہا تم بتلاؤ۔ اس بد بخت نے اسے قصبہ احمد نگر جسے اس سے پہلے رانا نے لوٹا تھا کے اشراف میں سے کسی کی اولاد بتلایا۔ یہ سنتے ہی بہادر خان نے اس کی کمر پر اس طرح تلوار ماری کہ وہ بد بخت دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور جہنم سدھارا۔ شور بلند ہوا۔ سلطان اسی طرح خون ٹپکاتی ہوئی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا۔ راجپوتوں نے جمع ہو کر اس کو مار ڈالنے کا قصد کیا۔ یہ خبر رانا کی والدہ کو پہنچی۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی۔ خنجر پر ہاتھ ڈالا اور کہا کہ اگر کسی نے بہادر خان کو مارا تو میں اپنا پیٹ پھاڑ ڈالوں گی۔ رانا نے سنا تو بولا وہ اجل گرفتہ بادشاہ گجرات کے بیٹے کے سامنے ایسی بات کیوں بولے۔ اس نے اپنا کیا پایا۔ خبردار کوئی بہادر خان کا قصد نہ کرے ورنہ اسے برباد کر دوں گا۔ آخر کار جب صحبت یہاں تک پہنچی تو بہادر خان وہاں سے نقل مکان کر کے ولایت میوات چلا گیا۔ اس ملک کے خوانین نے اقامت کی دعوت دیتے ہوئے امداد کی تجویز کی لیکن اس نے قبول نہ کی۔ وہاں[1] سے وہ سلطان ابراہیم لودی ابن سلطان سکندر، بادشاہ دہلی، کے پاس ان دنوں گیا جب سلطان اور حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ کے بیچ قصبہ پانی پت کے قریب مقابلہ تھا۔ سلطان بہت مہربانی سے پیش آیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا دوسری جگہ لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

☆

---

[1] ج: حسن خان میواتی

[2] ج: پھر عرض کیا کہ اگر شاہزادہ کے دل میں ولایت گجرات کے بارے میں کسی قسم کا تردد ہو تو بندہ اپنے خزانے اور نوکروں میں سے جتنی ضرورت ہو حاضر کر دے۔ فرمایا خدا کی رحمت ہو تمہاری دلجوئی پر۔ جو کچھ نشان دوستی اور اتحاد و یگانگی کی شرطیں تھیں وہ تم بجا لائے لیکن اپنے باپ کے ساتھ جو خدائے مجازی ہے اگر کوئی ایسا کرتے تو وہ دنیا اور آخرت کا خسارہ ہے۔ فی الحال میرا ارادہ سیر کا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ تقدیر اللہ کی طرف سے جاری ہوگی وہاں سے

چوبیسواں باب

سلطان سکندر ابن سلطان مظفر کے تخت جہانبانی پر بیٹھنے اور آغاز دولت جوانی وسلطانی میں شہادت پانے کا ذکر

جمعہ کے دن، ۲۲/ماہ جمادی الآخر[1] ۹۳۲ھ کو سلطان مظفر نے رحمت حق کی طرف رحلت کی جیسا کہ سابق میں لکھا جاچکا ہے۔ اور اسی روز سلطان سکندر بن مظفر تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد محمد آباد کی طرف گیا۔ کہتے ہیں پیروں[2] کی طرف التفات کیے بغیر روانہ ہوا۔ جب بٹوہ میں قطب اقطاب العالم سید برہان الدین (اللہ ان کے بھید کو پاک کرے!) کے روضہ کے سامنے پہنچا زیارت کا شرف حاصل نہ کیا۔ اس نے کہا کہ میاں شیخ جیوان کے پڑپوتے نے جنہیں لوگ ثانی مخدوم جہانیاں کہتے تھے انہیں کیوں کہا کہ بہادر خان گجرات کا بادشاہ ہوگا۔ وہ خود دنیا سے گم ہوگیا۔ مختصر یہ کہ جب سلطان سکندر محمد آباد تشریف لے گیا ماہ مذکور کی ۲۵/تاریخ کو اپنے آبا واجداد کی رسم کے مطابق تخت پر بیٹھا۔ اور اس جماعت کے ہر فرد کو جس نے شاہزادگی کے زمانہ میں ٹھیک خدمت کی تھی خطاب دیے۔ دو ہزار سات سو گھوڑے اپنے آدمیوں کو دیے۔ اس وجہ سے مظفری امیر و وزیر بیدل ہوگئے یہاں تک کہ عماد الملک خوش قدم جو سلطان کی دایہ کا شوہر تھا وہ بھی دل آزردہ ہوگیا۔ اس کا سبب بعد میں مذکور ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مختصر یہ کہ اس اثنا میں خبر پہنچی کہ لطیف خان سلطان پور اور نندربار کے پہاڑوں میں کوہ مونگا[3] کے راجہ بھیم کی حمایت میں بیٹھا ہے اور بعض امراء کے ساتھ لطیف خان کی خط وکتابت بھی ہے۔

---

[1] الف: ۹۳۱ھ

[2] الف: پیران بٹوہ

[3] ج: کرلوں گا۔

سکندر خان نے ملک لطیف کو شرزہ خان کا خطاب اور تین ہزار سوار جرار دے کر متعین کیا کہ لطیف خان کو پہاڑوں سے نکالے۔

جب لطیف خان پہاڑوں میں گھسا تو راجپوتوں اور کولیوں نے راستے کا سرا تنگ کر کے جنگ شروع کر دی۔ شرزہ خان چند نامی سواروں کے ساتھ مارا گیا اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک ہزار دو سو نفر درجۂ شہادت کو پہنچے۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی تو قیصر خان کو ایک لشکر کثیر کے ساتھ متعین کیا۔

اس اثنا میں بعض امراء نے عماد الملک سے اتفاق کر کے اسے یہ خبر دی کہ سلطان تمہاری فنا کا قصد رکھتا ہے اس حال سے غافل نہ رہنا۔ عماد الملک نے کہا کہ اس سے پہلے کہ سلطان ہمارا قصد کرے کیوں نہ ہم اس کا قصد کریں۔

نقل ہے کہ انہی دنوں ایک رات سلطان نے خواب میں دیکھا کہ حضرت قطب العالم مخدوم جہانیاں، قطب اقطاب سید برہان الدین، حضرت شاہ عالم اور حضرت شاہ شیخ جیو تشریف لائے اور سلطان مظفر بھی ہمراہ ہے۔ سلطان مذکور کہتا ہے کہ بابا سکندر خان اٹھ کہ اس سے پہلے تخت پر تیرا جلوس مقرر نہیں ہے اور حضرت شاہ شیخ جیو فرماتے ہیں کہ ایسا ہی ہے۔ جب سلطان خواب سے بیدار ہوا تو ڈرا اور یعقوب سے جس کا خطاب دریا خان تھا رات کا خواب بیان کیا اور کہا کہ میرا دل کہتا ہے کہ بہادر خان آئے گا اور ہمارے اور اس کے درمیان جنگ واقع ہوگی۔

تاریخ بہادر شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ دریا خان نے ایک جواب[1] یوسف[2] بن لطف اللہ سے کہا اور یوسف نے مجھ سے۔ اس طرح تسلسل پیدا کیا اور شہرت پائی۔ مختصر یہ کہ ایک ساعت کے بعد سلطان چوگان بازی کے لیے سوار ہوا۔ چوگان کھیلا۔ ایک پہر روز گذرا تھا کہ محل تشریف لایا۔ کھانا کھایا۔ اس کے بعد دوپہر تک آرام کیا۔ ہر شخص اپنے

---

[1] ب : مجھ سے کہا

[2] ب : "یوسف بن عبداللہ...... تسلسل پیدا کیا" نہیں ہے۔

اپنے ڈیرہ میں چلا گیا۔

حضرت سید جلال منور الملک سے نقل ہے کہ جب سلطان چوگان کھیل کر واپس ہوا اس وقت میں اور میرے بھائی سید برہان الدین دونوں بازار میں کھڑے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مردوں عورتوں میں سے شہر میں کوئی باقی نہ رہا تھا۔ کہ گھروں اور دوکانوں سے نکل کر سلطان کے جمال کا تماشہ نہ کر رہا ہو بلکہ اس دن آسمان کے فرشتے بھی سلطان کے حسن کا نظارہ کر کے حیران تھے۔

[بیت]

میرے درخشاں چاند! یہ آسمان پر ستارے نہیں ہیں بلکہ تیری طرف
تیرا چہرہ دیکھنے کے لیے فرشتوں نے روزن بنائے ہیں

کہتے ہیں کہ سلطان بہت ہی زیادہ خوبصورت تھا۔ لوگ اسے یوسف ثانی کہتے تھے۔ مختصر یہ کہ سلطان دبدبۂ شاہی اور شوکت شہنشاہی کے ساتھ بازار سے گذر کر اپنے محلوں کی طرف گیا۔ امراء اور سپاہ ہر ایک سلام کر کے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

کچھ عرصہ بعد عماد الملک سر اور کان لپیٹ کر چالیس پچاس نفر جرار اور خونخوار سواروں کے ساتھ اپنے گھروں سے دربار کی طرف چلا۔ جب بازار میں آیا تو لوگوں نے کہا آج ملک اٹھارہ دن کے بعد سلطان کے سلام کے لیے جا رہا ہے۔ ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ گذرا ہوگا کہ شور اٹھا کہ عماد الملک نے سلطان کو مار ڈالا۔ اس واقعہ نے شہر میں گویا قیامت قائم کر دی۔ ہر کوئی حیران و پریشان تھا۔ افسوس کی وجہ سے کبھی تالے کرتا کبھی روتا۔ الٰہی یہ کیا واقعہ ہو گیا! یہ کیا ناگہاں حادثہ پیدا ہوا۔ اس روز سے گویا امن و آسودگی کا حرف تخت گجرات کے تختہ سے سلطان سکندر کے خون سے دھل گیا۔

سلاطین گجرات میں سے پہلا شخص جو قتل ہوا سلطان سکندر تھا۔ اس کے بعد سلطان مظفر ابن سلطان محمود ثانی تک سب نے اسلحہ کی دھار سے شربت فنا چکھا اور حدیث نبوی علیہ السلام کے مطابق ''جو بری سنت جاری کرے اس کا گناہ اس کے سر پر ہے اور

ان لوگوں کا گناہ بھی اس کے سر ہے جو اس سنت پر عمل کرے"۔ اس برے طریقہ کا گناہ بداقبال عماد الملک کے نامۂ اعمال میں لکھا گیا۔ کہتے ہیں کہ جب وہ نمک حرام دربار میں آیا اور سراپردۂ خاص کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ دو نفر پردہ کے باہر بیٹھے ہیں۔ ایک سید[1] علم الدین بن احمد بھکری، حضرت شاہ عالم بن قطب اقطاب سید برہان الدین کے پوتے اور دوسرا ملک بیرم بن مسعود اور شطرنج کھیل رہے ہیں۔ ملک سوندھا دربان پردہ کا ایک کونہ اٹھا کر کھڑا ہے اور ملک پیر مخلد ار سلطان کے پاؤں دبا رہا ہے۔[2] اس سے[3] زیادہ اس[4] کا مقدور نہ تھا کہ اس سے بات کر سکے کیوں کہ دربار کا پورا انتظام اِس نافرجام غلام کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے ملک سوندھا کو جواب نہ دیا۔ ملک بہادر[5] کو لے کر سراپردۂ خاص میں آ گیا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "تم نے وہ شیشہ جو سلطان کے لیے پرتگال سے لائے ہیں دیکھا یا نہیں؟" اور وہ شیشہ سلطان کے پلنگ کی پائینتی کی طرف لٹکا دیا گیا تھا۔ خاصیت اس کی یہ تھی کہ جب بھی چراغ روشن کیا جاتا چراغ کے متعدد عکس اس میں نظر آتے تھے۔ ایک عجوبہ چیز تھی۔ بہادر حرامخور بولا "میں نے نہیں دیکھا۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر سلطان کے پلنگ کے پاس لے گیا۔ بہادر نے تھوڑا دیکھا۔ وہ بے سعادت ہو بال "کیا دیکھتا ہے؟ مار!" بہادر نابکار نے تلوار کھینچی[6]۔ اس اثنا میں سلطان بیدار ہو گیا اور کہا کہ کیا ہے؟ اس کے اٹھ کھڑا ہونے سے پہلے اس بدبخت نے ضرب لگائی اور اس حسن وخوبی کے باغ کے نہال کے دو ٹکڑے کر دیے۔[7] اس کے بعد ملک پیر مخلد ار کا کام ایک ضرب میں

---

[1] ج: علیم بن سید احمد بھکری۔

[2] ج: دیکھا کہ ملک سلطان کی جلد دبا رہا ہے اور سلطان نیند میں

[3] ج: اور دوسرا کوئی نہیں ہے۔ چاہا کہ سراپردہ کے اندر داخل ہو۔ ملک نے اجازت نہ دی۔

[4] ج: "اس سے زیادہ..... ملک سوندھا کو جواب نہیں دیا" نہیں ہے۔

[5] ب، ج: ملک بہار

[6] ج: "اس اثنا میں سلطان..... ضرب لگائی" نہیں ہے۔

[7] ج: "اس کے بعد ملک پیر مخلد ار..... مسعود کو بھی وہیں مار ڈالا" نہیں ہے۔

تمام کردیا اور اسی طرح ننگی خون ٹپکاتی ہوئی تلوار ہاتھ میں لیے وہ اور عماد الملک باہر آئے۔ جب سید علم الدین نے یہ حال دیکھا عماد الملک پر تلوار کھینچی۔ عماد الملک بولا "سید! حرامخور حمن!" سید نے کہا "حرامخور تو تو ہے کہ اپنے ولی نعمت کو مار ڈالا"۔ سید نے تلوار ملک پر پھینکی۔ وہ چھت سے ٹکرائی اور ٹوٹ گئی۔ سید نے پھرتی کر کے ٹوٹا ہوا برچھا ملک کے سر پر مارا۔ تھوڑا زخم لگا۔ انہوں نے سید ملک [3] مسعود کو بھی وہیں مار ڈالا۔ اور یہ واقعہ ماہ شعبان [4] کی ۱۴ تاریخ ۹۳۲ھ میں ہوا۔ سبحان اللہ! سلطان سکندر جو اس دبدبہ اور شان سے بازار سے گذر کر اپنے محل میں آیا تھا اور ایک گھنٹہ نہ گذرا تھا۔ کہتے ہیں ایک ناقص چارپائی پر ڈال کر جس سے اس کے پاؤں باہر لٹکے ہوئے تھے موضع ہالول جو شہر چانپانیر سے دو کوس کے فاصلہ پر ہے لے گئے اور سپرد خاک کر دیا۔ کیا اچھا ہے جو کہا گیا۔ [بیت]

آسمان پرویز کے سر پر زرافشاں نہیں ہے

کہ اس کا ایک ریزہ کسریٰ کے سر اور پرویز کے تاج میں ہے

اس سے دو گھنٹے پہلے چوگان بازی کے میدان میں ایک عالم سلطان کی نگاہ کا امیدوار اور منتظر تھا اور ہر کوئی تعظیم کرنے کے لیے خود کو پروانہ کی طرح دکھاتا تھا۔ اگر اپنے کمینہ غلام کے ساتھ کسی کو بھی بھیجتا تو وہ سر کے بل جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت چالیس آدمی بھی جمع نہ ہوئے جو سلطان کی جنازہ کی نماز پڑھیں۔ اس بدنام غلام کے ملاحظہ اور ڈر کی وجہ سے۔

مختصر یہ کہ سلطان سکندر کو شہید کرنے کے بعد خود سلطان کے خانہ میں گیا اور

---

[3] ز: ملک بہرم

[4] ب: رمضان

[5] متن کتاب میں اس شعر کا پہلا مصرع غلط معلوم ہوتا ہے۔ صحیح مصرع جو فٹ نوٹ میں درج ہے (بمطابق نسخہ ز) "سپہر بر سر پرویز نیست زرافشاں" وہیں ترجمہ کیا جاتا ہے۔ مترجم۔

سلطان مظفر کے چھوٹے بیٹے نصیر خان کو جس کی عمر پانچ چھ سال تھی لایا اور تخت[1] میں بٹھایا۔ اس کا لشکر اس سے متفق تھا۔ تمام امراء و سپاہ اور خدم و حشم نے آ کر سلام کیا سوائے تین امیروں کے جنہوں نے بیعت نہیں کی۔ ایک خداوند خان مسند عالی جو سلطان مظفر کا وزیر تھا اور سلطان سکندر نے بھی منصب وزارت اس پر بحال رکھا تھا۔ دوسرا مجلس سامی فتح خان بدھو[2] ملک سندھ کا شہزادہ جسے سلطان مظفر سے نسبت دامادی تھی اور سلطان سکندر کی سگی بہن اس کی منکوحہ تھی اور تیسرا تاج خان نرپالی[3] کہ سلطان الاولیا شاہ عالم کا مقدس روضہ اس کا تعمیر کردہ ہے۔

---

[1] ز: تخت پر بیٹھا محمد شاہ کے لقب سے ملقب کیا۔
[2] ج: "بدھو" نہیں ہے۔
[3] ز: برنالی۔

پچیسواں باب

سلطان سکندر ابن مظفر کے ساتھ بے عقل عماد الملک کی نمک حرامی کا بیان

گجرات کے معتبر لوگوں سے منقول ہے کہ سلطان سکندر کے تخت بادشاہی پر جلوس کے دن بی بی رانی کا زر خرید غلام جس کا نام خوش قدم اور خطاب عماد الملک تھا ہاتھ میں لکڑی پکڑے ہوئے وزیرانہ ادائیں دکھا رہا تھا کیونکہ جس وقت سے سلطان کی والدہ بی بی رانی نے سلطان کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا تھا اس وقت سے اس عاصی کی خاطر منحوس میں یہ تھا کہ سلطان سکندر کے عہد حکومت میں منصب وزارت مجھ سے متعلق ہوگا۔ مختصر یہ کہ جلوس کے دن جب شہر کے مہاجن مبارک بادی کے لیے آئے تو وداع کے وقت اس نے عرض کیا کہ حکم ہو تو انہیں خلعت وتشریف سے سرفراز کیا جائے۔ سلطان نے کہا کہ خداوندخاں الموسوم بہ حاجی محمد سے جو سلطان مرحوم کا وزیر اعظم تھا کہو تاکہ ہر ایک کے مناسب حال خلعت سے اسے مشرف وممتاز کرے۔ یہ بات سن کر اس غلام نافرجام کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی لیکن اس وقت کچھ نہیں بولا۔ خداوندخان کو بلایا۔ وہ آکر سراپردۂ خاص کے باہر کھڑا ہوگیا۔ عماد الملک نے جان بوجھ کر تغافل برتا۔ قاعدے کے برخلاف خداوندخان بہت دیر تک پردہ کے باہر کھڑا رہا۔ سلطان کے نزدیک لوگوں میں سے ایک نے عرض کیا کہ خداوندخان باہر کھڑے ہیں۔ سلطان نے کہا بلاؤ۔ اس وقت عماد الملک نے ایسا ظاہر کیا کہ میں خان کے آنے سے بے خبر تھا۔ پورے ادب کے ساتھ بلند آواز سے کہا "خانجیو! آیئے۔" خداوندخان آیا، سلطان کے قدموں پر سر رکھ دیا اور آبدیدہ ہوگیا۔ سلطان بھی رونے لگا اور خان کو بغلگیر کرلیا اور کہا کہ منصب وزارت بدستور آپ کو

مبارک ہو! خان نے عرض کیا کہ یہ غلام بوڑھا ہو چکا ہے اس لیے آزادی کا التماس کرتا ہے تا کہ نامرادی کے کونہ میں بیٹھ کر اس زبردست مملکت کے لیے دعا میں مشغول رہے۔ سلطان نے کہا کہ تمہارے سوا کوئی دوسرا اس کام کے لائق نہیں اور وزارت کا خلعت خان کو عطا کیا۔ اس معاملہ سے حسد کی آگ اس غلام کے بدن میں تیز تر ہوگئی۔

کہتے ہیں کہ چند روز کے بعد عماد الملک ایک خواجہ سرا کو جو شہر احمد آباد کا کوتوال تھا بغیر اس کے کہ سلطان سے اذن حاصل کرے یا خداوند خان سے منظور کروائے اپنی طرف سے اسے محب الملک کا خطاب دے کر اور اس کے منصب میں اضافہ کر کے سلطان کے پاس لایا اور کہا کہ یہ خواجہ سرا بڑی پسندیدہ خدمت کرتا ہے اس لیے محب الملک کے خطاب سے سرفراز ہوا اور اضافۂ منصب سے بھی۔ سلطان نے پوچھا کہ یہ خطاب کس نے دیا؟ میں بچہ نہیں ہوں، عاقل و بالغ ہوں۔ جو کوئی میرے حکم کے بغیر ایسا کام کرتا ہے برا کرتا ہے اور القاب خطاب کا کسی کے لیے عرض کرنا خداوند خان سے متعلق ہے کہ وہ وزیر ممالک ہے۔ دوسرا کوئی جو اس کام میں دخل کرتا ہے وہ کسی گنتی میں نہیں۔ سلطان نے قبول نہ کیا اور قلتماس رد کر دیا۔ چونکہ وہ غلام سرکش تھا اور لشکر اس سے ملا ہوا تھا اس لیے خداوند خان نے مصلحتاً عرض کیا کہ عماد الملک کی خاطر خطاب اسے عطا کر دیا جائے اور اضافہ منصب سے وہ سرفراز ہوگا۔ سلطان نے خاموشی جو نیم رضا سے موصوف ہے اختیار کی۔ اس گفتگو سے وہ ناقدر جان غلام غصہ ہو گیا اور اسی وقت سے سلطان کی فکر میں رہنے لگا۔ امیروں اور سپاہیوں میں سے جو اس سے اتفاق رکھتے تھے ان کی تربیت اور اصلاح میں لگ گیا۔ اور جو کوئی اس سے کم خلط ملط رکھتے تھے ان کے دل مہربانی اور احسان سے جیتنے لگا۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک ایک کو اپنے گھر بلاتا اور ان کے حال چال پوچھتا تھا۔ اس طرح کہ تیرے کتنے لڑکے ہیں؟ وہ گن کر بتلاتا۔ پھر پوچھتا کہ ان کے شادی بیاہ کر دیے یا نہیں؟ تو وہ حقیقت حال بیان کرتا۔ اگر بے سامانی کا اظہار کرتا تو کہتا کہ مجھ سے قرض لے لے اور اپنے بیٹوں کا یہ نیک کام کر ڈال۔ اس طریقہ سے وہ لوگوں کو رقمیں دیتا اور ان سے قبالہ لے کر

ان کی حاضری میں چاک کر دیتا تھا۔ یعنی اس طرز سے وہ لوگوں کی رسیاں اپنے احسان کی ڈور میں لا کر موافقت کی گانٹھ باندھ دیتا تھا۔

سلطان سکندر اس حال سے غافل اور غرور جوانی اور حسن و دولت و کامرانی میں اتنا مسرور تھا کہ اس کا ہر روز روز عید کی طرح تھا اور ہر شب شب برات تھی۔ طرح طرح کی چیزیں اختراع کرتا تھا مثلاً سکندر شاہی لباس، سکندر شاہی ڈھال، سکندر شاہی داڑھی۔ اسباب عیش میں سے جس چیز کا تصور کرے وہ حاضر۔ ان سب میں اس کی ایک حرم تھی نازک مہر نام جو سلطان کی محبوبہ تھی۔ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں تمام محرم عورتیں اس پر اتفاق رکھتی تھیں کہ نازک مہر جیسی کوئی عورت گجرات کے کسی بھی بادشاہ کے حرم میں نہیں تھی۔ بلکہ پورے گجرات میں اس جیسی صاحب جمال، نیک خصال، خوش افعال اور پسندیدہ حال عورت نہیں ہوئی۔ اور سلطان سکندر کی طرح کوئی خوش گفتار جوان اس عصر میں نہیں دیکھا گیا۔

نقل ہے کہ سلطان سکندر کی شہادت کے بعد نازک مہر سلطان بہادر کے حرم میں پہنچی اور سلطان بھی اس کے لیے اپنے دل میں جگہ رکھتا تھا۔ جس وقت سلطان نے منڈو فتح کیا تو پورا ملک مالوہ اس کے قبضہ میں آگیا۔ ایک دن حکم دیا کہ ہماری چھاؤنی اور شہر منڈو میں جو بھی ڈومنی، رقاصہ، کنچنی، پری شاں، اور بازاری قسم کی عورتیں ہوں وہ سب حاضر کی جائیں۔ ہر طایفہ نے ایک دوسرے کے تعصب میں خود کا خوب بناؤ سنگھار کیا اور تقریباً ایک ہزار عورتیں ہر قسم کی ہر ولایت کی حاضر ہوئیں۔ کہتے ہیں کہ ان میں اکثر خوبصورت اور بقول جمہور بعض بے مثال تھیں۔ سلطان بہادر نے ایک ایک کو بلایا، انعام دیا اور رخصت کر دیا۔ اس اثنا میں شجاع خان نے جو سلطان کے مخصوص اور مقرب امیروں میں سے تھا کہا کہ دنیا کی خوبصورت عورتیں جو جمع ہوئی تھیں اس صفت سے کہ۔ [بیت]

جو مژگاں کو تیر اور ابرو کو کمان بنائے ہوئے تھیں

سب کی سب باریک بیں اور سیدھے قد کی

ان میں سے کسی کا بھی تیر نگاہ دریا بہانے والی تعلق خاطر پر لگا یا نہیں؟ سلطان نے کہا کہ شجاع خان! میرے حرم خانہ میں ایک ایسی حرم ہے کہ جس کے آفتاب جمال کے سامنے ان جیسوں کا ستارہ مثال میں چھپا ہوا اور مٹا ہوا ہے۔ میں تجھے دکھلاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ چند روز کے بعد سلطان حالت مستی میں تھا۔ نازک مہر سے کوئی ایسی ادا سرزد ہوئی جو سلطان کو اتنی بری لگی کہ تلوار کھینچ کر اسے ماردی اور دو ٹکڑے کردیا۔ اس حال میں اُسے وہ وعدہ یاد آیا جو شجاع خان سے کیا تھا۔ نازک مہر کو لحاف اڑھا کر شجاع خان کو بلوایا اور کہا کہ شجاع خان وعدہ یہ تھا کہ میں اس آفتاب جمال حرم کو تجھے دکھلاؤں گا۔ قضائے الٰہی سے وہ آج مرگئی۔ تو نے اسے حالت حیات میں نہیں دیکھا۔ آخر موت کی حالت میں دیکھ لے کہ کیا چیز تھی۔ لحاف اس کے سر سے ہٹایا۔ شجاع خان نے دیکھا کہ آفتاب کی مثال افق پر پہنچی اور شفق کی طرح خون اس کے گرد پھیلا اور چاند کی طرح شق ہوکر خود کو زمین پر گرادیا۔ اس نے کہا افسوس یہ کیا واقعہ بن گیا اور کیا حادثہ ہوگیا۔ سلطان بھی بہت پچھتایا اور سر زمین پر پٹخنے لگا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اسی لیے کسی بزرگ نے کہا ہے۔ [بیت]

آدمی لنزاد گندنا کی جڑ نہ ہوا

کہ اسے کاٹ ڈالیں اور پھر وہ نئے سرے سے پیدا ہوجائے

نقل ہے کہ جب بھی سلطان سکندر سوار ہوکر نکلتا تھا عورتیں اور آدمی جو کوئی سلطان کو دیکھتا اس پر شیفتہ ہوجاتا تھا لیکن سلطنت بادشاہی کے ادب سے ان کی مجال نہ تھی کہ یہ مطلب ظاہر کریں۔ ایک دن ایک آدمی نے جسے عشق ہوگیا تھا ایسا ظاہر کیا کہ میں سلطان کا عاشق ہوں۔ یہ بات سلطان کے کانوں میں پہنچی۔ سلطان نے اسے بلایا اور کہا کہ آدمی نیک اور پارسا دکھائی دیتا ہے۔ اس سے کہو میں تجھے سو اشرفیاں دیتا ہوں۔ اس کام سے باز آ اور آئندہ خود کو ایسا نہ دکھلا تا ورنہ میں حکم دوں گا کہ تیرا سر اور داڑھی مونڈ کر اور گدھے پر سوار کر کے تیری آبرو ہر کوچہ و بازار میں بکھیر دیں۔ وہ عاشق اشرفیوں پر راضی

---

۱ ج: یہ شعر نہیں ہے۔

ہوگیا۔ سلطان نے اشرفیاں منگوائیں اور حکم دیا کہ تھیلی میں ڈال کر اس کے گلے میں باندھ دیں، اس کا سر اور داڑھی مونڈ دیں اور گدھے پر سوار کر کے کوچہ و بازار میں پھرائیں تاکہ کوئی مدعی جھوٹا دعویٰ نہ کرے۔ ہاں! اگر وہ رسوائی پر راضی ہوتا تو اسے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ جو کوئی رسوائی سے بھاگا عشق نے اس کی آبرو بگاڑ دی۔ اس موقع پر چند اشعار عاشق شعار شیخ فرید عطار قدس سرّہٗ کے لکھنا مناسب معلوم ہوا۔

مصر میں ایک نامور بادشاہ تھا
ایک مفلس اس کا عاشق زار بن گیا
جب بادشاہ کو اس کے عشق کی خبر ہوئی
تو اس گمراہ عاشق کو ایک جگہ بلایا
کہا جب تو بادشاہ پر عاشق ہوا
تو اب اِن دو کاموں میں سے ایک اختیار کر
یا تو اِس ملک کا یہ شہر چھوڑ دے
یا[1] میرے عشق کی وجہ سے اپنا سر دے دے
چونکہ وہ مرد عاشق عالی حوصلہ نہ تھا
اس نے شہر سے چلا جانا اختیار کیا
جب وہ مفلس اپنے آپ سے چلا گیا یعنی اپنا دعویٰ ترک کر دیا
بادشاہ نے کہا اس کا سر تن سے جدا کر دو
ایک صاحب نے کہا کہ وہ بے گناہ ہے
بادشاہ نے اس کا سر کاٹنے کا حکم کیوں دیا
بادشاہ نے کہا اس لیے کہ وہ عاشق نہیں تھا
ہمارے عشق کے راستے میں سچا نہیں تھا

---

[1] ج: یا اپنا سر دے کر اپنی آبرو سنبھال

اگر ایسا ہوتا کہ وہ عالی حوصلہ ہوتا
تو یہاں سر کٹوانا اختیار کرتا
اگر وہ مجھ سے اپنا سر کٹوانا چاہتا
تو بادشاہ اس کے خون سے ہاتھ اٹھالیتا،
اس کے سامنے اپنی کمر خدمت باندھتا
اور ایک جہان کا حسن اس کا غلام اور بھکاری بن جاتا
لیکن چونکہ وہ عشق میں محض دعویدار تھا
اس لیے اس کا سر کاٹنا ہی اس کام کا علاج تھا
یہ میں نے اس لیے کہا تا کہ ہر بے مایہ آدمی
ہمارے عشق میں جھوٹی شیخی نہ مارے

نقل ہے کہ جب سلطان سکندر تخت بادشاہی پر بیٹھا تو سادات[1] اور اکابر اور اہل خانہ سے مبارکبادی کیلئے گیے[2] سوائے حضرت شاہ بڈھ ابن شاہ شیخ جیو بخاری کے کہ اس وقت وہ سادات بٹوہ کے پیشوا تھے۔ اس عناد کی وجہ سے جو سلطان سکندر کو ان کے ساتھ تھا۔ سبب اس کا یہ تھا کہ جب بہادر خان گجرات سے نکل کر ولایت دہلی کی طرف چلا گیا تو اس کے چند دنوں کے بعد حضرت شاہ شیخ جیو بھی رحمت حق سے واصل ہو گئے۔ سکندر خان نے کہا "پیر موا مرید جوگی ہوا"۔ یعنی پیر مر گیا اور مرید آوارہ ہو گیا۔ تو جواب میں حضرت نے فرمایا کہ "پیر نہ مرا بحکم آیت کریمہ "بیشک اولیاء اللہ کو موت نہیں آتی" بلکہ وہ منتقل ہوتے ہیں ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف اور مرید آوارہ نہیں ہو گیا بحکم اس کے کہ مَردوں کا سخن رد نہیں ہوتا۔ اور تمہاری بادشاہی سراب یا حباب کی مثل ہے کہ اس میں پائیداری اور بقا نہیں۔ یہ بات سن کر سلطان کے دل میں کینہ اور زیادہ ہو گیا اور قصبہ بٹوہ

---

[1] ج: قضاۃ
[2] ج: اور تہنیت کی شرطیں بجالائے۔

میں جو سادات عظام کے وظیفہ سے تعلق رکھتا تھا تبدیلی کر کے سید محمد بخاری المخاطب بہ سادات خان کو کہ حضرت شاہ عالم کے فرزندوں میں سے تھے دے دیا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا اور اپنے عمل میں نہ لائے۔ آخرکار ان کے قول کا نتیجہ ظاہر ہوا کہ سلطان سکندر کی سلطنت کی کل مدت صرف دو مہینے اٹھارہ دن ہوئی تھی کہ نمک حرام عماد الملک خوش قدم نے سلطان کو مار ڈالا۔ بزرگوں نے کہا کہ اللہ جس کو برباد کرنا چاہتا ہے اسے درویشوں سے لڑوا دیتا ہے۔ اللہ بچائے ان باتوں سے! سلطان[1]، سید سلطان بن حضرت شاہ عالم کا مرید تھا۔

مختصر یہ کہ نصیر خان کی تخت نشینی کے دن عماد الملک نے خلعت، گھوڑے اور خطاب امیروں اور سپاہیوں کو دیے لیکن جاگیر جو خطاب کا نتیجہ ہے نہیں دی۔ اس وجہ سے لوگ کہتے تھے کہ جاگیر کے بغیر خطاب موجب رسوائی ہے۔ آخرکار امیروں اور سپاہیوں میں سے اکثر اس کے اس برے فعل یعنی سلطان سکندر کے قتل سے سخت رنجیدہ ہو کر اس کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ لیکن سردار کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ ہر کوئی اٹھ کر اپنی جگہ اور اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ جب اس کے مواد کا مجموعہ پراگندہ ہوا تو چارہ سازی کے لیے عماد الملک ایلچپوری کو لکھا کہ اگر اس وقت موافقت[2] کے دروازے کھول کر قصبہ نندربار اور سلطانپور تک قدم رنجہ فرمائیں گے تو اس سفر کے بدلہ میں معتدبہ مال بھیجا جائے گا اور اسی مضمون کا خط رانا سانگا کو لکھا۔ گرد و نواح کے زمینداروں کو بھی جمع کیا اور بابر بادشاہ کے حضور میں بھی عرضی بھیجی اور کمک مانگی۔

تاریخ بہادر شاہی کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں اس وقت قصبہ[3] بڑنگر میں تھا وہاں سے میں نے خبر تاج خان کو جو قصبہ دندوکہ میں تھا لکھ بھیجی کہ عماد الملک نے بابر

---

[1] ج: "سلطان سید سلطان.... مرید تھا" نہیں ہے۔
[2] ج: محبت
[3] ز: بیرنگر

بادشاہ سے کمک کا التماس کیا ہے اور یہ بات سلاطین گجرات کے سلسلہ سے انتقال سلطنت کا باعث ہوگی۔ آپ اس بات کی تہہ پر غور کیجیے اور یہ خبر بہادر خان کو بھی لکھ کر تیز رفتار قاصدوں کے ذریعہ بھیجی ہے۔

ان ایام میں بہادر خان ملک جونپور کے امراء کے بلانے پر پانی پت کے مقام سے سلطان ابراہیم سے جس کا حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ کے ساتھ مقام مذکور پر مقابلہ تھا وداع لیے بغیر جونپور روانہ ہوگیا۔ وہ مقام باغپت پر آکر ٹھہر گیا تھا کہ اسی مقام پر پایندہ خان افغان بھی مذکور امراء کے پاس سے خان کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا کہ جونپور کی تمام جاگیروں کے امراء آپ کو اپنا بادشاہ سمجھ کر آپ کی تشریف آوری کے لیے چشم براہ ہیں اور مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ حقیقت حال عرض کردوں اور اس طرح رہنمائی کروں۔ مبارک ہے۔ تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ سلطان[1] چاہتا تھا کہ اس طرف روانہ ہو۔

اس اثنا میں خرم خان کا عریضہ سلطان مظفر کی وفات اور سلطان سکندر کی تخت نشینی کی خبروں پر مشتمل پہنچا اور یہ بھی لکھا تھا کہ امراء اور سپاہ آپ کی تشریف آوری کے خواہاں ہیں۔ اگر اس موقع پر تیزی کے ساتھ خود کو پہنچا دیں تو یقین ہے کہ اُمرائے سلطنت آپ کے غلاموں کی طرف ہونے کے بعد تین دن تک اس سے اسی مقام پر قیام کیا۔ رسم ماتم ادا کر کے چوتھے روز پایندہ خان کو وداع کیا اور وہاں سے ایلغار کے طریقہ پر گجرات کی سمت روانہ ہوا۔ جب چیتوڑ[2] پہنچا تو معین الدین افغان کا لڑکا علی شیر جو سلطان سکندر

---

[1] ج : سلطان چاہتا تھا...... روانہ ہو" نہیں ہے۔

[2] الف : سلطان مظفر کی وفات اور سلطان سکندر کی اپنے آبا و اجداد کی رسم کے مطابق ولایت گجرات کے تخت سلطنت پر بیٹھنے کی خبروں کے پہنچنے کی کیفیت ایک دوسری روایت سے اس طرح ثبوت کو پہنچی ہے کہ شہزادہ بہادر خان سکندر خان کے حسد و عداوت کی وجہ سے اور اپنے پیر کی اجازت سے نقل مکان کر کے بمقام ایڈر پہنچا۔ ایڈر سے چیتوڑ کے قلعہ میں آیا اور جب چیتوڑ میں ایک عجیب و غریب واقعہ اور حادثہ واقع ہوگیا تو بہادر خان کے چیتوڑ تک پہنچنے کی پُر خطر خبر اتنی پھیلی کہ سلطان

کی وفات کے بعد بہادر خان کی خدمت میں روانہ ہوا تھا پہنچا۔ اس نے سلطان سکندر کی شہادت، عماد الملک کی نمک حرامی اور پھر نصیر خان کے تخت پر بیٹھنے کی خبریں ایک ایک

مظفر کے مبارک کانوں میں بھی پہنچ گئی تھی لیکن چیتوڑ سے روانہ ہونے کے بعد اس کی خبریں ان امرائے گجرات کو بھی جو اس کے ہوا خواہ تھے معلوم نہ تھیں کہ وہ کہاں کہاں جا رہا تھا۔ لیکن شاہزادہ رانا سانگا سے وداع ہو کر دہلی آیا اور وہاں کے بزرگوں کے روضوں کی زیارت کے لیے ٹھہر گیا۔ پانی پت جا کر سلطان ابراہیم لودی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جنگ کے دن حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ کے لشکر کے چند مغلوں نے افغانوں کی ایک جماعت کو پکڑ کر ان کے ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھ دیے اور گلے میں رسی ڈال کر انہیں میدان جنگ سے لے جا رہے تھے۔ باوجود اس کے کہ سلطان ابراہیم خود لشکر کے مقدمہ میں موجود تھا دلاوروں میں سے کسی کو بھی اس مظلوم جماعت کے چھڑانے کی طاقت نہ تھی۔ شہزادہ بہادر خان اپنے رفیقوں کے ساتھ تلواریں بلند کر کے ان مغلوں کے قریب پہنچ گیا۔ تلوار اور خنجر پر ہاتھ ڈال کر ایسی جوانمردی دکھلائی کہ وہ غالب جتھا مغلوم ہو گیا۔ ان گرفتار افغانوں کو چھڑا کر سلطان ابراہیم کی فوج میں واپس آ گیا۔ اس وجہ سے تمام امیروں نے جنہوں نے شاہزادہ پر شناخت دیکھی تھی اتفاق کیا کہ سلطان ابراہیم بدمزاج ہو گیا ہے بہتر یہ ہے کہ اس کے لیے شربت فنا تیار کر کے اسے راہ عدم بھیج دیں اور شاہزادہ بہادر خان کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیں۔ امراء کے اس خیال کو بُو سلطان ابراہیم پر ظاہر ہو گئی اس لیے اُس نے شہزادہ کی طرف التفات کم کر دیا۔ سلطان کا مزاج پہچان کر بہادر خان نے سلطان کی اجازت کے بغیر اپنے ارادہ کی لگام آزادی سے دہلی کی طرف موڑی۔ جس دن وہ پانی پت پہنچا آنحضرت، ولایت پناہ، غوث الاسلام بو علی قلندر شرف الدین پانی پتی کے نام سے مشہور ہیں اپنے روضہ کے خدام کے خواب میں ظاہر ہوئے کہ ملک گجرات کا بادشاہ اپنے رفیقوں کے ساتھ پاپیادہ صبح اس راہ سے گذرے گا۔ تمہیں چاہیے کہ اس سرکار سے ایک زین کسا ہوا گھوڑا تیار کر کے اور اپنے فلاں دروازہ سے ایک تلوار ہمراہ لے کر راستے کے سرے پر کھڑے رہو۔ جب وہ بادشاہ اس راہ سے پہنچے تو وہی موٹی تلوار اس کی کمر سے باندھ دینا اور گھوڑے پر سوار کرا کے ہمارے مرقد کے قریب اسے ٹھہرانا تاکہ جو کچھ مقدر ہے وہ ظہور میں آئے۔ جب وہ مجاور خادم خواب سے بیدار ہوا باقی رات اس نے ذکر و مراقبہ میں بسر کی۔ صبح کی نماز ادا کر کے اٹھا اور طویلہ آیا۔ ایک گھوڑے پر کہ اس سے بہتر طویلہ میں نہ تھا ایک موافق زین اور لائق لگام لی اور سلاح خانہ سے ایک اعلیٰ قسم کی تلوار نکال کر راستے پر گیا اور انتظار میں بیٹھ گیا۔ جو کوئی راستے سے گذرتے تھے انہیں وہ اس قدر و قیمت کا نہ پاتا تھا اس لیے کچھ اظہار نہ کرتا

بیان کیں۔ خان نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ جب محمد آباد پہنچوں گا تو اس نمک حرام کو سولی پر چڑھاؤں گا اور وہاں سے اور زیادہ تیزی سے روانہ ہوا۔ چاند خان شہزادہ جو ہمراہ تھا وہیں

تھا۔ نماز ظہر کے وقت تک وہ وہاں کھڑا رہا لیکن ان سے کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی۔ وہ تنگ آ کر چاہتا تھا کہ واپس چلا جائے کہ اتنے میں جوانوں کی ایک جماعت دور سے نمایاں ہوئی۔ ان کے انتظار میں کھڑا رہا کہ وہ قریب آ جائیں۔ اس آدمی نے لوگوں کی پیشانی سے معلوم کر لیا کہ ظاہراً ہو سکتا ہے کہ بادشاہ گجرات ان کے درمیان آیا ہو۔ اس نے پوچھا کہ یارو تمہارے درمیان بادشاہ گجرات کون ہے؟ پہلے تو سب نے دوری اختیار کی کہ شاید اس کی غرض کچھ اور ہو۔ جب اس نے سب کو انکار کرتے دیکھا تو کہا کہ انکار نہ کرو کہ میں نے حضرت شیخ شرف الدین پانی پتی کے حکم سے تمہارا استقبال کیا ہے کہ آج رات انہوں نے عالم خواب میں مجھ سے کہا کہ بادشاہ گجرات اپنے دوستوں کے ساتھ پیادہ آتا ہے۔ ایک گھوڑا زین، لگام اور تلوار کے ساتھ لے جا اور اسے تلوار باندھ کر اور سوار کر کے ہمارے مرقد کے قریب اتار۔ اس لیے میں گھوڑا اور تلوار لایا ہوں۔ اگر تمہارے درمیان کوئی صفات مذکور سے موصوف ہو تو یہ ہے گھوڑا اور یہ ہے تلوار۔ چاہیے کہ وہ اس گھوڑے پر سوار ہو تا کہ میں اسے اس جگہ لے جاؤں جس کا حکم دیا ہے۔ بہر حال بہادر خان نے خود کو ظاہر کیا، گھوڑے پر سوار ہوا، تلوار باندھی اور اس کے ہمراہ آ کر شیخ کے مرقد کی زیارت سے فائز ہوا۔ مرقد کے قریب ایک حجرہ میں اسے اتار کر مہمانداری کی شرطیں بجا لایا۔ دو تین دن کے بعد شہزادہ وہاں سے نکلا اور ایک باغ میں جو حضرت شیخ کے نام سے منسوب ہے ٹھہرا۔ جیسا کہ اتفاق پڑتا ہے چند روز وہاں قیام کیا۔ مختصر یہ کہ جب عماد الملک نے سلطان سکندر کو مار ڈالا اور شہزادہ نصیر خان کو میدان میں لایا تو تاج خان نے عماد الملک کا ساتھ نہ دیا اور اپنے گھر کے ایک کونہ میں بیٹھ گیا۔ جنگجو امراء رات کو اس کے گھر گئے اور مشورہ کیا۔ عماد الملک کا شکوہ کرنے کے بعد ایک دوسرے سے کہا کہ کوئی جانتا ہے کہ شہزادہ بہادر خان کہاں گیا ہوگا۔ بعضوں نے کہا کہ اس کا چیتوڑ تک جانا تو سنا گیا، اس کے بعد ہم نہیں جانتے کہ کہاں گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ کوئی ایسی ترکیب نکالو کہ ہم ان کی خبر پائیں کہ کہاں ہیں تا کہ تیز رفتار قاصدوں کو بھیج کر انہیں بلائیں۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ سابرمتی کے اس طرف فلانے پورہ میں ایک سید ہے، مرتاض وصاحب اسم۔ وہ پریوں کو روبرو بلاتے ہیں اور سنا گیا ہے کہ پریوں پر ان کا حکم بہت غالب ہے۔ چنانچہ خط کا جواب جو بھی ملک ہو وہاں سے منگوا لیتے ہیں اگرچہ وہ ملک بہت دوری پر واقع ہو۔ تمام یاروں نے باہم یہ قرار دیا کہ آؤ ان کی خدمت میں چلیں۔ اگر واقعہ کے مطابق ہو تو

رہا۔ چاند خان کا بھائی جس کا نام ابراہیم خان تھا ہمرکاب ہوا۔ وہاں سے ڈونگر پور آئے۔ یہ خبر سن کر مقام دندوکہ سے تاج خان خدمت میں پہنچنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس اثنا میں

کتنا اچھا ہوگا! تاج خان نرپالی، خداوند خان مسند عالی، ولایت سندھ کا شہزادہ فتح خان اور دوسرے امراء جو جمع ہوئے تھے اٹھ کر اس مرد زاہد کے گھر پہنچے۔ یہ خبر پہنچنے کے بعد کہ فلاں اور فلاں آپ کو ملنے آئے ہیں وہ بزرگوار اپنے ویران گھر سے نکلے اور ان میں سے ہر ایک مناسب خاطر و تواضع بجالائے۔ رسمی تواضعات کے بعد انہوں نے ان عزیزوں کے قدم رنجہ فرمانے کا سبب پوچھا۔ سب نے کہا کہ آپ نے عماد الملک خوش قدم کی نمک حرامی سنی ہوگی۔ اب ہم بہادر خان کے ہوا خواہ ہیں لیکن نہیں جانتے کہ وہ کہاں گیا۔ اگر آپ کی دعا سے شہزادہ کے احوال معلوم ہوجائیں تو ہم تا ابد آپ کے ممنون رہیں گے۔ شیخ نے فرمایا کہ تم ایک ایسا خط جو ہم چاہتے ہیں لاؤ تاکہ ہم اس سے وہ جہاں کہیں بھی ہو اس کا جواب مانگیں۔ وہ لوگ خوشی کا اظہار کر کے شیخ سے وداع ہوئے اور چلے گئے۔ دوسرے دن ان تمام مذکور امراء نے ایک عرضداشت اس حکایت پر مشتمل اور گجرات کی خبروں، عماد الملک کی بیوفائی اور خود کی خیر خواہی کو شامل لکھوائی اور دوسرے دن شام کو شیخ کے گھر گئے۔ شیخ نے ان کی حاضری میں ایک سات آٹھ سال کی لڑکی کو سرخ لباس پہنایا اور اس کے سامنے ایک آئینہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کے اسموں کی دعوت شروع کی اور ان کی عرضداشت کو اس لڑکی کے کان کی لو میں لگا دیا۔ اس میں یہ بھی لکھوایا تھا کہ عرضداشت کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کا جواب جو حقائق پر مبنی ہو لکھ کر زمین پر ڈال دو تاکہ جو قاصد لے گیا ہے ہمیں پہنچا دے۔ اس سے انتظار مت کروانا۔ غرضیکہ جب دعا شروع کی تو پریوں کا لشکر آئینہ میں نمودار ہوا۔ جب ان کا بادشاہ ظاہر ہوا تو لڑکی نے شیخ کو خبر دی کہ اب بادشاہ اپنے تخت اور نوکر چاکروں کے ساتھ آ گئے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں طلب کرنے کا کیا سبب ہے۔ شیخ نے لڑکی سے کہا کہ ہماری دعا انہیں پہنچاؤ اور پوچھو کہ آپ تمام کناروں اور جگہوں کی خبر رکھتے ہیں۔ کیا یہ بھی جانتے ہیں کہ شہزادہ بہادر خان کہاں تشریف رکھتا ہے؟ پریوں کے بادشاہ نے کہا ابھی ابھی جب ہم آپ کی خدمت میں آئے ہم نے بہادر خان کو اس کے رفیقوں کے ساتھ پانی پت کے باغ میں دیکھا کہ کھانا کھا کر آرام کی تیاری میں تھے۔ شیخ نے حکم دیا کہ اب جو خط اس لڑکی کے کان میں ہے دو نفر کو حکم دیجیے کہ شہزادہ بہادر خان کو پہنچا کر اسی وقت جواب ہمیں پہنچائیں۔ پریوں کے بادشاہ نے دو پریوں کو حکم دیا کہ یہ کاغذ پانی پت کے باغ میں شاہزادہ بہادر خان کو پہنچاؤ اور جواب لاؤ۔ اگر وہ نیند میں ہو تو اسکے

شہزادہ لطیف خان دندوکہ پہنچا اور تاج خان کو پیغام بھیجا کہ اگر خان مجھ سے موافقت کرے تو ملک گجرات کی تمام مہمات اختیار خان کے سپرد کر دوں گا۔ تاج خان نے لطیف خان

سرہانے ٹھہرنا یہاں تک کہ جاگ جائے اور اسے پڑھ لے۔ غرضیکہ میں تمہارے آنے کے انتظار میں بیٹھا ہوں۔ حاضرین کی جماعت نے دیکھا کہ وہ کاغذ اس لڑکی کے کان سے غایب ہو گیا۔ شیخ ان امراء کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہو گئے۔ اُدھر شہزادہ بہادر خان متفکر و متردد تھا کہ جس تاریخ سے ہم گجرات کی سمت سے جدا ہوئے ہیں اصلاً وقطعاً اس جگہ کے حقائق ہمیں معلوم نہیں ہوئے۔ اسی فکر میں اسے نیند آئی۔ جو شخص وہ کاغذ لے گیا تھا اس نے وہ تحریر اس کے تکیے کے نیچے رکھ دی یہاں تک کہ جب خان مذکور کروٹیں بدلنے لگا تو کاغذ کا وہ طومار (طویل خط) ہاتھ میں آ گیا۔ دنیا کو دیکھنے والی آنکھ جو خواب ناز میں مشغول تھی کھولی تو دیکھا کہ کاغذ کا ایک طومار ہے۔ خدمت گاروں سے پوچھا لیکن کسی نے قبول نہ کیا کہ میں نے رکھا ہے۔ چونکہ شمع بجھادی گئی تھی یاروں سے پوچھا کہ یہ کیا کاغذ ہے؟ تم میں سے کس نے یہاں رکھا ہے؟ سب نے انکار کیا۔ بہر حال چراغ جلا کر لائے۔ جب اس کے سر سے مہر کھولی تو معلوم ہوا کہ ایک عرضداشت تاج خان نرپالی، خداوند خا مسند عالی وغیرہ امرائے گجرات کی طرف سے ہے کہ انہوں نے بھیجی ہے لیکن ظاہراً قاصد کا پتہ نہ لگا۔ بہر کیف گجرات کے تمام حقائق کا مطالعہ کیا۔ والد کے انتقال اور شہادت پر افسوس کیا۔ اس کے حاشیہ پر لکھا ہوا دیکھا کہ آپ جہاں کہیں بھی ہوں اس عریضہ کا جواب لکھ کر زمین پر ڈال دیں تو ہمیں پہنچ جائے گا اور آپ اپنے ارادہ کی لگام جلد از جلد گجرات کی جانب موڑیں۔ جب مقام جالور پر پہنچیں تو وہاں مقام کر کے اپنا قاصد ہماری طرف دوڑائیں کہ ہم تمام خیر خواہ امراء ماہی مراتب بادشاہی جو تخت سلطنت کا لازمہ ہیں ہمراہ لے کر استقبال کے لیے آئیں گے۔ شہزادہ بہادر خان نے اپنی جگہ اور مقام اور روانگی ایک کاغذ پر لکھ کر زمین پر ڈال دیا۔ جب غور سے دیکھا تو وہ کاغذ نظروں سے غائب ہو گیا لیکن وہ نہ سمجھ سکے کہ کیا ہوا۔ مختصر یہ کہ تاج خان، خداوند خان اور دوسرے امراء ابھی تک شیخ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک کاغذ اس لڑکی کے کان کی لو میں ظاہر ہوا۔ شیخ نے وہ کاغذ امیروں کے ہاتھ میں دیا۔ امراء میں سے ہر ایک نے صد ہزار تحسین و آفرین کی اور اپنا مقصود حاصل کر کے شیخ کی خدمت میں اٹھے اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ دوسرے دن سے اسباب شاہی جیسے کہ تاج و تخت اور جو کچھ ہوتا ہے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ شہزادہ ایلغار کے طور پر گجرات کی طرف روانہ ہوا اور جب چتوڑ پہنچا...

کے لیے خرچ بھیجا اور عرض کیا کہ اس سے پہلے میں خود کو بہادر خان کے ساتھ جوڑ چکا ہوں۔ اب میں خود کو اس کے خلاف قرار نہیں دے سکتا۔ مناسب یہ ہے کہ تم فی الحال گوشہ نشین ہو جاؤ۔

مختصر یہ کہ بہادر خان کے آنے اور امراء کے اس طرف رجوع کرنے کی خبر سن کر عماد الملک اور اس کے موافق لوگ لرز گئے۔ عماد الملک نے عضد الملک ابرص کو، تین سو گھوڑے پایگاہ سلطانی سے اور پچاس ہاتھی فیلخانہ سے دے کر موراسہ تھانہ پر متعین کیا کہ وہاں رہے اور کسی کو بہادر خان کے پاس نہ جانے دے۔ عضد الملک اس طرف روانہ ہو گیا۔ اس اثنا میں رضی الملک اور خرم خان محمد آباد سے نکل کر بہادر خان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوئے۔ بہادر خان میکھر تیج[1] عرف محمود نگر آ گیا۔ خان کے کچھ مخصوص آدمی جن کا نام اعظم بن ملک یوسف بن لطف اللہ اور رواجی محمد فرید اور ملک مسعود ہیں اور ان کے مثل دوسرے جو عماد الملک کے خوف سے بھاگ کر گوشہ نشین ہو گئے آ کر حاضر خدمت ہو گئے۔ وہاں سے موراسہ میں بشان و شوکت قیام کیا۔ پھر موراسہ سے ہر سول اور ہر سول سے سنکار گاتو[2] آیا۔ اس منزل میں خرم خان اور رضی الملک اور اکثر امرائے مظفر شاہی آئے اور پابوسی کے شرف سے مشرف ہوئے۔ دوسرے دن موضع نہروالہ میں اپنی بارگاہ کا کلس بلند کیا۔

---

[1] ز: کیبر تیج

[2] ج: سنکار کا تون

چھبیسواں باب

بہادر شاہی جھنڈے کے ماہچہ کے طلوع اور تائید الٰہی سے تخت مملکت کا اس سے فروغ پانے کا ذکر

تاریخ بہادر شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ ۲۶ ر ماہ رمضان المبارک ۹۳۲ھ کو موضع مذکور کے مقام پر تاج خان اور مجاہد الملک اور سعید الملک اور راقم الحروف اور احمد آباد کے معظم شہر کے بڑوں اور چھوٹوں، سب نے بساط بوسی کا شرف حاصل کیا۔ وہاں سے سلطان شان ودبدبۂ بادشاہی کے ساتھ احمد آباد کی طرف روانہ ہوا اور کالوپور کے دروازہ سے داخل ہوکر احمد آباد کے معظم شہر میں تشریف لایا۔ پہلے اپنے اجداد یعنی محمد شاہ، احمد شاہ اور سلطان قطب الدین کے حظیرہ میں جو مانک چوک میں واقع ہے گیا اور زیارت کی۔ اس کے بعد کوشک سلطانی میں جو بھدر کے نام سے مشہور ہے یہ دعا ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں ایسے مقام پر اتار جو برکت والا ہو اور تُو تو ہے ہی سب سے بہتر مقام میں اتارنے والا'' (سورۂ مومنون : ۲۳ : ۲۸) پڑھ کر مقام کیا۔ مذکور رمضان المبارک کی ستائیسویں رات کو تمام امراء مجلس سلطانی میں حاضر ہوئے۔ سلطان مظفر کے رسم و آئین کے مطابق ہر ایک کو اس کے مرتبہ کے بقدر جگہ متعین ہوئی اور سب نے بیٹھ کر طعام تناول کیا۔ ہر ایک نے سلطان کے نیک وجود کی شان دیکھ کر اللہ کا شکر ادا کیا۔ احمد آباد کے بڑے شہر میں ایک نئے رواج ایک نئی رونق کی ابتدا ہوئی۔ ملک گجرات کہ جس نے سلطنت سلطانی کا ستارہ ڈوب جانے کی وجہ سے ظلمت کا زنگ پکڑ لیا تھا دولت بہادر شاہی کا آفتاب طلوع ہونے پر کشادہ اور روشن ہو گیا اور اہل گجرات کے دلوں سے صورت تفرقہ عدم کو سدھاری۔

یہ خبر سن کر عماد الملک نے اپنے موافقین کو ایک سال کی خوراک نقد خزانہ بادشاہی

سے دی اور قرآن کی سوگند دی کہ وہ محمود شاہ سے نہ پھریں گے۔ امراء نے نقدی رقمیں لیں اور محمد آباد سے نکل کر سلطان بہادر کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ بہاء الملک اور داور الملک جو عماد الملک کے موافقین میں بڑے آدمی تھے اور سکندر کے قتل میں شریک، سلطان کی خدمت میں آ گئے۔ تاریخ بہادر شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ عید کی صبح سلطان نے مجھے حکم دیا کہ ہاتھیوں کو سجا کر دربار میں لاؤں۔ غسل کے بعد سلطان سروپا (خلعت) پہن کر نکلا اور محل سنگار مندب میں جس کے در و دیوار مطلاً تھے بیٹھا۔ تاج خان اور امراء کو ہر ایک کی حالت کے بقدر خلعت سے نوازا۔ اس دن بیس نفر جن کے ناموں کی تفصیل حسب ذیل ہے خطابات سے نوازے گئے:

خرم خان بن سکندر[1] خان کو صفدر خان[2] کا خطاب ملا۔ خانخانان کے بیٹے کو خانخانان[3] کا۔ عالم خان کو نظام خان کا۔ سعید الملک کو شمس خان کا۔ نظام خان کے بیٹے کو مبارز الملک کا۔ شمس خان کے بیٹے کو سعید الملک کا۔ ملک تاج جمال کو وجیہ الملک کا۔ ملک قطب حاجی کو اقبال خان کا۔ بہاء الملک کو الغ خان کا۔ مجاہد الملک کو مجاہد خان کا۔ ناصر الملک کو قتلغ خان کا۔ مجاہد خان کے بیٹے کو مجاہد الملک کا۔ قتلغ خان کے بیٹے کو ناصر الملک کا۔ مودود الملک کو تغلق خان کا۔ ملک بدر الدین کو مودود الملک کا۔ ملک رایب بن مجاہد الملک کو نصیر خان کا۔ ملک شیر نصرۃ الملک کو حسن خان کا۔ ملک مصطفیٰ کو سرانداز خان کا۔

---

1. ج: خرم خان بن سکندر خان کو خانخانان کا۔ نظام خان کو سعید الملک کا۔ ملک تاج کمال کو وجیہۃ الملک کا۔ ملک تاجی کو لعل خان کا۔ ملک بدر الدین کو مودود الملک کا۔ قطب بن رایب خان مجاہد الملک کو نصیر خان کا۔ ملک شرق نصرت الملک کو حسن خان کا۔ ملک مصطفیٰ کو سرانداز خان کا۔ ملک مظفر کو اس خان کا۔ سلیمان بن مجاہد کو شایستہ خان کا۔ ملک خان تغلق مذکور کو اژدر خان کا۔ ملک لطیف ماریوال کے بیٹے کو شرزہ خان کا۔ شمس الملک کو دریا خان کا۔ چاند بھنڈیری کو ببر خان کا۔ کو بھامل کو رائے رایان کا۔
2. الف: ملک قطب تماجی
3. الف: خان جہان

ملک تغلق فولادی کو تیر انداز خان کا۔ ملک مظفر کو اسد خان کا۔ اسد خان کے بیٹے کو شایستہ خان کا۔ ملک تغلق مذکور کو تیغ خان کا۔ ملک مظفر کو اسد خان کا۔ سلیمان بن مجاہد الملک کو منصور خان کا۔ ابو بن اژدر خان کو اژدر خان کا۔ لطیف باریوال کے بیٹے کو شرزہ خان کا۔ شمس الملک کو دریا خان کا۔ شمس بن تغلق خان کو حسین خان کا۔ چاند بہدیری[1] کو ہزبر خان کا۔ کونبا گوہیل کو رایان راؤ کا۔ ملک صاحب بن مجاہد الملک کو حسن خان کا۔

اس کے بعد ہاتھی کے تخت پر بیٹھ کر عیدگاہ کی طرف روانہ ہوا۔ پورے شہر کے لوگوں نے خوشی اور شادمانی کے ساتھ اپنی زبانیں سلطان بہادر خان کی تعریف اور دعا کے لیے کھولیں۔ پھر ماہ شوال کی دوسری تاریخ کو کوچ کر کے کہاجیہ دھلور[2] کے محلوں میں شان وشوکت کے ساتھ قیام کیا۔ وہاں سے محمود آباد میں مقام کیا۔ اس مقام پر معظم خان نے چند امراء کے ساتھ آ کر پابوسی کی اور وہاں سے سیدیہی ندی کی طغیانی کی وجہ سے موضع سیہوج[3] میں منزل کی۔ وہاں سے قصبہ نزیاد پہنچ کر وہاں دو روز قیام کیا۔ محمد آباد سے بہت سے لوگ خدمت میں حاضر ہوئے۔ جو کوئی عماد الملک سے خزانہ کا مال لے کر آیا تھا سلطان نے وہ پورا اسے ہی بخش دیا۔ گیارہ شوال کو نزیاد سے کوچ کر کے موضع خانپور کے راستے سے مہندری ندی کو پار کیا۔ عماد الملک نے عضد الملک کو بڑودہ بھیجا اور محافظ خان بقال زادہ کو موضع دہیج[4] میں اس خیال خام سے متعین کیا کہ جب یہ دو امیر جو ہمارے مخلص اور مخصوص ہیں جدا ہوں گے تو سلطان بہادر ہمیں کچھ نہ کہے گا۔ [بیت]

جب آدمی کا روزگار اندھیرا ہوتا ہے
تو وہ سب ایسے کام کرتا ہے جو کچھ کام نہیں آتے

---

[1] الف، ب : چاند بہدیری
[2] ج : کہدحول، ز : کمدھرول
[3] الف : سہوج، ز : سیوبج
[4] الف : دہیج

عماد الملک نے شاہزادہ لطیف خان کو مخفی طور پر اس واسطے کبلایا تھا کہ شاہزادہ لطیف خان عاقل و بالغ ہے۔ اگر معاملہ جنگ تک پہنچا تو چتر شاہی لطیف خان کے سر پر بلند کر کے سلطان بہادر سے مقابلہ کریں گے۔ لطیف خان شہزادہ دھنیج آیا۔ عماد الملک حیران تھا کہ کیا کرے۔ اس اثنا میں بہادر شاہی جاہ وجلال محمد آباد میں طلوع ہوا۔ کہتے ہیں کہ گیارھویں شوال کو عماد لا ملک شاہزادہ نصیر خان سے قطع نظر کر کے اپنے گھر گیا اور پھر نصیر خان کی خبر نہ لی۔ محل سلطانی کا کوتوال نصیر خان پر نظر بندی کے طریقہ پر نگاہ رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پانچ ہزار آدمیوں نے جو عماد الملک کے نوکر تھے عماد الملک کے گھر پر جمع ہو کر طے کیا تھا کہ اگر سلطان بہادر عماد الملک پر غضب ظاہر کرے گا تو ہم جنگ کریں گے اور مرجائیں گے۔ جب بہادر شاہی جھنڈا شہر پر سایہ انداز ہوا تو دوسو یا تین سو نفر عماد الملک کے ساتھ رہ گئے۔ باقی سب بھاگ کر اپنے اپنے گھروں میں پہنچ گئے۔ ان میں جو لوگ امیر تھے وہ شہر سے باہر چلے گئے۔

اور جس وقت سلطان نے مہندری ندی کو پار کیا لشکر اس سے الگ تھا۔ لشکر نے ابھی ندی پار نہیں کی تھی۔ سلطان نے چار سو سواروں اور چند ہاتھیوں کے ساتھ ندی پار کر کے یلغار کی۔ جب موضع ہالول پہنچا تو پہلے سلطان سکندر کی (قبر کی) زیارت کی اور تاج خان کو تین سو سواروں کے ساتھ آگے بھیجا کہ اس حرامخور کے گھر پر حملہ کرے۔ کہتے ہیں کہ جب یہ خبر عماد الملک کو پہنچی کہ سلطان بہادر ہالول آیا ہے تو خواجہ مانک بن جلال اور یوسف بن مبارز الملک نے کہا کہ عماد الملک! فرار ہو جانا ٹھہرنے سے بہتر ہے۔ سلطان بہادر تجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ بولا کہ کیسے بھاگوں کہ میرے چاروں طرف ننگی تلواریں اترتی دکھائی دیتی ہیں؟ میں ہل بھی نہیں سکتا چہ جائیکہ بھاگتا۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ وہ بولا کہ میں نے سلطان بہادر کے حق میں کیا برا کیا ہے کہ بھاگ جاؤں۔ اگر میں سلطان سکندر کو نہ مار ڈالتا تو سلطان بہادر کس طرح اس حکومت کو پہنچتا؟

مختصر یہ کہ تاج خان تین اور نفر کے ہمراہ سوار ہو کر عماد الملک کے گھر پہنچا۔ وہ

بدبخت بھاگ کر دیوان کے کوتوال شاہ جیو بن صدیق کے گھر میں گھر کر چھپ گیا۔ ہر طرف سے حملہ کر کے اس کا گھر لوٹ لیا۔ اس کی بیوی، بیٹی اور لونڈی سب لٹ گئیں۔ اس اثنا میں سلطان شہر میں آیا۔ جب وہ مسند عالی خداوند خان کے گھر کے سامنے پہنچا تو خداوند خان پابوسی سے مشرف ہوا اور پھر رکاب سعادت کے ہمراہ ہو گیا۔ جب اس نے محل سلطانی میں قدم رکھا تو تاج خان نے آکر عرض کیا کہ حرام خور کا مکان لوٹ لیا گیا لیکن اس حرام خور کو گھر میں نہ پایا۔ شاید شہر میں کسی جگہ چھپ گیا ہے۔ سلطان نے قیصر خان اور کبیر الملک کوتوال کو حکم دیا کہ تلاش کر کے اسے پکڑ لائیں۔ سلطان دولت واقبال کے ساتھ محل سلطانی میں قیام پذیر ہوا۔ آدھی گھڑی نہ گذری تھی کہ خداوند خان کے غلام عماد الملک کو پکڑ کر، ہاتھ اس کے پیٹھ کے پیچھے باندھے ہوئے ننگے سر بصد خواری، کھینچتے ہوئے دربار میں لے آئے۔ حکم ہوا تو محل دلکشا کے ایک حجرہ میں اسے قید کر دیا۔ اس کے بعد سلطان نے تاج خان سے کہا کہ اس حرامخور سے پوچھو کہ میرے بھائی کو تو نے کیوں مار ڈالا۔ جب تاج خان نے اس سے پوچھا تو بولا کہ میں کیا کروں۔ سب سلطان سکندر کو مار ڈالنے پر متفق ہو گئے۔ تاج خان نے کہا کہ تو خود سلطان سکندر کا غلام اور انکہ (انا کا شوہر) تھا۔ تو مخالفوں کے راستے پر کیوں چلا؟ وہ چپ رہا۔ تمام حاضرین نے اس پر لعنت کی۔ سلطان اس محل میں کہ جہاں سلطان سکندر کو شہید کیا گیا تھا آیا۔

تاریخ بہادر شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ سلطان نے حکم دیا تو میں تاج خان کو محل دلکشا سے بلا کر لایا۔ سلطان نے تاج خان کو سلطان سکندر کا مقتل دکھلایا اور نعرہ لگایا کہ اس بدقدم غلام کو کل دربار کے سامنے دار پر کھینچ دیا جائے اور سیف الدین اور علی کو جو اس حرامخور کے صلاح کار تھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ کہتے[1] ہیں کہ جب عماد الملک کو دار کی طرف کھینچا گیا تو ایک آدمی بولا۔ کلمہ توحید پڑھ۔ بولا کیسے پڑھوں کہ میری زبان نہیں چلتی۔ ہاں! جو کوئی اپنے ولی نعمت کے ساتھ ایسا عمل کرے تو مناسب ہے کہ دین ودنیا میں

---

[1] ج: ''کہتے ہیں کہ...... ذلیل وخوار ہوا'' نہیں ہے۔

اس طرح ذلیل وخوار ہو!

تاریخ ۱۳ رشوال کو عماد الملک کو سیف الدین اور علی کے ساتھ پھانسی پر چڑھادیا گیا۔ اور اسی دن فتح الملک بن ملک توکل کو کہ محمود شاہی نوکر تھا عماد الملک کا خطاب دیا گیا اور وزارت کے ساتھ بخشی ممالک کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ تھوڑی ہی مدت میں وہ تمام بدبخت جو سلطان سکندر کے مارنے میں شریک تھے بہت ہی بری طرح مارے گئے۔ پہاڑ حرام خور کو جو سلطان سکندر کا قاتل تھا قتل کے دن سید برہان الدین کے ہاتھ سے زخم لگا تھا۔ وہ کچھ روز تک چھپا رہا۔ پھر اسے بھی گرفتار کر کے لائے۔ سلطان نے حکم دیا تو اس کی کھال کھینچ کر اس کا سردار پر لٹکا دیا گیا۔

عضد الملک اور محافظ خان چوپال کے کوہستان میں بھاگ گئے تھے آ گئے اور لطیف خان کے ساتھ مل گئے اور اس طرف کے زمینداروں کو جمع کر کے چاہتے تھے کہ فتنہ اٹھائیں لیکن بہادر شاہی چاند کا طلوع روز بروز اونچا ہوتا جاتا تھا اس لیے وہ کچھ نہ کر سکے۔ سلطان بہادر کا دستِ سخاوت پورے دن اور رات ابر نیساں کی طرح زرو جواہر برسا رہا تھا۔ سلطان کی بخشش کی امید میں امراء اور سپاہ کو تھوڑی دیر کے لیے بھی گھر جانا اچھا نہ لگتا تھا اور سب خدمت میں حاضر رہتے تھے۔

ان ایام میں قحط سالی تھی۔ سلطان نے بہت سے لنگر کھول دیے تھے اور جب بھی وہ سوار ہو کر نکلتا ہر غریب کے لیے اس کی خیرات سونے کی ایک اشرفی سے کم نہ ہوتی تھی۔ شہر کے شریف اور کمین سب ناز و تنعم میں بسر کر رہے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں سلطان کی سخاوت کی ناموری اتنی پھیل گئی کہ اس کے مقابلہ میں حاتم کا نام کمتر نظر آتا تھا۔

ماہ ذی القعدہ ۹۳۲ھ اپنے آبا واجداد کی رسم کے مطابق تخت شاہی پر بیٹھا۔ وزیروں اور امیروں کو پُر تکلف خلعت دیے اور سپاہیوں کو ایک سال کی خوراک خزانہ سے انعام دی۔ ایک سو پچاس نفر کو خطاب ملے۔ اختصار کے سبب ان کے نام تفصیل سے ذکر نہیں کیے گئے۔ پھر اٹھا اور اکابر واشراف کے ساتھ بات چیت کرنے لگا۔ کھانے سے

فارغ ہونے کے بعد ان میں سے ہر ایک کو ان کی حالت کے بقدر خلعت اور انعام دیے۔ بہت لوگ شاد و خرم اپنے گھروں کو لوٹے اور سلطان کے لیے دعا و ثنا کی زبان کھولی۔ وزارت کا کام تاج خان کے سپرد ہوا۔

کچھ دنوں کے بعد خبر آئی کہ عضد الملک اور محافظ خان شاہزادہ لطیف خان کے ساتھ مل کر سندربار کی طرف فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ تاج خان کو حکم ہوا کہ ایک فوج ان کے دفع کرنے کے لیے متعین کرے۔ تاج خان نے عرض کیا کہ اس خدمت کے لائق غازی خان ابن احمد خان ہے۔ حکم ہوا کہ تخت نشینی کے دن غازی خان کے منصب کے لیے دس کے بیس کا حکم ہوا تھا ابھی ہم نے اس کا دگنا عنایت کیا۔ اس کے بعد غازی خان کو ایک کثیر لشکر کے ساتھ صوبہ سندربار پر متعین کیا۔ عید الفطر کے بعد شجاع الملک جس کا نام راجی محمد تھا بھاگ گیا اور شہزادہ لطیف خان کے پاس پال چلا گیا۔

آخر کار تاج خان نے سلطان سے عرض کیا کہ شجاع الملک کا فرار قیصر خان کے اتفاق سے ہوا ہے۔ سلطان نے کہا کہ اگر واقعہ ایسا ہے تو قیصر خان کو پکڑنا چاہیے۔ تاج خان نے عرض کیا کہ تنہا قیصر خان ہی کو نہیں بلکہ[1] الغ خان اور داور الملک کو بھی کہ وہ سلطان سکندر کے قتل میں عماد الملک کے ظلم میں شریک تھے اور اب لطیف خان کے ساتھ خط و کتابت رکھتے ہیں۔ جب یہ بات سلطان کو اچھی طرح معلوم ہوئی تو الغ خان کو جسے لطیف خان پر متعین کیا تھا برطرف کر دیا اور تینوں آدمیوں کو گرفتار کر کے گردن زدنی کا حکم دیا۔ یہ واقعہ سنہ جلوس میں یعنی ۹۳۲ھ میں ہوا۔

کچھ عرصہ کے بعد غازی خان کا عریضہ اس مضمون کا آیا کہ عضد الملک اور محافظ خان اور پال کا راجہ بھیم لطیف خان کے ساتھ مل کر آئے اور سلطانپور کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات کو لوٹ لیا۔ جب یہ خبر بندۂ درگاہ کو پہنچی تو ان کے سروں پر پہنچا اور جنگ عظیم واقع ہوئی۔ دولت بادشاہی کی برکت سے عضد الملک اور محافظ خان بھاگ کھڑے

---

[1] ج: الیف خان۔

ہوئے۔ راجہ بھیم اس کے بھائی کے ساتھ مارا گیا اور لطیف خان زخمی ہوکر گرفتار ہوا۔ سلطان بہادر نے محب الملک کو بطور ایلغار بھیجا کہ لطیف خان کو لے آئے۔ محب الملک لطیف خان کو لے کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے روانہ ہوا۔ مرعذرہ کی منزل میں لطیف خان نے وفات پائی اور اسے وہیں دفن کردیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہاں سے نقل کرکے موضع ہالول میں اس گنبد میں جو سلطان سکندر کے گنبد کے پہلو میں ہے سپرد خاک کردیا۔ اس کے بعد نصیر خان کے وجود کی کشتی بھی دوسرے شہزادوں کی زندگی کی ناؤ کے ساتھ غیرت بہادری کی آندھی سے ایک زہر کے پیالہ کی گہرائی میں غریق بحر فنا ہوگئی اور سلطان سکندر کے گنبد کے صنور میں بقا کا لنگر ڈال کر مچھلی کے پیٹ میں دفن ہونے سے قرار پایا۔

مختصر یہ کہ جس موقع پر قیصر خان کو امرائے مذکور کے ساتھ قید کیا ان کے تہس نہس ہونے کی شہرت گجرات میں دور دور تک پھیلی[1] اس اثنا میں[2] پال کے راجہ رائے سنگ نے قصبہ داحود آکر حملہ کیا۔ جب یہ خبر سلطان بہادر کو پہنچی تو تاج خان کو متعین کیا کہ پوری ولایت لوٹ لے۔ اس اثنا میں شرف الملک سلطان کے خدمتگاروں کو جنہیں اقبال خان سلطان سکندر مرحوم کی بادشاہت کے ایام میں قلعہ منڈو لے گیا تھا وہاں سے لے آیا۔

مختصر یہ کہ تاج خان کوہستان پال آیا اور رائے سنگ کی پوری ولایت کو خاک سیاہ کے برابر کردیا اور[3] قلعہ کو کہ اس کی پناہ گاہ تھی ویران کردیا۔ تاج خان ایک ماہ تک ولایت پال میں رہا۔ کہتے ہیں کہ اس یورش میں تاج خان کے سپاہیوں میں سے صرف ایک آدمی جس کا نام حسن محمد تھا درجۂ شہادت کو پہنچا۔ باقی پورا لشکر سالم وغانم واپس ہوکر شرف پابوسی سے مشرف ہوا۔

---

[1] ج : "اس اثنا میں..... پوری ولایت لوٹ لے" نہیں ہے۔

[2] ز : راجہ گوپال

[3] ج : "اور قلعہ کو.... ویران کردیا" نہیں ہے۔

اس کے بعد ۱۵ ربیع الاول ۹۳۳ھ کو سلطان بہادر کھمبایت کی طرف شکار کے لیے گیا۔ جب کھمبایت پہنچا تو ملک ایاز کے بیٹوں میں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ایک الیاس سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے بڑے بھائی اسحاق نے سورٹھ کے زمینداروں کے اغوا سے باغی ہو کر اپنا گھر بار اجاڑ دیا۔ تو انگر[1] ایک لعین پانچ ہزار سواروں کے ساتھ دیو بندرگاہ کے حوالی میں اس ارادہ سے آیا تھا کہ مکر و دغا سے جزیرہ کے اندر داخل ہو کر مسلمانوں کی جو بھی قسم شہر میں ہوں، کیا سپاہی اور کیا سوداگر، انہیں نکال کر دیو کو کفار نابکار کے حوالے کر دیے۔ جب اس حال سے محمود[2] آغا میر بحر آگاہ ہوا تو جہازوں کو مردان جنگی اور توپ و تفنگ سے بھر کر اس کا مقابلہ کیا۔ ایک مرتبہ جو آتشبازی چھوڑی تو بہت سے ہندو مارے گئے۔

یہ خبر سنتے ہی سلطان بہادر کھمبایت سے متواتر کوچ کرتا ہوا ملک سورٹھ[3] کی طرف روانہ ہوا۔ پہلے دن موضع میتھی[4] میں منزل کی۔ وہاں سے دوسرے دن مقام کوندی میں۔ وہاں سے دندوکہ میں، وہاں سے برہان پور میں اور وہاں سے جسدون میں۔ جب اسحاق نے سنا کہ سلطان خود آ رہا ہے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا اور سورٹھ کی سرحد سے نکل کر رن یعنی کھارے دلدل کی طرف روانہ ہوا۔ مختصر یہ کہ سلطان قصبہ جسدون سے قصبہ بانسوار[5] آیا اور وہاں سے قصبہ دیولی۔ دیولی ایک قصبہ ہے قلعۂ جونا گڈھ سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر۔ وہاں اس نے یہ خبر سنی کہ اسحاق رن کی طرف بھاگ گیا۔ خان خانان کو حکم ہوا کہ اس باغی کا تعاقب کرے۔ کہتے ہیں کہ جب اسحاق رن کے قریب پہنچا تو تغلق خان جو ولایت موربی کا طرفدار (سرحدی حاکم) تھا موربی سے اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ اسحاق نے پلٹ کر

---

[1] ج: پانچ ہزار تو گروں تک۔

[2] ج: آقا میر

[3] ج: "ملک سورٹھ" نہیں ہے۔

[4] ز: مٹھلی، ج: "میتھی" نہیں ہے۔

[5] ج: باساور

جنگ کی۔ تغلق خان کو شکست ہوئی۔ اس اثنا میں اس نے خبر سنی کہ خان خانان آتا ہے تو بھاگ کر رن سے گذر گیا۔ خانخانان نے رن کے کنارے مقام کیا۔

مختصر یہ کہ خانخانان کے وداع ہونے کے بعد سلطان بہادر دس دن تک وہاں مقیم رہا اور وہاں سے لوٹ کر قصبہ منگلور گیا، وہاں سے موضع چوروار، وہاں سے قصبہ[۵] پٹن دیو اور وہاں سے قصبہ کوڑی نار اور وہاں سے لشکر کو حکم دیا کہ نوکر[۶] یعنی ڈیلواڑہ میں خیمہ زن ہو اور خود دیو کی سیر کے لیے قدم رنجہ فرمایا۔ ملک ایاز کے دوسرے لڑکے طوغان نام نے جو دیو میں بساط بوسی کی۔ سلطان ایک ماہ تک دیو میں ٹھہرا۔ اس کے بعد دیو کو قوام الملک کے عہدۂ اہتمام میں تفویض کیا اور جونا گڈھ مجاہد خان بہلیم کو دیا اور خود احمد آباد کے معظم شہر کی طرف روانہ ہوا۔ اس اثنا میں سمع اعلیٰ میں خبر پہنچی کہ رانا نے اپنے چھوٹے لڑکے بکرماجیت نامی کو ایک لایق نذرانہ کے ساتھ خدمت بھیجا ہے۔ مختصر یہ کہ دیو سے قصبہ تلاجہ آیا وہاں سے بندرگاہ گوکہ گیا اور وہاں سے یلغار کرتا ہوا محمد آباد کے شہر معظم آیا۔ راستے میں کہیں منزل نہیں کی۔ رانا سانگا کا بیٹا آیا اور پابوسی سے مشرف ہوا۔

ایک ماہ سلطان نے اپنی راجدھانی میں عیش وعشرت میں گذارا۔ اس کے بعد احمد آباد تشریف لایا اور تین ماہ تک احمد آباد میں قیام کیا۔ اس کے بعد کھمبایت تشریف لایا۔ تین دن کھمبایت میں ٹھہرا اور وہاں سے شہر معظم محمد آباد تشریف لے گیا۔ پھر کچھ دن کے بعد نادوت کی طرف شکار کے لیے روانہ ہوا۔ اُس طرف کے راجہ نے آکر بساط بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد بندرگاہ سورت کی طرف عازم ہوا۔ سورت سے کشتی میں بیٹھ کر راندیر گیا پھر سورت آیا۔ وہاں سے یلغار کرتا ہوا ایک دن اور ایک رات میں محمد آباد تشریف لایا۔ برسات کے چار مہینے چانپانیر یعنی محمد آباد میں گذارے۔ برسات کے بعد رانا کے بیٹے کو اجازت دی کہ چیتوڑ روانہ ہو!

---

۵ ز: ڈیلواڑہ میں پٹن اور وہاں سے قصبہ کوڑینار

۶ الف، ج: تو انگر

۹۳۴ھ میں پھر جزیرۂ دیو کی سیر کے لیے تشریف لے گیا اور وہاں چند روز عیش وعشرت میں گذارے۔ وہاں سے فلک سیر گھوڑے کی لگام کھمبایت کی طرف موڑی، رات بھر یلغار کی اور طلوع آفتاب کے وقت کھمبایت پہنچ گیا۔ ان دنوں میں سلطان کی مسافری اہل عالم کے درمیان ضرب المثل بن گئی تھی۔ جو کوئی لمبا راستہ کم مدت میں طے کرتا تو کہتے تھے اس نے یلغار بہادری کی ہے۔ مختصر یہ کہ چند روز کھمبایت میں مقام کیا۔ پھر وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر بندر گھوگھ تشریف لے گیا۔ گھوگھ سے پھر عازم دیو ہوا۔ دو دن دیو میں مقام کیا اور وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر پھر کھمبایت آیا۔ کھمبایت سے اپنی راجدھانی کی طرف روانہ ہوا اور جہاں پناہ شہر بھروچ کے قلعہ کی عمارت کا حکم دیا۔ وہاں سے باکر کی طرف لشکر لے گیا۔ جب مقام میرتج[1] میں مقام کیا تو راجہ ڈونگر پور خدمت میں آیا۔ وہاں سے سلطان اپنا لشکر ڈونگر پور لے گیا۔ چند روز ڈونگر پور کے تالاب کے کنارے مچھلی کا شکار کھیلا اور وہاں سے لشکر ان حدود کے زمینداروں پر بھیجا تو اس نے ان کی ولایت میں لوٹ مار کی۔ وہاں سے لوٹ کر احمد نگر آیا اور احمد نگر سے اپنے بڑے دادا یعنی سلطان مظفر کی زیارت کے لیے پٹن تشریف لے گیا۔ علماء اور صلحاء کو انعام واکرام سے مالا مال کر دیا اور وہاں سے احمد آباد آیا۔ اور احمد آباد سے ایلغار کرتا ہوا ماہ شعبان میں ایک دن میں محمد آباد عرف چاپانیر آ گیا۔ اور سنہ مذکور کے ماہ رمضان کی پہلی تاریخ کو تمام لشکر شہر میں چھوڑ کر خود اپنے خاص ہزار آدمیوں کے ساتھ بھروچ کا قلعہ جو نیا تعمیر کیا گیا تھا دیکھنے کے لیے تشریف لے گیا اور وہاں سے ماہ مذکور کی نو تاریخ کو کھمبایت آیا۔

ایک دن وہ سمندر کے کنارے سیر کر رہا تھا۔ ایک غراب (ایک قسم کی کشتی جو دریا میں چلتی ہے۔ مترجم) دیو کی طرف سے آئی۔ کشتی والوں نے خبر دی کہ فرنگیوں کا ایک جہاز دیو آیا تھا۔ قوام الملک نے تمام فرنگیوں کو قید کر لیا اور ان کا مال لے لیا۔ سلطان وہاں سے دیو تشریف لے گیا۔ قوام الملک نے فرنگیوں کو حاضر کیا۔ سلطان نے ان کو اسلام لانے کی

---

[1] ن: کیبرنج

تجویز کی۔ سب مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد سلطان محمد آباد کے لیے روانہ ہو کر کھمبایت آیا اور کھمبایت سے شہر مذکور میں قدم رنجہ ہوا اور عیش وعشرت میں مشغول ہو گیا۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ سلطان کا ہمشیرزادہ محمد خان بن عادل خان اڑھائی ہزار سواروں کے ساتھ عماد الملک گاویلی کی مدد کے لیے گیا تھا۔ گاویل[1] ایک قلعہ ہے برابر میں۔ نظام الملک نے دکھن کے سرحدی حاکموں یعنی شہر بیدر کے برید اور خداوند خان پاتیری[2] اور عین الملک وغیرہ کے ساتھ اتفاق کر کے عماد الملک کے خلاف جنگ کی۔ عماد الملک کو شکست ہوئی۔ اس کے بعد عادل خان کا عریضہ اس مضمون کا آیا کہ عماد الملک سلطان مظفر مرحوم ومغفور کے زمانہ سے ہمارے زمانہ کے سلطان تک اس درگاہ کا مخلص وتابع رہا ہے، ہر سال جاج نگری ہاتھیوں کی پیشکش بھیجتا ہے۔ دکھن کے امراء نے اتفاق کر کے اسے زبردستی اپنی ولایت سے نکالا ہے۔ حالانکہ سلطان کی درگاہ کے سوا اس کا کوئی ملجا اور پناہ گاہ نہیں۔ حاکم علی اور عماد الملک نے بھی عریضے ارسال کر کے اپنے احوال بیان کیے تھے۔ یہ مضمون سن کر سلطان نے کہا کہ دکھن کے امراء ظالم ہیں اور عماد الملک مظلوم ہے۔ مظلوم کی حمایت بادشاہ دیندار پر لازم ہے۔

ان عریضوں کو پہنچتے ہی سنہ مذکور میں ۱۴ر ماہ ذی الحجہ کو عین بارش کے موسم میں سلطان نے کوچ کیا اور ہالول میں منزل کی اور وہاں سے ہر طرف سپاہیوں کی طلب میں فرمان بھیجے اور خود ٹھہر گیا۔ اس اثنا میں ایک دوسرا عریضہ عماد الملک کی طرف سے اس مضمون کا آیا کہ میرے متعلقین قلعہ جہری[3] میں محصور ہو گئے۔ آخر کار قلعہ ان کے ہاتھوں آ گیا۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان نے اسی وقت کوچ کیا اور ماہ محرم ۹۳۵ھ میں بڑودہ آیا۔ وہاں لشکر جمع کرنے کے لیے ایک ماہ تک توقف کیا۔

---

[1] ج: ''گاویل... برار میں'' نہیں ہے۔

[2] ج: مانوی، ز: بانہ ری

[3] ز: جہری، ج: تمرنی

تاریخ بہادر شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ میں اس وقت کھمبایت کا داروغہ تھا۔ مجھے بلانے کا فرمان بھی صادر ہوا۔ میں آکر لشکر سے مل گیا۔ جو کچھ میں نے لکھا ہے آنکھوں دیکھا حال لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب لشکر جمع ہو گیا تو سلطان نے بڑودہ سے کوچ کیا۔ اس اثنا میں عماد الملک کا بیٹا جعفر خان آیا اور پابوسی سے مشرف ہوا۔ سلطان نے اس پر بہت نوازش کی اور تسلی دی۔ اس کے بعد جب لشکر ظفر اثر نندربار پہنچا تو عماد الملک اور محمد خان خدمت میں آئے۔ سلطان نے ان پر بھی نوازشیں کیں۔ کمر اور مرصع تلوار ایک سونے کی چھتری کے ساتھ عماد الملک کو عنایت کی۔ اور وہاں سے کوچ کر کے قلعہ کالنہ پہنچا اور کالنہ سے دیوگیر عرف دولت آباد روانہ ہوا۔ ربیع الآخر کی دوسری تاریخ کو دولت آباد میں اپنی بارگاہ کا کلس بلند کیا۔

کہتے ہیں کہ اس یورش میں سلطان کے ہمراہ ایک لاکھ سوار اور نو سو کوہ شکوہ ہاتھی تھے۔ جب اہل قلعہ نے بہادر شاہی لشکر کو قلعہ پر سے دیکھا تو لرز اٹھے۔ ناگاہ نظام الملک کی ایک فوج جو پہاڑ کے پیچھے گھات میں بیٹھی تھی سلطان کی فوجوں کے مقدمہ سے جنگ کرنے لگی۔ یہ سن کر بہادر شاہی فوجیں ہر طرف سے دریا[1] کی موجوں کی طرح غنیم پر حملہ آور ہوئیں۔ دشمنوں کو شکست ہوئی۔ اس جنگ میں سلطان کے لشکر کے تین سردار مارے گئے۔ ایک مخلص الملک، دوسرا محب الملک اور تیسرا مخلص الملک کا لڑکا۔

مختصر یہ کہ جب نظام الملک کی فوج کو شکست ہوئی تو سلطان نے دولت آباد کا محاصرہ کر لیا۔ اس اثنا میں نظام شاہ کا ایلچی آیا اور عرض کیا کہ نظام الملک کو سلطان کے حکم کی بندگی اور تابعداری سے چارہ نہیں۔ قول (وعدہ) مانگا ہے تاکہ آکر خدمت میں حاضر ہو۔ سلطان نے قول دیا۔ ایلچی وداع ہوا۔ کہا کہ نظام الملک دسویں دن خدمت میں حاضر ہونے کی عزت حاصل کرے گا۔ جب دس دن کی مدت پوری ہو گئی تو دوسرا ایلچی آیا کہ سلطان پھر دس دن کی مہلت مانگتا ہے۔ چونکہ اس نے بہت عاجزی کی اس لیے سلطان

---

[1] ج: دریا تلاطم میں آیا اور غنیم پر حملہ آور ہوا۔

نے پھر مہلت دے دی اور کہا کہ اس مرتبہ وعدہ خلافی ظاہر ہوئی تو دولت آباد کو خاک سیاہ کے برابر کردوں گا اور جڑ بنیاد سے اکھاڑ دوں گا۔ جب دوسرے وعدہ میں بھی اختلاف ہوا تو سلطان غضبناک ہوگیا اور حکم دیا تو سپاہی ہر طرف سے قلعہ پر حملہ آور ہوئے۔ توپ وتفنگ کی جنگ شروع ہوئی اور مسلسل بیس دن تک دونوں میں جنگ وجدل قائم رہی۔ آخرکار جب قلعہ کی انتہائی مضبوطی کی وجہ سے فتح بعید معلوم ہوئی تو وہاں سے کوچ کر کے بیدر[1] کی طرف روانہ ہوا۔ اس اثنا میں نظام الملک احمد نگری کا وکیل اور بیدر کا برید اور عادل خان بیجاپوری اور خداوند خان پاتری[2] بادشاہانہ نذرانے کے ساتھ سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر ایک کا عریضہ مع پیشکش کے حضور میں پیش کیا گیا۔ ان عرائض[3] کا مضمون یہ تھا کہ عماد الملک ظلم کی جو ابتدا نظام الملک کے متعلق بیان کرتا ہے خلاف واقعہ ہے کیوں کہ ظلم پہلے عماد الملک کی طرف سے ظہور میں آیا کہ اس نے ماہور کا قلعہ نظام الملک کے گماشتوں سے زبردستی سے لے لیا۔ اس کے بعد نظام الملک نے اپنا انتقام لیا۔ اب میں سلطان کے حکم پر راضی ہوں۔ جو کچھ ہمیں حکم ہوگا اس پر عمل کریں گے۔ چونکہ معاملہ فی الواقع ایسا ہی تھا سلطان نے مذکور امراء کے استیصال کا ارادہ ترک کردیا اور عماد الملک کا ولی کے ساتھ ان کی صلح کروا کے اپنی راجدھانی کی طرف روانہ ہوگیا۔

ماہ شعبان کی آخری تاریخ ۹۳۵ھ کو محمد آباد تشریف لایا۔ دکھنیوں کی ایک جماعت جو اس کی رکاب کہ جس کی طرف سعادت رجوع ہوتی ہے کے ہمراہ تھی اور وہ جماعت جو بعد میں پہنچی پیش خدمت ہونے پر بارہ ہزار سواروں پر مشتمل نکلیں۔ سب کے

---

[1] متن کتاب میں ایدر ہے لیکن الف، ج اور ز نسخوں میں شہر بدر ہے اور یہی صحیح ہونا چاہیے کہ ایڈر تو گجرات میں ہے۔ مترجم۔

[2] ز: باتھری

[3] متن میں صرف عریضہ ہے اور نسخہ ز میں عرائض۔ سیاق کلام کے مطابق عرائض ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے راقم الحروف نے عریضہ کے بجائے عرائض لکھا ہے۔ مترجم۔

لیے خوراک متعین کی اور ان کو عمدہ جاگیروں اور لایق منصوبوں پر سرفراز کیا۔ اور ماہ رمضان میں اپنے اجداد کی زیارت کے لیے احمد آباد روانہ ہوا۔ زیارت کے بعد شہر احمد آباد سے کھمبایت آیا اور نئے جہازوں کا جو اس کے حکم کے مطابق تیار کیے گئے تھے معائنہ کیا۔ وہاں سے عید الفطر کے دن محمد آباد تشریف لے گیا۔ ماہ شوال میں جام فیروز، بادشاہ ولایت سندھ کی جو مغل فوجوں سے شکست کھا کر سلطان کی پناہ میں آیا تھا رعایت کی اور تسلی دی کہ میں تمہارے ملک کو دشمن کے ہاتھ سے چھین کر تمہیں دوں گا۔ انہی ایام میں راجہ گوالیار، راجہ مان سنگھ کے بھائی کا بیٹا نرسنگھ دیو راجپوتوں کا ایک لشکر لے کر سلطان کی خدمت میں آیا۔ سلطان نے اسے نوکر رکھ لیا اور جاگیر دی۔ انہی ایام میں رانا سانگا کے بھائی کا لڑکا پرتھی راج خدمت میں پہنچا اور ملازموں کے سلسلہ میں منسلک ہو گیا۔

پھر ماہ محرم ۹۳۶ھ میں عماد الملک کاویلی کے بیٹے جعفر خان نے اپنے باپ کا عریضہ اس مضمون کا پیش کیا کہ نظام الملک نے اپنا عہد پورا نہ کر کے میرے ہاتھی مجھے نہیں دیے اور قصبہ پتھری اور اس کے مضافات جو اس نے میری ولایت میں سے لے لیے تھے نہیں چھوڑے۔ اگر ایک مرتبہ پھر دولت بہادر شاہی کا آفتاب دکھن کی طرف طلوع کرے تو میرا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ سلطان نے بخشیوں کو حکم دیا کہ لشکر جمع کریں۔ سنہ[1] مذکور کے محرم کی دو تاریخ کو شہر محمد آباد سے دکھن کی فتح کے ارادہ سے کوچ کیا۔ قصبہ ڈبھوئی کے قریب خیمہ زن ہوا اور وہاں سے کوچ پر کوچ کرتا ہوا روانہ ہوا۔ مقام دھارولی پر محمد خان آسیری آ کر خدمت میں حاضر ہوا۔ جب وہاں سے چند اور منزل آگے بڑھا تو عماد الملک کاویلی بھی حاضر خدمت ہو گیا۔ بارگاہ سلطانی کے آفتاب کا پرتو جب قلعہ مولیر پر پڑا بہرجیو راجہ بگلانہ نے آ کر بساط بوسی کی۔ سلطان نے اس پر بہت نوازش کی اور اس کے گوشوارہ کے لیے دو قیمتی لعل عنایت فرمائے۔ بہرجیو نے اپنی بہی خواہی کے ثبوت میں اپنی بہنوں میں سے ایک سلطان کے نکاح میں دے دی اور دوسرے دن دوسری بہن سلطان کی وجہ

---

[1] ج: ۹۳۷ھ

سے محمد خان آسیری سے بیاہ دی۔

وہاں سے کوچ کیا۔ جب بہرجیو کی ولایت کی سرحد سے گذرا اور قدم دکھن کی سرحد[1] میں رکھا اور وہاں سے بحر خان[2] کو بندرگاہ جیول کی طرف متعین کیا تا کہ اس ولایت پر حملہ کرے اور لوٹے۔ اس کے بعد متواتر کوچ کرتا ہوا احمد نگر پہنچا۔ سلطان کے آنے سے پہلے ہی دکھنی شہر خالی کر کے بھاگ گئے تھے۔ سلطان نے حکم دیا تو شہر پناہ کو منہدم کر دیا گیا اور وہاں کے باغات کو کلہاڑی کے پانی سے زیروزبر کر دیا۔ وہاں دس دن قیام کیا۔ وہاں سے گھاٹ بالا کی طرف علم بلند کیا۔ اور وہاں سے مجاہد خان کو شہر اوسا کی طرف متعین کیا۔

اس اثنا میں عماد الملک نے عرض کیا کہ خواجہ جہان کے شہروں میں شہر پرندہ بہت آباد ہے۔ وہاں کے اکثر رہنے والوں کے پاس سونا ہے۔ سلطان نے ملک امین نسن کو ایک کثیر لشکر کے ساتھ پرندہ کی طرف بھیجا۔ ملک ایلغار کے طریقہ پر گیا، پرندہ پر حملہ کیا اور بہت مال اور بیشمار سونا لشکر کے ہاتھ لگا۔

اس دوران خبر پہنچی کہ نظام الملک بحری، برید، خواجہ جہان، عین الملک اور خداوند خان سب اتفاق کر کے آسیر اور برہانپور کی طرف گئے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان نے قیصر خان کو لشکر کثیر کے ساتھ ان کے تعاقب میں بھیجا۔ دوسرے دن محمد خان آسیری کو ایک لشکر ظفر اثر اور کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ متعین کیا۔ اس لشکر کا ولایت برہانپور میں دکھن کے امراء کے ساتھ مقابلہ ہوا اور بڑی جنگ واقع ہوئی۔ آخر جب جنگ برابر کی ہو گئی تو ایک مرتبہ بہادر شاہ بہادر چلائے کہ سلطان بہادر آ گیا۔ سلطان کا نام سنتے ہی دکھن بھاگ کھڑے ہوئے اور ہر کوئی آوارہ و منتشر ہو گیا۔ سلطان کا لشکر مظفر و منصور ہوا۔ چند روز کے بعد بیدر کے حاکم برید نے عماد الملک کے ساتھ رشتہ داری کر لی۔ عماد الملک نے برید کی

---

[1] ج: بہرجیو کو بہر خان کے خطاب سے سرفراز کیا اور وہاں سے

[2] ز: عمر خان

بیٹی کا ہاتھ مانگا اور ان کے بیچ میل ملاپ ہو گیا۔ عماد الملک نے سلطان سے برید کے گناہ کی معافی مانگی۔ سلطان نے اس کا گناہ معاف کر دیا۔ برید نے سلطان کا خطبہ اور سکہ قبول کر لیا اور اکثر بلاد دکھن میں سلطان بہادر کا خطبہ پڑھا گیا۔

سلطان مقام[1] بیڑ کے لیے جو قصبہ پتھری کی طرف ہے روانہ ہوا۔ دکھنیوں کا لشکر قلعہ پتھری میں قلعہ بند ہو گیا۔ سلطان نے حکم دیا تو لشکر نے محاصرہ کر لیا۔ کچھ دن تک طرفین میں جنگ ہوتی رہی۔ آخر کار سلطان نے عماد الملک گاویلی کو وہاں چھوڑا اور الپ خان[2] کو کمک کے لیے متعین کیا اور خود اپنی راجدھانی کی طرف روانہ ہوا۔ سنہ مذکور میں ماہ شعبان کی پہلی تاریخ کو اپنے چند خاص آدمیوں کے ساتھ یلغار کرتا ہوا دولت و اقبال کے ساتھ شہر محمد آباد تشریف لایا اور ماہ مذکور کی ۱۲ تاریخ کو اس کا لشکر پیچھے پیچھے آیا۔ موسم برشگال عیش و عشرت میں گذارا۔

۹۳۷ھ کے شروع سال میں ولایت باگر کی تسخیر کے ارادہ سے فوجکشی کی۔ جب موضع خانپور پہنچا جو مہندری ندی کے کنارے واقع ہے تو خان اعظم آصف خان اور خداوند خان وزیر کو حکم دیا کہ تم لشکر لے کر ولایت باگر جاؤ۔ سلطان خود ایک بڑا لشکر لے کر کھمبایت اور دیو کی سیر کے لیے روانہ ہوا۔ ۲۰ محرم کو کھمبایت تشریف لایا۔ وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر دیو کے خطے میں پہنچا۔ جو سامان جہازوں سے آیا تھا وہ سب سرکار کے لیے خرید لیا۔ کہتے ہیں کہ اس خرید میں دوسرے مال کے علاوہ ایک ہزار[3] تین سو من فقط عرق گلاب تھا۔ اور ان ترکوں پر جو مصطفےٰ رومی کے ساتھ آئے تھے نوازش فرمائی اور ان کے رہنے کی جگہ دیو میں مقرر کی۔ دیو کو ملک طوغان ابن ایاز کے عہدۂ اہتمام کے سپرد کر کے

---

[1] الف، ز: "بیڑ کے لیے جو قصبہ پتھری کی طرف" نہیں ہے۔

[2] ج: "الپ خان" نہیں ہے۔

[3] غالباً یہ من ایک رطل کے برابر ہوتا ہو گا اور ممکن ہے کہ موجودہ گجراتی (بیس سیر یا کیلو) کے برابر بھی ہو۔ مترجم۔

کھمبایت روانہ ہوا۔ ماہ صفر میں کھمبایت آیا۔ وہاں ایک دن مقام کیا۔ دوسرے دن محمد آباد کی طرف روانہ ہوا اور شان سے شہر مذکور میں آیا۔ فتح خان، قطب خان، عمر خان افغان لودی جو سلطان بہلول کے رشتہ دار تھے اور مغلوں کے حملہ کے دوران سلطان کے پاس پناہ گزین ہوئے تھے سلام کرنے کے لیے آئے۔ پہلے دن سو زربفت کی قبائیں، پچپن گھوڑے اور چند لاکھ ٹنکے خرچ کے لیے مرحمت ہوئے۔

اس کے بعد باکر کی طرف روانہ ہوا۔ قصبہ موراسہ کے قریب لشکر سے مل گیا اور وہاں سے متواتر کوچ کرتا ہوا ولایت باکر پہنچا۔ ڈونگر پور کا راجہ پرتھی راج آیا اور سنبل[1] کے مقام پر پابوسی سے مشرف ہوا اور راجۂ مذکور کے بیٹے نے دولت اسلام حاصل کی۔ اس کے بعد لشکر کو وہیں چھوڑ کر ایک بڑی فوج کے ہمراہ شکار کے لیے بانسبلہ روانہ ہوا۔ کہات کرجی تک سیر وشکار میں مصروف رہا۔ وہاں چیتوڑ کے راجہ رتن سی[2] راجہ چیتوڑ کے وکیل جن کے نام ڈونگرسی اور جاج رائے تھے آ کر قدمبوس ہوئے اور پیشکش گذرانی۔ اس کے بعد سلطان وہاں سے لشکر میں تشریف لایا۔ موضع سنبھل[3] پرتھی راج کے نومسلم لڑکے کو عنایت کر دیا اور آدھا باکر پرتھی راج کو اور آدھا جگا[4] کو عنایت کیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن سلطان مذکور منزل پر شیروں کے شکار کے ارادہ سے نکلا تھا۔ اتفاق سے ایک غراتا ہوا شیر جنگل سے نکلا۔ سلطان نے عالم خان کو اشارہ کیا۔ عالم خان مست ہاتھی کی طرح شیر سے بھڑ گیا اور شیر کو مار ڈالا۔ عالم خان بھی زخمی ہوا۔ تین دن کے بعد عالم خان کی وفات ہوگئی۔ اس نے چار بیٹے چھوڑے۔ ایک صفدر خان اور تین دوسرے۔ سلطان نے عالم خان کی جاگیر اس کے بیٹوں کے لیے مسلّم

---

1. ج: بانسبلہ۔
2. ج: "رتن سی" نہیں ہے۔
3. ج: سنبل
4. ج: "اور آدھا جگا کو عنایت کیا" نہیں ہے۔

رکھی اور ان پر بہت نوازش کی۔

اسی مقام پر رتن سی کے وکیلوں نے عرض کیا کہ شرزہ خان نے سلطان محمود خلجی کے بیٹے کے ساتھ رانا کی ولایت لوٹنے کے لیے دست درازی کی تھی۔ یہ سن کر رانا بھی آیا اور موضع سنبلیہ[1] کو جو قصبہ تلاو میں ہے اور اس کے مضافات کو لوٹا۔ اس وقت رانا سلطان محمود سے اجین میں مقابلہ کیے ہوئے ہے۔ اسی اثنا میں خبر پہنچی کہ سلطان محمود نے چاہا تھا کہ ولایت ستوانس[2] کے حاکم سکندر خان اور سلہدی کو مار ڈالے۔ وہ دونوں بھاگ کر رانا کے پاس گئے اور وہاں سے سکندر خان اور سلہدی کا بیٹا بھوبت رائے خدمت میں آ رہے ہیں۔ ۲۷ رجمادی الاول کو دونوں مقام مذکور پر سلطان کی پابوسی سے مشرف ہوئے اور اپنے احوال کی کیفیت بیان کی۔ اس اثنا میں سلطان محمود کے وکیل دریا خان اور فریس خان نے خدمت میں آ کر عرض کیا کہ سلطان محمود ملاقات کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ سلطان کے اشارہ (حکم) پر موقوف ہے۔ سلطان نے کہا کہ سلطان نے چند مرتبہ لکھا کہ میں آ رہا ہوں اور نہ آئے۔ اگر آئیں تو جانبین کے لیے باعث سرور ہوگا۔ ہم کہات کرجی کے راستے سے روانہ ہوتے ہیں وہ بھی اسی راستے سے روانہ ہوں۔ وکیل واپس چلے گئے۔

مختصر یہ کہ جس دن سلطان کہات کرجھی سے نکلا رانا رتن سی اور سلہدی دونوں شرف ملازمت سے مشرف ہوئے۔ اسی دن دونوں کو تیس زنجیریں ہاتھی کی، بہت سے گھوڑے اور ڈیڑھ ہزار زربفت کی قبائیں مرحمت ہوئیں۔ چند روز کے بعد رانا تن سی اجازت لے کر اپنی ولایت کی طرف روانہ ہوا۔ سکندر خان، سلہدی، دلپت، راجہ ایڈر، راجہ باکر اور رانا رتن سی کے وکیل ڈونگرسی اور جاج بھی ہمراہ ہو گئے۔ سلطان نے کہا کہ سلطان محمود خلجی آتے ہیں۔ ہم بھی موضع سنبلیہ جا رہے ہیں۔ سلطان محمود سے ملاقات کر کے

---

[1] الف: سنبلہ جو ملک مالوہ کے شہروں کے مضافات میں سے ہے، شہر سارنگپور کے نزدیک اور قصبہ۔
ج: "قصبہ تلاو میں ہے" نہیں ہے۔

[2] ز: سیواس؛ ج: ستوانس

وہاں سے لوٹیں گے۔ محمد خان آسیری بھی ہمراہ تھا۔

تاریخ بہادر شاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ میں بھی اس یورش میں رکاب سعادت مآب کے ہمراہ تھا اور جو کچھ میں نے لکھا ہے مشاہدہ اور معائنہ کر کے لکھا ہے۔

مختصر یہ کہ جب سلطان موضع سنبلیہ پہنچا تو اسے انتظار تھا کہ محمود خلجی آج آئے گا یا کل۔ اس اثنا میں سلطان محمود کا ایلچی آیا اور عرض کیا کہ سلطان محمود ولایت ستوانس[1] کی طرف گیا تھا۔ شکار میں گھوڑے سے گر پڑا اور اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا اس لیے آنے میں چند روز کی تاخیر ہوئی۔ سلطان نے کہا کہ میں ان کی عیادت کے لیے خود مانڈو آرہا ہوں۔ وہیں ملاقات ہو جائے گی۔ پھر اس نے (ایلچی نے) عرض کیا کہ خداوندگار شہزادہ چاند خان کو سلطان محمود سے طلب فرماتے ہیں اور سلطان محمود کا کہنا ہے کہ چاند خان ہمارے ولی نعمت کا بیٹا ہے اور میرے یہاں پناہ لی ہے اس لیے یہ مجھ سے نہ ہوگا کہ اسے پکڑ کر دے دوں۔ سلطان بہادر نے کہا کہ میں چاند خان کو سلطان محمود سے نہیں مانگوں گا۔ ان سے کہو کہ وہ آئیں۔ ایلچی واپس لوٹ گیا۔ سلطان کوچ کر کے دیپال پور آیا۔ اس اثنا میں خبر لگی کہ سلطان محمود نے اپنے بڑے بیٹے کو سلطان غیاث الدین کا لقب دے کر مانڈو بھیجا کہ قلعہ بند ہو جائے اور خود قزاقی کا ارادہ رکھتا ہے۔ باہمی الفت کا وعدہ اختلاف میں بدل گیا۔ یہ بات سلطان کے غضب کی آگ بھڑکانے کا باعث ہوئی۔ انہی دنوں سلطان محمود کے امراء، عالم خان اور فتح خان شرزانی اپنے مالک کی نسبت بے حقیقتی کا اظہار کر کے آئے اور سلطان سے ملے اور اسے قلعۂ مانڈو فتح کرنے کی ترغیب دی۔ مختصر یہ کہ جب سلطان قصبہ دھار میں آکر ٹھہرا تو شرزہ خان بھی قلعۂ مانڈو سے اتر کر سلطان کے پاس آیا اور عرض کیا کہ سلطان محمود نے مجھے فنا کرنے کا قصد کیا تھا ناچار اپنی نجات فرار میں دیکھی اور آپ کے حضور میں پناہ لی۔ سلطان نے اس پر نوازش کی۔ وہاں سے سلطان نے اپنے ارادہ کی لگام موضع ولادرہ کی طرف موڑی اور وہاں سے آکر موضع نعلچہ میں خیمہ زن ہوا۔

---

[1] ج: سوانس

اور وہاں محمد خان آسیری کا مورچہ شاہپور کی طرف جو قلعہ کے مغرب میں واقع ہے متعین کیا۔ الغ خان کا مورچہ بہلور پور[1] اور ہندو فوجوں جو اس یورش میں پالان رکاب کندھوں پر لیے تھیں کا مورچہ بہلوانہ میں۔ اور خود اقبال و دولت کے ساتھ بیس ماہ رجب کو کوچ کرکے محمود پور پہنچا۔ جب قلعہ کے محاصرہ کی مہم سے اطمینان ہوا تو طرفین نے جنگ وجدل کا آغاز کیا اور دونوں طرف سے توپ وتفنگ چلنے لگیں۔ کچھ عرصہ اس ڈھنگ سے گذرا۔ ایک دن سلطان نے شجاعت پیشہ مردوں اور تہوّر اندیشہ دلاوروں کو بھیجا تاکہ قلعہ کے گرد گھوم کر معلوم کریں کہ اس کی بلندی کس طرف زیادہ ہے۔ تحقیق وتفتیش کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ سنکار چیتوری کی طرف پہاڑ بہت زیادہ بلند ہے۔ سلطان نے کہا کہ میں انشاء اللہ اسی طرف سے قلعہ پر پہنچوں گا۔ آدمی تعجب کرتے تھے کیوں کہ وہ راستہ قلعہ کے تمام درجوں سے بلند تر تھا۔ اس راہ سے اوپر آنا کیسے میسر ہوگا۔ مختصر یہ کہ ۲۹ رماہ شعبان المکرّم کو سلطان نے خانخانان اور ان چند آدمیوں کے ساتھ جو خاص درباری تھے مشورہ کیا۔ رات کے پہلے حصے میں سوار ہوکر سنکار چیتوری کی طرف چلے۔ اکثر لشکر کو سلطان کی سواری کی خبر نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ چونکہ سنکار چیتوری کی جانب بہت بلند تھی اور اس راہ سے اوپر آنا بہت دشوار، اس لیے اہل قلعہ اس جانب سے مطمئن تھے اور اس کی حفاظت میں غفلت برت رہے تھے۔ بہادر سپاہی راتوں رات اسی جانب سے قلعہ پر چڑھ گئے اور صبح کے قریب اللہ اللہ کہتے ہوئے اہل قلعہ کے محافظ فوجیوں پر حملہ کردیا اور چلائے کہ سلطان بہادر آگیا۔ سلطان کا نام سنتے ہی اہل جوگی[2] بھاگ کھڑے ہوئے۔ علی الصبح سلطان چندانے گنے سپاہیوں کے ساتھ سنگار چیتوری کے اوپر آیا۔ جب لشکر نے یہ حال دیکھا تو پیچھے سے چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح اوپر کی طرف دوڑے۔ حبیب خان جو سلطان محمود کے بہترین امراء میں سے تھا لڑنے لگا۔ سلطانی بہادروں نے اسے ایک

---

[1] الف، ز: بھلول پور

[2] یہ عجیب لفظ ہے۔ مترجم۔

ہُو میں شکست دی۔ پیچھے سے سلطان محمود بہت سے ہاتھیوں کے ساتھ پہنچا۔ جب سلطان کا چتر اس کی نظر پڑا سلطان محمود مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ بھاگ کر ایک ہزار سواروں کے ساتھ اپنے محل میں پہنچ گیا۔ ایک پہر تک قتل و گرفتاری کا ہاتھ اونچا رہا۔ اس کے بعد امن وامان کی منادی ہو گئی اور یہ واقعہ ۹۳۷ھ کا ہے۔

مختصر یہ کہ جب سلطان محمود کا اس کے قصر سلطنت میں محاصرہ کر لیا گیا تو اس نے چھٹکارے کا راستہ مروت وامان طلب کرنے میں دیکھا۔ اپنے ساتھ بیٹوں کے ساتھ سلطان کی خدمت میں آیا۔ سلطان نے انہیں اپنے معتمد گماشتوں کو سونپ دیا۔ اس کے بعد ۱۲ محرم الحرام کی تاریخ سنہ ھ[1] کو سلطان محمود کو اس کے بیٹوں سمیت الغ خان، آصف خان اور اقبال خان کے سپرد کر دیا کہ انہیں گجرات لے جائیں۔ مذکور امراء جب داہود کے قریب پہنچے جو گجرات کی سرحد ہے تو پال[2] کا راجہ اُدے سنگ بیشار کولیوں کے ساتھ آ کر اس قصد سے لڑنے لگا کہ سلطان محمود کو ان امراء کے ہاتھوں سے چھڑا لے۔ جو موکل سلطان محمود کی پالکی کے گرد تھے انہوں نے اس شور و غل میں سلطان کو شہید کر دیا اور اس کے بیٹوں کو شہر محمود آباد لا کر قید کر دیا۔ مختصر یہ کہ منڈو[3] کا پورا ملک سلطان کے تصرف میں آ گیا۔ سلطان نے منڈو کے امراء پر نوازش کی اور ان کی سابق جاگیریں ان کے لیے مسلّم رکھیں۔ الغ خان کی بہن کے بیٹے ملک کالن کو فوجداری کے طریقہ کے مطابق ان کا

---

[1] متن میں لفظ سنہ دیا ہے لیکن عدد نہیں دیے گئے۔ سیاق وسباق کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سنہ ۹۳۸ھ ہونا چاہیے کیونکہ قلعہ کو فتح کرنے کا مشورہ ۲۹ رشعبان کو دیا تھا اور بعد میں امان کی منادی کا ذکر ۹۳۷ھ درج ہے۔ چنانچہ قلعہ رمضان کی آخر تک فتح ہو گیا ہوگا کیونکہ بعد میں سنہ مذکور کے ماہ شوال کا ذکر آتا ہے۔ لہٰذا ۱۲ محرم ۹۳۸ھ ہی کی تاریخ ہونا چاہیے۔ مترجم۔

[2] ج: "پال" نہیں ہے۔

[3] ج: مالوہ۔

سردار مقرر کر دیا تا کہ[1] ولایت کی حراست وحفاظت کریں اور اس کی معموری اور آبادی کے لیے کوشش کریں۔

سنہ مذکور کے شوال کے چاند کی پہلی تاریخ کو گجرات سے خبر آئی کہ جھالاواڑ کا راجہ مان سنگھ فرمان عالیشان کے مطابق گجرات کی طرف روانہ ہو گیا۔ ماہ مذکور کی ۱۹/تاریخ کو عادل خان آسیری نے اجازت سے اختصاص پایا۔ ماہ ذی القعدہ میں سلہدی کو ردہ[2] کو رائے سین کہ اس کا مسکن تھا وداع کیا۔ اس کے بعد موسم باران خاطر جمعی اور شاد کامی کے ساتھ قلعۂ منڈو میں عیش وعشرت میں گذارا۔

بارش کا موسم پورا ہونے پر ۹/ماہ صفر ۹۳۸ھ کو سلطان برہانپور اور آسیر کی سیر کے لیے روانہ ہوا۔ جب برہانپور پہنچا تو سیادت[3] مآب فضیلت ایاب شاہ طاہر دکنی جو شاعری، ندیمی اور ملائی کے فنون میں اپنے ابنائے جنس میں فضیلت رکھتے تھے جیسا کہ یہ شعران کے احوال کی تفصیل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ [بیت]

شاعری میں، ندیمی میں، علم میں اور آداب میں
نہ تو عجم میں میری نظیر ہے اور نہ عرب میں

نظام الملک کی طرف سے سلطان بہادر کی خدمت میں آئے۔ اس زمانہ میں ان کے ابنائے جنس مثلاً شاہ میر اور شاہ کمال الدین جو شاہ ابوتراب کے بزرگ تھے سلطان کی مجلس میں

---

[1] الف، ج : اور وہ جاگیریں ہیں ولایت گجرات کے مضافات کی جو چند قصبوں پر جیسے کہ ایک بیرم گام، دوسرا منڈل، تیسرا بدھوان وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ شاہ جیو ابن نجن سلاحدار نے اس سے جنگ کی۔ شاہ جیو شہید ہوا۔ سلطان نے خانخانان کو حکم دیا کہ جھالاواڑ تمہارے تصرف میں ہے اور مان سنگھ استیصال کا سزاوار ہے۔ اس امر کو سرانجام دینے کا ذمہ اپنے اوپر لازم جان کر عازم گجرات ہو جاؤ اس وجہ سے خانخانان۔

[2] ج : "کوردہ" نہیں ہے۔

[3] ج : "سیادت مآب... اس دولت کو پہنچے" نہیں ہے۔

بیٹھنے کا اعزاز رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی اس بات کی آرزو کی۔ وزیروں اور ندیموں کی درخواست پر سلطان نے یہ قبول کر لی لیکن اس شرط پر کہ پہلی مجلس میں شرف خوری کا اختصاص حاصل ہو تو نظام الملک کا پیغام بیان کرنے کے وقت کھڑے رہیں اور اس کے بعد بیٹھنے کا اعزاز مقرر ہو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پیغام کے مضمون میں یہ استدعا تھی کہ نظام الملک نظام شاہ کے خطاب سے ممتاز ہوتا کہ وہ تابعداری کا رومال کندھے پر رکھ کر اخلاص کے راستے پر چلے اور وعدہ وطلب کے لیے اشارہ پر حاضر خدمت ہو کر سلام کرے۔ عرض مدعا کے بعد سلطان نے کہا کہ جب نظام الملک کو نظام شاہ کہیں گے تو ہم میں اور اس میں کیا فرق رہے گا۔ شاہ نے کہا بہت فرق ہے۔ اس وقت تک آپ امراء پر بادشاہی سے موصوف تھے اب شاہوں پر بادشاہی سے موصوف ہوں گے۔ سلطان کو یہ بات اچھی لگی۔ چنانچہ جس بات کی کوشش کی گئی تھی وہ عطا کی اور چتر بادشاہی عنایت کیا۔ اس وقت سے حاکموں میں سے جو کوئی احمد نگر کے تخت پر بیٹھتا ہے اسے نظام شاہ کہتے ہیں۔

نقل ہے کہ جب شاہ ظاہر کو سلطان کی بساط بوسی کا اعزاز واکرام ملا، خراسان کے رہنے والے تاجروں نے جو گجرات کی بندرگاہوں میں آمدورفت رکھتے تھے شاہ سے اس مطلب کی تجویز کی کہ ملک طوغان ابن ایاز سے جو سلطان کا غلام زادہ تھا اور گجرات کی بندرگاہوں کا امیر البحر، سفارش کریں کہ اس بارگاہ کا محصول جو ساٹھ ہزار کی مقدار کا تھا ہمیں معاف کر دے۔ شاہ نے کہا کہ وہ ایک غلام ہے مغرور، اس لیے اس مقصد کے لیے مجھے اس کے پاس جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ تاجروں نے کہا کہ جب آپ کے ایک بار جانے اور کہنے سے ہمارا یہ سخت کام بنتا ہو تو اس میں بے التفاتی کرنا احسان سے بعید ہے۔ خواہی نخواہی شاہ ملک کے گھر گئے۔ وہ شاہ کی تعظیم میں اٹھ کھڑا ہوا اور پھر بیٹھ کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کی انتہائی شوکت وحشمت کے مدنظر شاہ نے تاجروں کا التماس کھڑے کھڑے بیان کیا۔ ملک نے فراخدلی سے قبول کر لیا اور کہا اس کے بعد بھی ہم نے ان کے محصول کو معافی کے دفتر میں لکھ دیا کہ جب بھی وہ تجارت کے لیے آئیں کوئی انہیں

اس مطلب کی تجویز نہ کرے۔ اور اسی مجلس میں ساٹھ ہزار روپے کی نقد رقم مع چند موتیوں کے کہ ہر ایک ان میں زہرہ طلعت اور قیمت میں زحل کی طرح بلند تھا ہدیتاً دی۔ کہتے ہیں کہ جب اس مجلس کی خبریں سلطان کو پہنچیں تو سلطان نے ملک طوغان پر عتاب کیا اور کہا کہ اے بدبخت تو شاہ کی تعظیم کے لیے کھڑا کیوں نہ رہا۔ وہ بولا کہ جب ایک حرامخور غلام یعنی نظام الملک نے ان کی تعظیم کے لیے قیام نہ کیا ہو تو میں کہ جو اپنے آقا کا حلال خور غلام ہے کس طرح ان کے لیے کھڑا رہوں۔ لفظ غلام حرامخور کا اطلاق اس معنی میں ہے کہ نظام شاہ اور اس کے باپ دادا سلطان محمود بہمنی کے غلام تھے اور تغلب و زبردستی سے اس دولت کو پہنچے تھے۔

مختصر یہ کہ اس کے بعد نظام الملک دکھن آ کر خدمت میں حاضر ہوا۔ اس پر بہت نوازش کی۔ انہی دنوں محمد خان آسیری کو بھی محمد شاہ کے خطاب سے نوازا اور خود مانڈو کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں سے ملک امین نسن کو سلہدری کے لانے کے لیے رائے سین بھیجا۔ ملک نے ہر چند تسلی دی لیکن سلہداری خدمت میں آنے کے لیے راضی نہ ہوا۔ ملک مذکور نے عریضہ بھیجا کہ باوجود اس بخشش کے کہ[1] تین کروڑ تنکہ نقد سلہدی کو انعام دیا گیا اور وہ عنایت کہ اجین جیسا شہر اور آشٹہ کا پرگنہ اور ان کے علاوہ بہیلسہ کی جاگیریں بطور تنخواہ کے دی گئیں اور ہاتھی گھوڑے اتنے کہ اس نے کبھی دیکھے نہ تھے، سلہدی نمک حرامی پر تلا ہوا ہے اور خدمت میں آنے کے لیے تیار نہیں بلکہ چاہتا ہے کہ بھاگ کر ولایت میواڑ میں چلا جائے اور یہ ملعون گردن زدنی ہے کیونکہ وہ بعض مسلمان عورتوں پر تصرف و تسلط رکھتا ہے۔ یہ بات سن کر سلطان کے غصہ کی آگ بھڑک اٹھی۔ اسی وزیر اختیار خان کے بھائی مقبل خان کو حکم دیا کہ بطور ایلغار محمد آباد کی طرف جائے اور وزیر اختیار خان کو کہ فضیلت و ذمہ داری میں وہ میر علی شیر[2] کا ثانی تھا اور سلطان کی راجدھانی کی حکومت سے متعلق تھی، لشکر،

---

[1] ج: "کہ تین کروڑ تنکہ نقد" نہیں ہے۔

[2] ج: "ثانی" نہیں ہے۔

خزانے اور بیل گاڑیوں کے ساتھ جلد از جلد اِس طرف روانہ کرے۔ اور خود کوچ کر کے مقام نعلچہ میں قیام کیا اور دھوکا دینے کے لیے گجرات کے سفر کی شہرت کی تا کہ سلہدی خواب خرگوش سے بیدار نہ ہو اور سلطان کے ارادہ سے واقف ہو کر بھاگ نہ جائے۔

[بیت]

سکندر جو مشرقوں کے ساتھ جنگ کرتا تھا

وہ اپنے خیمہ کا دروازہ مغرب کی جانب رکھتا تھا

لیکن سلہدی کا بیٹا جو سلطان کی خدمت میں موجود تھا اس وہم سے کہ مبادا سلطان رائے سین جانے کا ارادہ کرے ڈر کی وجہ سے ہر وقت[1] اس کی جان مخمصہ میں مبتلا رہتی تھی اور وہ عرض کرتا رہتا تھا کہ اگر مجھے اجازت ہو تو میں سلہدی کو سلطان کی خدمت میں لے آؤں۔ اس کو اجازت دی اور لشکر کو نعلچہ میں چھوڑ کر ایک کثیر جماعت کے ساتھ دیپال پور کی طرف شکار کھیلنے کی خواہش کی۔ سلہدی کو یقین تھا کہ سلطان گجرات جا رہا ہے۔ اس وقت میں اس کی خدمت میں پہنچوں اور سلطان سے انعامات پاؤں۔ اپنے بیٹے کو اجین میں چھوڑ کر خود آ کر پابوسی کی۔ ملک امین نسن نے عرض کیا کہ جب سلہدی کو کہا گیا کہ سلطان گجرات تشریف لے جا رہے ہیں اور میں نے ذمہ لیا کہ ایک لاکھ تنکہ سونے کا نقع مع بندرگاہ کھمبایت اور ایک سو عربی گھوڑے میں سلطان سے تیرے لیے لوں گا تب کہیں اس نے قدم راہ میں رکھا ورنہ آنے کا میلان ہرگز نہ تھا۔ سلطان نے کہا کہ مسلمان عورتیں اس بدبخت کے گھر میں ہیں اس لیے شرع شریف کے حکم کے مطابق یہ واجب القتل ہو گیا۔ میں اسے کب زندہ چھوڑوں گا مگر یہ کہ مسلمان ہو جائے۔ سلطان کوچ کر کے نعلچہ سے دھار آیا۔

سنہ مذکور کی بیس ربیع الآخر کو اختیار خان ایک کثیر لشکر، خزانے اور بہت سی عرابہ کے ساتھ مقام مذکور پر پابوسی کے شرف سے مشرف ہوا اور مقام مذکور کے محلوں ہی میں

---

[1] الف: سلطان کے غضب سے اس کی روح قالب سے نکل جانا چاہتی تھی۔

سترہ جمادی الاول کو سلہدی کو دو دوسرے آدمیوں کے ساتھ قید کر دیا۔ سلہدی کا لشکر بھاگ کر اس کے بیٹے کے پاس اجین چلا گیا۔ لشکر کے لوگوں نے اس کے ساز و سامان کو لوٹ لیا چند آدمیوں کو مار ڈالا اور اس کے تمام ہاتھیوں کو سلطان کی سرکار میں لے آئے۔ اسی دن مغرب کے وقت ملک عماد الملک کو سلہدی کے لڑکے پر متعین کیا اور ماہ مذکور کی سترہ تاریخ کو اول پہر میں اجین کی طرف روانہ ہوا۔ جب سعد پور پہنچا تو خداوند خان وزیر کو حکم دیا کہ شاہی لشکر کو پیچھے لائے اور خود ایلغار کر کے اجین آیا۔ عماد الملک نے خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سلہدی کا لشکر کے آنے سے پہلے فرار ہو چکا تھا۔

ماہ مذکور کی اٹھارہ تاریخ کو حبیب خان مانڈو والی کو آشٹہ کا پرگنہ جو اس کی قدیم جاگیر تھا عنایت ہوا۔ اجین کا پرگنہ دریا خان مانڈو والی کے حوالہ کیا اور خود متواتر کوچ کرتا ہوا سارنگپور پہنچا۔ وہاں دو دن قیام کیا یہاں تک کہ شاہی لشکر بھی پیچھے آ گیا۔ سارنگپور کا پرگنہ ملو خان کو دیا کہ وہ سلطان کی تخت نشینی کے دن سے خدمت میں حاضر رہا تھا۔ اس کے بعد بھیلسہ[1] کے پرگنے کی طرف جسے سلطان شمس الدین[2] بادشاہ دہلی کی توجہ سے اسلام کا شرف ملا تھا روانہ ہوا۔ اٹھارہ سال کی مدت گذری تھی کہ سلہدی بھیلسہ کے پرگنے کو اپنے تصرف کے تحت رکھے ہوئے تھا اور وہاں اسلام کے آئین کفر کی رسموں سے بدل گئے تھے۔ جب سلطان مقام مذکور پر پہنچا تو اس نے کفر کی رسموں کو مٹایا اور اسلام کے آئین کا جھنڈا بلند کیا۔ بت پرستوں کو ختم اور بت خانوں کو منہدم کر دیا۔

۱۷ جمادی الآخر کی تاریخ کو بھیلسہ کے مقام سے کوچ کر کے قلعہ رائے سین کی طرف چلا۔ متواتر کوچ سے منزلیں طے کر کے ایک ندی کے کنارے جو رائے سین سے دو

---

1. بھیلسہ کا جدید نام ودیشہ ہے۔ یہ شہر بھوپال سے پچاس کیلومیٹر دور شمال مشرق میں ہے۔ سارنگپور بھوپال کے جنوب مغرب میں تقریباً ایک سو تیس کیلومیٹر کی دوری پر ہے۔ آشٹہ بھوپال کے مغرب میں تقریباً اسی کیلومیٹر دور ہے۔ مترجم۔
2. سلطان شمس الدین التتمش۔ مترجم۔

کوس کے فاصلہ پر واقع ہے خیمہ زن ہوا۔ ۱۸ رتاریخ کو وہاں سے کوچ کر کے ایک تالاب پر جو رائے سین کے قلعہ کے قریب ہے منزل کی۔ اس اثنا میں فوج قلعہ سے نکل کر نمایاں ہوئی۔ سلطان خود سوار ہوا اور اس سے پہلے کہ لشکر کو خبر ہو چند سپاہیوں کے ساتھ اس فوج پر حملہ کر دیا۔ کہتے ہیں کہ اس دن سلطان نے اپنے ہاتھوں سے چند کافروں پر اس طرح تلوار ماری کہ دو ٹکڑے ہو گئے۔ کافر بھاگ کر قلعہ پر چڑھ گئے۔ لشکر نے قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور تیر، بندوق، کوکبان اور چھوٹی توپوں کی مار کی جنگ شروع ہوئی۔ جب آفتاب غروب ہوا تو سلطان نے حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی اقامت گاہ پر جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کل حکم دیں گے کہ اس قلعہ کی بنیاد کی مٹی فنا کی ہوا میں اڑا دیں اور اہل قلعہ کو تلواروں کے دریاؤں میں ڈبو کر جہنم کی آگ کے حوالے کر دیں۔ ہر ایک نے آرام کی خواہش کی۔ جب سورج کی تلوار افق کی نیام سے بلند ہوئی تو سلطان نے مورچے امراء کو تعین کیے۔ رومی خان نے جو فن آتشبازی میں علامہ تھا توپ کی ایک مار سے ایک برج کو آنکھ جھپکتے میں اڑا دیا۔ کافروں نے دیوار پھر سے بنا دی۔ بارہ ہزار دکنی پیادوں کو جو سلطان کے نوکر تھے ایک برج پر متعین کیا کہ اسے جڑ بنیاد سے اکھاڑ دیں اور حکم دیا کہ ہر طرف نقب لگائیں اور بارود بھر کر آگ دے دیں۔ ہر ایک نے مقررہ خدمات انجام دیں۔ کہتے ہیں ایک تیر جہاں تک جا سکتا ہے اتنے فاصلہ کی قلعہ کی دیوار جڑ سے اکھاڑ دی۔

جب سلہدی نے یہ حال دیکھا تو سلطان کو کہلا بھیجا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور قلعہ خالی کیے دیتا ہوں اور سلطان کے غلاموں کو سونپتا ہوں۔ سلطان نے قبول کر لیا۔ سلہدی اسلام لے آیا اور لکھمن سین اپنے بھائی کو جو قلعہ میں تھا بلایا۔ اس نے آکر سلطان کی پابوسی کی۔ اس کے بعد دونوں بھائی مشورہ کرنے بیٹھے۔ لکھمن سین بولا کہ قلعہ کیوں ہاتھ سے دیتا ہے۔ بھوپت رانا کے پاس گیا ہے اور اس کے بیٹے بکماجیت کو چالیس ہزار سواروں اور بے شمار پیادوں کے ہمراہ کمک کے لیے لا رہا ہے۔ تو خود مسلمان ہو گیا ہے۔ وہ تجھے کچھ نہیں کہے گا۔ کمک آنے تک قلعہ کو ہم سنبھالیں گے۔ سلہدی اس مشورہ سے

خوش ہوا اور سلطان کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ آج لکھمن سین کو اجازت ہو وہ قلعہ کل خالی کر دے گا۔ سلطان نے اجازت دی۔

جب صبح ہوئی تو دوپہر تک لکھمن سین کا انتظار کیا لیکن وہ نہیں آیا۔ سلہدی نے کہا کہ اگر حکم ہو تو میں پہاڑ کے دامن تک جاؤں اور خبر نکالوں کہ لکھمن سین نے کیوں دیر کی۔ سلطان نے ایک جماعت ساتھ کر دی اور سلہدی پہاڑ کے دامن تک گیا۔ اہل قلعہ میں سے کوئی بھی سلہدی کے پاس نہیں آیا۔ سلہدی پیچھے جا کر چلایا کہ اے راجپوتو! تم کیوں مرتے ہو؟ کل اس گرے ہوئے برج اور دیوار کے راستے سے سلطان کا لشکر اوپر آ جائے گا اور تم میں سے ہر ایک کو قتل کر دے گا یعنی اس گرے ہوئے برج کی مرمت کرو اور مضبوط بنا لو کہ یہ راستہ تمہاری موت کے آنے کا راستہ ہے۔ اس قسم کی چند باتیں اس نے کہیں اور لوٹ آیا اور حقیقت حال عرض کر دی۔ سلطان غضبناک ہو گیا۔ اس اثنا میں سلہدی کے چھوٹے بیٹے نے دو ہزار سواروں کے ساتھ آ کر تھانہ سلطانی کے ساتھ جو قصبہ برسیہ میں تھا جنگ کی۔ آخر کار فتح مسلمانوں کی ہوئی۔ وہ شکست کھا کر بکمادیت اور اپنے بڑے بھائی بھوپت کے پاس گیا۔ اس کے لشکر کے چند نامی آدمی مارے گئے تھے۔ ان کے سر کاٹ کر درگاہ سلطانی میں بھیج دیے گئے۔ شہرت یہ ہوئی کہ سلہدی کے بیٹے کا سر لائے ہیں۔ یہ سن کر سلہدی مغموم ہو گیا۔ سلطان کی روگردانی کا شعلہ اور زیادہ بلند ہو گیا۔ برہان الملک کو حکم دیا کہ اگر سلہدی اسلام نہ لاتا تو آج میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا حکم دیتا۔ تم اِسے اِسی وقت مانڈو لے جاؤ اور قید میں رکھو کہ ہمیں اس سے کام ہے۔

محمد شاہ آسیری اور عماد الملک کو رانا پر متعین کیا۔ وہ کوچ کرتے ہوئے روانہ ہوئے۔ جب قصبہ بیرسیہ پہنچے تو خبر آئی کہ رانا ایک کثیر لشکر کے ساتھ آتا ہے۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کر کے موضع کھیرود[1] پہنچے۔ سلہدی کا بیٹا پورن مل جو اس مقام پر دو ہزار سوار کے ساتھ موجود تھا جنگ کیے بغیر بھاگ گیا۔ عماد الملک نے مقام بیرسیہ سے رانا

---

[1] ج: کھترہ۔

کے لشکر کی کثرت کی کیفیت لکھ بھیجی۔ یہ سن کر سلطان نے کہا کہ محمد شاہ آسیری اور عماد الملک کے ساتھ اتنا لشکر ہے کہ وہ رانا کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکتے ہیں لیکن اگر میں اس معرکہ میں ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کافر کو زندہ پکڑوں گا۔ چنانچہ اختیار خان کو رائے سین کے محاصرہ کے لیے چھوڑا اور خود ایلغار کرتا ہوا ایک دن اور ایک رات میں ستر کوس طے کر کے تیس سواروں کے ساتھ لشکر سے جڑ گیا۔

رانا کے جاسوسوں نے خبر دی کہ سلطان یلغار کر کے آ گیا۔ رانا کو مقابلہ کی تاب نہ رہی۔ وہ جس مقام پر تھا وہاں سے ایک منزل پیچھے جا کر مقام کیا اور اپنے وکیلوں کو جاسوسی کے طریقہ پر سلطان کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ میں نے سنا تھا کہ سلہدی قید میں ہے اور موکل اسے کھانے پینے نہیں دیتے اور سختی سے اس پر نگاہ رکھتے ہیں۔ میں نے بکماجیت کو خدمت میں بھیجا تھا کہ اس کے بارے میں درخواست کرے تو شاید سلطان اس کے حق میں مہربان ہو جائے۔ اگر حکم ہو تو خدمت میں آئے۔ سلطان نے کہا آؤ۔ وکیل واپس ہو کر رانا کے پاس گئے اور کہا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے سلطان کو دیکھا اور لشکر پر بھی نظر ڈالی۔ تم سلطان سے جنگ کرنے کے لائق نہیں ہو۔ یہ سن کر رانا راتوں رات بھاگ گیا۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ الغ خان گجرات سے چھتیس ہزار سواروں، ضرب رنگ اور بہت سے ہاتھیوں کے ساتھ قریب آ گیا ہے۔ سلطان نے اسے حکم بھیجا کہ رانا مردود دھوئیں کی طرح بھاگ گیا۔ مابدولت ایک لشکر جرار کے ساتھ اس کے پیچھے پڑے ہیں، وہ بھی پوری تیزی کے ساتھ پیچھے آئے۔ کہتے ہیں کہ سلطان ایک دن اور ایک رات میں ستر کوس کا راستہ طے کر کے چیتوڑ پہنچا لیکن رانا سلطان کے پہنچنے سے پہلے قلعہ بند ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ رائے سین کی طرف سے اطمینان کر کے چیتوڑ کے فتح کرنے کی شروعات کروں گا۔

وہاں سے لوٹ کر وہ رائے سین روانہ ہوا۔ جب مقام برسیہ پہنچا تو محمد شاہ اور

عماد الملک کو مقام مذکور پر چھوڑا اور خود وہاں سے ایلغار کر کے رائے سین آیا۔ اہل قلعہ جب کمک سے ناامید ہو گئے تو عرض کیا کہ سلہدی کو مانڈو سے بلوا لیں تو ہم سب آ کر پابوسی سے مشرف ہوں گے اور قلعہ کو سلطان کے غلاموں کو سونپ دیں گے۔ سلطان اس وجہ سے کہ مسلمان عورتیں قلعہ میں ہیں مبادا ان کو جوہر میں جلادیں قلعہ کے لینے میں شدت اختیار کرنے سے رک رہا تھا اور فتح رعایت و مہربانی کے ساتھ چاہتا تھا۔

مختصر یہ کہ ان کے التماس پر سلہدی کو مانڈو سے طلب کیا۔ سلہدی آیا اور سلطان سے قول لیا اور اپنے بھائی لکھمن سین کو قلعہ سے بلوایا۔ اس نے آ کر شرف پابوسی حاصل کیا پھر قلعہ میں گیا اور اکثر راجپوتوں کو جو پہاڑ پر تھے آہستگی سے نیچے لایا اور عرض کیا کہ سلہدی کے حرم میں سات آٹھ سو عورتیں ہیں ان سب میں بھوپت کی ماں ڈرگا رتبہ میں سب سے بڑی ہے۔ وہ عرض کرتی ہے کہ سلہدی یہاں آئے اور ہمیں لے کر[1] نیچے لے جائے۔ حکم ہوا کہ ملک علی شیر بن قوام الملک سلہدی کو پکڑ کر لے جائے اور اسے سلامت نیچے لائے۔

ملک علی شیر اور سلہدی قلعہ پر گئے۔ ملک نے دیکھا کہ راجپوتوں کی ایک کثیر جماعت سلہدی کی حویلی میں جمع ہوگئی۔ جب سلہدی ان سے مشورہ کرنے بیٹھا تو انہوں نے سلہدی سے پوچھا کہ سلطان تمہیں کیا دیتا ہے۔ وہ بولا بڑودہ کی سرکار دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سلہدی تیری عمر آخر ہوگئی ہے، کب تک جئے گا؟ موت سے ڈر کر تو اپنا ناموس برباد کر رہا ہے۔ ہماری قرارداد یہ ہے کہ آدمی تلوار کی دھار سے مرجائیں اور عورتیں جوہر میں یعنی آگ میں جل مریں۔ تجھ میں بھی اگر غیرت ہے تو اس کام میں ہمارا ساتھ دے۔ انہوں نے اتنی باتیں بنائیں کہ سلہدی ان کی مرضی کا تابع ہوگیا۔ بعد میں ملک علی شیر کو بلا کر اپنے گھر کا خرچ بتلایا۔ وہ دیکھ کر ملک حیران رہ گیا۔ اس کے بعد سلہدی بولا کہ اب میری تمام عورتوں اور رشتہ داروں نے خود کے لیے مرنا اور جلنا طے کرلیا ہے۔ مجھے شرم آتی

---

[1] ج: "نیچے لے جائے...اسے سلامت نیچے لائے" نہیں ہے۔

ہے کہ یہ سب جل مریں اور میں زندہ رہ جاؤں۔ تم واپس چلے جاؤ کہ ہماری قرارداد یہی ہے اور بس۔ ہر چند ملک علی شیر نے سمجھایا لیکن وہ نہیں مانا۔ جب ملک علی شیر قلعہ کے نیچے جانے لگا ہندوؤں نے جوہر کو آگ لگا دی اور خود جنگ کرنے لگے۔

تاج خان دکھنی اور بعض سپاہی جو قلعہ پر چڑھ گئے تھے ان کے ہاتھوں تمام ہندو جہنم پہنچ گئے۔ کہتے ہیں کہ سلہدی کی سات سو حرمیں اور رانا کی بیٹی جو بھوپت بن سلہدی کی بیوی اور راجپوت عورتوں کی رانی تھی ایک ہی وقت میں جل کر راکھ ہوگئیں۔ مسلمانوں میں سے چار آدمی درجۂ شہادت کو پہنچے اور راجپوتوں کی بہت سے عورتیں اور لڑکیاں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ یہ واقعہ ماہ رمضان المبارک کے آخر میں ۹۳۸ھ میں ہوا۔

نقل ہے کہ دُرگا مسلمان عورتوں کو جو سلہدی کے تصرف میں تھیں زبردستی سے جوہر میں کھینچ لائی تھی وہ سب جل کر راکھ ہوگئیں سوائے ایک کے کہ حق تعالیٰ نے اُسے اس آتش نمرودی سے سلامت رکھا اور راکھ کے ڈھیر کے نیچے سے زندہ نکالا۔ کہتے ہیں کہ ان جلنے والی عورتوں کو تمام سونا جو راکھ سے باہر نکالا گیا سلطان بہادر نے برہان الملک جنانی کو جو سلطان کے نامی امراء سے تھا بخش دیا۔ ملک نے قبول کرلیا لیکن اہل ہمت نے ملک کا یہ قبول کرنا پسند نہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایسے مال پر ہاتھ ڈالنا مرد آدمی کا کام نہیں۔ ملک نے اسے حلال سمجھا اور غنیمت کا ایک حصہ سمجھ کر اس پر متصرف ہوگیا۔

گجرات کے ثقہ لوگوں سے منقول ہے کہ قید کے بعد سلہدی کو اسلام لانے کی تجویز کی گئی۔ اس نے انکار کیا اور کسی طرح قبول نہ کرتا تھا۔ آخر کار بڑی سعی و کوشش کے بعد اس نے اسلام کا شرف پایا اور صلاح الدین کے نام سے موسوم ہوا۔ حکم ہوا کہ ملک برہان الملک جنانی جو صلاح و تقویٰ میں یگانۂ روزگار تھا صلاح الدین کے حال سے باخبر رہے اور اسے شریعت کے احکام کی تلقین کرے۔ کہتے ہیں کہ جب سلہدی کو روزوں کے دن ملے تو خوش ہوگیا اور کہا کہ میں نے تمام عمر میں پانی اور کھانے کی یہ لذت نہ پائی تھی جو افطار کے بعد پاتا ہوں۔ ایک دن اس نے ملک برہان الملک سے کہا کہ جب میرے

گناہوں کا شمار حد سے گذر گیا اور خطاؤں کا عدد شمار سے باہر ہو گیا تو ان میں سے بعض میں نے برہموں، کاہنوں اور جوگیوں کے سامنے گئے اور پوچھا کہ ان گناہوں کے مرتکب کے لیے کوئی راستہ بھی ہے کہ بخشا جائے۔ وہ بولے کہ ان جرموں کا کرنے والا معافی کی رحمت سے محروم ہے۔ ناامیدی سے میں متحیر ہو گیا۔ ایک دن ملا سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو ایسے آدمی کے بارے میں جو ان جرموں کا کرنے والا ہو؟ اس کی بخشش کا کوئی راستہ ہے یا نہیں؟ وہ بولا ہے لیکن ڈر کی وجہ سے میں کہہ نہیں سکتا۔ میں نے کہا کہ جو کچھ تو جانتا ہے۔ وہ بولا اگر مسلمان ہو جائے تو ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ گویا اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا ہے۔ اُس وقت سے میں دین اسلام کی طرف مائل تھا۔ آخر جو مقدور تھا ظہور میں آیا۔

نقل ہے کہ اس کی سرکار میں عورتوں کے ملبوسات اور عطریات وغیرہ کے اخراجات میں اتنی افراط تھی کہ کسی بادشاہ کی سرکار میں نہ رہی ہوگی۔ اس کے پاس چار طائفے تھے یعنی رقاصاؤں کے طائفے جن میں سے ہر ایک اپنے فن میں اپنے وقت کی بے نظیر تھی۔ رقص کے وقت چالیس عورتیں چراغ روشن کرنے کی ذمہ دار تھیں۔ ہر ایک کے دو خدمتگار ہوتے تھے جو ایک ہاتھ میں پان اور دوسرے میں خوشبودار تیل کا برتن جس سے چراغ جلائے جاتے تھے رکھتے تھے۔ اور یہ عورتیں بھی مرصع زیورات اور لباس زرین سے ملبوس و مزین ہوتی تھیں۔ اس زمانہ کے دانشمند اس بات پر متفق تھے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کہ "دنیا کافروں کے لیے جنت ہے" کی صداقت بروجہ کمال مسلم تھی۔

مختصر یہ کہ رائے سین کی فتح کے بعد وہ تمام شہر جو سلہدی کے تصرف میں تھے مثلاً سرکار بھیلسہ، چندیری وغیرہ سلطان عالم لودی کو جو سلطان سکندر لودی کے عزیزوں میں سے تھا دے دیے۔ قریب قریب اسی زمانہ میں جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ کی فوجوں نے اسے کالپی سے نکال دیا تھا اور وہ بارہ ہزار سواروں اور بہت سے ہاتھیوں کے ساتھ سلطان کی پناہ میں آ گیا تھا۔ سلطان عالم کے کالپی سے اخراج کا باعث یہ تھا کہ حضرت فردوس

مکانی بابر بادشاہ کے وزیر میر نظام الدین علی خلیفہ نے اسے بیٹا کہا تھا اور اس کی رعایت میں بہت توجہ کرتا تھا اس لیے کالپی کی سرکار اس کے تصرف میں چھوڑ دی تھی۔ جب چند سال اس ڈھنگ سے گذرے تو تقدیر ربانی سے حضرت فردوس مکانی اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما ہوگئے اور بادشاہی کا حکم درگاہ الٰہی سے حضرت ہمایون بادشاہ کی طرف رجوع ہوا۔ سلطان عالم کے دل میں بغاوت کی گدگدی پیدا ہوئی اور خیال فاسد کے پرندہ نے اس کے سر میں انڈا دیا۔[1] درحقیقت یہ حال ہمایوں کے کانوں میں پہنچا تو ہندال مرزا کو نامی امیروں کے ساتھ متعین کیا کہ اُس کے اِس خیال کی آگ کو سزا کے پانی سے بجھائے۔ کالپی کے نواح میں ایک موضع ہے کام پور[2] نام وہ وہاں آکر ہندال مرزا سے جنگ آزما ہوا۔ جمعیت کی کثرت کے باوجود شکست کھائی۔ اس کے بعد سلطان بہادر کی خدمت میں آکر التجا کی اور نوکر ہوگیا۔

مختصر یہ کہ رائے سین کا قلعہ فتح ہونے کے بعد محمد شاہ آسیری کو حکم بھیجا کہ قصبہ کا کرون کہ وہاں ایک میاں مہتہ[3] تھے آسودہ ہیں اور وہ مقام رانا نے سلطان محمود سے بطور تغلب لے لیا تھا اس سے لے لے اور سلطان خود گونڈوانہ کی طرف ہاتھیوں کے شکار کے لیے روانہ ہوگیا۔ بہت سے ہاتھی ہاتھ آئے۔ اور قلعہ کا تور[4] جو سلطان نصیر الدین کے عہد سے کافروں کے ہاتھ میں چلا گیا تھا اور سلہدی نے بھی چند مرتبہ اس کی تسخیر کا ارادہ کیا تھا لیکن میسر نہ ہوا۔ ایک دن میں فتح کرکے الپ خان[5] کو سونپ دیا اور اسلاماباد اور ہوشنگاباد اور ولایت مالوی کے بعض مضافات جن کا تعلق ان حدود سے تھا اپنے دائرۂ

---

[1] ج: اور نظام الدین علی میر خلیفہ پر زور ڈالا کہ چونکہ میر خلیفہ تھے خود نے شہر میں مصلحت نہ دیکھی وہاں سے نکل کر کسی مستحکم جگہ پر مقام کیا درحقیقت

[2] ج: کالوپورہ

[3] ج: "مہتہ تھے کہ" نہیں ہے۔

[4] ز: کالور

[5] ج: الغ خان

تصرف میں لے کر وہاں سے واپس ہوا اور سارنگپور[1] آیا۔ سارنگپور سے قصبہ آگر[2] اور وہاں سے کاکرون کی طرف روانہ ہوا کیونکہ قلعہ کاکرون ہنوز فتح نہیں ہوا تھا۔ سلطان کے پہنچتے ہی قلعہ فتح ہوگیا۔ چار دن تک سلطان نے کاکرون کے قریب مقام کیا اور وہاں سے ملک عماد الملک کو مندسور بھیجا۔ چند روز کے بعد وزیر اختیار خان کو بھی مندسور پر متعین کیا اور محمد خان آسیری کو بھی اور خود مانڈو چلا گیا۔ عماد الملک کے پہنچتے ہی رانا کا گماشتہ جس کا نام نکو[3] تھا مندسور چھوڑ کر چلا گیا۔ ماہ شوال میں عماد الملک نے مندسور فتح کرلیا۔ اس اثنا میں بارش کا موسم آگیا۔ محمد شاہ اور اختیار خان[4] اور عماد الملک، ملک پیر بن اعزاز الملک کو ایک کثیر لشکر کے ساتھ مندسور میں چھوڑ کر مانڈو روانہ ہوگئے۔ ذی القعدہ کے مہینے میں مانڈو پہنچ کر سلطان کی پابوسی کا شرف حاصل کیا۔ اس کے بعد محمد شاہ آسیر روانہ ہوا اور سلطان اپنی راجدھانی کی طرف لوٹا۔ ماہ صفر کی اٹھارہ تاریخ کو محمد آباد تشریف لایا۔

چند روز کے بعد دیو سے خبر آئی کہ فرنگی بہت سے جہازوں کے ساتھ دیو پر قبضہ کرنے کے آرہے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان نے یلغار کی۔ محمد آباد سے راتوں رات کھمبایت آیا۔ سلطان کے آنے کے ارادہ کی خبر سن کر فرنگیوں نے فرار کو قرار پر ترجیح دی۔ سلطان دیو کے خطّہ میں پہنچا اور دیو سے ایک بڑی مصری توپ جو ترک لائے تھے محمد آباد کی طرف دوسری سو توپوں کے ساتھ چیتوڑ کی فتح کرنے کی نیت سے بھیج دی۔ کہتے ہیں کہ بہت سے بیلوں کے علاوہ کہ جو اس سے باندھے جاتے تھے تین سو نفر کھار وہ اسے کھینچتے تھے تب کہیں وہ اپنی جگہ سے ہلتی تھی اور روانہ ہوتی تھی۔ پھر سلطان کھمبایت آیا۔ وہاں سے احمد آباد تشریف لے گیا اور اپنے باپ دادوں کی قبروں کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور

---

[1] ج: ''سارنگپور آیا... سارنگپور سے'' نہیں ہے۔

[2] یہ چھوٹا شہر اجین کے قریب ہے۔

[3] ج: ''جس کا نام نکو تھا'' نہیں ہے۔

[4] ج: ''اختیار خان'' نہیں ہے۔

وہاں سے اپنے پیر یعنی شاہ شیخ جیو بن حضرت سید محمود[1] بن قطب اقطاب برہان الحق والدین کی زیارت کے لیے بتوہ آیا اور وہاں سے یلغار کر کے ایک دن میں محمد آباد تشریف لے گیا اور بادشاہ سندھ جام فیروز کی بیٹی کو جبالۂ نکاح میں لایا۔

وہاں سے چند ہزار نئے آدمی لیے اور بہت سے ہتھیار بہم کر کے انہیں مانڈو کی طرف روانہ کیا اور محمد شاہ آسیری کو فرمان بھیجا کہ آسیر سے قلعۂ چیتوڑ کی تسخیر کے ارادہ سے روانہ ہو جائے۔ خداوند خان وزیر کو اس لشکر کے ساتھ جو مانڈو میں تھا حکم ہوا کہ محمد شاہ سے ملحق ہو جائے۔ جب توپیں اور ہتھیار منڈو پہنچ گئے تو ربیع الآخر کی ۱۷ تاریخ کو سلطان محمد آباد سے منڈو کی طرف ایلغار کرتا ہوا روانہ ہوا اور تیسرے دن منڈو پہنچ گیا۔ پھر محمد خان اور خداوند خان کو حکم ہوا کہ قلعۂ چیتوڑ کی طرف کوچ کریں۔ جب مذکور آدمی مندسور[2] پہنچے تو رانا کے وکیلوں نے آ کر عرض کیا کہ جو کچھ حصہ ولایت مالوہ کا رانا کے تصرف میں ہے وہ چھوڑتا ہے اور جو بھی نذرانہ فرمائیں قبول رکھتا ہے اور خود کو سلطان کے ملازموں میں داخل کرتا ہے اور تابعداری واطاعت جیسی کہ ہونی چاہیے بجالاتا ہے۔ محمد شاہ نے شجاع خان کو سلطان کی خدمت میں بھیجا اور رانا کے التماس کی شرح کی۔ شجاع خان منڈو آیا اور حقیقت بیان کر دی۔

چونکہ سلطان کو اس کی حرکت بد جو اس سے پہلے سلہدی کی کمک کے بارے میں اس سے واقع ہوئی تھی بہت بری لگی تھی اس لیے چیتوڑ کی فتح کا عزم مصمم کر لیا تھا۔ لہٰذا وہ التماس قبول نہ ہوا۔ اور محمد خان اور خداوند خان کو فرمان صادر ہوا کہ تاتار خان بن علاء الدین بن سلطان بہلول لودی کو گجراتیوں کے لشکر کثیر کے ساتھ بھیجیں کہ تم سے پہلے جا کر چیتوڑ کے قلعہ کا محاصرہ کرلے اور تم توپیں لے کر اس کے پیچھے جاؤ۔ اس فرمان کے وصول

---

[1] ج: "حضرت سید محمود بن" نہیں ہے۔

[2] ج: دھود۔ نسخۂ ج میں داہود درج ہے لیکن صحیح مندسور ہی ہونا چاہیے کہ وہی چیتوڑ کے نزدیک ہے۔ داہود تو وہاں سے بہت دور ہے۔ مترجم۔

ہوتے ہی تاتارخان گجرات کے لشکر کثیر کے ساتھ چیتوڑ کی طرف روانہ ہوا۔ تاریخ بہادرشاہی کا مصنف لکھتا ہے کہ میں بھی اس فوج میں شامل رہا ہوں۔ مختصر یہ کہ تاتارخان کو یہ خیال تھا کہ رانا کی جمعیت بڑی ہے وہ البتہ جنگ کرے گا۔ لیک وہ جرأت نہ کرسکا۔ تاتارخان نے تاریخ ۴ ماہ رجب ۹۳۹ھ کو قلعہ کی تلہٹی فتح کرلی اور تاراج کر کے دوسرے دن ریکوڈہ[1] پر ہجوم کیا اور اسے بھی فتح کرلیا۔ چیتوڑ کہ جس میں نیچے سے اوپر تک سات دروازے تھے ان میں سے دو دروازے فتح کرلیے اور سلطان کو لکھ بھیجا۔

آٹھویں روز محمد شاہ اور خداوندخان بڑی بڑی توپوں اور بہت سی آتشبازی کے ساتھ پہنچ گئے اور قلعہ کا چاروں طرف سے محاصرہ کرلیا۔ اس کے بعد سلطان نے قلعۂ منڈو سے یلغار کی۔ پانچ سو سواروں کے ساتھ منڈو سے ایک دن رات میں چیتوڑ پہنچ گیا۔ پیچھے سے لشکر چونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح قطار باندھ کر پہنچا۔ سلطان چیتوڑ کے پہاڑ پر چڑھ گیا اور توپ بھی اوپر لے آئے تو حکم دیا کہ قلعۂ چیتوڑ کی دیوار کو توپ کی ضربوں سے گرادیں۔ جب توپ مارتے تو دیوار سے پہاڑ جیسے ٹکڑے گرتے تھے اور قلعہ کے اندر کے مکان بھی ڈھ جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ چیتوڑ کی فتح میں سلطان خود اتنی مشقت کررہا تھا کہ کسی بھی سپاہی میں اتنی طاقت نہ تھی۔ الغ خان[2] کو تیس ہزار سواروں کے ساتھ دروازہ لکھوٹہ کی طرف کا مورچہ دیا اور تاتارخان اور میدنی رائے[3] اور اکثر افغانوں کو ہنونت دروازہ کی طرف متعین کیا ملوخان اور سکندرخان کو مالوہ کے امراء اور دکھنی سپاہیوں کے ساتھ سفید[4] برج حوالہ کیا۔ بھوپت رائے اور الپ خان[5] کو دوسری طرف سپرد کی۔ قلعہ گیری کے لیے اتنی سپاہ اور اتنا سامان تھا کہ اگر قلعہ چیتوڑ کی طرح چار قلعوں کا محاصرہ کرتا

1. ج: بریدکوٹہ
2. ز: الف خان
3. ز: مندلی راؤ
4. ج: "سفید برج" نہیں ہے۔
5. ج: الغ خان۔

تو میسر تھا اور فتح ہوتی۔

مختصر یہ کہ سلطان نے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور رانا کی ولایت لوٹنے کے لیے ہر طرف فوجیں بھیجیں۔ کہتے ہیں کہ جو حکمتیں رومی خان نے چیتوڑ کے محاصرہ میں بتلائیں نہ کبھی کسی نے دیکھی نہ کبھی سنی تھیں۔ کیا تو قلعہ کے مقابل پہاڑ پر توپیں چڑھانے میں کیا توپوں کے چلانے میں، کیا تو سرنگیں لگوانے میں اور کیا تو چھت دار راستے بنانے میں! تھوڑی ہی مدت میں قلعہ والے عاجز آگئے۔ جب توپوں کی چوٹ سے چیتوڑ کے قلعہ کی دیوار میں ہر طرف رخنے پڑ گئے تو اہلِ قلعہ سمجھ گئے کہ قلعہ عنقریب فتح ہوجائے گا۔ بکماجیت کی والدہ نے جو رانا سانگا کی بڑی رانی تھی وکیلوں کو بھیجا اور عرض کیا کہ میرا بیٹا سلطان کا پرانا خادم ہے۔ یہاں سے وہ ملک گجرات جاکر آپ کی خدمت میں رہا تھا۔ اس وجہ سے یہ حقیر بڑھیا عجز و تقصیر کے ساتھ التماس کرتی ہے کہ سلطان اس کا گناہ معاف کردیں اور اس کی جان بخشی کرکے ہمیں نئی زندگی عطا فرمائیں۔ اس کے بعد وہ غلامی کا پٹہ باندھ کر تابعداری کی بساط پر سیدھا قائم رہے گا اور کسی بھی معاملہ میں مخالفت کے راستہ پر نہ چلے گا اور جو کوئی خدمت جہاں بھی اسے دی جائے گی اپنی جان پر احسان سمجھ کر بندہ وار اسے بجالانے کی سعی کرے گا اور منڈو کے بعض شہر جو سلطان محمود خلجی کے زمانہ سے اس کے تصرف[1] میں ہیں انہیں چھوڑ دے گا اور سونے کا کمر بند اور مرصع تاج کلاہ جو سلطان محمود خلجی کا ہے کہ جس کی قیمت آنکنے میں جوہریوں نے اپنی نادانی کا اعتراف کیا ہے اور جو سلطان محمود خلجی کی شکست کے دن رانا کے ہاتھ لگا تھا پانچ سو لاکھ تنکہ نقد اور سو گھوڑوں کی راس اور ہاتھی کی دس زنجیریں بطور پیشکش دے گا۔ سلطان نے قبول کیا اور ماہ شعبان کی ستائیس تاریخ کو یہ پیشکش لے کر چیتوڑ سے ایک کوس کے فاصلہ پر قیام کیا۔

وہاں سے ملک برہان الملک اور مجاہد خان کو ایک کثیر لشکر کے ساتھ قلعۂ رنتھنبور اور اس کے شہروں کی تسخیر کے لیے متعین کیا اور ملک شمشیر الملک کو بارہ سرداروں کے ساتھ

---

[1] ج: "اس کے تصرف میں ہیں... محمود خلجی کا" نہیں ہے۔

قلعۂ اجمیر کے لیے بھیجا۔ رمضان المبارک کی پانچ تاریخ کو وہاں سے مندسور کی طرف کوچ کیا۔ چوتھے روز قصبہ مذکور میں تشریف لایا۔ ایک دن وہاں قیام کیا اور ماہ مذکور کی دسویں تاریخ کو لشکر منڈو کی طرف روانہ کردیا۔ وہاں سے خود یلغار کرکے ایک دن رات میں[1] اسی کوس کا راستہ طے کرکے منڈو تشریف لے آیا۔ ماہ مذکور کی اٹھارہ تاریخ کو لشکر بھی پیچھے سے آگیا۔ پھر عزت واقبال اور فارغ البالی کے ساتھ کامرانی میں مشغول ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد محمد شاہ[2] فاروقی کو گجرات کے نامور امراء کے ساتھ نظام الملک دکنی پر متعین کیا کہ عماد الملک کاویلی کے ساتھ مل کر نظام شاہ کا اخراج کرے اور ولایت اس سے چھین لے۔ اگر وہ جنگ کرنا چاہے تو موقوف رکھ کر عریضہ ہمیں بھیجے تاکہ ہم ایلغار کرکے پہنچیں اور اس مکار کو عنایت الٰہی سے زندہ پکڑلیں۔

محمد شاہ روانہ ہوگیا۔ قصبہ بیڑ کے قریب نظام الملک اور ملک برید کے ساتھ کہ جنہوں نے ایک بڑا لشکر جمع کرلیا تھا مقابلہ ہوا۔ وہاں سے محمد شاہ نے کیفیت تیز رفتار قاصدوں کے ساتھ سلطان کو لکھ بھیجی۔ عریضہ پہنچتے ہی سلطان کو چک نامی گھوڑے پر جو راستہ طے کرنے میں آندھی کا حکم رکھتا تھا سوار ہوا بارہ ہزار سوار جرار اپنے لشکر سے چن کر ساتھ لیے اور یلغار کی۔

مختصر یہ کہ جس وقت سلطان قصبہ بیڑ پہنچا، دونوں لشکر صفیں باندھے پہاڑ جیسے ہاتھیوں کو آگے رکھے ہوئے آتشبازی کے ساتھ جانبازی دکھلا رہے تھے کہ اتنے میں نصرت خروش نقارہ کی آواز اہل لشکر کے کانوں میں پہنچی۔ ہر ایک نے بلند آواز سے سلطان کی آمد سے ایک دوسرے کو خبر دی۔ جب اس شہرت کی آواز دکھنیوں کے لشکر کے کانوں میں پہنچی تو یکایک شکست کھاگئے۔ اہل دکن میں سے بہت سے آدمی تلوار کے[3] شیر کا طعام اور

---

[1] الف : ساٹھ

[2] ج : "شیر" نہیں ہے۔

[3] ج : "شیر" نہیں ہے۔

بھالے کے اژدہے کا لقمہ بن گئے۔ سلطان کے لشکر کے امیروں میں سے دریا خان اور بادھیل کے دولڑکے مانجیو اور پرجیو زخمی ہو کر میدان میں گر گئے۔ دونوں کو زندہ اٹھا لائے۔ سلطان نے ان پر نوازش کی۔ باپ کا لقب بڑے بیٹے کے لیے مقرر کیا اور دولت دوگنی کردی اور کہا کہ جو کوئی باپ کے خطاب کی ہوس رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اس طرح حاصل کرے جیسے ان لڑکوں نے حاصل کیا۔ مختصر یہ کہ کچھ عرصہ کے بعد نظام الملک آ کر سلطان سے ملا اور تابعداری کا حلقہ اپنے کانوں میں ڈالا۔ سلطان نے اسے نظام شاہ کا خطاب عطا کیا۔ چنانچہ تفصیل اس کی اوپر مذکور ہوئی۔ اس کی ولایت اس کو بخش دی اور وہاں سے مانڈو روانہ ہوا۔ نظام شاہ بھی طلب سعادت میں رکاب معلاً کے ساتھ رہا۔[1] سلطان کے مانڈو آنے کے بعد چیتوڑ کی فتح کے داعیہ نے ایک نئی سمت اختیار کی۔ انہی[2] دنوں بادشاہِ خراسان سلطان حسین بایقرہ بادشاہ خراسان کے نبیرہ محمد زمان مرزا کا عقد نکاح حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ کی گرامی قدر بیٹیوں میں سے ایک معصومہ بیگم کے ساتھ جو جناب جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ کی سگی بہن تھیں ہوا تھا۔ چونکہ وہ بھی بادشاہزادہ ہونے کا حقدار تھا کبھی کبھی[3] "میں اور دوسرا کوئی نہیں" کا دعویٰ کرتا تھا۔ اس وجہ سے حضرت جنت آشیانی نے اسے گرفتار کر کے دار الخلافت آگرہ کی چار دیواری میں قید کر رکھا تھا۔ پہلی بار جب وہ تدارک کرنے کے لیے مشرق کی طرف[4] سوار ہوئے تو بہن بایزید افغان اور محمد زمان مرزا بھاگ کر سلطان بہادر کی خدمت میں پہنچ گئے۔ سلطان بہادر اور حضرت جنت آشیانی کی بھلائیوں کی زمین میں دشمنی کا بیج اس وجہ سے بھی پھولا پھلا۔ طرفین سے اس مطلب کی

---

[1] الف : چند منزل تک۔

[2] ج : جیسا کہ اس مرتبہ خدا کے فضل وکرم سے فتح کیا۔ محمد زمان مرزا کے دار الخلافہ آگرہ سے بایزید خان افغان کے بہکانے پر فرار ہونے اور سلطان بہادر کے پاس پہنچنے اور جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ اور سلطان بہادر کے بیچ کدورت پیدا ہونے کے سبب کی کیفیت۔

[3] ز : غلغلہ۔

[4] ج : پٹنہ۔

کہ محمد زمان کو نہ سنبھالیں اکثر خط و کتابت واقع ہوئی اور ایک شعر جو حضرت جنت آشیانی کے پہلے خط میں درج تھا یہ ہے۔ [بیت]

دوستی کا درخت بو کہ دل کی مراد کا پھل لائے،

دشمنی کے پودے کو اکھاڑ دے کہ یہ بیشمار رنج لاتا ہے

اور[1] دوسرے[2] خط میں یہ تھا [بیت]

غصہ کی وجہ سے کلی کی طرح میرے دل کی ہر تہہ خون ہوگئی ہے

کہ یکی کے باوجود یہ دوئی کی نسبت کیسے ہے؟

اور تیسرے مکتوب کی عبارت مجنسہ لکھی گئی وہ یہ ہے:

"شکر و سپاس الٰہی (بزرگ ہوں اس کی نعمتیں!) کے قاعدوں کی تمہید اور حضرت رسالت پناہی صلوٰۃ اللہ و آلہ کی ثنا خوانی کو مضبوط کرنے کے بعد ظاہر کیا جاتا ہے کہ جس

---

[1] ج: ایسی قید نہیں جو بیڑیوں اور زنجیروں کے ساتھ ہو۔ فقط سواری منع کر کے بایزید خان کے حوالے کر دیا تھا۔ جب بہادر کے کرم اور جوانمردی کی شہرت محمد زمان مرزا کے کانوں میں پہنچی تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ خود سلطان بہادر کی خدمت میں پہنچائے لیکن موکلوں کے ڈر سے وہ اس بھید کے چھپانے میں سعی کرتا تھا یہاں تک کہ جیسا کہ اتفاق ہوا بایزید خان خود مرزا کی خدمت میں آیا اور کہا کہ جو کوئی ایسی حالت میں تم پر احسان کرتا ہے اور اپنی پیاری جان مع اولاد کے بازی پر لگا دیتا ہے اس کا بدلہ کیا ہوتا ہے۔ مرزا پہلے یہ سمجھا کہ شاید یہ آدمی رائے پوچھنے کے بہانے سے مافی الضمیر جاننے کی کوشش کرتا ہے اس لیے اس نے خود کو اس گفتگو سے دور رکھا۔ جب اس بات کی سچائی ایمان کی سخت قسم سے پکی ہوئی تو کہا کہ اگر ایک بار سلطان بہادر گجراتی کے پاس پہنچ جائے تو یقین ہے کہ جو کچھ اس کے دل کا مدعا ہے وہ عمل میں لے آئے گا۔ بایزید خان افغانکے اس بہکانے پر مرزا کا دل برقرار ہو گیا یہاں تک کہ فرصت کا ایک وقت پا کر مرزا محمد زمان کو یہاں سے لے کر بھاگا اور سلطان بہادر کی خدمت میں پہنچ گیا۔

[2] ج: تیسرا خط جو حضرت جنت آشیانی نے ارسال کیا تھا اور اس کا جواب مجنسہ قید تحریر میں لایا گیا اور وہ یہ ہے۔

[3] ج: "دوسرے خط میں.... یہ ہے" نہیں ہے۔

وقت قاضی عبدالقادر اور محمد مقیم ہمارے فرشتہ نشان آستانے پر آئے اور آپ سلطنت[1] شعار کے عہد و پیثاق کی خبر پہنچائی تو ہماری کیمیا کے اثرات رکھنے والی خاطر نے اتفاق و اتحاد کے راستہ پر جو لوگوں کے رفاہ عام کے لیے لازم اور شہروں اور آبادیوں کی معموری کے لائق ہے اور سورج کی روشنی کی طرح منور ضمیر میں ہرگز یہ خطرہ نہ آیا کہ آپ "اے ایمان والو! جو وعدہ کرو اسے پورا بھی کرو" (سورۂ مائدہ: ۱) کے مقتضا سے تجاوز کرنا جائز سمجھیں گے اور اس کی سچائی سے نزدیک مضمون "عہد کی خوبی ایمان کا ایک حصہ ہے" تو گویا کہ نہیں تھا شمار کریں گے۔" لہذا اصلاح الملک[2] قاسم علی صدر اور غیاث الدین قورچی (سلحدار) کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا گیا کہ اگر آپ سلطنت شعار معاہدہ کے سیدھے راستے اور صراط مستقیم پر مضبوط رہیں گے تو لائق بات یہ ہے کہ جس جماعت نے نعمت کے حقوق کو نافرمانی کی ذلت سے بدل دیا اور اُس طرف بھاگ کر آپ کی پناہ لی ہے اس عالم پناہ درگاہ میں بھیج دیں یا یہ کہ اس باغی فرقہ کو اپنے پاس سے ہانک کر اپنی مملکت سے باہر نکال دیں۔ اور اس کے بعد جو لوگ اس آستانہ کے سلسلہ میں بندھے ہیں انہیں نہ بہکائیں۔ امید کی جاتی ہے کہ جن امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ جواب[3] لائے تاکہ اس دریا بہانے والی خاطر کا غبار[4] محبت و اتفاق کے پانی سے دھل جائے اور دلی دوستی کا درخت عہد و پیمان کے چمن میں بارور ہو اور پھل لائے۔ جب وہ جن کی طرف اشارہ کیا گیا اور نور محمد خلیل اس اونچے تخت کے پایہ پر پہنچے اور عہد نامہ جو بھیجا گیا تھا پہنچایا تو ان لوگوں کی جن کی طرف اشارہ کیا گیا تقریر سے ان باتوں کا جواب اور عہد نامہ کا مضمون

۱۔ الف: شعار کو مسامع علیہ میں پہنچایا گیا۔
۲۔ الف: اتفاق کے راستے پر چلنے
۳۔ الف: مولانا قاسم علی
۴۔ الف: ان باتوں کا
۵۔ الف: خاطر سے مخالفت کا غبار
۶۔ الف: جیسا کہ ہونا چاہیے روشن نہ ہوا

روشن کئے ہوا اور بہت تعجب کا موجب بنا۔ یہ بات ظاہر ہو کہ محمد زمان مرزا کے بارے میں فرمایا ہے کہ سلطان مغفور سلطان مظفر اور سلطان مرحوم سلطان سکندر مبرور کی موافقت اور عہد و پیمان کے باوجود سلطان سکندر، سلطان علاء الدین اور چند دوسرے سلاطین آگرہ سے گجرات آئے تھے اور اپنے حال کے لائق رعایت پائی تھی دوستی اور یکجہتی میں ہرگز اور قطعی کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ[1] اگر محمد زمان مرزا یہاں ہو اور رعایت پائے تو کیا ہوا۔ یہ عذر ہمیں منظور نہیں معلوم ہوتا کیوں کہ یہ قیاس مع الفارق[2] ہے۔ عجیب بات ہے کہ اس واقعہ کو اس پر قیاس کرلیا ہے۔ یہ بات چھپی نہ رہے کہ عہد و پیمان اور میثاق وایمان کے راستے پر مضبوطی اور ثابت قدمی کی علامت یہ ہے کہ مذکورہ باتوں پر راضی ہو کر ان ذلیلوں کو اس تخت عالی کے پایہ پر پہنچادیں یا یہ کہ آپ[3] ان کی رعایت سے احتراز کریں اور اپنی ولایت میں نہ رہنے دیں اور جب ایسا[4] ہو تو جس طرح سورج آسمان کے بیچ ہوتا ہے ظاہر ہو جائے گا کہ جو معاہدہ وقوع میں آیا تھا اس میں آپ کی زبان دل کے موافق تھی ورنہ کس دلیل سے اس عہد پر اعتماد کا نام رکھا جاسکتا ہے؟۔[بیت]

اے وہ کہ جو یہ شیخی مارتا ہے کہ میں دل سے عاشق ہوں

تیرے لیے یہ اچھا ہے کہ تیری زبان تیرے دل کے موافق ہو!

شاید آپ سلطنت شعار کو معلوم ہو کہ حضرت صاحبقران (اللہ ان کی برہان کو روشن کرے!) مخالفت کے آثار کے باوجود جو ایلدرم کی طرف سے ظاہر ہوتے رہتے تھے ترکستان اور اس سرزمین کی خرابی کی طرف مائل[5] نہ تھے۔ کیونکہ جس کی طرف اشارہ کیا گیا کبھی کبھی

---

1. الف : اگر چنانچہ
2. یعنی دو چیزوں میں مشارکت و مناسبت نہ ہونے کے باوجود ایک کو دوسری پر قیاس کرلینا۔ مترجم۔
3. الف : احتراز کرکے اس کے بعد اپنی ولایت میں نہ رہنے دیں۔
4. الف : اور جب ایسا کریں گے تو
5. الف : بالطبع۔

فرنگیوں سے مشغول رہتا تھا۔ جب قرا یوسف ترکمان اور سلطان احمد جلائر نصرت کے اثرات رکھنے والی فوجوں کی ہیبت سے بھاگ کر قیصر کی درگاہ میں التجا لے گئے تو حضرت صاحبقران نے چند مرتبہ خطوط بھیجے اور اسے ان لوگوں کی جن کی طرف اشارہ کیا گیا رعایت کرنے سے منع کیا اور اپنے ملک سے نکال دینے کا اشارہ کیا۔ جب ایلدرم بایزید نے یہ بات ماننے سے اعراض کیا تو پھر جو کچھ مقدر میں تھا ظہور میں آیا۔ جو خط پچھلی بار محمد مقیم کے ساتھ بھیجا تھا اس میں بھی ذکر کیا گیا تھا کہ اس واسطے کہ اُس طرف سے وحشت ناک خبریں اور الٹی سیدھی حرکتیں ظہور میں آئی تھیں ہم سوار[1] ہو کر خطۂ گوالیار میں پہنچے تھے۔ جب نور محمد خلیل آپ سلطنت شعار کا عہد نامہ لایا تو ہم نے ملاحظہ کیا اور ہم نے اسے شیخ ابراہیم کے ساتھ جو ہماری درگاہ جس پر آسمان کا شبہ ہو کہ مخصوص لوگوں میں سے ہے بھیجا کہ اِس عہد نامہ کا جواب لے جا کر جلد واپس آئے۔ یہ بات مقرر ہے کہ مشار الیہ کو بھیجنے کی غرض عہد نامہ کا پہنچانا ہے لہٰذا اسے جلد رخصت کر دیں گے۔ [بیت]

اگر سعادت کے گھر میں کوئی ہے

تو سعدیؔ کی بات کا ایک حرف اس کے لیے بس ہے

زیادہ کیا لکھوں۔ ''سلامتی تو اس کے لیے ہے جو راہ ہدایت اختیار کرے'' (سورہ طٰہٰ ۲۰:۴۷)۔

ہمایوں[2] بادشاہ کے مکتوب کے جواب میں جو مراسلہ سلطان بہادر نے بھیجا یہ ہے: ''بہت بڑے دانا بادشاہ کے شکر و سپاس کی خوشبوؤں کو کلام پر مقدم کر کے اور حضرت خیر الانام علیہ السلام پر صلوٰۃ و سلام کی خوشبوؤں سے سونگھنے کی قوت کو معطر کرنے کے بعد معلوم ہو کہ جو قاصد حضرت الاعلیٰ کے مقرب نور محمد خلیل کے ہمراہ اس درگاہ میں جس پر فلک کا شبہ ہوتا ہے بھیجا گیا تھا اس نے بساط بوسی کی عزت حاصل کی اور ایک نادر اسلوب کا

---

[1] الف: سواری کا عزم کر کے خطۂ گوالیار پہنچے تھے۔

[2] ج: ''ہمایوں بادشاہ کے مکتوب کے جواب میں... یہ ہے'' نہیں ہے۔

خط پہنچایا جس کا غرور سے بھرا مضمون اس بارگاہ کے جو سلاطین کی پناہ گاہ ہے مقربوں پر واضح اور روشن ہو گیا اس میں یہ بھی مرقوم تھا کہ قاسم علی اور غیاث الدین کو اس خلافت مصیر تخت کے پایہ کی طرح بھیجا گیا تھا[1] کہ اس طرف سے جس جماعت نے اُس درگاہ میں پناہ لی ہے اگر اسے ممالک محروسہ سے خارج کر دیں تو صدق و دوستی کے آثار ظاہر ہوں گے حالانکہ یہ خلاف محض اور محض خلاف ہے کیونکہ اشارہ کیے گئے قاصدوں نے تخت عالی کے پایہ پر سوائے باب اخلاص اور استواریٔ عہد کے بالکل کوئی دوسری بات نہیں کی۔ اگر ان کی معروضات سے یہ مقاصد مفہوم ہوتے یا ان باتوں کا شبہ بھی عرض عالی میں پہنچتا تو معاملہ اس نوبت کو نہ پہنچتا کہ آپ قدم رنجہ فرماتے اور دلیرانہ گوالیار تک آجاتے۔ یہ کیا فاسد خیال اور طمع خیال ہے۔ بیشک تمام خاص وعام پر ظاہر ہے کہ آپ نے سلاطین کے خلاصہ اور خاقانوں کے برگزیدہ، دولت دنیا و دین کے جلال سلطان محمد مرزا کے ساتھ دلی دوستی اور باہمی برادری کے باب میں مبالغہ دکھلایا اور ان کے ساتھ کیے گئے عہدوں کو قسم اور ایمان سے استوار کیا تھا۔ جب ان پر غلبہ پایا تو عہد توڑ ڈالا اور صدق وفا کے راستے سے منہ موڑ لیا اور مخالفت و دشمنی کی جانب عجلت کی۔ چونکہ اشارہ کیے گئے اس سلاطین کے خلاصہ نے دنیا اور دنیا والوں سے اس خاندان کی جو سرچشمہ بیان ہے تخت بخشی اور کشور گیری کا حال سنا تھا کہ جب سلطان محمود خلجی نے ہندوؤں کی خباثت کے شر اور طغیان سے اس آستانہ پر پناہ لی تھی تو حضرت فردوس مکانی خدائگان حلیم (اللہ ان کی خاک کو خوشبودار کرے اور جنت کو ان کی آرامگاہ بنائے!) سے اس کے بارے میں رعایت وحمایت کے کیا آثار ظاہر ہوئے۔[2] بخت فیروز کی رہنمائی میں اس امید کے ساتھ اس کیوان جاہ درگاہ

---

[1] الف : تاکہ وہ جتلائیں کہ اس طرف

[2] الف : ظہور میں آئے۔ جب وہ اس درگاہ کے ساتھ جس پر فلک ہونے کا شبہ ہوتا ہے بغض وعداوت کی راہ سے پیش آیا تو اس کے روزگار کے صفحہ پر وہ کارزار ثبت کیا کہ جو سنا ہے اس لیے بخت فیروز کی رہنمائی میں امید کے ساتھ التجا

میں التجا کی اور اس حضرات میں زبان عرض[1] فریاد کے لیے کھولی کہ ان نادرست عہد شکنوں سے مجھ پر کیا ستم ہوئے۔ اس وجہ سے کہ دین پروری کا مقتضی اور اس حضرت کی داد گستری ہے اپنے عمل کو حدیث حضرت نبوی علیہ التحیۃ والابرار کے مطابق کیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے مظلوم بھائی کی مدد کرو۔

اس پر حمایت ومہربانی کا سایہ ڈالا گیا اور اشارہ کیے گئے شخص کی رعایت اور مدد خود پر لازم وواجب سمجھی گئی۔ یقین عنایت الٰہی کی مدد سے سچا اور نہ[2] ختم ہونے والے فضل کے فیض سے امید یہی ہے کہ اس کے تمام مطلب اور امیدیں حصول کی صفت پائیں گی۔

جب قاضی عبدالقادر[3] اور موتمن الزماں (زمانے کا امانتدار) خراسان خان نے اس طرف سے کسی عہد یا شرط ہوئے بغیر اپنی خوشی اور رغبت سے محبت اور دوستی کے ثبات کے بارے میں قرآن مجید کی قسمیں کھائیں تو ان کی اطلاع ہونے پر اس بات کو ممکن کہہ کر باور کرلیا اور اہل اسلام کے صدق عقیدہ، صفائے نیت اور حسن ظن کی وجہ سے اس عہد اور سوگند کو صحیح جانا اور اس جگہ کی مہموں کے سرانجام دینے میں تاخیر ہوگئی یہاں تک اس اثنا میں فرنگی ملعونوں کے قلعہ قمع کرنے کے لیے بندرگاہ دیو کی طرف جانا پڑا۔ آپ نے محض اپنے وہم وتصور سے اس فرصت کو غنیمت سمجھا اور اپنا عمل بمصداق سیاق ''قول وقسم کی پختگی کے بعد اسے توڑ نہ دو'': (۹:۱۶) اندیشہ وخیال کے صفحہ سے کھرچ دیا اور خیال محال سے بے تامل وتاخیر گوالیار تک دلیرانہ دوڑ آئے۔

---

[1] الف: نسخہ الف میں ''عرض'' ہے اور غالباً یہی صحیح ہے۔ متن میں ''عذر'' غلط معلوم ہوتا ہے۔ مترجم۔

[2] ج: اس کی خبر پر مردود اور راندے گئے ہندوؤں کو ایسی سزا دی گئی کہ اس نابکار کے آثار صفحہ روزگار سے نیست ونابود ہوگئے۔ محمد زمان میرزا کی مہمیں بھی۔

[3] الف، ز: باوجود اس کے کہ ان کی استواری اور بیماری اس عنوان سے ظاہر اور عیاں ہوگئے تھے جب حضور میں قاضی

[4] الف: ڈیوادئی تامل سے سمجھ گئے

اس نادرست حرکت پر نواب کامیاب کی اطلاع اور نصرت کا اثر رکھنے والی فوجوں کے خطۂ دیو سے واپس لوٹنے کے بعد تامل کیا تھا کہ جو سوچا تھا اس پر اقدام کرنا آپ کی قوت ومقدار سے زیادہ ہے اس لیے جہاں سے آئے تھے واپس چلے گئے۔ آپ کی عہد شکنی کے نتیجوں میں سے ایک یہ کہ اس کے بعد بعض ممالک[1] ہمارے نام سے مزین ہوگئے۔ اس موقع پر عذر کو صورت عذر سے سنوارا کہ اشارہ کیے گئے مقرب الحضرت کے آنے کے سبب ہم واپس آگئے۔ اگرچہ اس طرف سے عذر کا اظہار نہیں ہوا تھا لیکن آپ نے نہ لکھے ہوئے عذر کو غیر مسموع رکھا لیکن عذر آپ کا بہت بے محل اور مسموع ہے۔ واقعی آپ کی ان حرکتوں اور خط سے چستی وچالاکی کے آثار ظاہر ہیں۔ چنانچہ اپنے ساتویں دادا کے بارے میں شیخی مارتے ہیں۔ اگر اپنے ہی کام کا شمہ بھی لکھتے تو کوئی بات تھی۔ لیکن ظاہر ہے کہ آج تک آپ سے کوئی ایسا کام ہوا ہی نہیں ہے کہ بیان کیا جا سکے اور لکھا جا سکے۔ اگر مقصود افسانہ گوئی اور قصہ پردازی ہے تو آخر ہمارے کاموں کا کہ جو آپ نے معاینہ کیے ہیں ایک شمہ اپنی لوح دل پر عبرت کے لیے ثبت کرلیں اور "ہر جدید چیز لذیذ ہوتی ہے" اور یہ کیا کام ہیں جو تھوڑے ہی عرصہ میں اس حضرت سے ظہور میں آئے کہ کسی تاریخ میں موجود نہیں۔

[ابیات]

جب تیری تلوار میں لڑائی کی زبان نہیں ہے
تو اپنی زبان کی تلوار کو شیخی مارنے کی تکلیف نہ دے
جب اے بیٹے تیری تلوار بے جوہر ہے
تو اپنے باپ کی تلوار اور اس کے جوہر کی بڑائی مت مار
اگر تو چھوٹے قد کا ہے تو لکڑی کا پاؤں مت باندھ
کہ تو بچوں کی نظر میں بلند قامت نظر آئے

---

[1] الف: اس کے بعد کہ بعض ممالک کا خطہ ہمارے نام سے مزین ہوگیا

اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے یہ بات سب پر روشن ہے کہ جب سے یہ تخت سلطنت اور جہانبانی اِس حضرت کے وجود شریف سے مشرف ہے کسی بادشاہ کو ہماری زبردست فوج سے مقابلہ اور لڑائی[1] کی تاب میسر نہیں ہوئی اور آپ نے پست ہمت افغانوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کیا ہے تو پھر کیوں خود کو دردسر دیتے ہیں۔ [بیت]

جب تو خرابات کا مہمان ہو تو رندوں کے ساتھ عزت سے پیش آ

کہ جاناں! اگر مستی خمار لے آئی تو تجھے دردسر ہوگا!

تو چاہیے کہ مضمون ''اور شیطان تم کو غرور میں نہ ڈال دے'' کے مطابق غرور اپنے سر سے نکال دیں۔ مبادا[2] کوئی اپنے زور پر مغرور ہو! یقین ہے کہ تھوڑے ہی دنوں میں جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا چاہا ہے وہ ظہور میں آئے گا۔ [بیت]

زاہد نے کوثر کی شراب اور حافظؔ نے پیالہ مانگا

دیکھیں ان میں کردگار کا چاہا ہوا کیا ہے؟

کہتے ہیں کہ چونکہ سلطان بے پڑھا لکھا تھا جو جواب[3] ملا محمود منشی لکھ کر لایا اس کے حسن و قبح کو سمجھے بغیر بھیج دینے کا حکم دے دیا۔ ایسا ہی کیا گیا۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ملا محمود پہلے حضرت جنت آشیانی کی خدمت میں قیام رکھتا تھا۔ اس سے کوئی ایسا کام صادر ہوا کہ وہ آنحضرت کے غضب کا سزاوار ہوا۔ اسی وقت اس کا اثر اسے پہنچا اس لیے وہ آنحضرت کی ملازمت چھوڑ کر سلطان بہادر کی خدمت میں آ گیا۔ اس[4] نادان نے اس وجہ سے ایسا

---

[1] ج: ''فوج سے لڑائی... افغانوں سے مقابلہ'' نہیں ہے۔

[2] الف: کہ مغروری کلاہ سر سے دور کر دیتی ہے

[3] الف، ز: مراسلہ کا جواب جو ملا محمود منشی لکھ کر لایا

[4] ج: سلطان نے بھی اسے منشی گیری کے منصب پر سرفراز کیا۔ اگر وہ ہمایوں بادشاہ کی طرف خط لکھتا تو جان بوجھ کر اور ارادتاً سخت الفاظ لکھتا تھا اور کبھی کبھی اپنے دوستوں سے کہتا تھا کہ میں اس طرح سے سلطان بہادر سے دہلی پر چڑھائی کرواؤں گا یا ہمایوں بادشاہ کو سلطان بہادر کے سر پر لاؤں گا

بے جوڑ خط لکھا اور عداوت کی آگ بھڑکانے کا باعث ہوا۔ ہر ذلت جو سلطان کی امیدوں کے چہرے پر ظاہر ہوئی اس کمینہ کے قلم کی خراش کا نتیجہ تھا اور ہر آفت جو سلطان کی حکومت کی جڑوں کو پہنچی اسی کے خیانت بھرے قلم کے قطروں کے سیلاب سے پہنچی۔ کتنا اچھا ہے جو کہا گیا ہے۔ [بیت]

سخت گیر نوکروں کے قلم کے قطرات اگرچہ بہت حقیر ہوتے ہیں
لیکن حکومت کی بنیاد کھود دینے کے لیے ایک زبردست سیلاب بن جاتا ہے

ثقہ لوگوں کی روایت سے سنا گیا ہے کہ جس وقت ملّا محمود یہ خط لکھ کر لایا سلطان نشہ کی حالت میں تھا۔ اسی حالت میں اس بے ایمان اور شرارت پسند منشی نے وہ خط پڑھ کر سنایا۔ سلطان نے وزیروں کی رائے نہ لی اور اس کے حسن وقبح (خوبی اور برائی) پوچھے بغیر ارسال کر دینے کا حکم دیا اور وہ حکم بجالایا۔

دوسری صبح جب وزیروں کو اس مطلب کی خبر ہوئی تو انہوں نے تفکر کا ہاتھ تعقل کے زانو پر مار کر (یعنی فکر وفہم اور عقل سے کام لے کر) اس کے شدت سے بھرے فقروں کی شرح سلطان کو جتلائی۔ سلطان متاثر ہوا۔ ملک امین نسن کو جو سلطان کا مصاحب وزیر تھا

اور جب کبھی خط حضرت جنت آشیانی کو لکھتا اپنی روش نہیں چھوڑتا تھا۔ لیکن چونکہ سلطان کے وزیر دانا آدمی تھے مسودہ کا مطالعہ کر کے ویسے لفظ یا درشت باتیں دور کر دیتے تھے۔ جب ہمایوں بادشاہ کی طرف سے تیسرا خط محمد زمان میرزا کے مطالعہ میں آیا مذکور منشی نے سلطان کو اس کے نشہ کی حالت میں سنایا۔ سلطان نے حکم دیا کہ ان دھمکیوں کا جواب لکھے۔ اس منافق نے یہ بات اپنے مدعا کے موافق پائی اور لکھا جو کہ سابق میں نقل ہوا۔ اسی وقت اسے سلطان کی مہر سے مزین کر کے قاصدوں کو ایک دم روانہ کر دیا۔ دوسرے دن سلطان نے عام دربار کیا۔ وزیروں اور امیروں سب نے کہا کہ حضرت جنت آشیانی کے قاصد جو خط لائے تھے اس کی حقیقت کا جواب لکھنا چاہیے تو سلطان نے خود کہا کہ جواب فلاں منشی نے لکھ کر اس جماعت کو روانہ کر دیا۔ وزیروں نے مسودہ منگوا کر مطالعہ کیا تو افسوس وحیرت کا اظہار کر کے مضمون کی تمام برائیاں سلطان کو سمجھائیں۔ وہ بہت ہی متاثر ہوا۔ فی الجملہ ہر ذلت جو

حکم دیا کہ کوئی تیز رفتار سوار جو اس قاصد کو راہ سے پلٹا کر لا سکے لے آئے۔ ملک مذکور نے ابوجیو تانک[1] کو جو سلطان احمد ثانی کی حکومت کے زمانہ میں وجیہ الملک کے خطاب سے مخاطب ہوا تھا اور گجرات کے منصب وزارت پر پہنچا تھا حاضر کر دیا۔ سلطان نے کہا کہ تو بھی ہماری قوم سے ہے۔ چاہیے کہ تو ایسی تیزی سے راستہ طے کرے کہ اس سے پہلے کہ قاصد کوہ نرور[2] کی تنگی تک پہنچیں تو پہنچ جائے اور انہیں واپس لے آئے۔ ابوجیو ایک بادپا گھوڑے پر سوار ہوا اور چل پڑا۔ جتنی بھی تیزی ممکن تھی اس تیزی سے مذکور تنگی پر پہنچا۔ وہاں کے پڑوسیوں سے خبر ملی کہ ان لوگوں نے ابھی تک یہ راستہ طے نہیں کیا ہے تو خوش ہو گیا۔ تین دن رات راستے پر بیٹھ کر راستے پر نظر رکھی لیکن قاصد نہیں آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ کسی دوسرے راستے سے چلے گئے تو اٹھ کر سلطان کی خدمت میں آیا اور جو کچھ گذرا تھا بیان کیا۔ سب نے کہا کہ کیا کیا جا سکتا ہے مقدر یہی تھا۔

مختصر یہ کہ اس کے بعد سلطان نے مانڈو سے قلعۂ چیتوڑ فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اس کام کی پیشوائی رومی خان کے سپرد کی اور اسے اس وعدہ سے بھی تسلی دی کہ فتح کے بعد اس کا انتظام اس کے دستِ تصرف سے منسوب رہے گا۔ رومی خان نے فتح کے اسباب پیدا کرنے میں ایسی عجیب چیزیں دکھلائیں کہ دنیا کی آنکھوں نے ایسی چیزیں نہ دیکھی تھیں۔

کہتے ہیں کہ جب سلطان بہادر کا خط حضرت جنت آشیانی کے مطالعہ میں آیا تو انہیں بہت برا لگا۔ لشکر کو آگرہ سے چیتوڑ کی طرف جانے کا حکم دیا۔ جب خطۂ گوالیار میں اپنی خوش نصیبی کا جھنڈا بلند کیا تو دریا ٹپکانے والی خاطر میں یہ خیال آیا کہ سلطان بہادر چیتوڑ کا محاصرہ کیے ہوئے ہے اگر اس وقت مقابلہ کا قصد کیا جائے گا تو معناً یہ امر کفار کی

---

[1] ج: تانک

[2] ج: کہ سلطان سکندر لودی کا پوتا

حمایت کی طرف کھینچے گا اور شرع شریف میں اس دروازے کے کھولنے کا ارتکاب پسندیدہ نہیں لہٰذا اس معاملہ کے معین ہونے تک توقف بہتر ہے۔ اس لیے نصرت کی نشانی والے جھنڈوں کو مقام گولیار میں روک کر امیدوار رہے کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے اور عالم بالا سے کیا آواز آتی ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت جنت آشیانی کے لشکروں کے جھنڈوں کی حرکت سن کر سلطان نے تتار خان[1] لودی کو تیس ہزار جنگی اور نامدار سواروں کے ساتھ متعین کیا کہ خطۂ بیانہ کی طرف سے دہلی کے معظم شہر کی طرف جو اقلیم ہند کا پایۂ تخت ہے روانہ ہو اور اس مملکت کو اپنے دائرۂ تصرف میں لے آئے۔ لاچار ہمایوں بادشاہ اس طرف کا ارادہ فسخ کر کے اس طرف متوجہ ہوگا ورنہ تتار خان اس طرف یک قلم متصرف ہو جائے گا اور ایک بڑا لشکر اس کے آگے جمع ہو جائے گا۔ یہ بات ہمارے غالب ہونے کی موجب ہوگی۔ تتار خان سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر ہمایوں بادشاہ خود مقابلہ کا قصد دکھلائے یا لشکر بھیجے تو اپنے لشکروں کے گرد حصار کھڑا کر کے سلطان کی تشریف آوری کا منتظر رہے کہ ہم پوری سرعت سے خود وہاں پہنچیں گے۔ خبردار اس وقت تک جنگ کا اقدام نہ کرنا اور لڑائی سے پیش نہ آنا۔

کہتے ہیں کہ جب تتار خان بیانہ کے خطے میں پہنچا تو ایک امیر پانچ ہزار جرار اور خونخوار سواروں کے ساتھ سے حضرت جنت آشیانی نے اس سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا آیا اور مقابلہ کیا۔ تاتار خان نے سلطان کے تاکید کے ساتھ منع کرنے کے باوجود لڑائی کی اور شکست کھائی۔ اس کا لشکر پراگندہ ہو گیا لیکن خود میدان سے قدم باہر نہ نکالا۔ جب تک جان بدن میں رہی مردانگی کی داد دیتا رہا۔ آخر کار خاک و خون میں گرا اور اپنا سر فنا کے تکیے پر رکھ دیا۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس امر میں اس کا یہ ارادہ تھا کہ میں ملک دہلی کا بادشاہزادہ ہوں اور قوم دار، اگر اس جنگ کی فتح سے مملکت دہلی میرے تصرف میں آجاتی ہے تو افغانیوں کا ایک بڑا لشکر میرے پاس جمع ہو جائے گا۔ اس وقت تک ہمایوں بادشاہ اور سلطان بہادر جنگ کریں گے، ان میں سے ایک کو شکست ہوگی اور دوسرے کی قوت

میں فتور آ جائے گا۔ اس وقت میں اس سے بھی نپٹ سکتا ہوں۔ اس طرح دہلی کی سلطنت کی لگام میرے ہاتھوں میں آ جائے گی۔ اس وجہ سے اس نے سلطان بہادر کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ بلا توقف لڑائی کی اور اپنی بدنیتی کی وجہ سے اس کا زوال ہوا۔ اس کی ذمہ داری راوی پر ہے۔

نقل ہے کہ جب قلعۂ چیتوڑ کے قلعہ بند کافروں پر معاملہ تنگ ہوا اور سلطان کی نظر قیاس میں فتح قریب دکھائی دینے لگی تو از روئے فخر و ناز زبان پر لایا کہ اس زمانہ میں کوئی ہے جو مجھ سے[1] مقاتلہ کرے۔ حضرت معارف پناہ، حقائق دستگاہ، اسرار وجود کے کاشف قاضی محمود[2] ابن قاضی جایلدہ[3] بیرپوری اس مجلس میں حاضر تھے۔ ان کی زبان شریف پر یہ شعر آیا۔ [بیت]

جب شیر مرغزار میں نہیں رہتے
تو لنگڑی لومڑی وہاں شکار کرنے لگتی ہے

یہ شعر سن کر سلطان غصہ ہو گیا اور کہا کہ آپ میری قلمرو میں نہ رہیں۔ قاضی نے جواب دیا کہ ملک اللہ کا ہے۔ اس ملک میں نہ میں رہوں گا اور نہ تم۔ وہاں سے نکل کر وہ بیرپور تشریف لائے اور اسی سال کہ ۹۴۱ھ تھا اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ انکی نسبت ارادت خود ان کے والد سے تھی اور کمال کی نعمت اپنے چچا قاضی حماد صاحب سے ملی تھی اور قاضی حماد صاحب نے شاہ عالم پناہ بن قطب عالم سید برہان الدین بکاری سے حاصل کی تھی اور حضرت قاضی محمود کو حضرت شاہ شیخ جیو ابن حضرت سید محمود ابن قطب عالم سے محبت اور دوستی درجۂ کمال پر تھی۔

مختصر یہ کہ تاتارخان کی شکست سے سلطان بہت زیادہ پریشان ہوا۔ نخوت

---

[1] ز: مقابلہ ومقاتلہ

[2] ج: "ابن قاضی جایلدہ" نہیں ہے۔

[3] ز: جالندہ ب: جایلندہ

وحشت کی گرمی کلفت و دہشت کی سردی میں تبدیل ہو گئی۔ اس اثنا میں قلعہ فتح ہو گیا۔ سلطان چاہتا تھا کہ جو عہد اس نے رومی خان سے قلعۂ مذکور اسے سونپنے کے بارے میں کیا تھا وفا کرے تو وزیروں نے عرض کیا کہ رومی خان جیسا آدمی اگر قلعۂ چتوڑ جیسا قلعہ رکھے گا تو پھر اس سے اطاعت کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ چنانچہ سلطان کی رائے بدل گئی اور اس نے اپنا عہد پورا نہ کیا۔ اس وجہ سے رومی خان دل و جان سے آزردہ ہو گیا اور اس نے ایک عریضہ خفیہ طور پر حضرت جنت آشیانی کو بھیجا کہ اگر حضرت بادشاہ اپنے ارادہ کی لگام اس طرف موڑیں تو سلطان بہادر کی شکست آسانی سے میسر ہو جائے گی کیونکہ سلطان کے کام کا مدار اس بندۂ درگاہ کی رائے پر ہے اور بندہ ایسی راہ سے رہنمائی کرے گا کہ جس پر چل کر آنحضرت کی فوجیں فتح پائیں گی۔

حضرت جنت آشیانی گوالیار سے چیتوڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ سلطان نے رومی خان سے پوچھا کہ ہمایوں بادشاہ کے ساتھ میں کس قسم کی جنگ کروں؟ کہا کہ روم کے بادشاہ کی طرح میں توپ گاڑیوں کے ساتھ اپنے لشکر کے گرد حصار بنا لوں گا اور جب غنیم کا لشکر ہم سے لڑنے آئے گا تو آتش بازی چھوڑیں گے۔ اگر خود لوہے کا پہاڑ بھی ہو تو ایک دم خاکستر ہو جائے گا۔ سلطان نے رومی خان کی رائے پر عمل کیا۔ ہر چند امراء نے کہا کہ اس طرح کی جنگ ہمارے لیے فائدہ نہیں کرے گی لیکن سلطان نے دھیان نہ دیا۔ جب لشکر توپ گاڑیوں کے حصار میں آ گیا تو سلطان کے سپاہیوں کی جرأت گھٹ گئی اور جنت آشیانی کے لشکریوں کی قوت میں ترقی ہوئی۔ رومی خان نے بادشاہ کو لکھا کہ سلطان بہادر کو حصار کے اندر لے آیا گیا۔ اب لشکر کے قزاقوں کو حکم دیں کہ سلطان کی چھاؤنی کے گرد گھومیں اور کسی بھی جاندار کو باہر سے اندر نہ آنے دیں یا اندر سے باہر نہ جانے دیں۔ اس نے حکم دیا تو قزاقوں نے پرکار کی طرح سلطان کی چھاؤنی کو گھیر لیا۔ راستے مسدود ہو گئے۔ غلہ کم ہونے لگا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بالکل ختم ہو گیا۔ بیل، گھوڑے اور اونٹ ذبح کرنے لگے۔ کچھ دن اس طرح سے گذرے۔ سلطان کا لشکر عاجز ہو گیا۔ اگر چار گھوڑے

بھی ذبح کرتے تو لاغری کی وجہ سے اتنا گوشت بھی نہ نکلتا کہ دو آدمی سیر ہو جائیں۔ تیل اور دوسری چیزیں عنقا کی طرح نایاب ہو گئیں۔ گھوڑے ایک دوسرے کی دُمیں اور بال چباتے تھے اور مر جاتے تھے۔ سلطان حیران ہو گیا۔

اس اثنا میں بنجاروں کے سردار نے آ کر سلطان سے عرض کیا کہ ہم ایک لاکھ بیل اور غلّہ لائے ہیں لیکن مغلوں کے قزاقوں کے ڈر سے نہیں لا سکتے۔ اگر بدرقہ متعین ہو جائے تو غلّہ چھاؤنی میں پہنچا کر پھر اور غلّہ لے آئیں۔ سلطان نے راتوں رات خفیہ طور پر پانچ ہزار سوار متعین کیے اور اسی وقت رومی خان نے یہ خبر حضرت جنت آشیانی کو پہنچائی اور لکھا کہ اگر یہ غلّہ سلطان بہادر کی چھاؤنی میں پہنچ گیا تو معاملہ بہت طوالت میں پڑ جائے گا۔ آنحضرت نے ایک زبردست فوج متعین کی۔ اسے سلطان کے بھیجے ہوئے محافظ دستے کے ساتھ جنگ کا اتفاق ہوا اور شکست کھائی۔ اور تمام غلّہ جنت آشیانی کے لشکر میں لے گئے۔ یہ خبر سن کر سلطان کے لشکر نے زندگی سے ہاتھ دھو لیے اور ناامیدی کے زانو پر بیٹھ گئے۔ انتہا یہ کہ رومی خان کے مشورہ کے بغیر سلطان پانی تک نہ پیتا تھا۔ اب اس کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ رومی خان بھی اس حال سے واقف ہو گیا اور بھاگ کر جنت آشیانی کی خدمت میں پہنچ گیا۔

اس واقعہ کے وقوع میں آنے سے سلطان کے لشکر میں زلزلہ آ گیا گویا قیامت قائم ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ ایک دن توپ سوار ایک عماری دار چھوٹے ہاتھی کو اپنے آگے لے کر سلطان کی چھاؤنی کے قریب آئے۔ سلطان کے لشکر کی ایک ٹکڑی نے باہر نکل کر ان پر حملہ کیا[1] وہ گروہ جنگ کیے بغیر بھاگ گیا۔ وہ چھوٹا ہاتھی اس ٹکڑی کے ہاتھ پڑا۔ جب اسے سلطان کے سامنے لائے عماری کے اندر سے ایک صندوقچہ نکلا سلطان[2] نے حکم دیا تو

---

[1] ج: معرکہ گرم کر کے ہاتھی کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

[2] ج: وزیروں، امیروں اور عقلمندوں سب نے یکبارگی لفظ و معنی کے اتفاق سے عرض کیا کہ عادت یہ نہیں کہ یہ جماعت جنگ کے بغیر بھاگ گئی اور ہاتھی کو چھوڑ گئی۔ یہ بات علت سے خالی نہیں۔

اُسے کھولا۔ اس کے اندر سے تھوڑی مقدار میں نمک، کوئلہ اور کپڑے کے چند ٹکڑے جنہیں نیل سے رنگ دیا گیا تھا نکلے۔

جب سلطان کی نظر ان پر پڑی تو ہیبت اور وہم اس کے دل میں اس طرح جم گئے کہ اسی رات خزانے میں جواہرات میں سے جو کچھ تھا اُسے جلا ڈالا اور شرزہ ہاتھی اور پات سنگار ہاتھی جو سلطان کی نظر میں اسباب حشمت میں عزیز ترین تھے کے لیے حکم دیا کہ ان کی سونڈیں کاٹ دی جائیں۔ سلطان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بڑی بڑی دیگیں جن میں سے ایک کا نام لیلیٰ اور دوسری کا مجنوں تھا حکم دیا تو دونوں کو بارود[1] کے زور سے توڑ ڈالا۔ گھوڑا طلب کیا اور سوار ہو گیا۔ اہل لشکر کو خبر کیے بغیر چند خاص آدمیوں کے ساتھ مانڈو کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ واقعہ بیس ماہ رمضان اور بعض کہتے ہیں کہ بائیس ماہ شوال ۹۴۱ھ کو پیش آیا۔

مختصر یہ کہ دوسرے دن صبح لشکر میں قیامت ہو گئی۔ سلطان ان کے بیچ سے چلا گیا اور شکستہ بال و پر لشکریوں کے لیے نہ یہ راستہ رہا کہ باہر جائیں اور نہ یہ کہ وہاں ٹھہرے رہیں۔ اس اثنا میں ہمایوں بادشاہ کی فوجیں ظاہر ہوئیں آیت کریمہ ''جس کو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے'' (آل عمران ۳:۲۶) کی آواز اہل نصرت کے ہوش کے کانوں میں پہنچی اور سلطان کے مکتوب کے آخری شعر کے احتمال کا کھلنا جس کی نقل اوپر لکھی گئی یعنی ''دیکھیں ان میں کردگار کا چاہا ہوا کیا ہے'' خاص و عام نے اپنی نظروں سے دیکھ لیا۔ سلطان کی پوری چھاؤنی لٹ گئی۔ لشکریوں میں سے بعضے قتل ہوئے بعضے گرفتار اور بعضے ننگے سر ننگے پاؤں باہر نکل گئے۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان بہادر کا خیمہ

صندوقچے کا پورا کھولنا مصلحت نہیں، خاص طور پر سلطان کی نظروں کے سامنے۔ چونکہ حضرت جنت آشیانی کے ساتھ اس مقابلہ میں آج کے سوائے سپاہیوں کا غلبہ سلطان کے سننے میں نہ آیا تھا اس لیے سنجیدہ ہو کر حکم دیا۔

[1] ج: ''بارود کے زور سے'' نہیں ہے۔

حضرت جنت آشیانی کی نظر میں آیا تو کہا کہ یہ سامان دریا کی سرکار ہے کیوں کہ تمام دوخاپہ[1] مخمل اور اعلیٰ زربفت کا تھا۔

نقل ہے کہ سلطان بہلول لودی بارہا کہتا تھا کہ دہلی کی بادشاہت کا مدار گیہوں اور جوار پر ہے اور گجرات کی بادشاہت کا مدار مونگے اور موتی پر کیوں کہ چوراسی بندرگاہیں گجرات کی بادشاہت کے تصرف کے تحت ہیں۔

اس تاریخ کے مؤلف، فقیر حقیر سکندر نے اپنے والد سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اس یورش میں میں جنت آشیانی کا مقرب تھا اور کتاب داری کا منصب[2] مجھ سے متعلق تھا۔ بادشاہ کو ایک ساعت بھی مطالعۂ کتب سے فراغت اور مجھے ایک لمحے کے لیے بھی آنحضرت کی خدمت سے فرصت نہ تھی۔ جس دن حضرت جنت آشیانی نے فتح حاصل کی تخت کامرانی پر بیٹھے اور عام دربار کیا۔ امیروں اور سپاہ میں سے ہر ایک اپنی اپنی معین جگہ پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ ایک بولتا ہوا طوطا جو سلطان بہادر کی غنیموں سے لایا گیا تھا اس کا پنجرہ تخت اعلیٰ کے سامنے رکھا گیا۔ اب جو باتیں وہ کرتا ہے اس پر تعجب کرتے ہیں اور کبھی خود خجل کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک طوطا تھا پڑھنے والا کہ اگر طوطی نامہ اس وقت ہوتا تو آئینہ کے پیچھے سے اس سے سبق لیتا۔ کیا تو سمجھ کی تیزی میں اور کیا تو بولنے کی صفائی میں۔ جو کوئی جس زبان میں بولتا وہ اس کی تقلید کرتا تھا اور ایسا صاف اور تیز بولتا تھا کہ گویا اسی کی آواز کی گونج ہے۔ مختصر یہ کہ اس اثنا میں رومی خان وہاں آن پہنچا۔ بادشاہ نے خود اپنی مبارک زبان سے کہا "آؤ رومی خان"۔ اس کا نام سنتے ہی طوطا بولنے لگا "پھٹ رومی خان حرام خور، پھٹ رومی خان حرام خور" یعنی لعنت ہو رومی خان حرام خور پر۔ شاید یہ حرف اس نے ایک سانس میں دس بار دہرایا ہوگا۔ رومی خان نے اپنا سر جھکا لیا۔ جب حضرت جنت آشیانی نے اس عبارت کا مضمون ترجمان سے معلوم کیا تو بولے کہ "رومی خان! اگر

---

[1] مخمل کی اعلیٰ قسم جس میں دونوں طرف روئیں ہوتے ہیں۔ دورخی مخمل۔ مترجم۔

[2] الف: داروغۂ کتابداری۔

یہ حرف انسان سے صادر ہوتا تو ہم حکم دیتے تو اس کی زبان حلق سے کھینچ دیتے لیکن کیا کیا جاسکتا ہے کہ یہ ایک جانور ہے بے عقل!" اہل مجلس نے یہ قیاس کیا جس موقع پر رومی خان سلطان بہادر کے پاس سے فرار ہوا ظاہراً اس وقت لوگوں نے اسے اس صیغہ سے یاد کیا ہوگا اور اس نے بھی لوگوں کے کہے کو دہرایا ہوگا۔ جیسے ہی رومی خان کا نام اس کے کانوں میں پہنچا وہی قول اسے یاد آگیا اور وہ اپنی زبان پر لے آیا بلکہ حق تعالیٰ نے دوسروں کی عبرت کے لیے اُس وقت یہ کلمات حق ایک جانور کی زبان سے اعلان کروائے اور حکمت اس میں یہ ہوگی کہ اُس موقع پر رومی خان کی نسبت ایسے کلمات کا کہنا کسی غیر کے مقدور میں نہ تھا۔

مختصر یہ کہ وہاں سے حضرت جنت آشیانی مانڈو کی طرف روانہ ہوئے اور جا کر محاصرہ کرلیا۔ سلطان قلعہ بند ہوگیا۔ پھر فتنہ کی آگ بلند ہونے لگی۔ جنگ وجدل شروع ہوگیا۔ اس اثنا میں رومی خان نے سلہدی کے بیٹے بھوپت کو آگاہ کیا کہ جو جفائیں سلطان بہادر نے تمہارے خاندان پر کی ہیں تم پر واضح ہیں لہٰذا ایسے جفا کار کے دستور العمل پر اپنی جان شیرین برباد کرنا عقل سے دور ہے بلکہ یہ انتقام لینے کا وقت اور بدی کے بدلے کا موقع ہے اور اس کا راستہ یہ ہے کہ جنگ وجدل کے وقت وہ دروازہ جو تمہارے اہتمام سے تعلق رکھتا ہے کھلا رکھا جائے۔ بندگان بادشاہ جمجاہ نے یہ طے کرلیا ہے کہ تمہارے والد کی جگہ تمہارے لیے مسلّم رکھیں گے بلکہ اس کے علاوہ طرح طرح کی نوازشیں بھی ظہور میں آئیں گی۔ بھوپت رائے نے رومی خان کے بہکانے سے دروازہ کھلا رکھا اور خود ایک طرف ہوگیا۔ لشکر اور آگیا۔ جب سلطان کو یہ حال معلوم ہوا تو کہا کہ بزرگوں کا قول غلط نہیں ہوتا۔ سانپ کو مار ڈالنا اور اس کے بچے کو پالنا یہی نتیجہ لاتا ہے۔ صدر خان بن ملک راجی کو اپنی جگہ کھڑا کردیا اور سلطان عالم لودی کو قلعہ سونگر کہ قلعہ منڈو میں ایک چھوٹا قلعہ ہے سپرد کرکے خود دوسرے دروازے سے باہر نکل کر گجرات کی طرف روانہ ہوگیا۔ جنت آشیانی کے کچھ سپاہیوں نے حملہ کیا اور سلطان تک پہنچ گئے تو سلطان

نے پلٹ کر جنگ کی اور بذات خود تلوار چلائی چنانچہ غنیم نیچے اتر کر باہر چلا گیا۔ قلعہ فتح ہوگیا۔ صدر خان زندہ ہاتھ آیا۔ اسے تلوار کے پانی سے دریائے فنا میں غرق کردیا۔ اس کے بعد چھوٹے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اس قلعہ والوں کا معاملہ بھی تنگ ہوگیا۔ سلطان عالم نے باہر آ کر بادشاہ کو دیکھا۔ بادشاہ نے حکم دیا تو اسے[1] تین سو نفر کے ساتھ جو اس کے خاص آدمی تھے قتل کردیا گیا۔ کہتے ہیں منگل کے دن بادشاہ تجاہ ہمایوں نے سرخ لباس پہن کر دربار عام کیا اور قتل عام کا حکم دے دیا۔ ایک گھنٹے میں خون کی نہریں شہر منڈو کے ہر کوچہ و بازار میں بہنے لگیں۔

اس اثنا میں منجو[2] کلاونت جو سلطان بہادر کی خدمت میں مقرب تھا ایک مغل ترک کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا۔ وہ منجو کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ جب اس نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالا تو منجو بولا کہ مجھے مار کر تجھے کیا نفع ملے گا۔ مجھے حفاظت سے رکھ کہ میں اپنے وزن کے برابر سونا تجھے دوں گا۔ میں سلطان بہادر کا مصاحب ہوں۔ سونے اور پیسے کی میری پاس کمی نہیں۔ اس مغل نے منجو کے سر سے پگڑی اتار کر منجو کے ہاتھ اس سے باندھ دیے اور اسے پکڑ کر ایک کونہ میں بیٹھ گیا۔ اتفاق سے اس اثنا میں حضرت جنت آشیانی کے ہمرکاب راجاؤں میں سے ایک کا جو پہلے سے منجو کو جانتا تھا منجو کی طرف گذر ہوا۔ وہ فوراً گھوڑے سے اترا اور دریافت کیا اور منجو کا ہاتھ پکڑ کر روانہ ہوا۔ مغل نے تلوار کھینچی کہ قتل عام کا حکم ہے میں اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ راجہ ایک جمعیت کے ساتھ تھا اور وہ اکیلا۔ خواہی نخواہی لڑتے جھگڑتے منجو کو بادشاہ کی خدمت میں لائے۔ اس وقت بادشاہ اتنا غضبناک ہے کہ جدھر بھی نگاہ کرتا ہے آگ برساتا ہے اور سوائے لفظ قتل کے کوئی دوسرا لفظ زبان پر نہیں لاتا۔ مغل نے فریاد کی کہ میرا یہ قیدی بہادر کے مقربوں میں سے ہے۔ یہ ہندو مجھ سے زبردستی چھین کر لایا ہے۔

---

[1] ج: ''تین'' نہیں ہے۔

[2] الف: منجو کلاونت

بادشاہ کا قورچی (سلاحدار) خوشحال بیگ جسے پہلے اس نے سلطان بہادر کے پاس حجابت کے لیے بھیجا تھا اور اس نے سلطان بہادر کے سامنے منجھو کا رتبہ اور حالت دیکھی تھی بولا "اے میرے بادشاہ! منجھو کلاونت طوائفوں کا بادشاہ ہے۔" بادشاہ نے ایک تیز نگاہ اس کی طرف ڈالی۔ اس نے پھر انہی الفاظ کی تکرار کی اور بولا "بادشاہ سلامت! اس زمانہ میں ہندی راگ اور آواز میں گانے والا اس کے مثل شاید ہی ہندوستان میں موجود ہو۔" بادشاہ کے غضب کا شعلہ بجھ گیا۔ اسی وقت حکم دیا کہ کوئی چیز سنائے۔ فارسی راگ میں بھی منجھو اپنے زمانہ میں بے نظیر تھا۔ اس نے راگ الاپنا شروع کیا۔ اس کا یہ راگ سننے سے بادشاہ پر رقت طاری ہوئی اور دریائے مرحمت جوش میں آیا۔ سرخ لباس تبدیل کرکے سبز لباس پہن لیا اور خاصہ کا سروپا خلعت منجھو کو عنایت کیا۔ پھر حکم کیا "منجھو! مانگ جو کچھ مانگنا چاہتا ہے۔ وہ ہم نے تجھے انعام میں دیا۔" منجھو نے عرض کیا کہ میرے بہت سے رشتے دار گرفتار ہو گئے ہیں۔ ان کے چھٹکارے کا حکم چاہتا ہوں۔ بادشاہ نے خود اپنے خاصہ کا ترکش اس کی کمر میں باندھا اور اسپ خاصہ عنایت کیا اور چند مقرب ہمراہ کرکے حکم دیا کہ جس کسی کو منجھو چھڑوائے اس میں کوئی مانع نہ ہو۔ منجھو سوار ہوا۔ اپنی پہچان والوں میں سے جس کسی کو گرفتار دیکھتا ان سب کو اپنا رشتہ دار بتلا کر چھڑا دیتا تھا۔ کہتے[1] ہیں کہ بعض آدمیوں نے یہ واقعہ حضرت جنت آشیانی کی خدمت میں عرض کیا کہ منجھو نہ رشتہ دار کو رشتہ دار کہتا ہے نہ بیگانہ کو بیگانہ بلکہ رشتہ دار اور بیگانہ کو یگانہ سمجھ کر چھڑا دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ "یہ خود سہل بات ہے۔ اگر آج وہ مجھ سے سلطنت کا سلطان بہادر پر برقرار رہنا مانگتا تو ہم رد نہیں کرتے۔ اس کا مطلوب ہم اسے بخش دیتے"۔ منجھو نے تقریب بادشاہی کا اختصاص حاصل کیا۔

نقل ہے کہ بادشاہ کی خدمت میں ملازمت کے دوران جو کچھ انعام اسے درگاہ سے ملتا وہ سب مغل راجاؤں کو دے دیتا تھا اور کہتا تھا کہ انہوں نے میری جان بخشی کی اس

---

[1] ج: کہتے ہیں کہ... ہم رد نہیں کرتے" نہیں ہے۔

کا بدلہ میں کہاں ادا کر سکتا ہوں۔

فقیر یہ حکایت خود اپنے والد سے یاد رکھتا ہے کہ وہ اس مجلس میں حاضر تھے اور قرب بادشاہی سے ممتاز۔ آخرکار منجھو بھاگ کر سلطان بہادر کی خدمت میں چلا گیا۔ حضرت جنت آشیانی نے فرمایا کہ کم بختی نے اس سے ایسا کروایا ورنہ ہم اس پر اتنی نوازش کرتے کہ سلطان بہادر کو ہرگز یاد نہ کرتا۔ کہتے ہیں کہ جب منجھو سلطان بہادر کی خدمت میں پہنچا تو سلطان نے کہا کہ جو کچھ میرے پاس سے چلا گیا تھا آج وہ سب پھر واپس آ گیا۔ یعنی منجھو کو میں نے دیکھا تو غم و غصہ کا سامان اپنی خاطر کے میدان سے باہر نکال دیا۔ اب کوئی دوسری آرزو نہ رہی۔ جو میں خدا سے مانگ رہا تھا وہ اس نے مجھے پہنچا دیا۔

مختصر یہ کہ جب سلطان بہادر مانڈو سے چانپانیر کہ جو ملک گجرات کا ایک قلعہ ہے آیا تو وزیر اختیار خان اور راجہ نرسنگ دیو کو جس کا خطاب خان جہان تھا قلعہ چانپانیر سونپ کر خود کھمبایت کے راستے عازم ولایت سورٹھ ہوا اور بندرگاہ دیو میں مقام کیا۔ ہمایوں بادشاہ بھی مانڈو سے گجرات کی طرف متوجہ ہوا اور آ کر قلعۂ چانپانیر کا محاصرہ کر لیا۔ ایک بہادر شاہی دیگ کہ وہ بہت بڑی دیگ تھی اور اس مدت میں اہل قلعہ اسے اوپر نہیں لے جا سکتے تھے پہاڑ کی کمر ہی تک ہزار مشقت سے پہنچا سکے تھے کہ اتنے میں ہمایوں بادشاہ کے جھنڈے کا نشان جلوہ گر ہوا۔ اہل قلعہ نے اس دیگ میں تین سوراخ کر دیے اور وہیں چھوڑ دی۔ جب رومی خان نے دیکھا تو کہا کہ میں علاج کر سکتا ہوں۔ ان تین سوراخوں کو سات دھاتوں سے بھر دیا اگرچہ پچھلے نسبت کے مقابلہ میں بارود[1] اس میں کم آئی اس کے باوجود ایک خدائی بلا تھی۔ کہتے ہیں کہ جب رومی خان نے اسے سر کیا تو پہلی ہی چوٹ میں قلعہ کا دروازہ اڑا دیا اور دوسری چوٹ میں بڑ کا ایک بڑا درخت جو دروازہ کے قریب تھا اسے جڑ سے نابود کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر اہل قلعہ کے درمیان زلزلہ آ گیا۔

قلعہ میں ایک فرنگی بسکتا نام تھا جسے سلطان بہادر نے مسلمان کر کے فرنگ خان کا

---

[1] ج: لمبائی میں کمی آ گئی لیکن جتنی رہ گئی تھی وہ بھی خدائی بلا۔

خطاب دیا تھا اس نے اختیار خان سے کہا کہ کیسا ہے اگر میں چلاؤں اور اس دیگ کے منہ پر گولہ ماروں۔ اختیار خان بولا کہ اگر تو کر سکتا ہے تو میں تجھے نہال کر دوں گا۔ اس نے پہلا گولہ ہی دیگ کے منہ پر ایسا مارا کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اہل قلعہ خوش ہو گئے۔ اختیار خان نے اسے کوئی چیز کم دی لیکن راجہ نرسنگ دیو نے اسے سات من سونا دیا۔ کہتے ہیں کہ راجہ نرسنگ دیو زخمی تھا اس لیے سلطان نے اسے قلعہ میں چھوڑ دیا تھا۔ جب دیگوں کی آواز ایک کے بعد ایک اوپر اور نیچے سے نکلی تو راجہ کے زخم ترخ گئے اور راجہ مر گیا۔ جب یہ خبر سلطان بہادر کو پہنچی تو سلطان بولا "افسوس! قلعہ چانپانیر ہاتھ سے چلا گیا۔ اس ملا یعنی اختیار خان میں وہ مردانگی کہاں کہ قلعہ داری کر سکے۔"

مختصر یہ کہ مقرب باری سید جلال کا جن کا خطاب منور الملک بخاری تھا بیان ہے کہ وہ اکثر فرماتے تھے کہ قلعہ چانپانیر اس قسم کا ہے کہ اگر کوئی بوڑھی عورت قلعہ کے اوپر سے ایک پتھر پھینکتی تو دنیا کے بہادروں میں سے کوئی اس کے گرد نہیں پھر سکتا تھا۔ آفرین ہے ہمایوں بادشاہ کے اقبال پر کہ اس قسم کا قلعہ اس آسانی سے فتح ہو گیا۔ اور فتح کا سبب یہ تھا کہ ایک رات دو سو کولیوں کو قلعہ سے نیچے بھیجا کہ غلہ لیی آؤ حالانکہ اشیائے خوردنی قلعہ میں اتنی تھیں کہ اگر محاصرہ دس سال تک بھی جاری رہتا تو اہل قلعہ کے لیے کافی تھیں۔ لیکن[1] جب کولی نیچے آتے ہیں تو وہ ایک ایسے مورچے[2] پر پہنچتے ہیں کہ وہاں گرفتار ہو جاتے ہیں اور جب بادشاہ کے سامنے لے جاتے ہیں تو بادشاہ ان کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ ستر اسی ان میں سے قتل کر دیے گئے تھے کہ باقی میں سے ایک نے کہا کہ اگر ہمیں نہ مارو تو ہم تمہیں ایسے راستے سے قلعہ پر لے جائیں کہ اہل قلعہ میں سے کوئی بھی خبردار نہ ہو گا۔ یہ بات بادشاہ کو عرض کی گئی۔ بادشاہ نے انہیں بلایا اور ان کے پیشواؤں کو تسلی دی۔ لڑائی کے تجربہ کار بہادروں کو ان کے ساتھ کیا۔ وہ کولی راتوں رات ایسے راستے سے قلعہ پر لے

---

[1] ج: بیت۔ جب آدمی کا بُرا وقت آتا ہے = تو وہ کچھ کرتا ہے کام نہیں آتا

[2] ج: "پہنچتے ہیں کہ اکثر" نہیں ہے۔

گئے کہ ہمایوں بادشاہ کے لشکر میں سے کوئی بھی بلکہ اہلِ قلعہ بھی اس راستے سے واقف نہ تھے۔ وہ ایسے وقت حاضر ہوئے کہ وہ جماعت قلعہ کی دیوار سے نیچے سے اتر کر اللہ اللہ کہتی ہوئی حملہ آور ہوگئی۔ اہل قلعہ حیران ہوگئے اور بولے کہ شاید یہ بلا آسمان سے نازل ہوئی ہے۔ بعض نے خود کو قلعہ کے اوپر سے نیچے گرادیا، بعض مارے گئے اور بعض بھاگ کر اختیار خان کے ہمراہ قلعہ کی گڑھی میں کہ اسے مولیہ کہتے ہیں چڑھ گئے۔ قلعہ فتح ہوگیا۔ اور یہ واقعہ[1] ۹ر ماہ صفر ۹۴۲ھ کا ہے۔ مختصر یہ کہ شاہی لشکر اوپر پہنچا۔ آخر کا اختیار خان نے عاجزی سے امان طلب کی اور دوسرے دن فتح کے بعد آکر خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ خان مرد ملاّ، خوش طبع، منجم، فن معمہ گوئی میں ماہر اور شاعر تھا اور ہر فن میں مہارت تامہ اور کثیر آگاہی رکھتا تھا اس کی صحبت حضرت جنت آشیانی کو بہت اچھی لگی۔ آنحضرت کی عنایت والتفات سے اس درجہ بھر گیا کہ اس سے زیادہ کا تصور نہیں ہوسکتا۔

نقل ہے کہ شیخ جمال کنبو شاعر جنہیں خسرو ثانی کہتے تھے اور یہ شعر ان کا ہے اور مشہور ہے۔ [بیت]

تیرے کوچہ کی دھول سے ہمارے جسم پر پیرہن ہے
اور وہ بھی آنسوؤں سے دامن تک سو جگہ چاک ہے

اس یورش میں رکاب سعادت ایاب کے ہمراہ تھے۔ ایک دن انہوں نے اختیار خان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ فن معمہ میں بڑی مہارت رکھتے ہیں تو میرا نام کلام اللہ کے لفظوں سے نکالیے۔ خان نے فی البدیہہ کہا "جمع مالا"۔ شیخ نے کہا "میرا نام جمالی ہے" خان نے اسی وقت پڑھا "وعددہ"۔ شیخ نے تحسین کی اور آفرین کہی۔

نقل ہے کہ ایک دن حضرت جنت آشیانی نے اختیار خان کی شہ سواری کو ایسے وصف سے یاد کیا کہ وہ بادشاہانہ تعظیم اور خسروانہ تواضع کی متقضی تھی۔ اختیار خان نے اس پر پہل نہ کی۔ حاضرین رکاب چاہتے تھے کہ طعنہ کی زبان کھولیں لیکن بادشاہ نے آنکھ کے

---

[1] ب، ج: "یہ واقعہ ۹ر ماہ صفر... ۹۴۲ھ" نہیں ہے۔

اشارہ سے منع کر دیا اور خود اس مضمون کا تکلم کیا کہ اختیار خان! ایک بات دل میں آئی ہے، تمہیں بری نہ لگے۔ خان نے عرض کیا۔ ''روا ہو گی، کمال عنایت ہوگا''۔ فرمایا ''ہمارے بادشاہوں کے دستور العمل میں یہ ہے کہ اگر بادشاہ کسی کے حق میں تعظیم وتکریم دکھلائے تو اسے چاہیے کہ گھوڑے سے اتر کر تعظیم کے آداب اور تکریم کے لوازم بجالا کر اپنی جگہ پر آئے اور اگر تم جیسے کے حق میں ایسا التفات کرے تو چاہیے کہ وہ ایسی تواضع دکھلائے کہ اپنا سر رکاب پر گھسے اور اسی پر اکتفا کرے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ وہ جب کسی ملک میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کر ڈالتے ہیں، عزت والوں کو ذلّت میں ڈال دیتے ہیں نص میں وارد ہوا ہے۔ تمہیں تو زیادہ یاد ہوگا''۔ اختیار خان گھوڑے سے اتر کر جھکا اور بادشاہ کی رکاب چوم کر عرض کی کہ اس بندۂ درگاہ نے ولایت گجرات میں نشو ونما پائی ہے اس وجہ سے عجم کے بادشاہوں کے طریق و آئین سے ناواقف ہے اس لیے آپ کے کرم سے معذور ہوگا۔

نقل ہے کہ ایک دن ایک ملّا جنت آشیانی کی مجلس میں اختیار خان سے علمی مناظرہ کر رہا تھا۔ بحث ومباحثہ کے بعد اختیار خان کا مطلب اول غالب رہا لیکن ملّا تسلیم نہیں کرتا تھا۔ حضرت جنت آشیانی نے فرمایا کہ خان کی توجیہ پسندیدہ ہے تم کج بحثی نہ کرو۔ خان نے فی البدیہہ ایک معمہ ہمایوں کے نام کا کہا اور وہ یہ ہے۔ [بیت]

کج بازی کرنے والوں پر جمال جاناں نہیں جھلکتا

راست بازوں کے دل ہمارے چاند پر روشن ہیں

بادشاہ نے آفرین اور حاضرین مجلس نے خان کی طبیعت کی تعریف کی۔

مختصر یہ کہ چاپانیر کی فتح کے بعد ہمایوں بادشاہ کھمبایت تشریف لے گئے اور کھمبایت کے خطے کی سیر کر کے احمد آباد آئے۔ بادشاہی لشکر نے غیاث پور کے قریب جو شہر احمد آباد سے دو کوس کے فاصلہ پر ایک موضع ہے قیام کیا۔ وہاں سے حضرت قطب اقطاب سید برہان الدین ابن سید جلال مخدوم جہانیاں بخاری (اللہ ان کے بھیدوں کو پاک

کرے!) کے مرقد مطہرہ کی زیارت کے لیے موضع بٹوہ جو احمد آباد سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے پہنچے۔ وہاں "لوہا لکڑ پتھر" کا مشاہدہ کیا اور فرمایا کہ اس قسم کا عجوبہ کبھی نظر میں نہ آیا۔ اور وہ یوں ہے کہ ایک دن حضرت قطب اقطاب تہجد کے وقت استنجا کی ناپاکی دور کرنے کے لیے ٹہل رہے تھے۔ اچانک آپ کا پاؤں ایک لکڑی کے ٹکڑے سے ٹکرایا اور درد ہوا۔ بے اختیار آپ کی زبان مبارک سے نکلا "لوھ ھی یا لکڑ ھی یا پتھر ھی یا کیا ھی" یعنی لوہا ہے یا لکڑ ہے یا پتھر ہے کیا چیز ہے۔ حق تعالیٰ نے ایک ہی رات میں تینوں چیزوں کا وجود ظاہر کر دیا اور اس مجموعہ کے وجود کے مدنظر استفہام کا محل بھی ظاہر ہے۔ دوسرے دن صبح لوگوں نے اس کے مشاہدہ و معائنہ کے لیے ہجوم کیا۔ آنحضرت نے فرمایا تو اسے کسی گہری جگہ چھپا دیا گیا اور اس کے ظاہر کرنے سے منع فرما دیا اور کہا کہ جو کوئی اسے ظاہر کرے گا اس کی نسل منقطع ہو جائے گی۔ آخر کار ان کی وفات کے چند سال بعد ان کے مریدوں میں سے ایک تاجر نے اس جگہ سے باہر نکالا اور کہا کہ میں نے میری قطع نسل کو میرے پیر کی کرامت کے اظہار پر اختیار کیا تو اس سے دوسری کرامت بھی ظہور میں آئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اس وقت سے چیز کو ایک لکڑی کے تخت پر رکھا ہے اور خاص و عام اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جب جلال اکبر شاہی کے جھنڈے کے نشان نے احمد آباد کے اطراف کے میدان میں اپنا پرتو ڈالا تو بادشاہ جم جاہ اس کا آدھا حصہ جدا کر کے اپنے ہمراہ اپنے پایہ تخت آگرہ لے گئے اور آدھا ابھی تک اپنے حال میں موجود ہے۔ (یزار و یتبرک بہ دور اشعار[1]) بعض[2] فاضلوں کے اشعار بھی اس مضمون پر ہوئے ہیں۔

---

[1] یہ جملہ یہاں غلط چھپا ہے۔ یزار و یتبرک ہونا چاہیے یعنی آج بھی زیارت کی جاتی ہے اور اس سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ یہ دور اشعار بھی شاید غلط چھپا ہے۔ مترجم۔

[2] ز : بہتر گا برکت کے لیے سنبھال رکھا ہے۔ (یہاں بہتر گا کی جگہ بدرگاہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ چیز درگاہ شریف میں اب بھی موجود ہے۔ مترجم۔)

ج : برکت اور تبرک کے طور پر سنبھال کر رکھا ہے۔

[ابیات]

لیک رات ایک لکڑی کا ٹکڑا آپ کے پائے شریف سے ٹکرایا

جو فی المثل پتھر سے سو مرتبہ زیادہ سخت تھا

اس زبان سے جس سے سوائے حق اور رائے حق کے

کوئی بات نہ نکلتی تھی نکلا تو پتھر اور لوہا اور لکڑی

خداوند تعالیٰ کے حکم سے وہ پتھر لوہا اور لکڑی بن گیا

یہ سوال کرتے ہی معاً آنکھ میں نظر آیا

مختصر یہ کہ جب شیر خان افغان سور جو آخر کار بادشاہ عالی شان بن گیا اور شیر شاہ کا لقب اختیار کیا کی یلغار کی خبر سمع اعلیٰ میں پہنچی کہ بہار اور جونپور کی طرف اس نے خروج کیا ہے تو اپنے بھائی مرزا عسکری[1] کو احمد آباد میں، قاسم بیگ کو سرکار بھروچ میں، یادگار ناصر مرزا کو سرکار پٹن میں اور بابا بیگ جلایر کو جو شاہم بیگ جلایر کا باپ ہے قلعۂ چانپانیر میں چھوڑ کر آسیر اور برہانپور کے راستے سے اپنے دارالخلافہ آگرہ کی طرف لوٹ گیا۔

اس اثنا میں بہادری امیروں نے جن کے نام ملک امین نسن جو قلعۂ جھنبور کی حکومت پر معین تھا، ملک برہان الملک بنبانی حاکم قلعۂ چیتوڑ اور ملک شمشیر الملک حاکم قلعۂ اجمیر تھے ایک دوسرے سے اتفاق کر کے قریب بیس ہزار سواروں کی جمعیت لے کر شہر پٹن کے نواح میں پہنچے اور عرضداشت بھیجی کہ اگر حکم ہو تو یادگار ناصر مرزا کے ساتھ جنگ کا اقدام کریں۔ سلطان نے منع کر دیا اور اس باب میں مبالغہ کیا کہ اب ہم خود ہی تمہارے پاس پہنچ رہے ہیں اس وقت تک جنگ موقوف رہے۔ جب سلطان ان حدود میں تشریف لے گیا یادگار مرزا احتراز کر کے احمد آباد کی طرف روانہ ہوا اور غنیم احمد آباد سے نکل کر موضع

---

[1] ب، ج: مرزا ہندال

غیاث پور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کے نواح میں خیمہ زن ہوا۔ سلطان ندی کے اس طرف غیاث پور کے سامنے قیام کر کے رات پھر آمادۂ جنگ رہا۔ وہ یقین کے ساتھ سمجھ رہا تھا کہ معاملہ کل جنگ تک پہنچے گا۔ غنیم کے لشکر نے رات کو اپنی چھاؤنی میں بے شمار چراغ روشن کر کے جلتے ہوئے چھوڑ دیے اور خود راتوں رات محمد آباد[1] چلا گیا۔ صبح کے قریب یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ سلطان نے تعاقب کیا اور اسی روز موضع کنج میں جو محمود آباد سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے منزل کی۔ اس مقام پر خبر پہنچی کہ غنیم کا لشکر جو سرکار بھروچ میں تھا وہ بھی آ گیا اور اس لشکر سے محمود آباد میں مل گیا اور انہوں نے طے کیا ہے کہ کل جنگ کریں گے۔

جب صبح صادق ہوئی تو جانبین کے سپاہی آمادۂ جنگ ہوئے۔ طرفین کے لشکروں کے مہرے میدان کی بساط پر جما دیے گئے اور دلاور بہادروں نے آگے بڑھ کر جنگ وجدل شروع کیا۔ ایک مرتبہ مغل فوجوں نے آندھی کی طرح سلطانی فوجوں کے بادلوں کو ہٹا دیا لیکن بعض سلطانی بہادر جیسے کہ حضرت سید بخاری[2] اور عماد الملک جیو پہاڑ کی طرح میدان جسارت میں ڈٹے رہے اور کسی بھی آندھی سے نہ ڈگمگائے۔ ہر چند تیروں کی بارش اور تلواروں کی بجلیاں ان کے سر پر گرتی تھیں لیکن وہ سدِ سکندر کی طرح اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ سلطان کے لشکریوں نے جو پراگندہ ہو گئے تھے پھر ان پر بھروسہ کر کے ہجوم کیا اور مردانگی کی داد دینے لگے۔ قضائے الٰہی سے فتح کی ہوا ناگہاں سلطانی فوجوں کے پرچم پر چلنے لگی اور غنیم کے لشکر کی بساط کے مہروں کو چگ ڈالا۔ کہتے ہیں کہ ان دنوں مہندری ندی بہت بڑی تھی۔ غنیم کے بہت سے آدمیوں نے پانی میں ڈوب کر شربت فنا چکھا۔ سلطان تعاقب کرتا رہا تھا یہاں تک کہ انہیں گجرات کی سرحد سے نکال دیا۔ پھر خود چاپانیر جا کر ٹھہرا۔ محمد شاہ آسیری کو جسے سلطان کے ساتھ خواہر زادگی کی نسبت تھی ایک

1۔ ج: محمود آباد

2۔ ج: مبارک

کثیر لشکر کے ساتھ غنیم کے پیچھے بھیجا۔ غنیم ولایت مالوہ میں بھی ٹھہر نہ سکا۔ محمد شاہ مانڈو سے گذر کر اجین آیا اور کلیادہ شہر[1] جو سلطان ناصر الدین منڈوی کی تعمیر کردہ ہے کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ سلطان بہادر مظفر و منصور لوٹ کر احمد آباد تشریف لے گیا۔ مرزا عسکری اور دوسرے مذکور امراء کے گجرات کے ملک میں ٹھہرنے کی مدت[2] نو ماہ اور چند روز کی تھی لیکن چونکہ فرنگیوں نے بندرگاہ دیو میں دخل پا لیا تھا اور خود کے لیے ایک قلعہ بھی تعمیر کر لیا تھا اس لیے سلطان افسوس کرتا تھا اور دن رات ان ملعونوں کے دفع کرنے کی فکر میں مشورے کرتا رہتا تھا۔

---

1. ز: کالیادہ، ج: کالیادہ (صحیح تلفظ کالیادہ ہے۔ یہ نہر اجین شہر کے قریب سپرہ ندی سے لی گئی ہے اور اس کے بیچ ایک خوبصورت محل بھی انہی سلطانوں کا تعمیر کردہ آج بھی موجود ہے۔ سنہ ۱۹۴۷ء تک یہ محل گوالیار اسٹیٹ کے تصرف میں رہا۔ راقم الحروف نے یہ محل ۴۲ء میں دیکھا تھا۔ مترجم۔)

2. ج: ٹھہرنے کی مدت..... روز تھی" نہیں ہے۔

ستائیسواں باب

فرنگیوں[1] کے بندرگاہ دیو پر مکر و فریب سے قبضہ کرنے اور فرنگیوں کے شقدار یعنی کپتان کی مجلس میں سلطان بہادر کے شہادت پانے کی کیفیت

نقل ہے کہ جب سلطان بہار ایام بدانجام کی گردش سے شکست کھا کر (چنانچہ ذکر اس کا اوپر گذرا) بندرگاہ دیو آیا تو فرنگی خدمت گاری کا اظہار کرتے تھے اور دلداری کے لیے کہتے تھے کہ دریا کی بندرگاہیں ہمارے ہاتھ میں ہیں، جس کسی بندرگاہ میں سلطان تشریف لائے گا ہم طرح طرح کی خدمات انجام دیں گے۔ اقتضائے وقت کی بنا پر سلطان بھی ان سے نرمی کا طریقہ برتتا تھا۔ ایک دن انہوں نے عرض کیا کہ ہماری بندرگاہوں کے سوداگر دیو آتے ہیں ان کا مال پراگندہ رہتا ہے۔ اگر سلطان ایک بیل کے چمڑے کے برابر زمین اس جزیرہ میں عنایت فرمادے تو ہم چار دیواری بنالیں تاکہ اپنا مال ہم وہاں اتاریں اور پراگندگی مال کی فکر سے خاطر جمع ہو جائیں۔ سلطان نے قبول کرلیا۔

اس کے بعد جب سلطان دیو سے غنیم کے دفع کرنے کی طرف متوجہ ہوا اس فرصت میں فرنگیوں نے بیل کے چمڑے کا تسمہ کاٹ کر اس کے ناپ سے زمین کا احاطہ کرلیا اور اس پر ایک مضبوط سنگین قلعہ تعمیر کرکے اس میں توپ و تفنگ جما کر بیٹھ گئے۔ جب یہ خبر سلطان کو پہنچی تو وہ بہت مرتد د ہوا اور ان کافروں کے اخراج کی فکر میں لگ گیا لیکن اس نے یہ چاہا کہ حیلہ و فریب سے مقصود کا راستہ طے کرے تاکہ مدعا آسانی سے حاصل ہو جائے۔ چنانچہ احمد آباد سے بندرگاہ کھمبایت روانہ ہوا اور کھمبایت کی سیر کرکے

---

[1] ج: "فرنگیوں کے بندرگاہ ڈیو.... پانے کی کیفیت" نہیں ہے۔

ڈیو کا راستہ لیا۔

فرنگی سمجھ گئے کہ سلطان کا یہ ارادہ غدر سے خالی نہیں۔ ہر چند سلطان انہیں تسلی دیتا تھا لیکن وہ اس کے برعکس خیال کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب سلطان دیو کے ساحل پر گھوگھہ گاؤں کے قریب خیمہ زن ہوا تو نور محمد خلیل کو جو مقربان درگاہ میں سے تھا کپتان کے پاس بھیجا اور کہا کہ جو بھی حیلہ وفریب تو جانتا ہو اس کے ذریعہ کپتان کو میرے پاس لے آ۔ جب اس کم عقل نے کپتان سے ملاقات کی تو اس کی تعظیم کی افراط اور طرح طرح کی تکریم سے اس کا فریفتہ ہو گیا۔ شراب کے نشہ کی حالت میں کپتان نے اس سے سلطان کے مافی الضمیر کے بارے میں پوچھا اور جو بات ناگفتنی تھی وہ اس نے بیان کردی اور سلطان کا راز آشکارا کر دیا۔ رات اسی حال میں گذری۔ صبح کپتان نے کہا کہ میں سلطان کا مخلص غلام ہوں لیکن بیماری کے ضعف سے جو مجھے ہے میں سلطان کی خدمت میں نہیں آسکتا۔ نور محمد نے آکر صورت حال بیان کی۔ سلطان نے کہا کہ شاید اس کے دل میں ڈر اور خوف نے راہ پالی ہے۔ میں خود اس کی عیادت کو جاتا ہوں اور اس کے گمان کو دور کرکے لاتا ہوں۔ کشتی منگوائی اور مخصوص امراء میں سے پانچ چھ کو ہمراہ لیا جن کے نام یہ تھے۔ ملک امین نسن فاروقی، شجاع خان قادر شاہ والی، مانڈو کا بیٹا لنگر خان[1]، الپتان بن شیتگا کھتری، سکندر خان حاکم ولایت ستوانس، میدنی راؤ کا بھائی گنیش راؤ اور حکم دیا کہ کوئی کسی قسم کا ہتھیار نہ لے۔ ہر چند وزیروں اور امیروں نے عرض کیا کہ سلطان کا جانا اس کے شایان شان نہیں لیکن فائدہ نہ ہوا اور آیت کریمہ "جب عذاب کا وقت آجاتا ہے تو اس میں ایک ساعت بھی آگے پیچھے نہیں ہوتی" (سورۂ یونس - ۱: ۴۹) کے مقتضا کے مطابق قدم کشتی میں رکھ کر روانہ ہوا۔ کپتان نے معذرت کا سامان کیا اور ساحل تک لینے آیا اور اپنے گھر لے گیا اور ہر عذر پر ادب کا لوزینہ[2] لگا کر سلطان کو پیش کرنے لگا۔ سلطان بھی

---

[1] ج: لشکر خان

[2] ج: لوازم

اس سے لیکن تقدیر موافق تدبیر نہ تھی اس لیے فائدہ نہ ہوا۔ جب بات چیت سے فارغ ہوئے تو فرنگی کتنے ایک دوسرے سے طے شدہ اشارے کرنے لگے۔ اس وقت سلطان سمجھا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل گیا اور بخت و دولت نے منہ پھیر لیا۔ امراء نے کاہ کہ ہم نہ کہتے تھے کہ تو ہمارا خانہ خراب کردے گا۔ بولا تقدیر ایسی ہی تھی۔ سلطان اٹھا۔ فرنگیوں نے ہر طرف سے اس پر حملہ کیا۔ کہتے ہیں کہ سلطان کشتی کے قریب پہنچ گیا تھا کہ ایک فرنگی نے پہنچ کر تلوار کی ضرب سے اسے شہید کردیا اور پانی میں ڈال دیا۔ اس کے ہمراہی بھی درجۂ شہادت کو پہنچے۔ [بیت]

عجب ہے عاجزوں کو پکڑنے والے آسمان کی پلیدی

کے کتنے شیروں کا شکار کر لیتے ہیں

اور[1] یہ واقعہ ہے ۳/ ماہ رمضان ۹۴۳ھ کا اور ان الفاظ سے جو نتیجۂ فکر ہیں سلطان مذکور کے وزیر اختیار خان کے، یہی سال برآمد ہوتا ہے "سلطان البر شہید البحر" اور اس عبارت "قتل سلطانا بہادر" سے بھی۔ سلطان جب بیس سال کی عمر کا تھا تو دولت بادشاہی کو پہنچا، گیارہ سال ملک رانی کی اور سلطان کی عمر اکتیس برس کی ہوئی تھی کہ شہادت پائی۔

قصبہ منگلور[2] میں قاضی محمود نے جو قصبہ مذکور کا حاکم قضاتی تھا کہا کہ اس قصبہ میں ایک مرد ہے بدبخت جس کو شیخ بابن صبوری کہتے ہیں۔ اس کی بدعت کے باوجود اگر کوئی اسے کلمۂ طیبہ کہنے کا حکم کرتا ہے تو وہ نہیں کہتا۔ سلطان نے کہا بلاؤ۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جب دربار میں پہنچا تو سلطان نے کہلوایا کہ کلمۂ طیبہ پڑھو۔ وہ بولا میں نہیں پڑھتا۔ پوچھا کیوں؟ اس نے کہا کہ ہم جانتے ہیں اور ہمارا خدا۔ دوسرا کون ہوتا ہے جو ہمیں حکم دے اور میں اس کے سامنے بولوں۔ سلطان نے کہا کاٹ دو۔ اگر کلمۂ طیبہ کا اقرار کرلے تو چھوڑ دو ورنہ اس کا سر کاٹ دو۔ ہر چند لوگوں نے کہا کہ کلمہ بول دے نہیں بولا۔ سلطان کے پاس آکر

---

[1] ج: "اور یہ واقعہ ہے.... شہادت پائی" نہیں ہے۔
[2] ج: نقل ہے کہ جب سلطان بہادر دیو بندرگاہ آیا تو بعض لوگوں نے عرض کیا کہ اس قصبہ میں

لوگوں نے عرض کیا کہ ہر چند ہم نے اس سے کہا لیکن وہ کلمہ کا اقرار نہیں کرتا۔ سلطان نے کہا اسے قتل کر دو۔ جب جلاد نے تلوار کھینچی تو وہ بولا "سلطان سے کہہ دینا کہ ہمارے فنا ہونے اور تمہارے فنا ہونے کے بیچ کا فاصلہ ایک ہفتہ سے زیادہ نہ ہوگا"۔ اتفاق سے جیسا شیخ نے کہا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔ [بیت]

کون جانتا ہے کہ اس گہرے سمندر میں
پتھر کا ٹکڑا قیمت رکھتا ہے یا عقیق ؟

انٹھانیسواں باب

فرنگیوں کے بندر دیو پر قبضہ کا ذکر

مختصر[1] یہ کہ یہ واقعہ ہونے کے بعد عالی قدر وزیروں اور نامدار امراء جیسے کہ عماد الملک، ملک جیو، دریاخان حسین، اختیار خان خانجیو وغیرہ نے ملک آسیر و برہانپور کے بادشاہ محمد شاہ فاروقی کو جسے سلطان بہادر سے ہمشیر زادگی کا رشتہ تھا اور وہ اس وقت شہر اجین کے پیچھے[2] جو ملک مالوہ کے پرگنوں میں سے ہے ساٹھ ستر ہزار سواروں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ سلطان بہادر کی شہادت پر مشتمل ایک عریضہ اسے بلانے کے لیے بھیجا کہ سلطان نے اپنی زندگی میں اسے ولی عہد کہہ کر ایک دن تخت پر بٹھایا تھا اور تمام امیروں وزیروں کو کہا تھا کہ اسے منظوری کا سلام کریں اور سب اس کا حکم بجالائے تھے۔ محمد شاہ کو تخت پر بٹھانے کا سبب یہ تھا کہ سلطان نے اسے دکھن کے بادشاہوں پر متعین کر کے اکثر نامی امراء کو اس کے ہمراہ لکھا تھا۔ ان میں سے بعض جو اس کے ہمسر تھے بلکہ خود کو جاہ و مرتبہ میں اس سے فائق سمجھتے تھے جیسے کہ ملوخان حاکم ولایت مالوہ، سکندر خان[3] حاکم ولایت ستوانس[4] اور سلہدی راجپوت حاکم ولایت رائے سین، محمد شاہ کی ہمراہی[5] سے راضی نہ تھے۔ اس مطلب کو سمجھ کر سلطان نے میران محمد شاہ کو تخت پر بٹھا کر خود نے سلام کیا کہ کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔

---

[1] ج: اور یہ واقعہ ۹۴۳ھ کا ہے۔

[2] ج: "پیچھے" نہیں ہے۔

[3] ج: "مالوہ سکندر خان ولایت" نہیں ہے۔

[4] ج: سیوانس، ز: ستوانس

[5] ج: امیری

مختصر یہ کہ جب سلطان بہادر درجہ شہادت کو پہنچا اس وقت اختیار خان اور افضل خان احمد آباد میں تھے اور عماد الملک ملک جیو بن توکل جو دربار سلطانی کے خاص گروہوں کا سردار اور بہادری اور شیر مردی میں سرآمد روزگار تھا بڑودہ میں تھا۔ یہ واقعہ سن کر وہ احمد آباد آیا۔ اس اثنا میں خبر پہنچی کہ مرزا محمد زمان ابن مرزا بدیع الزمان ابن[1] سلطان حسین بایقرا بادشاہ خراسان جس کا ذکر اوپر گذرا سلطان بہادر کی شہادت کے بعد قصبہ اونہ کے قریب جو بندر دیو سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے مقیم ہے اور سلطانی کا دغدغہ اور جہانبانی کی خواہش رکھتا ہے۔ چنانچہ سلطان بہادر کی حرم محترم کے دربار میں جاکر بڑی نرمی سے عرض کیا کہ سلطان علیہ الرحمۃ والغفر ان کا کوئی بیٹا نہیں اور انہوں نے مجھے بھائی کہا تھا۔ اگر آپ بھی مجھے فرزند بنا کر دستگیری کریں تو ممالک گجرات کی استواری جیسی کہ ہونی چاہیے کی جائے گی کہ حسب ونسب کے لحاظ سے ہم اس کام کے لائق ہیں۔ غرض اس کی یہ تھی کہ اگر وہ خواتین یہ بات قبول کرلیں تو ان سے کچھ زروجواہر لے کر لشکر جمع کرنے کی مہم میں صرف کروں۔ معزز عورتوں نے جواب میں کہا کہ آپ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح ایران کے بادشاہوں کی عورتیں امور ملکی میں دخل رکھتی ہیں ہم بھی اسی قسم کی ہونگی لیکن ہم میں یہ حالت وفطرت نہیں ہوتی۔ سوائے خوراک اور پوشاک کے متعینہ خرچ کے ہمیں کسی دوسری چیز پر قدرت نہیں ہوتی۔ یہ مہم آپ وزیروں کی طرف رجوع کریں اور ان سے رائے لیں۔

مختصر یہ کہ جب مرزا محمد زمان کے اس خیال کی شہرت ہوئی تو وزیروں اور امیروں نے جو احمد آباد میں تھے صلاح اس میں دیکھی کہ مرزا محمد زمان کا شر دفع کرنے کی مہم ملک عماد الملک کے ہاتھوں ہوگی لہذا ملک کو خود توجہ کرنی چاہیے۔ اختیار خان وزیر نے خاص طور پر ملک کی بہت خوشامد کی حتی کہ بات یہاں تک پہنچائی کہ ہم لوگ قلم کے یار ہیں اور ملک عماد الملک مرد شمشیر ہے۔ اس وقت عماد الملک کی طرح کوئی ملک گجرات میں

---

[1] ج: ''ابن سلطان... خراسان'' نہیں ہے۔

نہیں ہے۔ یہ بات افضل خان کو اچھی نہیں لگی۔ وہ بولا "ہاں! خان ٹھیک کہتا ہے۔ سرکار سلطانی کے جملہ خان سرداروں میں عماد الملک جیسا کوئی نہیں"۔ اس بات سے عماد الملک غصہ ہوگیا۔ آخر کار ملک ایک زبردست لشکر کے ساتھ مرزا محمد زمان کو دفع کرنے کے لیے سورٹھ کی طرف روانہ ہوا۔ متواتر کوچ کرتا ہوا قصبہ اونہ کے قریب پہنچا۔ مرزا محمد زمان نے باہر نکل کر جنگ کی اور شکست کھائی اور اپنے اختیار کی لگام آوارگی کی طرف موڑی۔

نقل ہے کہ جب یہ خبر حضرت جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ کے سمع اعلیٰ میں پہنچی کہ سلطان بہادر نے شہادت پائی اور مرزا محمد خان تخت گجرات کی طرف دوڑا تو فرمایا کہ اگر وہ کالا غلام یعنی عماد الملک زندہ ہے تو مرزا محمد زمان کی خواہش پوری نہ ہوگی۔

مختصر یہ کہ عماد الملک مظفر و منصور ہو کر پورے دبدبہ اور بڑی شان کے ساتھ احمد آباد کی طرف لوٹا۔ افضل خان نے اختیار خان سے کہا کہ اس غلام کا دماغ اس سے پہلے کہ یہ فتح حاصل ہو طور سابق سے تجاوز کر چکا تھا۔ اب اس پر کب راضی ہوگا کہ ہمارے اور تمہارے لکھے پر عمل کرے اور جس میں ہم بھلائی دیکھیں اس پر اقدام کرے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ وزارت کے کام سے ہاتھ کھینچ کر گوشہ نشین ہوجائیں۔ اختیار خان نے کہا کہ ہم سے کوئی بھی بات کبھی اس کے حال کی نسبت اس کے خلاف مزاج واقع نہیں ہوئی چنانچہ وہ بھی ہمارے خلاف راستے پر نہیں جائے گا۔ افضل خان نے کہا کہ ہم ہر چند اس کی خاطر کا لحاظ کریں یہ ہمارا وجود ہی اس امر میں اس کی گرانی کا باعث ہوگا۔ افضل خان کی بات اختیار خان کے دل میں نہیں بیٹھی۔ افضل خان نے کہا کہ خان بوڑھا ہوگیا اور بڑھاپے کی کمزوری اس کی سمجھ بوجھ کی طاقت میں داخل ہوگئی ہے۔ اب وہ جانے مجھے اپنے کام کی خود فکر کرنی چاہیے۔ وہ اپنے گھر چلا گیا۔ دنیاداری کا تمام سامان اپنے سے جدا کر کے گھر میں آگیا اور اس کے دروازہ پر قفل لگا کر اس کی کنجی اپنے سامنے رکھ لی۔ سوائے ایک آدمی کے اپنے پاس کسی اور کو نہ رکھا کہ کھانے کے وقت کھانا اس کے سامنے لے آئے۔ کہتے ہیں کہ جس دن سلطان محمود نے عالم خان کے گھر پر ہلہ بولا یعنی تاراج

کرنے کا حکم دیا اور خود سوار ہو کر افضل خان کے دروازہ[1] پر آیا کہ سر راہ واقع تھا اس وقت افضل خان اس گھر سے باہر نکلا اور سلطان کو سلام کیا۔ اس وقت تک اس نے کسی بھی شخص سے ملاقات نہیں کی تھی اور اس گھر سے قدم باہر نہ نکالا تھا مگر ایک درویش تھا جس کا وہ معتقد تھا۔ جب کبھی وہ خان کی ملاقات کو آتا تو خود قفل کھول کر اسے اندر لے لیتا تھا اور باتیں کرتا تھا۔ جب وہ چلا جاتا تو پھر طریقۂ سابق پر گوشہ نشین ہو جاتا تھا۔ اختیار خان پر گذری جو کچھ گذری چنانچہ اس کا ذکر اس کے بعد مع عالم خان کے گھر کی تاراجی کے ساتھ بیان ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

چونکہ سخن کی ڈوری نے اس موتی پرونے میں ایک دوسرے[2] موتی کا اقتضا کھلایا۔ حال کے مقتضا کے مطابق اسے اس کے اپنے حال پر چھوڑ کر پچھلے سر رشتہ کو تامل کی انگلیوں میں لے کر اس کی ترتیب شروع ہوتی ہے کہ جب امیروں اور وزیروں کا عریضہ جو سلطان کی شہادت کی خبر اور محمد شاہ[3] کی طلب پر مشتمل تھا محمد شاہ کو پہنچا تو اس نے یہ بات اپنے ہمراہ سپاہ میں سے کسی ایک پر بھی ظاہر نہ کی اور غایت محبت کی وجہ سے جو اسے سلطان کے ساتھ تھی یہ وسیع دنیا اس کی آنکھوں میں کسی غمخانہ کے دروازہ کی کنڈی کی طرح تنگ ہو گئی۔ اُس دن سے اُس نے تمام خوشیاں اور لذات جسمانی کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ آئندہ پورے دن روزہ رکھتا اور شام کو تھوڑی سی چھاچھ سے افطار کر لیتا اور پوری رات عبادت میں گذارتا اور کسی سے بات نہ کرتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی اس کی زبان سے نکلتا تھا کہ ''میں جل گیا، میں جل گیا''۔ کہتے ہیں کہ اس وقت ساٹھ ستر ہزار سوار محمد شاہ کے ساتھ تھے۔ امراء میں سے بعض نے سلطنت گجرات کی مبارکبادی کا اظہار کیا تو کہا ''اگر پوری

---

[1] الف : عالم خان کے گھر کی طرف چلا۔ افضل خان کا گھر سر راہ تھا۔ جب سلطان وہاں پہنچا اس وقت افضل خان

[2] ج : دوسری ڈوری

[3] الف : ''سلطان کی خبر شہادت اور محمد شاہ کی طلب محمد شاہ کو پہنچی'' نہیں ہے۔

آباد دنیا کی حکومت بھی مجھے بخشی جائے تو بھی میرے ماموں یعنی سلطان بہادر کے وجود کے بغیر میرے کام کی نہیں۔" سلطان بہادر کی وفات کے ساتویں دن بعد محمد شاہ نے بھی جان دے دی اور اپنی ہستی کا سامان فنا کے صندوقچہ میں رکھ دیا۔

جب محمد شاہ کی وفات کی خبر وزیروں اور امیروں کے گوش ہوش میں پہنچی تو کہا کہ اب ملک کا وارث سلطان بہادر کے بھائی لطیف خان کے بیٹے محمود خان کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ اس وقت محمود خان مذکور اور محمد شاہ کا بھائی مبارک شاہ دونوں قصبہ بیاول[1] میں جو ولایت خاندیس کے دیہاتوں میں سے ہے محبوس تھے۔

نقل ہے کہ جب سلطان بہادر نے بادشاہی رشک کی وجہ سے اپنے تمام بھائیوں اور رشتہ داروں کو ملک عدم پہنچا دیا تو سوائے محمود خان کے جو اُس وقت دودھ پیتا بچہ تھا کوئی باقی نہ رہا۔ ایک دن اسے طلب کیا تاکہ اسے بھی دوسرے مسافران عدم کے ہمراہ کر دے۔ جب سلطان کی نظر خان پر پڑی تو رگ مرحمت پھڑک اٹھی۔ خان کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا۔ محمود خان اپنے ہاتھ پاؤں بچوں کی طرح پھینکتا اور سکیڑتا تھا۔ ناگاہ محمود خان کا ہاتھ سلطان کے داڑھی اگنے کی جگہ[2] پر پہنچا تو سلطان بولا "تو نے میری داڑھی کی پناہ لی تو ہم بھی تجھے فنا کرنے کے ارادہ سے درگذرے۔" مؤکلوں کے سپرد کر دیا کہ قید میں رکھیں اور پرورش کریں۔ کچھ دنوں کے بعد محمود خان کو طلب کیا تو مؤکل اسی لباس میں جو وہ پہنے ہوئے تھا اسے مکتب سے اٹھا کر سلطان کے سامنے لے آئے۔ جب سلطان نے محمود خان کا لباس گندہ دیکھا تو مؤکلوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ بادشاہزادوں کی دیکھ بھال اس طرح کرتے ہیں اور ایسے کپڑوں میں باہر لاتے ہیں۔ اِس وقت تم اُس سے اس طرح پیش آتے ہو۔ جب وہ بادشاہ بنے گا تو تم سے بدلہ لے گا۔ محمد شاہ بھی اُس مجلس میں موجود تھا حالانکہ سلطان نے محمد شاہ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ جب

---

[1] یہ ایک قصبہ ہے شہر بھساول کے قریب، مترجم۔
[2] ج: "اگنے کی جگہ" نہیں ہے۔

سلطان کی نظر محمد شاہ پر پڑی تو بولا "یہ بات طے ہے کہ میرے بعد محمد شاہ بادشاہ ہوگا۔" اس کے بعد کہا "محمد شاہ! اب ہم محمود خان کو تمہارے سپرد کرتے ہیں۔ جس بات میں فائدہ دیکھو ویسا عمل کرنا۔" محمد شاہ نے محمود خان اور مبارک شاہ دونوں کو ملک شمس الدین کے حوالے کردیا کہ قصبہ بیاول[1] میں نظر بند رکھے۔

جب محمد شاہ فوت ہوگیا تو اس کا بیٹا کم عمر تھا۔ اس کے رہنماؤں نے فائدہ اس میں دیکھا کہ محمد شاہ کا بھائی مبارک شاہ جوان اور قبال ہے۔ اس کے وجود سے فتنہ پیدا ہوگا لہٰذا اس کے وجود کو مٹا دینا بہتر ہوگا۔ انہوں نے پایہ تخت سے کہ برہانپور تھا ایک جماعت بھیجی تاکہ مبارک شاہ کو لے آئے اور اس کا کام تمام کردے چنانچہ اس حال کی حقیقت اس کے بعد بیان کی جائے گی۔ مختصر یہ کہ جب محمد شاہ کی وفات کی خبر مملکت گجرات کے ارکان واعیان دولت کو پہنچی تو وہ بولے "اس وقت ملک کا وارث محمود خان کے سوا دوسرا کوئی نہیں۔" انہوں نے ملک شمس الدین کو لکھا کہ "سلطان بہادر کی شہادت کے بعد اہل گجرات محمد شاہ کے آنے کے منتظر تھے۔ ارادۂ الٰہی سے ان کے بارے میں ایسا ظہور میں آیا۔ اس وقت ملک گجرات کا وارث محمود خان کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ انہیں جلد یہاں بھیج دو تاکہ اپنے آبا واجداد کے ملک کا مالک بنیں۔" اختیار خان کے بھائی مقبل خان کو بھیجا کہ یلغار کرتا ہوا جائے اور شاہزادہ کو لے آئے۔ ملک شمس الدین نے شاہزادہ کو مقبل خان کے سپرد کردیا تو مذکور خان رکاب سعادت ایاب کے ساتھ گجرات روانہ ہوا اور مبارک خان کو برہانپور بھیج دیا۔

کہتے ہیں کہ ارکان دولت نے مبارک شاہ کو عرب خان نامی ایک امیر تھا اس کے حوالے کردیا اور کہا کہ آج رات اس کی حفاظت کر۔ کل قرارداد کے بموجب عمل کیا جائے گا۔ عرب خان اُسے اپنے گھر لے گیا اور کہا آج رات جو تیرا دل چاہتا ہو مانگ۔ کل کا حال خود معلوم ہے۔ مبارک خان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور بولا کہ میں چاہتا

---

[1] الف: بیاول جو برہانپور کے دیہاتوں میں سے ہے۔

ہوں کہ تم ہتھکڑیاں اور بیڑیاں میرے ہاتھ پاؤں میں سے نکال لو اور میرے ساتھ موافقت کے راستے میں قدم رکھو تا کہ تم دیکھو کہ میں کیا کام کرتا ہوں۔ اگر مارا جاؤں تو بارے ارمان نہ رہے گا اور اگر زندہ رہا اور آسمان نے یاوری کی تو تمہارے ساتھ ایسی نیکی کروں گا کہ صفحۂ روزگار پر یادگار رہے گی۔ حق تعالیٰ نے عرب خان کو مہربان کر دیا۔ بیڑیاں اس کے پاؤں سے ہٹا لیں۔ مبارک خان اور عرب خان چند فدائیوں کے ساتھ صبح کے وقت دربار شاہی کی طرف پہنچ کر تیزی سے اندر داخل ہوئے۔ چوکیدار اس وقت اپنے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ کوئی حاضر نہ تھا۔ سوائے چند خدمتگاروں کے۔ ان میں سے بعض مارے گئے اور بعض نکل بھاگے۔ بہادر خان اپنے بھتیجے کو گود میں لے کر تخت پر بیٹھ گیا اور امراء کو کہلا بھیجا کہ میرے بھتیجے کی نیابت کا تعلق مجھ سے ہے۔ تم میں سے ہر ایک خاطر جمعی کے ساتھ جادۂ اطاعت پر استقامت دکھائے۔ سب نے تابعداری کی۔ وہ دن اس طرح گذرا۔ رات کو بھتیجے کو قتل کر دیا۔ صبح خود نکل کر تخت پر بیٹھا۔ امراء میں سے جو کوئی آیا سلام کر کے ہاتھ باندھ کر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ سکۂ شاہی مبارک خان کے نام پر ڈھالا گیا۔ خانی شاہی میں بدل گئی۔ مالک الملک نے ملک مبارک شاہ کو دیا اور اس کے بھتیجے کو شہر فنا پہنچا دیا۔ یہ شعر اس جگہ مناسب حال معلوم ہوا۔

[بیت]

ایک آدمی بیمار کے سرہانے رات بھر روتا رہا

جب صبح ہوئی تو وہ مر گیا اور بیمار جی گیا

☆

انتیسواں باب

تخت[1] جہانبانی پر سلطان محمود ثانی کے جلوس اور اس کے عنفوان جوانی کے دنوں تک امراء کے تغلب اور پھر تائید ربانی سے سلطان کے غالب آنے کا ذکر

[بیت]

آ اے باغبان! بزمی کا سامان کر

گل کا موسم آ گیا۔ باغ کا دروازہ کھول دے

خبروں کی صورت کے مصور اور نشانات کی دلہن کے سنوارنے والے اس طرح روایت کرتے ہیں کہ سلطان محمود نے ۹۴۳ھ میں گیارہ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوس کیا۔ سلطان کی والدہ ولایت سندھ کے شہزادہ بہرام خان کی بیٹی حضرت تمیم انصاری رضی اللہ عنہ کی نسل سے تھیں۔ سلطان کی ولادت ۹۳۲ھ کے مہینوں میں ہوئی، سلطان مظفر کی وفات کے ایام میں۔

کہتے ہیں کہ جب سلطان اپنی والدہ کے رحم سے بستر پر آیا، سلطان نے منجموں سے اس کے طالع کے احوال پوچھے۔ سب نے متفق ہو کر کہا کہ اس کا طالع امور جہانبانی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن[2] برج میں کچھ گرانی ہے۔ چونکہ سلطان مظفر کی اجل آ چکی تھی تھوڑے دن بعد ہی وفات پائی۔

مختصر یہ کہ جب خطبہ وسکہ سلطان محمود کے نام پر مقرر ہو گیا تو وزارت کا کام عماد

---

[1] ج: "تخت جہانبانی ...... دروازہ کھول دے" نہیں ہے۔

[2] الف: جدار لکھا ہے جس کا کوئی معنی نہیں نکلتا، ب: برجد

الملک ملک جیو ابن توکل کے نام تفویض ہوا اور دریا خان جس کا نام حسین تھا مجلس گرامی کے خطاب سے مخاطب ہوا۔ یہ دونوں متفقہ طور پر امور وزارت انجام دیتے تھے۔ انہوں نے سلطان کی خدمت اور نگہبانی کے لیے سلطان بہادر کے وزیر اختیار خان اور اس کے بھائی مقبل خان اور لاڈ خان[1] ابن مقبل خان کو متعین کیا۔ یہ لوگ سلطان کی بصورت تخت بند نگہبانی کرتے تھے۔ مذکور امیروں اور وزیروں سے کسی ایک کو بھی سلطان کے قریب نہ آنے دیتے تھے سوائے چند خدمتگاروں کے جو ان کے معتمد تھے۔ جو کھانا اور پانی وہ بھیجتے تھے وہی سلطان کھاتا تھا اور جو لباس بھیجتے تھے وہی پہنتا تھا۔ اس طریقہ سے سلطان کو بہت ایذا ہوتی تھی لیکن اپنی انتہائی فراست اور دانائی کی وجہ سے وہ یہ بات بالکل ظاہر نہ ہونے دیتا تھا اور خود کو کھیل کود اور شکار میں ایسا مشغول رکھتا کہ ملک کی پروا اور لشکر گاہ کی یاد ظاہر نہ ہونے دیتا۔ اور تنہائی و انجمن میں کہتا کہ جس بادشاہ کے عماد الملک اور دریا خان جیسے وزیر ہوں اسے کیا ضرورت کہ دردسر مول لے۔ بادشاہی کا مقصود فراغت اور آسائش ہے اور یہ مجھے پوری طرح میسر ہے۔ مجھے امور ملکی اور سپاہیانہ مہم سے کوئی کام نہیں۔ وزیر وہ امر جانتے ہیں جو صلاح دولت پر مشتمل ہو وہی وہ عمل میں لائیں گے کبھی کبھی کہتا کہ مکہ[2] کیسی جگہ ہے اور مدینہ کیا مقام ہے کہ ان شریف مقامات کی زیارت کا عزم میرے دل میں پکا معلوم ہوتا ہے۔ ایسی باتیں سن کر وزیر خوش رہتے تھے اور اپنی مرضی کے مطابق ملک رانی کرتے تھے۔

ایک دن لاڈ خان ابن مقبل خان نے کہا کہ اگر سلطان حکم کرے تو میں ایک ایسا کام کروں کہ دریا خان اور عماد الملک دونوں اجل کے پردے کے پیچھے بیٹھ جائیں۔ سلطان کو خیال ہوا کہ یہ بات مخفی نہ رہے گی کہ حاضرین تمام ان کے بھروسے کے آدمی تھے اسی وقت سوار ہو کر عماد الملک کے گھر گیا اور مقبل خان کے بیٹے کا کہا ہوا بیان کیا۔ عماد

---

[1] ز: دلاور خان

[2] ج: معظم

الملک نے دریاخان کو اپنے گھر بلایا اور سلطان کا کہا ہوا اس کے سامنے دہرایا۔ وہاں سے وہ اتفاق کر کے درگاہ سلطانی میں آئے اور اختیار خان اور مقبل خان اور اس کے بیٹے کو بلوا کر عین کچہری میں پھانسی دے دی اور چلے گئے۔ اور یہ ۹۴۴ھ میں ہوا۔ چنانچہ سن مذکور "بناحق کشت بموجب" کی عبارت سے برآمد ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ پھانسی دیتے وقت جب رسی اختیار خان کی گردن میں ڈالی گئی تو اس نے ہاتھ اٹھائے اور کہا "خدایا! تجھے معلوم ہے کہ میں بے گناہ ہوں۔ جو کچھ یہ مجھ سے سمجھتے ہیں میں نہیں جانتا۔ یہ مجھے ظلم سے مار رہے ہیں" اور اس نے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ لا إله کہا تھا کہ جلاد نے رسی کھینچ لی۔ جب وہ ٹھنڈا ہوگیا تو نیچے اتارا۔ جیسے ہی رسی اس کے گلے سے کھولی اس کا جسم اپنی سابق حالت پر آگیا اور زبان پر لفظ محمد رسول اللہ جاری ہوگیا اور پھر جان دے دی۔ اس بات کا ظہور اختیار خان سے عجیب نہیں ہے کہ وہ ایک متقی، دیندار، نیک نفس اور بے گناہ آدمی تھا۔ کہتے ہیں کہ جب عماد الملک نے یہ حال مشاہدہ کیا تو کہا "دریاخان! اس آدمی کی حالت اس کی بیگناہی پر دلالت کرتی ہے۔ پس ہم نے اسے ظلم ہی سے مارا ہوگا! اس آدمی کا خون ہمارے سر پر ضرور بدلہ لے گا۔" آخرکار عماد الملک کو سلطان نے دردناک عذاب کے ساتھ مارا۔ دریاخان اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر دہلی بھاگ گیا اور وہاں پوری حسرت سے دار فنا میں پہنچ گیا۔ ان کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ چنانچہ اس حال کی تفصیل اس کے بعد لکھی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ کہ تھوڑے دن گذرنے کے بعد دریاخان نے سوچا کہ عماد الملک کو ہٹا کر وزارت کا کام اپنے لیے مخصوص کرلے اور غیروں کے خوف کے بغیر اپنی مرضی پر عمل کرے۔ اس نے فتوجیو سے جس کا خطاب محافظ خان تھا اور وہ اس کا یار غار اور محرم اسرار تھا مشورہ کیا اور سلطان کو شکار کے لیے احمد آباد سے باہر لے گیا اور شکار کرتے کرتے مہندری ندی تک جو احمد آباد سے تیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے لایا۔ ملک کے اطراف وجوانب سے لشکر طلب کیا۔ سوائے عماد الملک اور اس کے مخصوص لوگوں کے اکثر امراء

سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گئے اس کے بعد اس نے عماد الملک کو پیغام بھیجا کہ سلطان کے حکم کا مقتضیٰ یہ ہے کہ تم شہر احمد آباد سے نکل کر اپنی جاگیر کے مقام پر ٹھہرو۔ عماد الملک سمجھ گیا کہ معاملہ نے دوسری صورت اختیار کر لی۔ اس نے چاہا کہ لشکر جمع کر کے سلطان کو دریا خان کے ہاتھ سے چھڑا لے۔ اس نے شاہی خزانہ سے بہت سی رقم سپاہیوں کے خرچ کے لیے دی لیکن ذی اقتدار امراء میں سے کسی نے بھی اس کا ساتھ نہیں دیا۔ آخر کار وہ اٹھا اور اپنی جاگیر پر جو ولایت جھالا واڑ تھی چلا گیا۔

سلطان احمد آباد آیا۔ پانچ چھ ماہ کے بعد سلطان کو اپنے ساتھ لے کر دریا خان نے عماد الملک پر چڑھائی کی۔ عماد الملک نے پاتری[1] گاؤں کے قریب جو پرگنہ بیرم گام[2] کے دیہاتوں میں سے تھا لڑائی کی اور شکست کھائی۔ صدر خان زبیری[1] جو اس لشکر کا سردار تھا مارا گیا اور شرزۃ الملک زندہ گرفتار ہوا۔ عماد الملک[2] برہانپور مبارک شاہ کے پاس جو اس دیار کا بادشاہ تھا چلا گیا۔ دریا خان سلطان کو عماد الملک کے پیچھے برہانپور کی سرحد تک لے گیا اور مبارک شاہ کو خبر دی کہ عماد الملک باغی کو پکڑ کر بھیج دیں ورنہ اس کی حمایت کا نتیجہ اچھا نہ نکلے گا۔ مبارک شاہ نے کہا کہ عماد الملک میرے بزرگوں کا غلام ہے اور اِس وقت اُس نے میرے یہاں پناہ لی ہے۔ اس کی کوئی صورت نہیں کہ میں اس کی حمایت سے ہاتھ کھینچ لوں۔ لشکر جمع کر کے اس نے مقابلہ کیا۔ قصبہ دانگری کے قریب کہ برہانپور کے دیہاتوں میں سے ہے لڑائی ہوئی اور شکست کھائی تو قلعۂ آسیر میں قلعہ بند ہو گیا۔ مبارک شاہ کے تمام نامی ہاتھی سلطان کے ہاتھ میں آئے۔ ہر ہاتھی پہاڑ جیسا تھا اور دلاوری میں بے نظیر[3] جیسے کہ باون بیر اور پات سنگار اور اسد وغیرہ۔ وہاں سے سلطان نے اپنا فتح کی نشانی والا

---

[1] ج: ماتری

[2] ج: میرم گانوں (لیکن موجودہ نام اس کا ویرم گام ہے۔ مترجم)

[1] ج: "زبیری کہ اس کے لشکر کا سردار تھا اور شرزۃ الملک" نہیں ہے۔

[2] ج: اور وہ عماد الملک کے لشکر کا سپہ سالار تھا اور وقت صبح اسے مار ڈالا۔

[3] ج: "جیسے کہ باون بیر.... وغیرہ" نہیں ہے۔

جھنڈا برہانپور میں بلند کیا۔ عماد الملک بھاگ کر ولایت مالوہ کے حاکم قادرشاہ کے پاس منڈو چلا گیا۔ سلطان کچھ دنوں برہانپور ٹھہرا۔ آخرکار صلح اس بات پر ہوگئی کہ اس ولایت میں بھی خطبہ وسکہ سلطان محمود کے نام پر مقرر ہو۔ سلطان لوٹکر احمد آباد آ گیا۔

اس کے بعد پورے ملک گجرات کی حکومت قبضۂ اقتدار میں آ گئی۔ بادشاہی کا نام سلطان محمود سے متعلق تھا اور رسم بادشاہت دریاخان کے دست اختیار میں تھی۔ اس زمانہ میں مشارٌ الیہ نے ایسا سلوک اختیار کیا کہ گجرات کے تمام لوگ کمینوں سے لے کر شریفوں تک، سب اس سے راضی اور اس کے شکرگزار ہو گئے اور اسے دعائیں دینے اور اس کی تعریفیں کرنے لگے۔ اہل گجرات کہتے تھے کہ سلطان محمود بیگوہ کا زمانہ کہ جو بادشاہ گجرات کا بہترین زمانہ تھا پھر سے لوٹ آیا کہ ہر ایک اپنے اندازہ کے مطابق ناز ونعمت میں بسر کر رہا تھا اور خوشحال تھا۔ لہٰذا اس کی حکومت اور کامرانی کی ابتدا کی تاریخ لفظ ''خوشحال'' سے نکلتی ہے کہ[1] ۹۳۵ھ ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ گجرات میں وظیفوں کی کثرت دریاخان کی خیرات سے ہوگئی۔ درویشوں میں سے شاید ہی کوئی ہو جس کا وظیفہ اس نے مقرر نہ کر دیا ہو۔ اکثر قبیلہ دار سپاہیوں کو جاگیر کے علاوہ وظیفہ انعام میں دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے بہت سے فرمان تیار کر رکھے تھے اور شاہی مہر لگا دی تھی۔ آدمی کا نام اور آراضی کے عدد کی جگہیں خالی رکھی تھیں اس نیت سے کہ مستحق محنت کو انتظار کرنا پڑے اور اہل قلم کی نرمی کی تلخی نہ چکھنی پڑے۔ جہاں[2] کہیں سنتا کہ کوئی گوشہ نشین عبادت حق میں مشغول ہے یا کوئی دردمند کسی زاویہ میں حاجتمند ہے اس کے استحقاق کے مطابق اس کا نام اور اراضی کا عدد لکھ کرا سے بھیج دیتا تھا۔

نقل ہے کہ ایک دن اس قسم کا ایک فرمان لکھ کر کچھ نقدی رقم کے ساتھ ایک

---

[1] ج: کہ ۹۳۵ھ ہوتا ہے'' نہیں ہے۔
[2] ج: ''جہاں کہیں سنتا... بھیج دیتا تھا'' نہیں ہے۔

خدمتگار کے ہاتھوں ایک درویش کو بھیجا۔ اتفاق سے اس نے غلطی سے وہ فرمان اس درویش کے ایک ہمنام کو دے دیا۔ آخر خان کو معلوم ہوا کہ اس درویش کو نہیں پہنچا۔ اس نے تفتیش کی۔ خدمتگار نے کہا کہ میں نے فلاں شخص کو دے دیا۔ اگر حکم ہو تو اس سے واپس لے لوں۔ خان نے کہا میں نے اسے بھیجا تھا خدا نے ایسے دوسرے کو دے دیا۔ اب کہ تو اس سے واپس لے گا تو جو خوشی اسے اس کے وجود سے حاصل ہوئی ہے وہ غم سے بدل جائے گی۔ کیا یہ روا ہے کہ خدا کی دی ہوئی چیز کو میں واپس لوں؟ دوسرا فرمان لکھ کر اراضی کا عدد پچھلے عدد پر بڑھا کر ایک رقم زر کے ساتھ اس درویش کو اس نیت[1] سے بھیجا کہ وہ ہمنام ہے۔ اگر آراضی ہم عدد نہ ہو تو بہتر ہے تاکہ دوسرا شبہ کی وجہ سے تملق کا گمان نہ کرے۔

لیکن چونکہ خود عیاش آدمی تھا دربار کے اہم کام کاج سب عالم خان لودی کے اہتمام میں دے دیے اور خود رقص وسرود کی راحت سے لذت اندوز ہونے میں مشغول ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ دریا خان کی حکومت کے ایام میں ہر گھر اور مکان بلکہ ہر کوچہ وبازار سے گانے اور آلات موسیقی کے نغمے اور جشن کا شور وغل لوگوں کے کانوں میں پہنچتا تھا۔ کلاونتوں کی قوم میں سے جیسے کہ نایک ابہو کہ جس کے روح افزا راگوں سے نایک گوپال کی بوسیدہ ہڈیوں میں جان پیدا ہو جائے۔ دوسرے نایک بخشو کا بیٹا نایک جیتی[2]، اور نایک چتر کے لڑکے رنگ خان اور بھلی اور کھیم اور رمن کہ ان میں سے ہر ایک اپنی گائکی کے جادو سے زہرہ کو آسمان کی بلندی سے بندگی کی قید کی پستی میں اتارتا تھا۔ ان کے علاوہ بہت سے کلاونت کہ ان میں سے ہر ایک اپنے زمانے میں بے نظیر تھا خان کی مجلس میں موجود رہتے تھے۔ رقاصوں اور اہل جشن میں جیسے موہن راؤ زنگ راؤ، دیبی راؤ اور کنور کہ جن کے رقص کے وقت آسمان اپنی گردش بھول جاتا تھا اور جن کے حسن کے فروغ کو دیکھ

---

[1] ج: ''اس نیت سے کہ...گمان نہ کرے'' نہیں ہے۔
[2] ج: حسن، ز: حسینی

کر چاند اپنے کانوں کی لو پکڑتا تھا۔ حضرت سید محمود بخاری بیان کرتے تھے کہ مجھے میرے والد سے یاد ہے کہ سلطان مظفر مرحوم کی ایک حرم بائی جہاں[1] کہ جن کا ذکر اوپر گذرا بیان کرتی تھیں کہ ایک دن دریاخان مجھے سلام کرنے آیا تھا اس نے مجھے اس کا جشن دیکھنے کی تجویز کی۔ جب میں نے اس کی جشنگاہ میں قدم رکھا تو عطریات کی خوشبو اور خوشبوؤں کی مہک نے مجھے مدہوش کر دیا اور فرش فروش کی رنگارنگی اور اس کے محلات کی چھتوں کے نقش ونگار اور زرین ملمع کاری سے میں متحیر ہوگئی۔ باوجودیکہ میں سلطان مظفر کی حرم محترم ہوں اور سلطان بھی ان معاملات میں ہوس اور تکلفات سے کام لیتے تھے لیکن مجھے کوئی ایسی مجلس یاد نہیں۔ مختصر یہ کہ دریاخان نے پانچ سال تک اس عیش وکامرانی میں اور ایسے ڈھنگ سے زندگی گذاری۔ آخرکار آسمان نے ایک ایسا شعبدہ دکھلایا اور زمانہ نے ایسی چال چی کہ اس کی حکومت کے مزامیر کے رکن تتر بتر ہوگئے۔

[بیت]

جب چاند کا قالب نور سے بھر جاتا ہے

تو اس کے گھٹنے کا رنج اسے کمزور اور بیمار کر دیتا ہے

کیفیت اس کی یہ ہے کہ ہر چند دریاخان کے افراط عیش اور حد سے زیادہ کامرانی کی خبریں سلطان کے کانوں میں پہنچتی رہتی تھیں لیکن وہ تغافل برتتا اور اس حال پر ملال کا اظہار نہ کرتا کہ تلاش وجستجو میں رہتا تھا۔ کوئی بات جس سے سلطان کی مراد طلبی سمجھ میں آئے نہیں پاتا تھا اور جاسوسوں کو تاکید کرتا تھا کہ روز بروز بلکہ ساعت بساعت جو کچھ سلطان کی مجلس میں ذکر ہو ہمیں پہنچائیں۔

کہتے ہیں ایک رات اس نے اپنی داشتہ میں سے ایک کو جس کی تیزیٔ فہم اور ذکاوت طبع پر اسے بھروسہ تھا سلطان کی خدمت میں کہہ کر بھیجا کہ کسی تقریب تو سلطان سے عرض کرنا کہ "سلطانی کا نام آپ رکھتے ہیں اور کامرانی دریاخان کرتا ہے۔ یہ بات

---

[1] ج: "جہاں" نہیں ہے۔

بادشاہی غیرت سے بعید معلوم ہوتی ہے۔" جو کچھ تو اس کے جواب میں سنے علی الصباح فلاں خواجہ سرا کی زبان کے حوالہ کرنا تا کہ آ کر مجھ سے عرض کر دے۔ وہ لڑکی سلطان کی خدمت میں گئی اور ہم بستری کا شرف پایا۔ ہر چند وہ دریا خان کی جانب سے خباثت کا اظہار کرتی تھی لیکن سلطان کان نہ دھرتا تھا۔ صبح جب وہ نیند سے اٹھا تو پلنگ کے ایک کونہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ لڑکی نے جو یہ دیکھا تو صبح دریا خان کو کہلا بھیجا کہ یہ خود دیوانہ ہے۔ اتنا نہیں جانتا کہ پیشاب کھڑے ہو کر کرتے ہیں یا بیٹھ کر۔ جب دریا خان نے یہ ماجرا سنا تو بولا "اے یارو! میں اس جوان کے معاملہ میں حیران ہوں۔ ہر چند میں اس کا مافی الضمیر جاننے کی کوشش کرتا ہوں میسر نہیں ہوتا۔ اتنا میں جانتا ہوں کہ یا تو یہ ایک بے مثال بیوقوف ہے یا صاحب کمال عاقل۔

مختصر یہ کہ ایک دن عالم خان لودی، الغ خان، وجیہ الملک تانک، الپ خان کھتری کہ ایک دوسرے کے خاص دوست تھے اور دریا خان کے بھی دوست تھے انہوں نے دریا خان سے اپنی اپنی جاگیروں پر جانے کی اجازت چاہی۔ وہ بولا ٹھیک ہے لیکن میرے دل میں یہ آتا ہے کہ پہلے میں تمہیں اپنے رقاصوں کا جشن دکھلاؤں اس کے بعد اجازت دوں۔ اس نے طے کیا کہ یہ صحبت کل رات منعقد ہوگی۔ ہر ایک خوش خوش اور فارغ البال اپنے اپنے گھر گیا۔ جب دن کی روشنی رات کی تاریکی میں بدلی تو لطیف الملک جو دریا خان کے مقربوں میں سے تھا اور حسن و جوانی میں اس کی شہرت کی وجہ سے دریا خان اسے اپنی جشنگاہ میں نہیں آنے دیتا تھا اور اس وجہ سے وہ حیران اور غمگین رہتا تھا، عالم خان کے گھر آیا اور اس نے خلاف کرنے کی نیت سے کہا کہ مجھے تمہارے حال پر رحم آیا اس لیے میں آیا ہوں تا کہ تمہیں معاملہ کی حقیقت سے آگاہ کر دوں۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہ رہے کہ دریا خان نے یہ طے کیا ہے کہ جشن کا منشا کر کے جشن کی رات شراب کے نشہ کی حالت میں تم چاروں کو مار ڈالے۔ یہ سن کر وہ لوگ متحیر اور فکر مند ہو گئے کہ کیا علاج کریں اور کس طرح اس مہلکہ سے باہر آئیں۔ دریا خان کے ساتھ اُن کی نسبت خصوصیت اس

درجہ کی تھی کہ اُس سے اِس قسم کے قصد کو خود کے حق میں بغیر کسی باعث یا سبب کے کس طرح باور کرلیں۔ لیکن چونکہ لطیف الملک سے سنا ہے تو اسے محض جھوٹ پر بھی محمل نہیں کر سکتے۔ وہ رات انہوں نے تردد اور بیقراری میں گذاری۔

دوسرے دن کی رات کو دریا خان نے اسی طرح مجلس آراستہ کی اور اہل جشن نے ایک دوسرے کی بیچ میں خود کو خوب سنوارا اور اس نے مذکور امراء کو طلب کرنے کے لیے آدمی بھیجا۔ امیر موت کا خیال کر کے اور قضا پر راضی ہو کر حاضر ہو گئے حالانکہ دریا خان کی روح کو بھی اس بات کی خبر نہیں اور اس صحبت سے اس کی غرض مزید خصوصیات کا اظہار ہے اور بس۔ چنانچہ مجلس آرائی میں منہمک ہے اور دوستوں سے خوشی کا اظہار کرتا ہے اور مذاق کے دروازے کھولتا ہے۔ لیکن ہر چند دریا خان اس باب میں مبالغہ کرتا دوستوں کی دلبستگی کی گرہ نہیں کھلتی اور ان کے چہروں کے آئینوں سے غم وحزن کا رنگ صاف نہیں ہوتا۔ وہ وقت آ گیا کہ تمام اہل جشن حاضر ہو گئے۔ پیالہ چلنے لگا۔ جب بھی امیر پیالہ پیتے تو ایک دوسرے کو اشارہ کرتے تھے کہ یہ پیالہ شربت اجل کا پیالہ ہے جو ہم پی رہے ہیں۔ پھر جب اہل جشن کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو انہیں خود سے تعبیر کرتے ہیں۔ دریا خان کو ہر دم نئی خوشی حاصل ہو رہی ہے جبکہ امراء میں ہر گھڑی نیا تغیر ہو رہا ہے۔ جب دریا خان نے اپنے دوستوں میں شگفتگی نہ پائی بلکہ حزن ووہم کے آثار دیکھے تو بولا "دوستو! خیر تو ہے! اِس طرح کی مجلس میں مَیں تمہارے اندر ذوق شگفتگی نہیں پاتا۔ کیا سبب ہے اور اس کا باعث کون ہے؟" دوستوں نے سر جھکا لیے۔ جب دریا خان نے مبالغہ کیا تو عالم خان بولا کہ جان کے خوف نے ہماری یہ حالت بنائی ہے۔ اس نے پوچھا کیسے؟ اس نے کہا کہ لطیف الملک نے ہم سے کہا کہ آج رات تمہیں مار ڈالا جائے گا۔ جب لطیف الملک سے اس قسم کی بات ہمارے کانوں میں پہنچی ہو تو شگفتگی کا رنگ اور خوشحالی کا اثر ہمارے چہروں پر کہاں سے آئے گا؟ دریا خان کا دل جل اٹھا۔ صحبت کی مکدر ہو گئی۔ خان نے قرآن مجید منگوا کر اس پر سوگند کھائی کہ جو بات تم لطیف الملک کی زبان سے نقل کرتے ہو وہ میرے وہم وفہم

میں بھی نہیں۔ ان کو تسلی دے کر رخصت کر دیا اور صبح وہ امیر اپنی اپنی جاگیروں پر چلے گئے۔

دریاخان نے لطیف الملک کو بلا کر کہا "اے بدنصیب! تو نے مجھ پر یہ افترا کیوں باندھا؟ حکم دیا تو اس کا سر اور داڑھی مونڈ کر گدھے پر سوار کر کے شہر میں گلی گلی پھرا کر اسے قید خانہ میں بند کر دیا گیا۔ خان غضب ناک ہو کر اٹھا اور سونے چلا گیا۔ لطیف الملک کے اہل وعیال نے شہر کے اکابر سے اس کی شفاعت کرنے کی التجا کی۔ وہ لوگ دریاخان کے پاس گئے، شفاعت کی اور اسے خلاصی دلوائی۔ وہ مفتری عالم خان کے پاس گیا اور کہا کہ کیا یہ تمہارے لائق تھا کہ دلسوزی کے طریقہ پر تم سے کوئی بات کہے اور تم اسے ظاہر کر کے اس طرح زمانہ بھر میں رسوا کرو؟ عالم خان شرمندہ ہوا اور کہا کہ "صبر کر! جب تک میں دریاخان سے اس کا بدلہ نہ لوں گا انسانیت اور مردانگی کی نسبت مجھ پر حرام ہے۔"

مختصر یہ کہ جب عماد الملک ولایت برہانپور سے نکلا تو وہ والی مانڈو ملوخان کے پاس چلا گیا۔ ملوخان مانڈو کے بادشاہوں[1] کے غلام زادوں میں سے تھا۔ وہ سلطان بہادر (اللہ اس کی برہان کو روشن کرے!) کی خدمت میں جڑ گیا اور سلطان اس کی طرف ملتفت رہا۔ اس کے بیٹے لنگر خان کو اپنے پاس رکھ کر اسے محمد شاہ کے لشکر کے ہمراہ مغل لشکر کے پیچھے جو اس نے گجرات سے باہر نکالا تھا متعین کیا تھا۔ لنگر خان نے سلطان بہادر کے ساتھ ڈیو میں شہادت پائی جیسا کہ اوپر گذرا۔ جب محمد خان نے بھی شربت اجل چکھا تو ملوخان ملک مالوہ میں رہ گیا اور رفتہ رفتہ اقتدار حاصل کر لیا۔ مانڈو کے اکثر ممالک اس کے دائرۂ تصرف میں آ گئے۔ چونکہ اس کے اور عماد الملک کے درمیان بڑا تعلق خاطر تھا عماد الملک نے سلطان محمود کی سلطنت کی ابتدا اور اپنے عہد وزارت میں چتر، سکہ اور قادر شاہی کا لقب سلطان محمود کی طرف سے اسے بھجوایا۔ وہ اپنے نام کا خطبہ پڑھنے لگا اور سکہ بھی اپنے

---

[1] الف: سلاطین۔

نام کا ڈھالا اور خود کو قادر شاہ کے خطاب سے مخاطب کر لیا۔ ملک عماد الملک کے ساتھ اس کی خصوصیت زیادہ سے زیادہ ہوگئی۔ جب عماد الملک پر روز بد آیا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اس نے اس کے پاس پناہ لی۔ دریا خان اس سے ناراض ہوا اور سلطان محمود کی زبان سے قادر شاہ کو اس مضمون کا فرمان صادر کیا تمہارا تعلق خاطر اور دوستداری کا رابطہ اس سلسلۂ عالیہ کے ساتھ مضبوط ہے لہٰذا یہ حکم صادر کیا جاتا ہے کہ عماد الملک جو اتنے سالوں کے نمک کے حقوق کو نافرمانی سے بدل کر بغاوت کے راستہ پر چلا اور مبارک شاہ کے پاس چلا گیا تھا تم نے سنا ہوگا کہ اس کے منحوس قدم سے مبارک شاہ پر کیسا روز بد آ گیا۔ اب ایسا سنا گیا ہے کہ اس نے تم سے التجا کی ہے۔ لائق بات یہ ہے کہ اسے پکڑ کر ہمارے تخت کے پایے پر کہ خلافت کے لوٹنے کی جگہ ہے بھیج دو یا اپنی ولایت سے نکال باہر کرو تاکہ ہمارے پرانے اخلاص کا رشتہ ایک نئی سمت پائے۔ قادر شاہ نے اپنے جواب میں لکھا کہ عماد الملک نے سپاہگری ترک کر کے خود کے لیے درویشی طے کی ہے۔ اس وجہ سے ایک موضع وظیفہ کے طور پر مشارٌ الیہ کے لیے متعین کر دیا گیا اس لیے کہ یہ مناسب نہیں لگا کہ آپ کی درگاہ کا ایک قدیم الخدمت غلام اس حالت میں بیگانہ لوگوں کے پاس جائے۔ خاطر مبارک اس طرف سے جمع رہے کہ اس نے تمام دعوے ترک کر کے حرکت کے پاؤں کو سکون کے دامن میں سمیٹ لیا اور گوشۂ نامرادی میں بیٹھ گیا ہے۔

چونکہ دریا خان کی غرض یہ تھی کہ کہیں حریف کسی صاحب مدد کی امداد سے قوت پکڑ لے بلکہ عماد الملک کا تنہا وجود ہی تشویش وتردد کا باعث تھا اس لیے قادر شاہ کے لکھے ہوئے مضمون کو سن کر وہ غصہ ہوگیا اور کوچ کا نقارہ بجوادیا۔ اس نے حکم دیا تو سلطان کی فوج کا سامان شہر سے باہر کمد حلور کے محلوں میں جو کانکریہ تالاب کے قریب واقع میں لے گئے۔ امیروں اور سپاہیوں کی طلب کے لیے فرمان بھیجے کہ لشکر کا سامان تیار کر کے جلد حاضر ہوجائیں کہ قادر شاہ پر لشکر کشی کا عزم مصمم ہو چکا ہے۔ امراء چاروں طرف سے نہروں کی طرح بحر ذخار کی طرف آنے لگے۔ کچھ روز کے بعد سلطان کو بھی پیش خانہ

(سامان فوج) لے گیا لیکن خود شہر میں رہا۔ دن کا ایک پہر چڑھنے کے بعد سلطان کی خدمت میں آتا تھا اور تین چار گھڑی روز دربار میں بیٹھ کر شہر چلا جاتا تھا اور عیش وعشرت میں مشغول ہوجاتا تھا لشکر بھی اس کے ہمراہ چلا جاتا تھا۔ سلطان کے پاس اِنے گنے چوکیدار رہتے تھے وہ بھی اپنی نوبت پوری کر کے شہر چلے جاتے تھے اور دوسرے چوکیدار آجاتے تھے۔

لیکن جب تک سلطان کم عمر تھا ہر طریقہ سے گذر بسر کر لی اور تحمل کیا۔ اب وہ وقت آن پہنچا کہ بچپنے کی حد سے نکل کر آغاز جوانی کی سرحد میں قدم رکھے اور لشکر آرزو کی مملکت کامرانی کی تسخیر کے ارادہ سے میدان میں قدم بڑھائے لیکن جب ہاتھ دامن تک نہیں پہنچتا تو اسے ایک عجیب الم ہوتا ہے اور ہر وقت آہ حسرت بھرتا ہے۔ اور جو کچھ سلطان کا دل چاہتا ہے وہ دریا خان کی ضرورتوں میں صرف ہوجاتا ہے۔

نقل ہے کہ ایک دن دریا خان سلطان کو میران سید مبارک بخاری کے ساتھ اپنے گھر لے گیا تاکہ جشن کا تماشہ دکھلائے۔ جب سلطان نے جشنگاہ میں قدم رکھا تو پری زادوں کو دیکھا جن کا دیدار عقل کو قید حیرانی میں لاتا تھا۔ ان میں سے چند رقاصائیں نظر آئیں کہ زمانہ کی آنکھ نے کبھی ایسی صاحب حسن اور پرُ کار نہ دیکھی تھیں۔ اگرچہ انہوں نے زر و جواہر بھی بہت استعمال کیے تھے لیکن ان ماہ وشوں کے چہروں اور خورشید جیسے سیاروں کے سامنے چشم اعتبار میں بے قیمت پتھروں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔ سلطان نے آخر شب تک تماشہ دیکھا۔ اس کے بعد مجلس برخاست ہوگئی۔ دریا خان اپنی خلوت میں چلا گیا اور ان میں سے ایک ماہ پارہ کو بغل میں لے کر سو گیا۔ سلطان اکیلا رہ گیا۔ وہ برداشت نہ کرسکا۔ چپکے سے سید کے کان میں کہا کہ "میران جوی! آپ دیکھتے ہیں شوخی اس غلام کی! ہمیں اکیلا چھوڑ کر خود شراب پی کر فراغت سے مشغول ہوگیا۔" میران نے فرمایا "کوئی باک نہیں جو بھی آپ کی نظر میں آئیں وہ سب عنقریب آپ کی بساط خدمت پر قیام کریں گے یہ بات وقت پر موقوف ہے۔"

[قطعہ]

ہر کام اپنے وقت پر پورا ہوتا ہے
ہر میوہ اپنے وقت پر لگتا ہے
یہ محال ہے کہ چمن گاہ سے تم
بنفشہ سخت گرمی کے موسم میں اور گلاب کے پھول جاڑے کی فصل میں پاؤ

آخر کار ایسا ہی ہوا کہ دریا خان کا پورا حرم اور خزانہ اور نوکر چاکر سب سلطانوں کے ساتھ لگے چنانچہ ان احوال کا ذکر اس کے بعد مذکور ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ کہ جب عالم خان نے سنا کہ سلطان شہر کے باہر رہتا ہے اور دریا خان راتوں میں لشکر کے ساتھ شہر میں اور اس وجہ سے سلطان کو ایذا اور حیرانی ہو رہی ہے تو اس نے خفیہ طریقہ سے قصبہ ڈھنڈھو کہ سے جو احمد آباد سے تیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے اور اس کی جاگیر سے تعلق رکھتا تھا عریضہ بھیجا کہ ہم اس درگاہ کے اصیل غلام ہیں۔ ہم نہیں دیکھ سکتے کہ دریا خان اس طرح حکومت و سلطنت اور عیش و کامرانی میں زندگی گذارے اور ہمارا بادشاہ ایسی بے سروسامانی اور حیرانی میں رہے۔ اس لیے ہم اپنی جاگیر کے گوشہ میں دم بخود بیٹھے ہیں۔ اگر سلطان کو سلطنت کا داعیہ اور کامرانی کا ارادہ ہو تو تشریف لے آئے۔ بعد ازاں یہ بندے کمر خدمت باندھ کر اس متغلب کو بیچ سے نکال دیں گے۔ سلطان نے چرجی[1] چڑیمار یعنی چڑیاں پکڑنے والے صیاد کو جو آخر سلطان کی عنایت سے محافظ خان کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا اس بہانے سے بھیجا کہ جونا گڈھ[2] سے شکرے پکڑ لائے اور چونکہ قصبہ ڈھنڈھوکہ جو سر راہ واقع ہے عالم خان سے ملاقات کر کے اس سے دولتخواہی کا عہد اور اعتماد حاصل کر کے لائے۔ چرجی عالم خان کے پاس گیا۔ مشارٌ الیہ (عالم خان) نے ہر طرح سے سلطان کا جو مطلوب تھا اس کا یقین دلایا اور یہ طے ہوا کہ دو

---

[1] الف : چرجی نام چڑی مار
[2] الف : کہ وہاں کے شکرے خوب ہوتے ہیں۔

سوار راتوں رات کنند ھلور کے حصار کے نیچے پہنچیں اور سلطان باہر نکل کر ان سے مل جائے اور عالم خان کی طرف روانہ ہو جائے۔ آخر کار جو رات طے ہوئی تھی کھور بھل[1] کی ایک ٹکڑی حصار کی دیوار کے نیچے لا کر کھڑی کر دی۔ سلطان کمند کے ذریعہ حصار کی دیوار سے نیچے اتر کر کھور بھل پر بیٹھا اور اولیا کے[2] رنگ میں فاصلہ طے کرنے لگا۔ صبح جانبو جو پرگنہ جھالاواڑ کے دیہاتوں میں سے ہے پہنچ گیا۔ وجیہ الملک وہاں کا جاگیردار تھا۔ استقبال کے لیے آ کر حاضر خدمت ہوا۔ سلطان کچھ دیر ٹھہر کر پھر روانہ ہوا اور قصبہ ڈھنڈوکہ پہنچا۔ عالم خان آ کر پابوسی سے مشرف ہوا اور عرض کی کہ سلطان کا آنا مبارک ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کام سلطنت کے ہوا خواہوں کی مراد کے مطابق پورا ہوگا۔

دن کا ایک پہر گذرنے کے بعد جب دریا خان اپنی روزانہ کی عادت کے مطابق دربار میں آیا تو سنا کہ سلطان عالم خان کے پاس چلا گیا۔ دریا خان نے فتوجی محافظ خان سے کہ وہ اس کا محرم راز دوست تھا پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ وہ بولا "اس سے پہلے میں نے ہر چند تجھ سے کہا کہ اس لڑکے کی آنکھ میں سلائی پھروا دے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا کمسن لڑکا نصب کر جو تیرے ماتحت رہے لیکن تو نے میری بات نہیں مانی۔ اب جب تک اس نے قوت نہیں پکڑی ہے ایک کو بادشاہ بنا اور لشکر جمع کر کے آ۔ میں اسے زندہ گرفتار کرلوں گا۔"

دریا خان نے سلطان احمد بانی احمد آباد کے پوتوں پڑپوتوں میں سے ایک کو ڈھونڈ نکالا۔ اسے سلطان مظفر کا لقب دے کر بطور بادشاہ کھڑا کیا اور قریب پچاس ساٹھ ہزار سوار جمع کر کے قصبہ ڈھنڈھوکہ کی طرف لشکر کشی کی۔ اس جانب سے عالم خان دس بارہ ہزار سواروں کو سلطان کے ساتھ لے کر نکلا اور دھورکہ گاؤں کے قریب جو پرگنہ دھولقہ کے

---

[1] ن: گھور بھلیہ (اس لفظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کاٹھیاواڑ کے گھوڑوں کی کوئی قسم ہے۔ مترجم۔)

[2] ج: طی الارض

دیہاتوں میں سے ہے اور قصبہ مذکور سے سات کوس کے فاصلہ پر واقع ہے مقابلہ کیا۔ کہتے ہیں کہ دریا خان کے بہت دلاسا اور بے پایان تسلی دینے کے باوجود آدمی اس سے جدا ہو کر سلطان کی خدمت میں جا رہے تھے۔ مختصر یہ کہ

[ابیات]

صبح جب نیلے تخت والے بادشاہ نے
دنیا کو فتح کرنے والی تلوار میان سے نکالی
تو مرغوں کی بانگ آسمان تک پہنچی
اور دونوں لشکروں سے نقاروں کی آواز بلند ہوئی
جنگ کے لیے انہوں نے صفیں باندھ لیں،
ایک نے اِس کنارے سے، دوسرے نے اُس کنارے سے
ہر طرف سے سپاہی لڑنے کے لیے تیار ہو گئے
لشکر کے نقیبوں نے صفیں درست کر دیں
جنگی ہاتھی قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے
ان کی آواز سے زمین پر قیامت آ گئی

کہتے ہیں کہ سلطان کے داہنی طرف کی فوج عالم خان کے وجود سے مستحکم تھی اور غنیم کی جانب سے عالم خان کے مقابل فتوجی محافظ خان مقرر ہوا۔ اور وہ ایک بہادر آدمی تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں ایک چیز میں حیران ہوں کہ مرد دوسرے مرد کے سامنے سے کیسے بھاگتا ہے۔ اور بائیں[1] طرف کے فوج کے سردار مجاہد خان بہلیم اور اس کا بھائی مجاہد الملک تھے غنیم کی جانب سے ان کے مقابلہ میں فتوجی محافظ خان کا بھائی شمشیر خان تھا۔ وجیہ الملک تاج، الغ خان دوتانی افغان اور الپ خان کھتری غول (وہ فوج جس میں سردار موجود ہوں) میں سلطان محمود کے ہمرکاب تھے۔ اور غنیم کی طرف سے سلطان کے مقابلہ

---

[1] ز: جرانغار (متن میں یہ لفظ برانغار چھپا ہے لیکن نسخہ ز کا لفظ جرانغار صحیح معلوم ہوتا ہے۔ مترجم)

میں دریا خان اس بادشاہ کے ساتھ جو اس نے بنایا تھا اور دوسرے خان مثلاً بادشاہ دہلی سلطان سکندر لودی کا بھائی سلطان علاء الدین لودی جو سلطان بہادر کے زمانہ میں آ کر سلطان کے ساتھ رہنے لگا تھا۔ طرفین کے ہراول میں کار آزمودہ اور جنگ دیدہ آدمیوں کو مقرر کر کے میدان کو دلاوری سے آراستہ کیا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے کہ ہراول (لشکر کے آگے کا دستہ) ہراول سے تلوار کی لڑائی کرے، عالم خان نے پہل کی اور اس طرف فتوجی ستون کی طرح جم گیا۔ دو گھڑی[1] تک دونوں ایک دوسرے پر تلوار کے وار کرتے رہے۔ طرفین کے زرہ بکتروں اور لوہے کی ٹوپیوں سے آگ کے شعلے بجلی کی طرح چمکتے تھے۔ آخرکار فتوجی کے لشکر نے شکست کھا کر قصبہ رانپور جو قصبہ ڈھنڈوکہ سے دس کوس کے فاصلہ پر قبلہ رخ واقع ہے چلا گیا اور وہاں سے موضع کوٹ پالیا جو رانپور سے پانچ کوس پر سرکار سورٹھ کے پرگنہ سروہ کے دیہاتوں سے ہے پہنچ گیا۔ عالم خان شکست کھا کر موضع سیادرہ[2] جو سابھر ندی کے کنارے احمد آباد سے جنوب کی طرف سترہ کوس پر واقع ہے چلا گیا۔

دریا خان مظفر و منصور ہو کر واپس ہوا اور قصبہ دھولقہ کے قریب اترا۔ لیکن چونکہ سلطان کا طالع قوی تھا ہزیمت کے باوجود ہارنے والے اور جیتنے والے دونوں لشکروں کے آدمی فوج در فوج نکل کر بعض عالم خان سے مل رہے تھے اور بعض سلطان کی خدمت میں پہنچ رہے تھے۔ تین چار دن میں پھر عالم خان کے پاس دس بارہ ہزار سوار جمع ہو گئے۔ عالم خان نے سلطان کو عریضہ بھیجا کہ اپنے ارادہ[3] کی لگام اس طرف موڑیں۔ اس بار ہم انشاء اللہ تعالیٰ باغیوں کو زندہ گرفتار کر لیں گے۔

جب دریا خان نے اس حالت کا مشاہدہ کیا کہ لشکر اس سے ہر روز جدا ہو کر

---

[1] ج: ''دو گھڑی تک... فتوجی خود'' نہیں ہے۔

[2] ج: شہادت۔

[3] ج: ''اپنے ارادہ کی لگام... موڑیں'' نہیں ہے۔

سلطان کی خدمت میں جاتا ہے تو وہ دھولقہ میں قیام نہ کرسکا اور اس خیال سے احمد آباد روانہ ہوگیا کہ شاہی خزانہ ہمارے ہاتھ میں ہے جب لشکر کو دوں گا تو وہ پھر اس طرف آجائے گا۔ جب وہ شہر کے دروازہ پر پہنچا تو اہل شہر نے دروازہ اس پر بند کردیا اور اوپر سے تیر وتفنگ چلانے لگے۔ انہوں نے کہا کہ تو حرامخور ہے۔ تجھے ہم شہر میں نہ آنے دیں گے۔ آخرکار وہ دروازہ کو چھوڑ کر بیرم پور[1] کی کھڑکی کو توڑ کر اس راستے سے شہر میں داخل ہوا۔ لیکن چند دنوں تک وہ لوگوں کو دلاسا اور مال دیتا تھا اور رات کو وہ لوگ نکل کر سلطان کی خدمت میں چلے جاتے تھے۔

وہاں سے سلطان احمد آباد روانہ ہوا۔ دریا خان ڈرا کہ مبادا شہر کے لوگ مجھے پکڑ کر سلطان کے پاس لے جائیں۔ اس نے اپنا حرم اور خزانہ فتوجی کے ہمراہ قلعہ چانپانیر بھیج دیا اور کہا کہ تم وہاں مضبوط ہوجاؤ۔ میں مبارک شاہ کے پاس برہانپور جاتا ہوں اور اسے لے کر آتا ہوں[2] اور خود برہانپور کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہ واقعہ ۹۵۰ھ کا ہے۔[3]

سلطان اپنی خوش نصیبی اور اقبال کے ساتھ احمد آباد اور وہاں سے چانپانیر روانہ ہوا۔ متواتر کوچ کرتے ہوئے اس نے چانپانیر پر ہجوم کیا۔ فتوجی نے لڑنے بھڑنے میں کمی نہ کی لیکن آخر وہی دیکھا جو بزرگوں نے کہا ہے۔ [بیت]

اگر تو اپنے ولی نعمت سے غداری کرے گا

تو اگر تو آسمان بھی ہو سر کے بل گرے گا

قلعہ کو سلطان نے اپنے زور بازو سے فتح کرلیا۔ کہتے ہیں کہ قلعہ کی فتح کے دن سلطان نے آدمیوں کی ایسی جرأت اور مردانگی دیکھی کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔ جس جگہ سلطان کھڑا تھا چھ سات آدمی سلطان کے گرد وپیش سے گولی چلا کر اوپر سے لڑھکا دیتے

---

[1] ز: بیرم پورہ ج: برم پور

[2] الف: اور اسے کمک کے لیے لاتا ہوں۔

[3] ج: "اور یہ واقعہ ۹۵۰ھ کا ہے" نہیں ہے۔

تھے۔ سلطان وہاں سے ایک قدم بھی دائیں بائیں نہ گھوما اور نہ چھتری اپنے سر سے ہٹائی۔ ہر چند لوگوں نے کہا کہ چھتری سلطان کے سر سے ہٹا لے لیکن سلطان کو ٹھیک نہ لگا۔ وہ چھتری بردار کو مضبوط کر رہا تھا اور قدم آگے نہ بڑھاتا تھا یہاں تک کہ شجاعت کے جنگل کے شیر سپاہی اور جسارت کے میدان کے مرد لشکری ہر طرف سے قلعہ میں چڑھ آئے۔ فوجی بھاگ کر قلعہ کی گڑھی میں جسے مولہ[1] کہتے ہیں چڑھ گیا۔ آخر کار اسے گرفتار کر کے سلطان کی خدمت میں لائے۔ سلطان نے حکم دیا کہ اسے سورت کے قلعہ میں قید رکھیں۔ دریا خان کا پورا خزانہ اور حرم تقریباً چار پانچ سو پری زاد جن میں سے چند ایسی تھیں کہ زمانہ کی آنکھ نے کبھی ایسی آدمی زاد نہ دیکھی ہوں گی سلطان کے ہاتھ میں آئے۔

سلطان دل شاد اور بند غم سے آزاد ہو کر کامران ہوا۔

[ابیات]

کتنا اچھا لگتا ہے جب بہت دیر کے پیاسے کو
بیابان کی گرمی میں دودھ کا شربت ملتا ہے
اس کا دہن اس کی شیرینی کا مزہ لیتا ہے
اور اسے پی کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرتا ہے
دل نے سینکڑوں جوش میں کتنے غم کھائے ہونگے
یہاں تک کہ کوئی نوشدارو نوش کرے
ایسا مطلق العنان (آزاد) دنیا میں کم ملتا ہے
کہ جو اپنے دل کی فرمائش پر لگام موڑلے

سلطان نے حضرت سید مبارک کو کہا "میران جیو! آپ کی بات غیب کے امکان سے معرض ظہور میں آگئی۔" میران نے عرض کیا مثل مشہور ہے کہ ہر چند دیر لگے لیکن ہرن شیر کے پنجے میں آجاتا ہے۔ مختصر یہ کہ سلطان مظفر و منصور چانپانیر میں ٹھہرا اور کامرانی و داد

---

[1] ز: موالیہ

جوانی دینے کا آغاز کیا۔ تین مہینے اس طور سے گذرے۔ وزارت کا منصب اشرف ہمایوں ملک برہان الملک بنبانی کے لیے قرار پایا۔ وہ مرد دیندار اور مصلح کا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا "یا رسول اللہ! ہم نے سنا ہے کہ گل سُرخ کا وجود حضرت کے مبارک پسینے سے ظاہر ہوا ہے۔ یہ کیسا ہے؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک پیشانی سے پسینہ دست مبارک میں لے کر چھڑکا تو اس سے تمام گل سُرخ تر و تازہ جھڑے۔ امیر الامراء اور سپہ سالار کا منصب عالم خان سے متعلق ہوا۔ ایک دن عالم خان نے عرض کیا کہ عماد الملک قدیم الخدمت غلام ہے۔ دریا خان نے اپنی بدنفسی کی وجہ سے اس کا اخراج کیا تھا۔ اگر اس کی طلب کے لیے فرمان صادر ہو تو چوکھٹ چومنے کے لیے حاضر ہو جائے۔ سلطان نے عماد الملک کی طلبی کے لیے فرمان صادر کر دیا۔

مختصر یہ کہ جب غدار آسمان اور مکار چرخ چند قدم سلطان کی مراد پر چلا تو سلطان اس کی پانچگی سے غافل ہو کر رذیلوں کی طرف التفات کرنے لگا اور کمینوں کی پرورش کا آغاز کیا چنانچہ چرجی چڑیمار کو محافظ خان کا خطاب دے کر اپنا مقرب درگاہ بنا لیا۔ وہ تنگ حوصلہ کم ظرف شراب پیتا تھا اور امیروں وزیروں کے بارے میں مکر آمیز باتیں کرتا تھا۔ اور سلطان کی خدمت میں خود کو دولتخواہ اور صاحب مشورہ جتلاتا تھا۔ اس وجہ سے امیروں اور وزیروں کو تکلیف ہوتی تھی۔

اس اثنا میں ملک عماد الملک بھی منڈوے آ گیا۔ سلطان نے اس کا بہت اعزاز واکرام کیا۔ سرکار بھروچ سورت کی بندرگاہ کے ساتھ اس کی جاگیر میں دے کر اسے اپنی جاگیر پر رخصت کر دیا کہ وہاں جا کر اپنا سامان اور سرانجام کرے۔ اس اثنا میں جرجیو[1] نے مجلس شراب میں عرض کیا کہ سلطان سلامت! نئے خیمے کے لیے رسّے بھی نئے ہونے چاہئیں۔ یہ پرانے قلعے کام نہیں آتے۔ ان کا عدم ان کے وجود سے بہتر ہے۔ آخر یہاں

1۔ الف: چرجی

تک کہ دوسروں کا علاج کیا جائے، سلطان علاء الدین لودی اس جنگ میں جو موضع دھور کہ کے قریب واقع ہوئی دریا خان کے ہمراہ تھا۔ دوسرا بیک خیو شجاع خان کہ یہ بھی انھی میں سے ہے، ان دو آدمیوں کو مار ڈالنا چاہیے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ اس کم عقل کے کہنے پر سلطان نے اسی وقت امراء سے مشورہ کئے بغیر ان دو امیروں کے لیے حکم دیا تو ان کی گردن مار کر انہیں دار کے نیچے ڈال دیا گیا اور خود خلوت میں چلا گیا اور امیروں اور وزیروں میں سے کسی کو بار نہ دیا یہاں تک کہ تین دن اس طرح گذر گئے۔

آخرکار عالم خان نے عماد الملک سے کہا کہ سلطان علاء الدین سلطان سکندر لودی کا بھائی ہے۔ آج تیسرا دن ہے کہ وہ دار کے نیچے پڑا ہے۔ تم جاؤ اور سلطان سے عرض کر کے اجازت حاصل کرو کہ اسے اٹھا کر دفن کر دیں۔ ملک نے کہا کہ مجھے تو جانے کی اجازت مل گئی ہے۔ عالم خان نے کہا کہ ڈر کی بات نہیں ہے، جانا چاہیے۔ عماد الملک دربار میں آیا۔ جرجیو نے سلطان کے پاس سے باہر آ کر پوچھا کہ ملک تمھیں تو جانے کی اجازت مل گئی ہے پھر تم کیوں آئے ہو؟ ملک نے کہا کہ سلطان علاء الدین لودی آج تیسرا دن ہے کہ دار کے نیچے پڑا ہے۔ جا اور سلطان سے عرض کر کہ حکم ہو تاکہ اسے دفن کر دیں۔ وہ کم عقل غصہ سے ہنسا اور منہ پھیرتے ہوئے بولا کہ "ملک! آج تو ان دو نمک حراموں کو مارا ہے عنقریب چند دوسروں کو بھی ماریں گے۔ تمھیں کیا پڑی ہے۔ تم جاؤ اپنی جاگیر پر۔" یہ بات سن کر عماد الملک کو آگ لگ گئی۔ وہ بولا "خان جیو! یہ چڑیا نہیں ہے کہ تم نے مار ڈالی ہو۔" اور اٹھ کر اپنا راستہ لیا اور عالم خان کے پاس آیا اور جو کچھ سنا تھا اس کے سامنے دہرایا اور کہا کہ اگر چاہتے ہو کہ چند روز اور زندہ رہو تو اِس بدبخت دنبہ[1] چرجی کو ختم کر دو اور سلطان کو شہر بند کرو اور خود اپنے ڈیرہ جا کر اپنی جاگیر کی طرف کوچ کرو۔

عالم خان، وجیہ الملک، الپ خان کھتری اور پورے لشکر نے سوائے برہان الملک وزیر کے یہ اتفاق کر لیا کہ جب تک جرجیو کو ہلاک نہ کر دیں گے سلطان کو سلام نہ

---

[1] ج: اس بداصل اور بدبخت کو

کریں گے۔ عالم خان تمام امراء کو ہتھیار بندھوا کر سوار ہوا۔ پہلے ان دونوں مقتولوں کو اٹھا کر دفن کیا پھر بڑی مسجد میں جو سلطان کے دربار کے سامنے تھی آ کر بیٹھ گئے۔ سلطان قلعہ نہ ہو گیا یہاں تک کہ تین دن اس طرح گذر گئے۔ آخر کار پانی کی قلت ہوئی۔ سلطان عاجز ہو گیا۔ برہان الملک کو ان کے پاس بھیجا کہ معلوم کرے کہ ان کا مقصد کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم سلطان کے غلام ہیں۔ ہمیں سلطان سے کوئی گلہ نہیں لیکن جرجیو کو ہمارے پاس بھیج دیجیے کہ یہ آپ کے حضور میں رہنے کے لائق نہیں۔ وہ ایسا بدبخت ہے جو بدی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہر چند اس باب میں سوال وجواب ہوئے لیکن سلطان جرجیو کو بھیجنے پر راضی نہ ہوا۔ آخر کار برہان الملک اور افضل خان نے عالم خان سے کہا کہ اس مرتبہ اِس سے زیادہ کوشش نہ کرو۔ اس کے بعد تم جو کچھ کہو گے سلطان وہی کرے گا۔ انہوں نے قبول کیا اور کہا کہ ہم باغی نہیں ہیں، سلطان کے غلام ہیں۔ ہمیں اسی وقت سلطان کی خدمت میں لے جاؤ تا کہ سلام کر کے واپس ہوں۔ سلطان نے باہر نکل کر دربار عام کیا اور امراء کو بلایا۔ ان میں سے ایک نے جو جرجیو کے ساتھ رابطۂ اخلاص رکھتا تھا اسے کہلا بھیجا کہ اس مجلس میں خود کو حاضر نہ کرنا ورنہ تجھے مار ڈالیں گے۔ اس نادان نے جو التفات سلطانی پر مغرور تھا یہ نصیحت نہ مانی۔ جب امراء نے آ کر سلام کیا اور دست بستہ کھڑے ہو گئے تو یہ بدبخت شراب پیے ہوئے بڑے غرور سے آیا اور تخت کا ستون پکڑ کر سلطان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جب عالم خان کی نظر جرجیو پر پڑی تو اس کے غضب کی آگ تیز تر ہو گئی۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ مار ڈالو اس بدبخت کو۔ عالم خان کے ملازموں میں سے سیّد جاؤ منڈو والی، دوسرے صالح محمد الہدایہ اور دوسرے ملک خطاب لادن نے تلوار کھینچ کر جرجیو پر حملہ کیا۔ جرجیو بھاگ کر شاہی تخت کے نیچے گھس گیا۔ انہوں نے وہاں سے بال پکڑ کر باہر نکالا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر چند وہ چلایا اور سلطان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بہت شور وغل ہوا۔ جرجیو کو باہر لے جا کر دفن کر دیا گیا اور سلطان کا زخم باندھ کر اس کی نگہبانی کرنے لگے۔ سلطان کی حکومت نے پھر ہاتھ کھینچ لیا اور امراء کی قید میں

آ گیا۔ اُس دن سے پھر بطور سابق اس پر نگاہ رکھنے لگے اور کوئی کام سلطان کے اختیار پر نہ چھوڑا۔ خس پروری (کمینہ پروری) کا یہ نتیجہ نکلا اور سفلہ نوازی نے مراد کے پاؤں میں بیڑی ڈال دی۔ لہٰذا کسی بزرگ نے کہا ہے۔ [بیت]

وہ خسرو نہیں ہوتا جو خس پرور ہے

خسی (کمینہ پن) الگ ہے اور خسروی (بادشاہت) الگ

جس کسی بادشاہ نے بھی خس پروری اور سفلہ نوازی کو اپنی عادت بنایا اس نے بدنصیبی کا بیج اپنے اقبال کی زمین میں بو دیا اور آخر وہی اٹھایا جو بویا تھا۔

کہتے ہیں کہ جس دن سلطان نے جرجی کو محافظ خان کا خطاب دیا افضل خان نے تجاہل عارفانہ سے پوچھا کہ کوئی جانتا ہے محافظ خان کس قوم سے ہیں؟ ملک امین کمان نے جو شاعر اور لطیفہ گو تھا کہا "ہاں میں جانتا ہوں۔ وہ قوم پرمار سے ہیں۔ نریاد ان کے گراس میں ہے۔" پرمار ایک قوم ہے راجپوتوں کی اور نریاد ایک قصبہ ہے گجرات کے مضافات میں سے۔ اور صیاد کی نسبت سے لفظ پرمار اور نریاد ایک لطیفہ ہے۔ لفظ پرمار کا لطیفہ خود ظاہر ہے۔ دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ زبانس کی لمبی لکڑی کو کہتے ہیں جس سے جانور پکڑتے ہیں اور نریاد جانور پکڑنے والے کو کہتے ہیں۔

اور ملک امین سے یہ لطیفہ بھی مشہور ہے کہ ایک دن سلطان نے خان جہان خواجہ سرا سے پوچھا کہ تو کس قوم سے ہے؟ وہ بولا میں کم عمر ہی تھا کہ میں قید ہو گیا۔ مجھے یاد نہیں ملک امین بولا کہ میں خان کی قوم کو جانتا ہوں۔ سلطان نے کہا بولو۔ وہ بولا یہ بادھیل قوم کے ہیں۔ بادھیل ایک قوم ہے راجپوتوں کی اور ہندوی زبان میں بادھیل کٹے ہوئے کو کہتے ہیں۔ سلطان خوب ہنسا اور چند لاکھ دام انعام میں دیے۔

مختصر یہ کہ عالم خان، وجیہ الملک، مجاہد خان اور مجاہد الملک کہ بڑے امیر تھے انہوں نے اتفاق کر کے یہ قرار دیا کہ ایک دن عالم خان سلطان کی چوکی کرے اور ایک دن شجاع الملک عالم خان کا بھائی اور وجیہ الملک تاک اور ایک روز مجاہد خان اور مجاہد

الملک بہلیم کہ دونوں بھائی تھے اور اعظم ہمایوں جو عالم خان کا ماموں زاد بھائی تھا۔ اس احتیاط سے وہ سلطان کی نگہبانی کرتے تھے۔ احمد آباد آنے کے بعد اسی طرز سے چوکی دیتے تھے۔ جب کبھی سلطان کو چوگان بازی کا شوق ہوتا تو بھدر میں جو میدان چوگان کا تھا اس میں چوگان کھیلتا تھا لیکن اس کا امکان نہ تھا کہ بھدر کے دروازہ سے باہر آئے۔

مختصر یہ کہ عالم خان کا بھائی شجاع الملک اور مجاہد خان بہلیم کبھی کبھی مذاق کرتے تھے۔ وہ جسیم آدمی تھا اور اس کا پیٹ بہت بڑا تھا۔ مجاہد خان کے وزیر تاتار الملک کو کہ اس کی سرکار کا سارا انتظام اسی کے ہاتھ میں تھا یہ ادا اچھی نہیں لگتی تھی اور وہ اس کا بہت اثر لیتا تھا۔ مجاہد خان اور مجاہد الملک کی جمعیت قریب دس بارہ ہزار سوار کی تھی کہ سورٹھ کے ہزار گاؤں ان کی جاگیر سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک دن مشورہ کے وقت امیروں نے ایک دوسرے سے کہا کہ سلطان کی نگاہداشت اس طرح رکھنا مصلحت نہیں۔ اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دینا چاہیے اور اس کی جگہ کسی دوسرے لڑکے کو نصب کر دینا چاہیے بلکہ دوسرے لڑکے کی بھی کیا ضرورت ہے؟ ولایت کو آپس میں تقسیم کر کے ہر کوئی اپنی سرحد میں بیٹھ جائے۔ اس طرح انہوں نے ملک کی تقسیم شروع کر دی۔ وہ بولے کہ فلاں سرکار فلاں سے تعلق رکھے اور فلاں فلاں سے۔ تاتار الملک بولا کہ میرے آقا کو کونسی جگہ دیں گے؟ شجاع الملک مذاق کے طور پر بولا کہ مجاہد خان کا پیٹ اضافۂ دولت نہیں بلکہ جو کچھ وہ رکھتا ہے اس میں سے بھی کمی کی جائے گی۔ مجاہد خان نے خوش طبعی سے ٹال دیا لیکن تاتار الملک اس بات سے بہت برہم ہوا۔ بولا ظاہری طور پر انہوں نے مذاق میں یہ بات کہی لیکن مقرر ہے کہ "کوزہ سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں موجود ہو" معلوم ہو گیا کہ آپ کے بارے میں ان کی نیت کیا ہے۔[بیت]

واقعہ[2] کا علاج اس کے وقوع میں آنے سے پہلے کرنا چاہیے
ورنہ جب کام ہاتھ سے نکل گیا تو افسوس سے فائدہ نہیں ہوتا

---

[1] ج: "ایک دن شجاع الملک... اور ایک روز" نہیں ہے۔
[2] ج: "واقعہ کا علاج... فائدہ نہیں ہوتا" نہیں ہے۔

اوروں کی بہ نسبت سلطان کی خدمت میں تاتار الملک کا آنا جانا زیادہ تھا۔ ظاہراً یہ بات سلطان کے کانوں تک بھی پہنچی تھی کہ آج انہوں نے یہ طے کیا ہے کہ سلطان کی آنکھوں میں سلائی پھیروادیں۔ یہ بات سن کر سلطان رونے لگا اور بولا کہ اگر مجھے جان سے ماردیں تو میں راضی ہوں لیکن مجھے اندھا نہ کریں۔

تاتار الملک نے اک رات خدمت میں عرض کیا کہ ہم سلطان کے غلام ہیں۔ میری ایک عرض ہے۔ اگر خوشنودی کے ساتھ سنیں تو عرض کروں۔ سلطان سمجھا کہ مبادا اقبل خان کے بیٹے کی طرح کہ ذکر اس کا اوپر گذرا بات کہتا ہو کہ وہ پھر شدت کی کثرت کا باعث بنے، بولا "ہم سے کیا کہتا ہے؟ ہم سے کیا ہوسکتا ہے؟" اس نے عرض کیا کہ سلطان عالم نے امیروں کی قراردادسنی ہوگی کہ وہ کس مقام میں ہیں۔ یا تو اندھاپن اختیار کیجیے یا اس کام کے دفع کرنے کی فکر کیجیے۔ سلطان نے کہا "میرا ساتھ دوگے؟" وہ بولا "مجاہد خان اور مجاہد الملک کہ دس بارہ ہزار سوار ان کے تیار ہیں اگر سلطان حکم کریں تو اسی وقت ان سب کو مسلح اور مکمل کر کے لے آؤں۔ جب رات کی دو گھڑی باقی رہے سلطان چتر بلند کر کے سوار ہوں اور عالم خان اور وجیہ الملک کے گھروں پر ہلہ بول دیں یعنی ان کی تاراجی کا حکم دیں۔ وہ اس وقت خواب غفلت میں ہوں گے۔ ان کے حاضر ہونے تک انشاء اللہ تعالیٰ ہم انہیں زندہ پکڑلیں گے یا ان کا اخراج کر کے انہیں آوارگی کے ہاتھوں سونپ دیں گے۔

سلطان نے کہا تو پھر مجاہد خان اور مجاہد الملک آئیں اور ہم سے عہد وپیمان کریں۔ وہ لوگ حاضر ہی تھے کیونکہ اس رات ان کا اور اعظم ہمایوں کا چوکی پہرہ تھا۔ دونوں مذکور امیر سے یہ بات کس طرح مخفی رہے گی؟ تاتار الملک نے کہا کہ میں اسے اس کے گھر بھیج دیتا ہوں۔ تاتار الملک اٹھا اور اعظم ہمایوں کے پاس آیا اور خصوصیت کی باتیں کرنے لگا۔ ان دنوں اعظم ہمایوں ایک گانے والی عورت پر عاشق تھا۔ ہر وقت دوستوں کے سامنے اپنے اشتیاق اور آرزومندی کا اظہار کیا کرتا تھا۔ تتار الملک نے بھی اسی قسم کی

باتیں شروع کیں اور بولا کہ جب مجھ جیسا تیرا مخلص اور ہوا خواہ ہو پھر تو یہ درد والم خود پر کیوں روا رکھتا ہے؟ تمہارے آدمی خود پہرے پر ہیں۔ تم خود جاؤ اور اپنے محبوب سے صحبت رکھو۔ ہم ہیں اور پہرے کا اہتمام۔ اعظم ہمایوں نے کہا کہ عالم خان ایک رات میں دو تین مرتبہ آدمی بھیجتا ہے اور میری خبر نکالتا ہے۔ تتار الملک نے اس سے کہا کہ تکیہ کو بستر پر لمبا رکھ کر اس پر چادر اوڑھا دو اور ایک خدمتگار سے کہو کہ پائینتی بیٹھ کر خود کو پاؤں دباتا ہوا دکھلائے تاکہ جو کوئی عالم خان کے پاس سے آئے تمہیں نیند میں سمجھ کر واپس چلا جائے۔ اعظم خان ہمایوں نے ایسا ہی کیا۔

تتار الملک نے سلطان کی خدمت میں جاکر عرض کیا کہ میں نے اعظم ہمایوں کو اس کے گھر بھیج دیا اور اپنے پانچ سو آدمیوں کو دیوان خانہ میں خدمت کے لیے لایا ہوں اور پانچ چھ ہزار سوار فوج کی طرح مسلح کر کے پنکور بازار میں کھڑے کر دیے ہیں۔ سلطان مابدولت دو گھڑی رات رہے چتر بلند کر کے نکلیں۔ اعظم ہمایوں کے جو چند آدمی حاضر ہیں انہیں قتل کر کے ہم ان حرامخوروں کے گھر جائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کام مدعا کے مطابق پورا ہوگا۔ سلطان نے ایسا ہی کیا۔ دو گھڑی رات باقی تھی کہ سر پر چتر بلند کر کے نوبت والے ہاتھیوں کو آگے رکھ کر سلطان باہر آیا۔ اہل شہر نے جب دیکھا کہ سلطان باہر آیا تو ہر طرح کے لوگ کونوں کناروں سے نکل کر جمع ہو گئے۔ سلطان نے حکم دیا کہ حرامخور عالم خان اور وجیہ الملک کے گھر لوٹ لیں اور انہیں[1] باہر نہ جانے دیں۔ تاتار الملک لشکر لے کر پہلے چلا اور سلطان اس کے پیچھے آہستہ آہستہ رواں ہوا۔

عالم خان اور وجیہ الملک کے مکان شہر کی چار دیواری کے باہر تھے۔ جمال پور دروازہ کے قریب۔ انہوں نے پوری رات صحبت جشن میں گذاری تھی اور آخر شب میں شراب کا پیالہ پی کر سو گئے تھے۔ ہر معاملہ کی طرف سے خاطر جمعی حاصل تھی۔ یہ حادثہ جو حاملہ رات نے جنا اور یہ فتنہ جو روز بد ان کے سروں پر لایا اس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ تھا

---

[1] ج: انہیں زندہ

کیوں کہ لشکر پوری طرح ان کا تابع حکم تھا اور ان کے مخلص آدمی چوکی پہرہ بھرتے تھے۔ ان کے دلوں میں یہ بات کہاں سے آتی کہ دنیا میں کوئی آدمی بھی موجود ہے کہ اس سے ہمیں ضرر پہنچے لیکن وہ اِس حال سے غافل تھے کہ۔

[بیت]

جب[1] سنگدلی کا ہاتھ گلا پکڑتا ہے

تو گردن کی رگیں زنجیر کا کام کرتی ہیں

کہتے ہیں کہ عالم خان اور وجیہ الملک کے گھروں میں لوگ ہنوز نیند سے بیدار نہ ہوئے تھے کہ شور مچ گیا۔ عالم خان نیند سے جاگا اور پوچھا کہ کیا ہے؟ گھر کے آنگن میں کون آگیا؟ دیکھا کہ شہر کے بازاری لوگ بالاخانہ پر چڑھ کر چلا رہے ہیں کہ سلطان کا حکم ایسا ہے کہ حرامخور باہر نہ جائیں۔ عالم خان حالت جنابت میں تھا۔ ٹھنڈے پانی کا مٹکا اپنے سر پر ڈال کر چوکی کا گھوڑا جو حاضر تھا اس پر سوار ہو کر نکلا۔ دیکھا کہ کچھ سوار سامنے سے آتے ہیں۔ اس نے ان پر حملہ کیا۔ ان میں سے ایک کو قتل کر دیا تو دوسروں نے راستہ دے دیا۔ باہر نکلا۔ ان سواروں نے تعاقب کیا اور کچھ دوسرے بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ جب قصد کرا کے عالم خان کے پاس پہنچے تو صالح محمد بن الہدایہ چہ جی کا قاتل اور شیخ ارزانی ملتانی کا بھائی دونوں نے پلٹ کر اس سے لڑائی کی اور مارے گئے۔ عالم خان کو موقع مل گیا وہ باہر نکل گیا۔ اس کا پورا گھر لٹ گیا۔ گھر کے چھوٹے بڑے سب گرفتار ہوگئے۔ وجیہ[2] الملک کا گھر بھی لوٹ لیا گیا۔ اس کے اہل و عیال نکل کر کہیں چھپ گئے اس لیے ہاتھ نہ لگے۔

1۔ ج: "جب سنگدلی... کرتی ہیں" نہیں ہے۔

2۔ ج: گجرات کے ثقہ حضرات سے سننے میں آیا کہ پیر محمد نام ایک سپاہی مرد نے اپنی عمر کا اکثر حصہ عالم خان کی خدمت میں گذارا تھا۔ وہ آدمی عمر رسیدہ اور دنیا کا گرم و سرد چکھے ہوئے تھا۔ اس نے فلک غدار کی مخالفت اور اس کے کج رفتار مدار کی مکاری خوب دیکھی اور تجربہ کی تھی۔ جس دن عالم خان سلطان پر غالب آیا اس دن سے وہ سلطان کو بھدر کے دروازہ سے باہر نہیں نکلنے دیتا تھا۔ اعظم

کہتے ہیں کہ جب سلطان چنکور بازار پہنچا تو اس نے ناصر الملک کے بھائی ایوب خان کو افضل خان وزیر کو کہ اس کا گھر سر راہ تھا بلانے کے لیے بھیجا۔ جب سلطان

ہمایوں کو پانچ چھ ہزار نامدار امیروں کے ساتھ جو عالم خان سے خلوص وخصوصیت کا دم بھرتے تھے مقرر کیا تھا جو کل سات آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ سلطان کی محافظت میں چوکی بھرتے تھے۔ عالم خان کا مکان اساول میں تھا۔ چونکہ اعظم ہمایوں عالم خان کا ماموں (متن میں صفحہ ۴۳۸ پر ماموں زاد بھائی لکھا ہے۔ مترجم) تھا اس لیے سلطان کی محافظت کا کام اس کے اعتماد پر چھوڑ رکھا تھا۔ اور خود اپنے گھر جا کر عیش وعشرت، اور شراب خوری میں مشغول ہو جاتا تھا۔ اس کبیر محمد نے ایک دن عالم خان سے عرض کیا کہ صاحب تم نے شیر کو پنجرہ مین بند کر دیا ہے اور خود فارغ البال ہو کر گھر میں سو گئے۔ اس لیے اس کی محافظت میں جتنی کوشش کرنی چاہیے کیجیے خود چوکی پہرہ بھریے یا پھر اصل کی فکر دلاؤں کہ اس روز سے ڈریے کہ پنجرہ کا دروازہ کھل جائے اور وہ تمام عالم کو درہم برہم کر دے۔ اس وقت اس کا کوئی حریف نہ ہو سکے گا۔ عالم خان اس غرور کی وجہ سے کہ بڑے امراء سب اس سے متفق ہیں اور پورا لشکر اس کی اطاعت میں ہے کبیر محمد کی نصیحت کو تمسخر پر حمل کرتا تھا لیکن یہ کبیر محمد جو شجاعت کے جنگل کا شیر تھا اور یہ روز بد جو آخر میں عالم خان کو پیش آیا وہ اپنے تجربہ کے آئینہ میں اول روز ہی دیکھ چکا تھا۔ سلطان کی قید کی ابتدا ہی سے وہ مسلح اور تیار ہو کر عالم خان کے دروازہ پر آخر شب تک ہتھیار رہتا تھا۔ مختصر یہ کہ اس تجربہ کار آدمی نے یہ سال اس شیوہ میں بیکار نہیں گذارا۔ وہ ہر رات اس معاملہ کا انتظار کرتا تھا یہاں تک کہ ایک رات یہ منحوس دن عالم خان کو پیش آ گیا۔ جب سلطان لشکر کے ساتھ عالم خان کا گھر تاراج کرنے کے لیے نکلا تو جمال پور دروازہ کے نزدیک ایک مینار تھا کہ جب تک معتمد باہر پہنچیں کہ ایک آدمی اوپر چڑھ کر چلانے لگا کہ سلطان کا حکم ہے کہ عالم خان کا گھر لوٹ لیں۔ عالم خان آخر شب تک عیش وعشرت اور جشن وشراب خوری میں مشغول رہا تھا اور آخر شب جب وہ آرام کرنے کے لیے سو گیا تو کبیر محمد کے کان میں یہ آواز پڑی۔ اسی وقت وہ حرم میں گیا اور چلایا کہ عالم خان کو جگاؤ کہ اب سلطان آ گیا۔ ایک خدمت گار جو حاضر تھا اس نے خان کو جگایا۔ پوچھا کہ یہ کیا شور ہے؟ کبیر محمد نے کہا کہ یہ وہی شور ہے جو میں نے روز اول ہی دیکھ لیا تھا۔ اب اس بشیر نے کہ جسے بند کر دیا تھا اپنے پنجرے توڑ ڈالے۔ تم جلدی باہر آؤ۔ عالم خان باہر آیا اور اسی آدمی کے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنا راستہ لیا۔ چار آدمیوں نے عالم خان کو پکڑ لیا۔ اس میدان شجاعت کے مرد نے آگے بڑھ کر ان چاروں سے ایسی

اس کے گھر کے دروازہ پر پہنچا وہ باہر آیا، سلام کیا اور سلطان کی رکاب میں روانہ ہوگیا۔ اُس نے اِس وقت تک اپنے حجرہ سے قدم باہر نہ نکالا تھا جیسا کہ اوپر ذکر گذر چکا۔ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے کہ سلطان جمال پور دروازہ کے قریب پہنچے بازاری لوگ عالم خان اور وجیہ الملک کے گھروں کی لکڑیاں اٹھائے ہوئے دکھائی دیے اور بولے کہ حرامخور[1] بھاگ گئے۔ سلطان وہیں سے لوٹ کر اپنے مکان پر پہنچا۔[2] اور یہ واقعہ ۹۵۲ھ کا ہے۔

مختصر یہ کہ سلطنت کا کام مستقل طور پر سلطان کے دست اقتدار میں آگیا۔ عالم خان بھاگ کر موضع چجاپور کہ مواپس[3] تھا پہنچا اور وہاں سے دریاخان کو جو ولایت دکھن میں ٹھہرا ہوا تھا لکھا کہ میں اپنے کیے پر پشیمان ہوں اور اس کا نتیجہ یہی تھا جو میں نے دیکھا۔ اب تم جلد تشریف لاؤ تاکہ ہم مل کر کوئی کام کریں۔ دریاخان دکھن میں برے حالوں میں تھا۔ قیمتی جواہرات اونے پونے داموں بیچ کر گذر اوقات کرتا تھا۔ جب عالم خان کی طلب اسے معلوم ہوئی وہاں سے یلغار کرتا ہوا آیا۔ عالم خان اس کے استقبال کو گیا۔ تیپرہ[4] نامی ایک موضع ہے وہاں وہ ایک دوسرے سے ملے۔ دریاخان نے کہا کہ میں اسے جان بوجھ کر قید میں رکھتا تھا۔ عالم خان نے کہا ''ماضی کا ذکر نہیں کیا جاتا۔'' اب ایسا کام کرنا چاہیے کہ ہم اپنا انتقام لے لیں۔ دریاخان بولا اس وقت ہم قلاش ہیں۔ الپ خان تمہارا دوست قصبہ اوکلیسر میں کہ نربدا ندی کے اُس کنارے شہر بھروچ سے تین کوس

جنگ کی کہ ان میں سے تین سواروں کو ان کے گھوڑوں سے اتار دیا۔ ان چار میں سے ایک نے کبیر محمد کا کام تمام کردیا۔ اس فرصت میں عالم خان کچھ راستہ طے کرچکا تھا۔ خدا کی رحمت ہو کبیر محمد کی نمک حلالی پر اور اس کی تجربہ کاری پر، اس کے بعد

[1] ج: بھاگ کر ناپید ہوگئے۔ [بیت]

عوام کا ہجوم آگ کی طرح ہوتا ہے — جہاں جاتا ہے پورا جلا دیتا ہے

[2] الف: ''اور یہ واقعہ... کا ہے'' نہیں ہے۔

[3] الف: مواس

[4] ج: لی بزہ

کے فاصلہ پر آباد ہے رہتا ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور ملاقات کرو۔ اگر ہو سکے تو عماد الملک سے بھی ملو کہ اس میں بہت مصلحت ہے اور اس کام کے لیے کچھ خرچ ان سے لے لو۔

عالم خان پانچ سو زبردست سوار ہمراہ لے کر یلغار کرتے ہوئے قصبہ اوکلیسر پہنچ کر سیدھا الپ خان کے گھر آ کر ٹھہرا۔ الپ خان بھروچ میں عماد الملک کے پاس تھا۔ عالم خان نے الپ خان کے اہل خانہ کو کہلوایا کہ ہماری دعا کہنے کے بعد کہو کہ ہم بھوکے ہیں ہمارے لیے کھانا بھیجے۔ اگرچہ عالم خان اور الپ خان ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے لیکن اس وقت کہ الپ خان بادشاہ کی خدمت میں ہو اور عالم خان باغی، کھانا بھیجنے اور مہمانداری کرنے کی صورت ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا کرے کہ اس کے اہل وعیال، خزانہ، ہاتھی گھوڑے سب اسی قصبہ میں تھے اور عالم خان اچانک آ گیا تھا۔ الپ خان کے متعلقین نے کھانے کی فکر کر کے الپ خان کے پاس آدمی بھیج کر صورت حال جتلا دی۔ الپ خان نے کہا کہ اس آدمی نے مجھے بھی اپنی طرح برباد کر دیا۔ اس نے عماد الملک کو خبر کی۔ چونکہ عماد الملک کو بھی یہ حکومت اور جاگیر عالم خان کی نیابت سے پہنچی تھی جیسا کہ سابق میں ذکر ہوا وہ بے مروتی نہ کر سکا۔ اس نے پیغام بھیجا کہ تمہارا اس طرح آنا مناسب نہ تھا۔ اب کہ تم آ ہی گئے ہو رات کو نربدا کے اُس کنارے آؤ تا کہ ہم تم سے ملاقات کر سکیں۔ عالم خان نے ایسا ہی کیا۔ عماد الملک اور الپ خان نے جا کر ملاقات کی۔ عالم خان نے کہا کہ الپ خان کیا خدا یہ روا رکھے گا کہ ہم ایسی تکلیف میں ہوں اور تم ایسی فراغت سے رہو؟ الپ خان بولا کہ اب تمہارے آنے کی وجہ سے ہم دونوں برابر ہو گئے۔ عالم خان نے کہا کہ برابر نہ ہوئے۔ ہم زندہ نکل آئے ہیں اور تم اس کے انتقام کے چنگل میں ہو۔ وہ زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ابھی بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ چند روز اور زندہ رہو تو ہمارے ساتھ مل کر کام کرو۔ ہم نے ملک عماد الملک کے کہنے پر چرجی کو مار ڈالا۔ دوسرا ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ ملک نے کہا کہ تم نے سراسر کچا کام کیا۔ اگر چرجی کو مار ڈالا تو سلطان کی

نگہداشت کے بارے میں ایسی غفلت کیوں برتی ؟ اب تو زنجیر شیر کے گلے سے نکل آئی ہے۔ اب وہ کیسے قید میں آئے گا۔ عالم خان نے کہا گذرا جو کچھ کہ گذرا۔ اب جو کچھ ہمارے ہاتھ سے ہوگا اس میں تقصیر نہ کریں گے۔ بحث ومباحثہ کے بعد عماد الملک اور الپ خان نے خرچ کا ایک حصہ دے کر عالم خان کو رخصت کر دیا۔

عالم خان دریاخان کے پاس آیا اور احوال بتلائے۔ دریا خان بولا کہ تم سے ملاقات کا میرا مقصود یہ خرچ مانگنا نہ تھا کہ آج سے ان دوعزیزوں کے نام ہمارے ناموں کے ساتھ لکھے جائیں گے اور اس کے بعد ان کی مجال نہیں کہ وہ سلطان کے سامنے جائیں تو ناچار ہم سے جدا ہیں گے۔ آخرکار یہ خبر سلطان کو پہنچی۔ سلطان متفکر ومتردد ہوگیا۔ اس اثنا میں عماد الملک کا عریضہ پہنچا کہ عالم خان اور دریاخان قدیم الخدمت غلام ہیں لہذا مناسب نہیں کہ اس وقت وہ نکل کر بادشاہ دہلی شیر شاہ کے پاس چلے جائیں۔ کسی سرحد کی خدمت ان کو دے دی جائے تو وہ اس خدمت پر قیام کرلیں گے۔

سلطان نے بھی اس بات کو منظور کرلیا تھا کہ اس اثنا میں عالم خان سے ایک ایسی حرکت سرزد ہوئی کہ یہ مہم سازی بگڑ گئی۔ اور وہ یہ ہے کہ جب عالم خان کا گھر تاراج کرنے کا حکم صادر ہوا جیسا کہ اوپر ذکر گذرا عالم خان خود بھاگ کر باہر چلا گیا اور اس کے بال بچے گرفتار ہوگئے۔ سلطان نے انہیں موکلوں کو سونپ دیا اور خواجہ سرا متعین کر دیے تاکہ پوری احتیاط سے نگاہ رکھیں۔ اس اثنا میں عالم خان نے حضرت سید مبارک بخاری سے دوستی کی امید کی کہ میرے اہل وعیال کے عوض میں اپنے بھائی صفدر خان کو سلطان کی خدمت میں بھیجتا ہوں میرے اہل وعیال کو چھوڑ دیں۔ حضرت سید نے نیابت کی۔ صفدر خان کو بلا کر عالم خان کے اہل وعیال کو چھوڑ دیا۔ سلطان نے صفدر خان کو بھی سید مبارک کے آستانہ کے سپرد کر دیا۔ حضرت سید نے بھی اپنی کمال مہربانیوں کی وجہ سے اسے خود اپنی حویلی کے بالاخانہ پر رکھا۔ چند دن اس طرح سے گذرے۔ عالم خان نے سادھو مانک[1]

---

[1] ج: سادھو نانک، ز: سادھو نایک

کو کہ اس کے ملازموں میں سے تھا بھیجا تا کہ صفدر خان کو چوری سے باہر نکال کر لے آئے۔ سادھو آکر گھات میں بیٹھ گیا۔ رات کو کمند پھینکی۔ صفدر خان کو نیچے اتارا اور عالم خان کے پاس لے گیا۔ اس وجہ سے حضرت سیّد کو بھی بہت شرمندگی اٹھانی پڑی۔

سلطان متردّد و متفکر ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عالم خان، دریا خان، عماد الملک اور الپ خان باہم مل کر فتنہ انگیزی کریں۔ عماد الملک کو اس نے فرمان بھیجا کہ ہم تمہیں اپنے چچا کی جگہ سمجھتے ہیں۔ یہ مناسب نہیں کہ تمہارے ہوتے ہوئے عالم خان اور دریا خان ممالکِ محروسہ کے کونوں کناروں میں پھرتے رہیں اور فتنہ انگیزی کا خیال کریں۔ جلدی آؤ تا کہ ان کے دفع کرنے کی فکر کی جائے۔ عماد الملک نے عذر لکھ بھیجا کہ خود کے لشکر کا سامان کر کے چوکھٹ چومنے کے لیے حاضر ہو رہا ہوں۔ سلطان نے اسے ایک دوسرا فرمان بھیجا۔ اس نے صاف طور پر لکھا کہ مجھ سے گناہ عظیم واقع ہو گیا کہ میں نے عالم خان سے ملاقات کی لیکن میرا مقصود اس سے اُس کی نصیحت کرنا تھا اور حضرت سلطان کی دولتخواہی لیکن چونکہ یہ کام بغیر حکم کے ہو گیا۔ اس لیے میں خود کو مجرم سمجھتا ہوں۔ آپ سادات عظام کے پیشوا سیّد عریشہ ابن سیّد زاہد بخاری کو بھیجئے کہ وہ سلطان کے قول کے اعتماد پر میرا ہاتھ پکڑ کر سلطان کی خدمت میں پہنچا دیں۔

سلطان بندگی سیّد عریشہ ابن سیّد زاہد بخاری[1] ابن قطب اقطاب سیّد برہان الدین بخاری کے گھر آیا اور اس مطلب کا حکم دیا۔ انہوں نے کہا کہ آپ بادشاہ ہیں۔ ہر وقت اپنی مصلحت کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اس دعا گو فقیر کو اس قسم کے کاموں کا حکم نہیں دیں۔ سلطان نے کلام مجید پر ہاتھ رکھا کہ یہ خدا کا کلام ہمارے درمیان ہے کہ عماد الملک کی نسبت مجھ سے کوئی جانی، مالی یا ناموس کا ضرر صادر نہیں ہوگا۔ حضرت سیّد[2] نے افضل خان وزیر سے کہا کہ سلطان کم عمر ہیں۔ تم مجھے اس کام کا حکم کیوں کرتے ہو؟ افضل

---

[1] ج: ''ابن سیّد برہان الدین'' نہیں ہے۔

[2] ج: عریشہ

خان نے کہا کہ میاں جیو! میں بھی قرآن شریف کی سوگند کھاتا ہوں اور سلطان کی طرف سے میں مطمئن ہوں۔ تردد کو حضرت بالکل اپنے دل میں راہ نہ دیں۔ عماد الملک کا ہاتھ پکڑیں اور لے آئیں۔ تو حضرت سید بھروچ روانہ ہوئے۔

اور سلطان نے عالم خان اور دریا خان پر کوچ کیا کہ وہ چانپانیر میں تھے۔ جب حضرت سید نے عماد الملک سے ملاقات کی تو کہا "خان جیو! تم نے ایسا کیوں لکھا کہ عریشہ آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر سلطان کی خدمت میں لے جائے۔ یہ اچھا نہیں ہوا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ سلطان اور افضل خان نے میرے سامنے کلام اللہ کی سوگند کھائی ہے کہ ان سے تمہیں کوئی جانی، مالی اور ناموسی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم زیادہ جانتے ہو۔ دنیاداری کے حیلے وحرکت میں بالکل نہیں سمجھتا۔ اگر تم اپنی مصلحت جانو تو آؤ ورنہ تم مختار ہو۔ اس بات کو خاطر میں نہ لاؤ کہ عریشہ بلانے آیا ہے اس لیے اب بہرحال جانا ہی چاہیے۔ اگر تم ہمارے ساتھ اقدام کرو تو سہل ہے لیکن تم آؤ اور خدا نہ کرے کوئی ناسزا بات تمہاری نسبت واقع ہو جائے تو وہ شرمندگی میرے لیے جو کچھ کہوں اس سے زیادہ سخت ہے۔ میں خوشامدی نہیں ہوں کہ جب سلطان تمہارے ساتھ بدی کرے تو میں اپنا پیٹ پھاڑ ڈالوں۔ ہمارے پاس لشکر نہیں کہ ہم مقابلہ ومقاتلہ کریں۔ میں فقیر آدمی ہوں۔ مجھ سے کیا ہوسکتا ہے؟ تم جو کوئی کام کرو سوچ سمجھ کر کرو۔" عماد الملک نے کہا "میاں جیو! میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔ اب کس کے دروازہ پر جاؤں؟ اس نے قرآن مجید کی قسم کھائی ہے اس کے باوجود اگر برائی کرے تو وہ جانے۔" ملک نے کوچ کا نقارہ بجوایا اور سلطان کی خدمت میں روانہ ہوا۔ اس کے بہی خواہوں نے ہر چند منع کیا اور بولے کہ سلطان تیرے ساتھ اچھا نہیں کرے گا اس وقت تمہارے پاس چودہ پندرہ ہزار سوار ہیں۔ نکل کر کسی ایک سرحد پر جم جاؤ اُدھر عالم خان اور دریا خان نے مقابلہ کیا ہے۔ سلطان لاعلاج ہو کر ہم سے صلح کرے گا لیکن اس نے قبول نہیں کیا اور بولا "آخر عمر میں کیا نمک حرامی کروں! ہم اس خاندان کی دولت کے پروردہ ہیں اور ہم بدی کی نیت نہیں رکھتے۔ سلطان بھی ہم سے بدی نہ کرے

گا"۔ اس موقع پر ذیل کے شعر مناسب لگتے ہیں۔

[ابیات]

ایک گدھ چیل کے سامنے بولا کہ مجھ سے دور تر دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ چیل بولی کہ اِس دروازہ سے کوئی نہیں گذر سکتا۔ آؤ بتلاؤ کہ تم اطراف دشت میں کیا دیکھتے ہو؟ میں نے سنا کہ اس نے ایک دن کی راہ پر اس اونچائی نیچائی سے دیکھا۔ اس نے یہ کہا کہ اگر تجھے باور ہو تو میں نے دیکھا کہ ایک گیہوں کا دانہ صحرا میں ہے۔ چیل کو تعجب سے شکیب نہ رہا۔ اوپر سے دونوں نے سر نیچے رکھا۔ جب وہ گدھ اس دانہ پر اترا تو اس کے پاؤں میں وہ قیدِ دراز لپٹ گئی۔ وہ اس دانہ کے کھانے سے یہ سمجھ سکا کہ زمانہ اس کی گردن میں قیدِ دراز پھینک رہا ہے۔ چیل بولی کہ وہ دانہ دیکھنے سے کیا فائدہ جب تجھ میں دشمن کے جال کو دیکھنے کی سمجھ نہ رہی ہو۔ میں نے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا جبکہ اس کی گردن بند میں بندھی ہوئی تھی کہ بچنا قدر کے ساتھ سودمند نہیں ہوتا۔ جب موت اس کے خون پر ہاتھ مارتی ہو تو قضا اس کی چشم باریک بین کو بند کر دیتی ہے۔ جس پانی کا کنارہ پایان نہ رکھتا ہو تو اس میں تیراک کا غرور کام نہیں دیتا۔

مختصر یہ کہ دس بارہ ہزار مسلح اور مکمل سواروں کے ہمراہ ملک مقام چانپانیر پر آ کر سلطان کی خدمت میں پہنچا۔ سلطان خوش ہو گیا اور بہت التفات اور بہت زیادہ عنایت کا اظہار کیا۔ چند روز اس طرح سے گذرے۔ کہتے ہیں کہ ایک رات کسی نے آواز دی کہ سلطان نے حکم دیا ہے کہ عماد الملک کا ڈیرہ لوٹ لیں۔ اس کی چھاؤنی والوں کے آنے تک ملک کا ڈیرہ لٹ گیا۔ عماد الملک نے جسے رستم ثانی کہتے تھے خود میں اتنی ہمت وقدرت نہ پائی کہ گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ جائے اور بھروچ کے قلعہ میں پہنچ جائے یا جا کر

عالم خان[1] سے مل جائے۔ ایک قہاری[2] کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا کہ مجھے سید مبارک کے ڈیرہ پر پہنچادے۔ وہ قہار رات میں ہاتھ پکڑ کر لے جاتا تھا۔ ناگہاں رات کے اندھیرے میں ایک چھوٹا سا کنواں جو چھاؤنی والوں نے کھودا تھا سامنے آیا اور ملک اس میں گر پڑا۔ صبح ایک آدمی پانی کے لیے گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی پانی میں گرا ہوا ہے۔ اس نے نکالا اور پہچان لیا کہ عماد الملک ہے۔ نیم مردہ حالت میں اس سے کہا کہ مجھے سید مبارک کے ڈیرہ تک راستہ دکھلا۔ وہ آدمی اسے میران[3] کے ڈیرہ تک لے گیا اور خبر کی۔ میران تعظیم و تکریم کے ساتھ اپنے گھر لے گئے۔ ملک نے کہا کہ حضرات میران! سلطان کے پاس جائیے اور کہیے کہ اس بوڑھے غلام کو آزاد کردیجیے اور کعبۃ اللہ بھیج دیجیے۔

میران سلطان کی خدمت میں گئے۔ سلطان اس واقعہ سے سخت حیران ہے اور اس کی تحقیق و تفتیش میں مبالغہ کرتا ہے کہ اس کام کی شروعات کس سے ہوئی میں نے تو حکم نہیں دیا تھا۔ لوٹنے والوں کو گرفتار کرکے لاتے ہیں، بعض کا ہاتھ کاٹنے کا حکم ہوتا ہے اور بعض کی ناک چھیدنے کا حکم ہوتا ہے۔ اور سلطان کہتا ہے کہ ملک کی خبر لو کہ وہ کدھر گیا ہے، مبادا عالم خان اور دریا خان سے مل جائے اور فتنۂ عظیم برپا ہوجائے۔ اس اثنا میں سید مبارک نے صورت حال بتلائی۔ سلطان خوش ہوگیا اور بولا ہم نے قبول کیا کہ ملک کو کعبۃ اللہ بھیج دیں۔ اسے بلوایا۔ ملک کو لے کر آئے۔ سیدی پیر جی اور سیدی امین کے کہ جو جہار خان کے غلامزادے تھے سپرد کردیا کہ انھیں بندرگاہ سورت لے جاؤ اور خداوند خان رومی کے کہ اس طرف کا حاکم ہے حوالہ کردو کہ جب کعبۃ اللہ کا موسم آئے تو ملک کو روانہ کردے۔ کہتے ہیں کہ وہ روزوں کے دن تھے جب یہ واقعہ ہوا۔ جب افطار کا وقت ہوا تو سیدی پیر جی نے خود کا پانی کا لوٹا ملک کے ہاتھ میں دیا۔ ملک نے ملاحظہ کیا یعنی تمہارے

---

[1] ز: عالم خان اور دریا خان
[2] الف: کھالی
[3] ج: سید میران

لوٹے سے پانی پینا گستاخی ہے۔ سیدی پیرجی نے کہا "ملک! ہم تمہارے کمترین غلام ہیں۔ اس کا کیا معنی ہے؟ میں کیا کروں؟ بادشاہ کے حکم سے چارہ نہیں۔ ہاں دنیا ایسی جگہ ہے۔ کبھی آدمی زاد کو گھوڑے کی نعل آسمان پر پہنچا دیتی ہے اور کبھی پیادہ پتھروں سے بھرے میدان میں دوڑاتی ہے۔ مرد وہ ہے جو بہر حال پاؤں اپنے اندازہ سے باہر نہ رکھے اور اس غدار پر شیفتہ و فریفتہ نہ ہو۔

[بیت]

یہ کمینہ آسمان خوش نصیبی اور بدبختی میں

تدبیروں کی رگ جان توڑ دیتا ہے

جب آتا ہے تو بال سے باندھ کر کھینچا جاسکتا ہے

جب پلٹ گیا تو زنجیریں توڑ ڈالتا ہے

مختصر یہ کہ ملک کو خداوند خان کے پاس پہنچا دیا۔ ۲۷ر رمضان ۹۵۲ھ[1] کو مذکور خداوند خان نے شدید عذاب کے ساتھ مار ڈالا۔ اس وقت اہل عالم کو معلوم ہوا کہ اختیار خان بیگناہ تھا اور ملک نے اس کا خون ناحق کروایا تھا جیسی کہ تفصیل اس اجمال کی اوپر گذری۔

مختصر یہ کہ عماد الملک کی دولت کے زوال پانے کے بعد سلطان نے میران سید مبارک کو عالم خان اور دریا خان کے خلاف متعین کیا۔ ان لوگوں نے لڑائی کی اور بھاگ گئے۔ سید مظفر و منصور ہو کر سلطان کی خدمت میں واپس آئے۔ پھر سلطان نے ناصر الملک پر نوازش کر کے اسے عالم خان اور دریا خان پر متعین کیا کہ انہیں گجرات کی سرحد سے باہر کر دے۔ ناصر الملک ان کے پیچھے گیا۔ وہ لوگ مالون[2] کے جنگل میں کچھ دن ٹھہرے۔ آخر کار وہاں سے بادشاہ دہلی شیر شاہ افغان سور کے پاس چلے گئے۔ اس کے بعد سلطان کی

---

[1] ج: "۹۵۲ھ" نہیں ہے۔

[2] ج: مانسوان

حکومت وسلطنت کو استقبال حاصل ہوا۔ تاریخ تحفہ السادات میں جو آرام کشمیری نے حضرت سید مبارک کے نام پر تالیف کی ہے ان تمام واقعات مذکورہ کو اس عبارت میں مختصر کیا ہے کہ جب اس کے سن شریف نے پندرہ سولہ سال کی عمر سے تجاوز کیا اور وہ بیسویں سال کی حدود سے مشرف ہوا تو وہ نیک کو بد سے اور بیگانہ کو یگانہ سے پہچاننے اور تمیز کرنے لگا۔ بعض امراء کو جن سے اس کی خاطر مبارک میں عناد تھا جڑ سے اکھاڑ دیا اور بعض دوسروں کو اس ملک سے نکال باہر کیا۔ لیکن اس عبارت سے حقیقت احوال جو مقصود وغرض تواریخ کی ہے کیسے معلوم اور آشکار ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اِس فقیر نے حتی الامکان تلاش کر کے جو واقعات اس مدت میں حادث ہوئے تحریر کر دیے۔ اگرچہ فقیر کی ولادت سلطان عاقبت محمود کے سال شہادت میں محمود آباد جیسے عمدہ شہر میں جسے سلطان مذکور نے اپنے ایام سلطنت میں اپنا پایہ تخت بنا لیا تھا ہوئی تھی۔ میں دودھ پیتا بچہ ہی تھا کہ سلطان کی شہادت واقع ہوئی۔ میرے والد اور بھائی واقعات مذکورہ میں سے بعض سے آگاہی رکھتے تھے۔ یہ میں نے ان سے سنے اور بعض ان عزیزوں سے جو ان واقعات سے واقف تھے معلوم کر کے تحریر کیے۔

مختصر یہ کہ سلطنت وحکومت کو استقلال حاصل ہونے کے بعد وسلطان محمود نے وزیر آصف خان کو جسے سلطان بہادر نے حضرت جنت آشیانی ہمایوں بادشاہ کی آمد کے حادثہ کے وقت خزانہ اور حرم کے ساتھ مکہ معظمہ بھیج دیا تھا طلب کیا اور وزارت عظمیٰ کا منصب اسے تفویض کیا اور اس کے چھوٹے بھائی خداوند خان کو دیوان کل بنایا اور افضل خان بنبانی کو جو سلطان بہادر کا وزیر تھا منصب سابق پر مقرر رکھا اور اس کے پایۂ عزت اور درجۂ حرمت کو بلند کیا۔ اگرچہ مذکور خان نے مہموں کی جزویات سے ہاتھ کھینچ لیا تھا اور وہ کام خداوند خان کے عہدہ سے متعلق تھے لیکن تمام امور کا پورا ہونا اس کی صلاح ومشورہ کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ اور امراء میں سے ہر ایک کو اس کے حال کے مناسب اور خدمت واخلاص کے مطابق بلند کیا۔ ان سب میں امیروں میں سے بہترین امیر، ذی اقتدار،

بڑے لوگوں میں منتخب، عالی قدر، سیّد السادات اور سرچشمۂ برکات سیّد مبارک کی جو کلاہ امیری سر پر اور پیرہن پیری بدن پر رکھتے تھے دولت کا پایہ بلند کیا۔ آنحضرت کی شرح منقبت کا کچھ حصہ سلطان احمد کے ذکر میں لکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ ابوجیو گجراتی کو ناصر الملک کے خطاب سے سرفراز کیا اور رفعت تربیت میں اعلیٰ درجہ پر پہنچایا۔ عبدالکریم کو اعتماد خان کے خطاب سے مخاطب کیا اور قرب ومحرمیت کی وادی میں اتنی قدرت دی کہ کسی دوسرے کو میسر نہ تھی۔ چنانچہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے حرم میں لے جاتا تھا اور اپنے حرموں کی آرائش، زینت لباس اور زیورات کی خدمت کا حکم دیتا تھا باوجود اس نسبت رشک کے جو سلطان میں تھی کہ اگر دو حرموں کو ایک دوسرے کے ساتھ مسکراتا دیکھ لیتا تو دونوں کو مروا دیتا تھا اور یہ بات سلطان کی بری خصلتوں میں سے تھی لیکن عنایت اعتماد کی وجہ سے وہ اعتماد خان کو ایسی خدمات کا حکم دیتا تھا اور اعتماد خان اس حال سے خائف ولرزاں رہتا اور خود سے کہتا کہ میں آدمی زاد ہوں مبادا مجھ سے کوئی کام ہوجائے کہ جس سے میرا سر تلف کے مقام میں پہنچ جائے اور خان خطرہ کی جگہ میں پڑجائے۔ احتیاط کے طور پر اس نے ایک ازار زرہ کی بنائی تھی اور ازار بند کے بجائے اسے قفل سے مضبوط کیا تھا۔ اس کی کنجی گھر چھوڑ کر اس پر ایک شلوار پہن کر سلطانی محل میں جاتا تھا اور رجوع کی گئی خدمت انجام دیتا تاھ۔ جب تین یا چار پہر کے بعد سلطان کی ملازمت سے گھر آتا تو کنجی لے کر قفل کھولتا اور حاجات انسانی پوری کرتا تھا۔ بڑی مدت کے بعد سلطان اس حال سے واقف ہوا اور بولا ''اعتماد خان! تو نے اتنی سب تکلیف خود کے لیے کیوں روا رکھی۔ تجھ پر ہمارا بھروسہ اس سے زیادہ ہے کہ تو خود کے لیے یہ قرار دے۔ اس کے بعد اگر تجھے میری خوشی منظور ہو تو ایسا نہ کرنا۔ قسم کے ساتھ مضبوط طور پر منع کرنے کے بعد اعتماد خان نے کاتہہ کا کہ قاطع شہوت چیز ہے پانی نکال کر چند پیالے پی لیے جس سے وہ رجولیت کے دائرہ سے نکل گیا۔

نقل ہے کہ سلطان کے قرب اور عنایت کے دنوں میں ایک دن اعتماد خان نے

عام دربار کے روز سلطان سے سرگوشی کی۔ وزیروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ جب مجلس ختم ہوگئی تو وزیر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ دوسرے دن ان میں سے کوئی دربار میں نہیں آیا۔ اس طرح متواتر پانچ چھ روز گذر گئے۔ سلطان نے کہا کہ کتنے روز سے وزیر حاضر نہیں ہوتے؟ مگر سب ایک بار ہی بیمار ہوگئے! آخر معلوم ہوا کہ بیمار نہیں ہیں۔ سلطان نے کہا پھر کیوں دربار میں نہیں آتے؟ پوچھنے پر انہوں نے عرض کیا کہ جب تک ہم سے بنا وزارت کے کام میں ہم حاضر رہے۔ اب ہم نے دیکھا کہ ہمارے ہاتھوں یہ کام نہیں بنتا اس لیے ہم نے چھوڑ دیا۔ سلطان نے پوچھا کس سبب سے؟ وہ بولے کہ مجلس میں ہماری حاضری کے باوجود کوئی دوسرا سلطان سے سرگوشی کرے یہ ہماری ہتک حرمت کا موجب ہے تو پھر بے حرمت وزیروں کے ہاتھوں کیا ہوسکتا ہے کیوں کہ ہاتھ کے زور کے بغیر صیقل زنگ دور نہیں کرتی۔ سلطان خلوت میں ہر کسی سے جو چاہے ہر طرح کی بات کرے لیکن مجلس میں ایسا نہ کرے۔ سلطان نے معذرت کی اور اس کے بعد بقیہ عمر اس ضابطہ کے خلاف عمل نہیں کیا۔

اور آغا ارسلان نامی ایک ترک کو جو اصلاً بلخ کی ترک اقوام میں سے تھا عماد الملک کے خطاب سے مشرف کرکے اس کی قدر و منزلت بڑھائی۔ خداوند خان رومی جس نے بندر ڈیو میں شہادت پائی تھی اس کے بیٹے کو رومی خان کے خطاب سے سرفراز کیا اور تربیت فرمائی۔ ایک کو اختیار الملک کا خطاب دے کر مغلوں کی جماعت کو اس کا تابع فرمان بنایا اور ایک جماعت کو عضو تناسب کٹوا کر نامرد کردیا اور ایک قوم کی جماعت کو اس کی متابعت کا حکم دیا جیسے کہ حسن خان دکھنی جس کے ساتھ دکھنیوں کی جماعت کردی۔ فتح خان بلوچ کو بھی نوازا اور دولت عطا کی۔ امراء اور سپاہ کو اس طرح ضبط و ربط کی قید میں لیے آیا کہ کسی کو عدول حکمی اور اطاعت سے تجاوز کرنے کی مجال نہ تھی۔

اس کے بعد سلطان کے دل میں مالوہ کی تسخیر کی گدگدی پیدا ہوئی۔ اس باب میں اس نے آصف خان وزیر سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ ہم آپ کی رہنمائی ایسی

ولایت کی تسخیر کی طرف کرتے ہیں جو مالوہ کی مملکت سے کم نہیں اور وہ یہ ہے کہ آپ کے ممالک محروسہ کا چوتھائی حصہ جسے بانتہ کہتے ہیں اس پر گراسیہ راجپوت متصرف ہیں۔ اگر وہ چوتھائی حصہ آپ ان سے لے لیں تو پچیس ہزار سواروں کی اس جگہ جاگیر ہو جائے گی۔ یہ لشکر میں اضافہ کا باعث ہوگا۔ اس وقت ملک مالوہ کی تسخیر سہل وجوہ سے میسر ہوگی۔ چنانچہ سلطان گراسیوں کے مقامات کی نگاہداشت کی طرف متوجہ ہوا۔ ایڈر، سروہی، ڈونگر پور، بانسیلہ، لوناواڑہ، راج پیلہ، مہندری ندی کے کنارے اور داہود وغیرہ کے گراسیوں نے مواس سرحد کو اپنی پناہ گاہ بنا کر ولایت میں خلل ڈالنا شروع کیا۔ آخر کار سلطان نے تھانوں کی مضبوطی کا اہتمام کیا۔ ایک تھانہ مقام سروہی پر بنایا اور مقام ایڈر وغیرہ پر جن کے نام مذکور ہوئے تھانے بھیجے اور راجپوتوں اور کولیوں کا اس ولایت میں نام ونشان نہ رہا مگر سوائے ان کے جو ہل جوتتے تھے اور وہ بھی سیدھے بازو کے داغ سے پہچانے جاتے تھے لہٰذا راجپوت اور کولی قوم میں سے کسی کو بے داغ پاتے اسے مار کر پھینک دیتے تھے۔

سلطان عاقبت محمود کے زمانہ میں شعار اسلام اور شرع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا رواج اس درجہ مستولی تھا کہ کوئی ہندو شہر میں گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں گھومتا تھا اور جب تک سرخ کپڑے کا ٹکڑا اپنی آستین پر کندھے کے نزدیک نہ لگاتا کپڑے نہ پہنتا تھا۔ کسی ہندو کی مجال نہ تھی کہ کفر کی رسمیں مثلاً ہولی کی رسوائیاں، دیوالی کی برائیاں اور بت پرستی علانیہ بجالائے مگر چھپ کر اور وہ بھی ڈرتے کانپتے۔ سلطان کے شہادت پانے کے بعد گراسیوں نے شقاوت نشان برہان کا مجسمہ پتھر کا بنایا اور اسے خدا کے طور پر پوجتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ہمارا پروردگار ہے جو ہمیں عدم کے مہلکہ سے وجود کے مامن میں لایا۔ اگر ایک سال اور اسی ڈھنگ سے گذرتا تو ہم بھول سے فنا ہو جاتے اور زندگی گنوا بیٹھتے۔

☆

تیسواں باب

مشائخ[1] کرام کے نام جن کے وجود کی شان سے سلطان کا زمانہ آراستہ تھا

سادات بثوہ میں سے کہ جن کا سلسلۂ عالیہ بخاری کہلاتا ہے، محققین کے قطب، صدیقین کے ماہ کامل، عالم ربانی، عارف سبحانی، مخدوم[2] جہانیان ثانی قطب العالم سیّد برہان ابن سید محمود ابن مخدوم جہانیان[3] قدس اروا حہم سید عریشہ کہ بغیر واسطے کے آنحضرت کے پوتے تھے اور حضرت سیّد صالح محمد جو سیّد جھاؤجی[4] کے نام سے مشہور تھے اور حضرت سیّد جلال وجمال کے مظہر جامع تھے وہ پانچویں واسطے سے حضرت قطب کے پوتوں سے منسلک تھے۔ ان کے اقارب مثلاً سیّد طاہر محمد، سیّد پیر محمد اور سیّد حافظ محمد تھے جن میں سے ہر ایک اپنے وقت کا بزرگ تھا۔ مشہور سادات کے سلسلہ میں محدثین میں سب سے بہتر اور متاخرین کے پیشوا، عظمت وجلال کے آسمان کے سورج امیر[6] سیّد شاہ کمال اور ان کے پیارے بیٹے میر سید شاہ مرزا۔ بڑے سادات میں محدثوں کے پیشوا اور فصحاء کے خلاصہ، آنکھوں کی ٹھنڈک سیّد[7] ولد آدم سیّد عالم بڑھاپے کے باوجود علوم دینی میں اشتغال اور

---

1 ج: "مشائخ کرام کے نام..... آراستہ تھا" نہیں ہے۔
2 ج: "ثانی...قدس" نہیں ہے۔
3 ج: قدس سرہ سید عریشہ
4 ج: سید جیو
5 ج: دوسرے واسطے
6 ج: "امیر سید" نہیں ہے۔
7 ج: صلی اللہ علیہ وسلم

امور یقینی کی تحقیق کا شغل رکھتے تھے اور وہ ایک واسطہ سے انجمن اہل کمال کی شمع، فضل وافضال کے آسمان کے سورج سید عثمان کے پوتے تھے اور سید عثمان بغیر کسی واسطے کے حضرت قطب الاقطاب سید برہان الدین کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ حضرت قطب الاقطاب نے انہیں "شمع برہانی کے لقب سے مشرف کیا تھا۔ عثمان پور جو احمد آباد کے شمال مغرب میں واقع ہے انہیں کا آباد کیا ہوا ہے اور آپ کا مرقد شریف بھی اسی محلہ میں مشہور ومعروف ہے۔ جس[1] کی زیارت کی جاتی ہے اور اس کو متبرک گردانا جاتا ہے۔ سلطان محمود کو نسبت ارادت حضرت سید عالم سے تھی۔ اخلاص مریدی کو اس نے کمال کو پہنچایا تھا۔ یہ بزرگ ماہ جمادی الاول [2]۹۲۳ھ میں اپنا رخت ہستی اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف لے گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ!

دوسرے محدثوں کی بزم کے پیشوا، متکلمین میں سب سے افضل، سراج المکمل[3] میر سید عبد الاول تھے۔ دوسرے اہل صفا کے پیشوا اور اہل تقویٰ میں سب سے بہتر شیخ الہداد اور متوکل[4] دوسرے شبستان ورع کی شمع اور آسمان زکی کے خورشید حضرت شیخ علی متقی تھے جو طریقت میں اپنے وقت میں بے نظیر اور سلوک تقویٰ میں اپنے زمانہ میں بے مثل تھے۔ دوسرے ہدایت پناہ، حقائق دستگاہ اور کشف وکرامات میں ایک نئے اسلاب کے

---

1. ب : "جس کی زیارت... گردانا جاتا ہے" نہیں ہے۔
2. الف، ج : متن میں صرف ۲۳ھ چھپا ہے جو یقیناً غلط ہے۔ صحیح سنہ الف اور ج نسخوں میں درج ہے یعنی ۹۲۳ھ۔ مترجم۔
3. الف : سراج المکلین
4. ج : دوسرے سارے عالم میں برگزیدہ، مکارم اخلاق کے مجموعہ، بندگی شیخ ابی اسحاق جن کا قدم شریعت وتقویٰ کے راستے پر مضبوط تھا۔ آپ آسمان ہدایت کے آفتاب بندگی شیخ مودود ابن ختم الفقراء مخدوم قاضی عالم الدین صاحب کے نواسہ، مرید اور خلیفہ تھے۔ اور مخدوم قاضی علم الدین سندھ کے سید السادات اور منبع البرکات حضرت شاہ راجو کے بے واسطہ خلیفہ اور مخدوم العالم کے مرید تھے۔

مخترع خدمت شیخ محمد غوث تھے جن کا طریقہ شطاریہ ہے (یعنی بہت تیز چلنے والے۔ ان کی ارادت وخلافت کا سلسلہ حضرت سلطان العارفین قطب المحققین شیخ بایزید بسطامی پر منتہی ہوتا ہے۔ دوسرے علماء[1] میں سب سے زیادہ عالم، فضلاء میں سب سے زیادہ افضل، منقول ومعقول کے جامع، اسرار وجود کا پردہ اٹھانے والے، انوار شہود کے دیکھنے والے، بندگی میاں وجیہ الدین علوی تھے۔ دوسرے وہ کہ سعادت ان کے بدن سے متصل کپڑا اور بزرگی چوغہ ہے وہ ہیں خواجہ عبد الواحد جو خواجۂ اسرار، منظور انظار خواجہ عبد اللہ (یعنی خواجہ عبد اللہ اصرار۔ مترجم) قدس[2] اللہ سرہ العزیز کے پوتوں نواسوں میں سے ہیں۔ دوسرے اپنے زمانے اور وقت کے مرشد شیخ حسن ہیں۔ ان عزیز کے بزرگ ماوراء النہر کے ایک موضع جس کا نام میاں کال[3] ہے یہاں تشریف لائے تھے۔ دوسرے اہل[4] صلاح کے چراغ اور اصحاب[5] فلاح کے افتخار، آسمان[6] افضال وکمال کے خورشید شیخ الشیوخ شیخ[7] ماہ ہیں۔ آپ کا مولد شریف جونپور کا فاخرہ شہر ہے جو مشرقی شہروں میں سے ہے۔ دوسرے یقین کے درخت کے پھل اور دین[8] کے بھیدوں کے جاننے والے شیخ جمال جو پتھری[9] کے نام سے مشہور ہیں۔ اہل اللہ[10] سے وہ ایک قصبہ ہے ولایت دکھن کے قصبوں میں

---

[1] ج: ''دوسرے علماء میں..... وجیہ الدین علوی'' نہیں ہے۔
[2] ج: انصاری ہیں۔
[3] ج: کالی
[4] ج: کمال
[5] ج: صلاح
[6] ج: ''افضال'' نہیں ہے۔
[7] ج: ''شیخ'' نہیں ہے۔
[8] ج: ''دین'' نہیں ہے۔
[9] الف، ج: پتھری
[10] ج: ''اہل اللہ سے'' نہیں ہے۔

سے[1]۔ ان[2] مذکور ناموں کے علاوہ احمد آباد کے معظم شہر میں بہت سے عزیز اس قبیل کے تھے لیکن اختصار کے لیے عبارت کی کسر کی گئی۔

دوسرے بھروچ جیسے عمدہ شہر میں اہل اللہ کی ایک جماعت سیادت کی دستگاہ رکھنے والی اور علوم شریعت وطریقت مین اشتغال رکھتی اور کام کرتی تھی۔ اور طالبان حق کو ہدایت دیتی تھی۔ اس متبرک منزل کے جملہ اکابر میں سے ایک فضائل مآب، سعادت اکتساب میاں غیاث الدین تھے اور بندرگاہ سورت میں شریعت شعار طریقت آثار شیخ کمال الدین سلسلۂ ہمدانیہ کی خدمت میں سرگرم ہیں اور طریقہ علی ثانی میر سیدؔ علی ہمدانی قدس اللہ سرہ! سلطان کو مشائخ کرام اور علمائے عظام سے کامل عقیدت تھی۔ ان کے حال کی پوچھ پرچھ جیسی کرنی چاہیے کرتا رہتا تھا اور وہ وظیفہ جو سلاطین سلف کے زمانہ سے ان عزیزوں کے لیے مقرر تھا اسے جاری رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اعتقاد کی سعادت کے اقتضا پر ان میں سے ہر ایک کے لیے کشائش کے دروازے کھلے رکھتا تھا۔ شہروں اور دور دراز کے علاقوں کے مستحقین کے لیے بھی ان کے استحقاق کے مطابق ابتدائی وظیفے مقرر کرتا تھا۔

---

[1] ج : اور یہ شیخ مذکور اسی جگہ کے ہیں۔
[2] ج : "ان مذکور ناموں... کسر کی گئی" نہیں ہے۔

اکتیسواں باب

سلطان علیہ الرحمۃ والغفران کی سخاوت، احسان، اخلاق[1] حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کا بیان

ہم عصر معتبر لوگوں اور سلاطین عاقبت محمود کے مصاحبوں کا بیان ہے کہ سلطان بہت ہی زیادہ فقیر دوست تھا اور اپنی فیض مآثر خاطر کی توجہ ہمیشہ فقراء کے حال پر مبذول رکھتا تھا۔ اس نے کنویں تعمیر کروائے اور مکانات بنوائے تھے اور خادموں کو اس بات پر مقرر کیا تھا کہ وہ ان کے رنج وراحت سے خبردار رہیں اور جو کچھ ان کی ضروریات ہوں مہیا کیا کریں۔ اکثر اوقات پاک وطیب کھانوں کے بارے میں جو سلطان کے کام ودہن کو لذیذ معلوم ہوتے تو پوچھتا تھا کہ کیا اس قسم کا کھانا فقیروں کو پہنچا ہوگا۔ خادم عرض کرتے کہ اس قسم کا کھانا فقراء کو کہاں پہنچتا ہے تو وہ حکم کرتا کہ اس نوع کا کھانا زیادہ مقدار میں پکایا جائے اور فقیروں کو پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس قسم کا کھانا اکثر فقیروں کو پہنچتا رہتا تھا۔

سردیوں کے موسم میں خوبصورت قبائیں ننگے لوگوں اور اہل صلاح کو جو مسجدوں اور مدرسوں میں سکونت رکھتے تھے ہزاروں کی تعداد میں عطا فرماتا تھا اور رات[2] کے کپڑے انعام دیتا تھا۔ چونکہ بعض قلاش لوگ انہیں بیچ ڈالتے تھے جب یہ خبر بادشاہ کے سمع اعلیٰ مین پہنچی تو اس نے حکم دیا کہ بڑی بڑی رضائیاں دی جائیں جو بڑی بڑی جماعتوں کو ڈھانک لیں تاکہ سب ان کے فروخت کرنے پر متفق نہ ہوں۔ اور لکڑیاں ہر

---

[1] ج: ”حمیدہ... والغفران“ نہیں ہے۔
[2] ج: سرما کے کپڑے

کوچہ وبازار کے سروں پر جمع کر کے جلائی جائیں تاکہ غریب لوگ ان کے اردگرد آرام کرسکیں۔ اس نے یہ بھی حکم دے رکھا تھا کہ میوہ کے موسم میں مثلاً گنا، کیلہ، آم اور خربوزہ، پہلے یہ پھل فقیروں کو پہنچائے جائیں اور اس کے بعد مجلس شاہی میں لائے جائیں۔ اس قسم کی شفقت ومرحمت عام لوگوں کے بارے میں رکھتا تھا۔ اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ اشراف وسادات اور ارباب فضل وکمال پر کس درجہ ہوگی۔ عرب[1] کے کئی سادات شمس الشموس (سورجوں کے سورج) شیخ ابوبکر عیدروس[2] رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی اولاد میں سے جو مسافر تھے سلطان کے لطف وکرم کی بنا پر اپنے وطنوں سے قطع نظر کر کے احمد آباد کے گوشہ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ اے اللہ! اس کے گناہوں کو معاف فرما، اس کے عیبوں کو چھپا لے! بحق محمد وآلہ واصحابہ[3] آمین! رب العالمین[4]!

نقل[5] ہے کہ کسان مسلمانوں میں سے ایک شخص نے سلطان کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں بیٹیوں کا باپ ہوں اور ان کا کار خیر انجام دینے میں عاجز۔ آج رات میں نے جمال کمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ سوا لاکھ تنکہ یعنی ایک لاکھ پچیس ہزار تنکہ ہم نے تجھے دلوائے ہیں۔ سلطان محمود سے لے لے اس نشانی پر کہ وہ ہر روز ایک لاکھ بار درود ہم پر بھیجتا ہے۔ سلطان نے کہا: کہ جو مال تو چاہتا ہے وہ میں تجھے دیتا ہوں لیکن جو نشانی تو نے بتلائی وہ واقعہ کے مطابق نہیں۔ اس نے کہا کہ جو کچھ میں نے حبیب خدا کی زبان سے سنا ہے وہ میں کہتا ہوں۔ اتفاق سے ایک رات سلطان نے بھی آن سرور کو خواب میں دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ جو کچھ اس نے کہا سچ ہے۔ یہ درود جو تو ہر روز ایک بار ہم پر بھیجتا ہے اس کا ثواب ایک لاکھ درود کے برابر

---

[1] الف: بر عرب کے

[2] ب: عیدروی

[3] ج: وآلہ اجمعین

[4] ج: "واصحابہ... رب العالمین" نہیں ہے۔

[5] ج: "نقل ہے کہ... اور زیادہ کیا" نہیں ہے۔

ہے۔ درود معظم یہ ہے!

اللّٰھم صل علیٰ محمد بعدد الانفاس المخلوات وصل علیٰ محمد بعدد اشعار الموجودات وصل علیٰ محمد بعدد حروف اللوح والدعوت وصل علیٰ محمد بعدد البدایات والنھایات من الموجودات والمعدومات الی ابد الآباد من اول ازله و اوسطه حشرة واخر بقایه وصلی اللّٰه علیٰ خیر خلقهٖ محمد والهٖ اجمعین ٥

دوسرے دن صبح سلطان نے اس آدمی کو بلایا اور جو کچھ اس نے مانگا تھا وہ پورے اعزاز کے ساتھ اسے پہنچایا اور اس پر وظیفہ اور زیادہ کیا۔

بتیسواں باب

آہو خانہ کی عمارت اور اس میں سلطان زمانہ کے عیش وکامرانی کا بیان

کہتے ہیں کہ جب سلطان کا دل متغلب امراء کے عناد سے صاف ہوا اور بساطِ آرزو میں اس قسم کا کوئی کانٹا نہ رہا تو حاضر جمعی اور شاد دلی کے ساتھ ۹۵۳ھ[1] میں وہ احمد آباد کے معظم شہر سے اپنے دار القرار محمود آباد کی طرف جس کا ذکر اوپر گذرا منتقل ہوا اور عمارت عالی جس کا نام آہو خانہ ہے بنانے میں مصروف ہوا۔ طول اس کا دو فرسنگ[2] اور عرض ایک میدان جنگ کے برابر تھا۔ اس کے ہر گوشہ میں ایک محل کی تعمیر کا حکم دیا جو زمین پر مثل آسمان کے لگتا تھا۔ اس کی بعض دیواریں اور چھت مطلاّ تھیں اور ہر مکان کے دروازہ پر دونوں طرف بازار معلّی کا راستہ اور ہر دوکان پر ایک پریزاد بیٹھا ہوا جو طرب وشادمانی کا سامان اور طبیعت انسانی کی فرحت بخشنے والی غذائیں، کیا تو قسم قسم کے میوے اور پھل اور کیا تو طرح طرح کے لذیذ اور خوشگوار کھانے بیچتا تھا۔ اس کے ہر زاویہ میں ایک ایک باغ آراستہ کیا تھا کہ ریاض خلد اس کی تراوت سے پانی مانگتا تھا۔ گھروں کے صحن میں درختوں کے تھڑوں کو زربفت اور مخمل سے ڈھانکتے تھے اور، شاخوں کو باریک رنگین کپڑوں کی ہمائیوں سے۔ ایسے باغ میں وہ حرم سرا کی آہو چشم حسیناؤں کے ساتھ عیش وکامرانی کرتا تھا اور ایام جوانی کی داد دیتا تھا۔ سورج کی طرح ایک برج سے دوسرے برج کی طرف نزول

---

[1] ج: "۹۵۳ھ" نہیں ہے۔

[2] ایک فرسنگ یا فرسخ تین میل کی مقدار اور ہر میل چار ہزار گز کا ہوتا ہے۔ یہ ناپ لغات کشوری میں درج ہے جبکہ ایک دوسری لغت میں ایک فرسنگ کو پونے چار انگریزی میل کے برابر بتلایا ہے۔ مترجم۔

فرماتا اور چاند کی طرح ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف سیر کرتا تھا۔ اکثر اوقات پریزاد نازنینوں کے ساتھ اس دلکشا شہر پناہ میں شکار میں مشغول ہوتا تھا۔ عید کے دن ہاتھیوں اور گھوڑوں کو زر وزیور سے اس طرح آراستہ وپیراستہ کرتے تھے کہ کسی بھی عہد میں کسی بادشاہ نے ایسی خوش طبعی کی کوشش[1] نہیں کی تھی۔

[1] ج: ہوگی اور جوانی کے وقت سے اس مقدار میں تمتع نہ کیا ہوگا۔ گرانیہ کا فتنہ اس کے ایام دولت میں معدوم ہوگیا تھا۔ راستوں کا امن اور رفاہ عام کبھی ایسا نہ تھا جیسا اس کی سلطنت کے زمانہ میں اور اس کے علاوہ اسلام اس سے بلند اور کفر بدحال ہوا۔ اللہ اس کی برہان کو روشن کرے!

تینتیسواں باب

سلطان[1] علیہ الرحمۃ والغفران کے قتل اور اس کے قاتل کے مآل[2] یعنی شقاوت نشان برہان کا بیان

کہتے ہیں کہ حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام مولود میں ہر روز ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے ۱۲ رتاریخ تک شہر کے علماء، فضلاء اور مشائخ حاضر ہوتے تھے اور بخاری کی کتاب کا درس دیتے تھے۔ دن کا ایک پہر گذرنے کے بعد وہ کھانا جو سرورِ انبیاء کی روحِ پرفتوح کے لیے مہیا کیا جاتا تھا حاضر کرتے تھے اور پورے اعزاز کے ساتھ اہل صلاح نوش فرماتے تھے۔ اس سے فراغت پانے کے بعد سب اپنے اپنے گھر چلے جاتے تھے۔ بارہویں[3] تاریخ کو سلطان ان عزیزوں کی خدمت کے لیے کمربستہ ہوتا تھا۔ ان کے پاک ہاتھوں کو خود دھلاتا اور خود ہی کھانے ان کے سامنے چنتا تھا اور آخر مجلس تک پاؤں پر کھڑا رہ کر خدمت بجالاتا تھا۔ اس کے بعد ان میں سے ہر کسی کو نقد اور کپڑے اس مقدار میں انعام دیتا کہ جو سامان آئندہ یعنی ایام مولود تک ان کی ضروریاتِ زندگی کے لیے کافی ہوتا تھا۔ دکھن کے سرلیاف اور بھیرون جو سلطان کے خاص لباس کے لیے لائے جاتے تھے ان سے دسترخوان بنائے جاتے اور ایام مولود میں استعمال کیے جاتے تھے۔ اس کے بعد انہیں دھو کر سلطان کا لباس قطع کیا جاتا اور پورے سال ان کپڑوں کو لباسِ سلطانی کے کام میں لایا جاتا تھا۔ یہ سنت سلطان مظفر بن سلطان محمود بیگڑہ سے باقی رہی تھی لیکن سلطان محمود اس کے ہر جزو کو بڑھاتا اور اس میں مبالغہ کرتا تھا۔

---

[1] ج: یہ عنوان نہیں ہے۔

[2] الف: حال

[3] ج: ۱۲ رتاریخ کو سلطان ان اعزہ کی خدمت کے لیے کمربستہ ہوتا تھا۔

ماہ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو جو عُرفِ عرب میں یوم مولود کہلاتی ہے کہ آن سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اس روز ہوئی تھی اور بعض علاقوں میں اسے عرس کہتے ہیں اس اعتبار سے کہ محبّ محبوب سے اور طالب اپنے مطلوب سے واصل ہوا اور کلام نبی علیہ السلام اس معنی پر دال ہے کہ انہوں نے فرمایا من بشرنی بخروج الصفر بشرتہ بدخول الجنۃ کیونکہ محبّ ومحبوب کے درمیان وجود حال کے سوائے کوئی حائل وحجاب نہیں ہے۔ جو کوئی طالب اس بدن کے پنجرہ سے نکلا وہ گلشن وصال سے پیوست ہوا۔ اسی دن علماءِ کرام نے بخاری شریف کا ختم پورا کیا تھا۔ ان کی ضیافت کے لیے پکانے کے اسباب ترتیب دیے گئے تھے اور طرح طرح کے کھانے موجود کیے گئے تھے اور فراغ طعام کے بعد قسم قسم کے میوے اور پھل۔ ان عزیزان کرام نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے گویا کہ یہ دعا شرف شہادت اور عزّ مغفرت کا نتیجہ دینے والی تھی۔ ان عزیزوں کے وداع ہونے کے بعد[1] ہر کسی کو قرارداد کے مطابق روپے اور کپڑے کی امداد دے کر خود خلوت سرائے خاص میں گیا۔ چونکہ خدمت کی کوفت وملال اس کے وجود شریف کے چہرہ پر ظاہر تھا آرام کرنے کے لیے سر تکیہ پر رکھا۔

اس اثنا میں اسے شدید پیاس محسوس ہوئی۔ اس نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ اہل شقاوت میں سے ایک بدبخت جسے برہان[2] کے نافرجام نام سے بلاتے تھے حاضر تھا۔ غالباً یہ بدبخت وقت کا منتظر اور فرصت کا طلبگار تھا۔ وہ ایک زہر آلود شربت لے آیا۔ اس کے مکروکید سے خالی الذہن سلطان نے وہ شربت پی لیا اور سو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی طبع شریف بگڑی اور اسے قے ہو گئی۔ سلطان نے اپنا حال بدلا ہوا پایا کہا کہ اے بدبخت یہ کیا شربت تھا جو تو نے مجھے دیا۔ برہان بولا "بادشاہا جہاں پناہ! پورے دن کی خدمت نے غلبہ پایا تھا۔ کوئی ڈر کی بات نہیں۔ آرام سے سو جائیں کہ یہ دور ہو جائے۔

---

[1] وقت وداع

[2] الف : برہان الدین

رات کا کچھ حصہ گذرا تھا کہ سلطان پھر سو گیا۔ اس بدبخت نے سلطان کے حلق پر خنجر چلا دیا اور اس سلطنت پناہ کو شہادت کے درجہ پر پہنچا دیا۔

ثقات گجرات (اللہ ان کی تمام آفات سے حفاظت فرمائے!) کہ ان میں سے بعض اس وقت حاضر تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا اور بعض جنہوں نے اپنے محترم بڑے بوڑھوں اور متواتر خبروں سے سنا ہے اس لعین دارین بدبخت برہان کے ابتدائی حالات کے بارے میں ایسا فرماتے ہیں کہ اس کے والد کا نام پیارا تھا جو رذیل قوموں میں سے تھا اور سلطان کی ادنیٰ خدمات انجام دیتا تھا۔ بعد اس کے کہ بزرگی تمام حاصل کی یہ ہے کہ اسے بارگیروں کے طویلہ کا میر آخور (یعنی گھاس فراہم کرنے والوں کا سردار) بنا دیا گیا۔

مختصر یہ کہ اس کا ایک بیٹا تھا برہان نام۔ حسن سے خالی نہ تھا۔ ایک دن اسے سلطان کے سامنے لایا گیا۔ اس نے اس کے چہرہ کو پسند کیا۔ اس وجہ سے کہ سلطان تخت نشینی کی ابتدا سے آخر دن تک وزیروں کی قید میں تھا آرزوئیں اس کی خاطر شریف میں ممکن تھیں۔ اس کے بعد کہ وہ مستقل طور پر مطلق العنان ہو گیا اس نے کامرانی اور شہوت بازاری شروع کر دی۔ کسی لڑکے یا لڑکی کی ادنیٰ ملاحت پر فریفتہ ہو جاتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ سلطان عاقبت محمود کی طبیعت اصلاً ابتدا سے انتہا تک رذیلوں کی طرف مائل تھی۔ رذیلوں کو نوازنا اس نے اپنی عادت بنا لیا تھا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اسی طرح برہان بدانجام کو اپنا منظور نظر بنا کر اسے جوتے اٹھانے کی خدمت سے سرفراز کیا تھا۔

ایک دن افضل خان وزیر نے دیکھا کہ وہ سلطان کے جوتے پاک کر رہا ہے۔ پوچھا کہ یہ کس کا لڑکا ہے کہ جو یکایک اس خدمت بلند پر سرفراز کیا گیا ہے۔ کہا کہ یہ پیارہ فلاں طویلہ کے میر آخور کا بیٹا ہے۔ (افضل خان نے) سلطان سے عرض کیا۔ دیوان جیو سلامت! اس لڑکے کو حضور کی خدمت میں نہ رکھیں اور یکبارگی اس درجۂ عالی پر نہ

پہنچا ئیں۔ سلطان نے کہا یہ لڑکا خانہ زاد ہے۔ اس سے مکر وکید ہرگز ظاہر نہ ہوگا۔ افضل خان نے پھر عرض کیا کہ میں اس کی آنکھوں میں زہر کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور اس کے قیافہ سے دیکھ رہا ہوں کہ اللہ اپنی پناہ میں رکھے! اگر سلطان کی ذات کو کوئی کوفت لاحق ہوئی تو اس برے فعل کا فاعل یہ مفعول ہوگا۔ سلطان نے کہا کہ اس سے ہرگز عزیزوں کی طبیعت کے خلاف کوئی امر واقع نہ ہوگا۔ افضل خان اور سلطان کے درمیان اس بدبخت کے بارے میں ہمیشہ بحث ہوتی تھی۔ اس کے بعد کہ وہ لعین عنفوان شباب کو پہنچا اس نے لواطت جیسا فعل شنیع شروع کر دیا اور شراب پینے میں مشغول رہنے لگا۔ اس پر اتفاق ہے کہ یہ دونوں کام چونکہ ظاہر شریعت میں جملہ حرام کاموں میں سے ہیں اور ان کا ارتکاب کرنے والوں پر حد شرعی لازم ہے اس لیے سلطان نے بھی حکم دے دیا تھا کہ بڑے وزیروں اور نامدار امیروں میں سے اگر کوئی ان افعال ناپسندیدہ کا مرتکب ہوتا ہے تو حکم ہے کہ اس کا گھر ہلان کر دیا جائے یعنی لوٹ لیا جائے۔

یہ برہان بدانجام چونکہ ابتدا میں مفعول تھا اس نے دونوں کاموں کی عادت ڈال لی تھی یہاں تک کہ اس حقیقت کی اطلاع سلطان کو ہوگئی۔ حکم ہوا کہ اس نادرست بدبخت کو قلعہ کی دیوار میں چن دیا جائے۔ اسے اٹھا کر فوراً دیوار پر لے گئے۔ اس کے ماں باپ افضل خان کے سامنے جا کر رونے گڑگڑانے لگے کہ اس کے سوا ہماری کوئی اولاد نہیں ہے۔ خدا کے واسطے اس کی جان بخشی فرما دیں۔ خان مذکور نے سلطان کی خدمت میں آکر شفاعت کی۔ اگر شفاعت میں ایک لمحہ برابر دیر ہو جاتی تو وہ بدبخت فنا ہو گیا ہوتا کیونکہ کندھوں تک اسے دیوار میں چن دیا گیا تھا۔ چونکہ تقدیر الٰہی جل قدرۂ کو یہ منظور تھا کہ اس شقی ازلی کی ذات سے سلطان کی ذات کو آسیب لاحق ہو اور افضل اللہ شیاً فی اسا یہ ظاہر گردد۔ افضل خان جیسا کہ جو اس سے آخر روز ظہور میں آیا خان مذکور پہلے روز ہی دیکھ چکا تھا ایسی دور بیں عقل ہونے کے باوجود اس مایۂ فساد کو چھٹکارا دلانے کی کوشش نہ کرتا اور اسے اس مہلکہ سے خلاص دلواتا۔ لیکن ان کا دل ہمیشہ اس کی طرف سے متردد رہا اور وہ

چاہتا تھا کہ خلا وملا میں وہ بدبخت سلطان کی خدمت میں نہ رہے اور مہمات بادشاہی کے مشوروں میں محرم بنے۔ بلکہ اس واسطے کہ مشورہ کے وہ حاضر نہ ہو افضل خان نے خود کے کانوں کا گراں ہونا ظاہر کیا اور عرض کیا دیو انجیو سلامت، میں نہیں جانتا بڑھاپے میں ہوائے مخالف کے غلبہ سے میری قوت سامعہ میں خلل واقع ہوگیا ہے۔ جو بات مذکور ہوتی ہے اگر آہستہ بولتے ہیں تو میں اچھی طرح سن نہیں پاتا اور جو کوئی اس علت میں گرفتار ہوتا ہے وہ خود ہی چاہتا ہے کہ جو کوئی بات کہے بلند آواز میں کہے لہٰذا چاہیے کہ مہمات بادشاہی کے مشوروں کے وقت وہ شقی حاضر نہ رہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ بھید آشکارا ہوجائے اور لوگوں کو مصلحت کی خبر ہوجائے۔ اس وجہ سے بعض اوقات اسے خدمت حضور سے دور کردیا جاتا تھا۔ لیکن وہ شیطنت پیشہ اور غدار اندیشہ کوئی مشورت نہ چھوڑتا تھا کہ نہ جانے یہاں تک کہ ایک دن سلطان نے اپنے وزیروں کو حکم دیا کہ ہمارے آباء واجداد (رحمۃ اللہ) بعد اس کے کہ مملکت گجرات کو برنگ پرکار احاطہ کے دائرے میں لاتے تھے جونا گڈھ کے ساتھ قلعۂ چانپانیر کے کفار کے ساتھ بھی جہاد کا عزم مصمم رکھتے تھے۔ اس وقت بھی اللہ کا شکر واحسان ہے کہ ملک گجرات کچھ اضافہ ہی کے ساتھ اس درگاہ کے دولتخواہوں کے تصرف میں غیروں کے تفرقہ کے ساتھ آگیا ہے پہلے تو ہم قلعۂ چانپانیر کو فتح کرنے کے بارے میں مصلحت کریں کہ نئے لشکر کی کتنی تعداد حفاظت کے لیے رکھنی چاہیے اور خزانہ کی کتنی مقدار نکالنی چاہیے۔ مختصر یہ کہ وہ بدبخت حاضر تھا۔ سلطان کا یہی حکم باعث بحث بنا یہاں تک کہ اس نے کیا جو کچھ کیا۔ لعنت ہو اس پر!

نقل ہے کہ وہ شقی ایک کلاونت لڑکے پر ریجھا ہوا تھا اور افراط محبت کی وجہ سے اسے ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا۔ ایک دن سلطان سلطنت شعار جسے شکار کا حد سے زیادہ شوق تھا محمود آباد کے آہوخانہ میں اپنے محترم حرموں کے ساتھ بات چیت میں مصروف تھا۔ سلطان کی غیبت میں وہ بدبخت اس کلاونت لڑکے اور ایک شیشۂ شراب کے ساتھ ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا محو صحبت تھا اور ہرگز اس کے گمان میں نہ تھا کہ سلطان کا گذر ادھر ہوجائے

گا۔ جیسا کہ اتفاق پڑتا ہے ایک جانور کا پیچھا کرتے ہوئے سلطان نے اپنے کوہ شکوہ گھوڑے کی لگام ڈھیلی کر دی اور اس جانور نے اِدھر اُدھر دوڑتے ہوئے اس بدبخت کی طرف اپنا رخ کیا اور یکایک اس کے قریب پہنچ گیا۔ سلطان نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور کہا کہ "اے والد الزنا! جو کچھ لوگ اس بارے میں عرض کرتے تھے لیکن میں نہیں مانتا تھا۔ اب میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اگر اللہ کی مرضی شامل رہی تو تجھے سزا دوں گا۔" یہ دو کلمے کہہ کر اس جانور کا پیچھا کیا۔ وہ بدبخت ایک بار غضب سلطانی میں گرفتار ہو کر ہلاکت میں پڑا تھا۔ اس مرتبہ اُس نے جان لیا کہ جان کا خطرہ لاحق ہوگا۔ مختصر یہ کہ واقعہ کا علاج اس کے وقوع سے پہلے کرنا چاہیے۔ جب تک سلطان اس کی فکر میں پڑے ہوں مجھے اس کی فکر کرنی چاہیے۔ چوں کہ اس حرامزادہ کا تقرب وتسلط اس درجہ پر پہنچا ہوا تھا کہ سلطان کے کھانے پینے اور کیف آور چیزوں پر اس نابکار کی انگشتری کی مہر ہوتی تھی۔ اس رات کی صبح جب سلطان نے اسے قبیح حالت میں دیکھا اس کا یہ اختیار روک دیا۔

مختصر یہ کہ ماہ مذکور کی گیارہویں تاریخ کو سلطان نے شکار کے دوران برہان کا احوال معلوم کر کے فراموش کر دیا تھا اور بارہویں تاریخ کو پورے دن مجلس مذکور کی خدمت میں پیروں پر کھڑا رہا تھا۔ مجلس سے فارغ ہونے اور ان عزیزوں کے رخصت ہونے کے بعد سلطان اپنے خلوت خانہ میں تشریف لے گیا۔ یہ بدبخت حاضر تھا۔ سلطان نے کہا کہ کوئی کیف آور چیز لے آ۔ حالانکہ اس شقی دارین نے اصل کی فکر کی۔ ایک مکیف چیز اور پانی کو زہر قاتل سے آلودہ کر کے رکھا تھا۔ قصد یہ تھا کہ جب کبھی سلطان کو اس کے ناشائستہ افعال یاد آئیں گے اور وہ اسے اسی وقت فنا ہونے کا حکم دے گا تو فرصت کو غنیمت سمجھ کر اس نے ایسا کیا۔

نقل ہے کہ اس نے زہر آلودہ مکیفات اور زہر آلودہ پانی حاضر کیا سلطان نے اس زہر آلودہ معجون سے کچھ نوش کیا اور اس نے وہ زہر آلودہ پانی پیا اور سو گیا۔ کچھ دیر کے

بعد سلطان کی شریف طبیعت بگڑی اور اسے قے ہوگئی۔ جب اس سے فارغ ہوا تو کہا کہ اے بدبخت! یہ کس قسم کی کیف آور چیز اور پانی تو نے مجھے کھانے پینے کے لیے دیا؟ اس بدانجام نے سلطان کو تسلیاں دیتے ہوئے کہا کہ بادشاہا! جہاں پناہا! دو روز سے آپ کو متواتر شکار کی مجلس کی خدمت کی تکان پہنچی ہے۔ اس لیے طبیعت خراب ہوگئی۔ کوئی ڈر کی بات نہیں۔ تھوڑی معجون اور تناول فرمائیں اور آرام سے سو جائیں۔ سلطان نے اس بے باک متقنی کے کہنے پر تھوڑی معجون اور تناول کی اور پھر ایسا سویا کہ اب صبح قیامت ہی کو اٹھے گا۔ اس کے باوجود جب اس نے دیکھا کہ سلطان سو گیا ہے تو خنجر خاص کھینچ کر اس کے گلے پر چلا دیا اور درجۂ شہادت پر پہنچا دیا اور خود کو لعنت ابدی اور نفرین سرمدی کا سزاوار بنالیا۔ چونکہ خیال محال نے سلطنت گجرات کے کھوٹے سودے کا درد اس کے دماغ میں پیدا کر دیا تھا اس نے نامور وزیروں اور بڑے امراء میں سے چند کو جو سلطنت کا رکن تھے اسی رات سلطان عاقبت محمود کے ساتھ راہ عدم کی طرف بھیج دیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس سے چند روز پہلے سلطان وزیروں اور امیروں کے ساتھ قلعۂ چانپانیر کی فتح کی سعی کر رہا تھا۔ آج رات اس ملعون نے اسی مشورۂ چانپانیر کو وسیلہ بنا کر انتہائی یکدلی اور یکجہتی کے ساتھ باگھ مار جماعت یعنی شیر مارنے والی جماعت کو متفق کر کے چند آدمیوں کو ایک حجرہ میں چھپا دیا اور کہا کہ دیوانجیو حکم فرماتے ہیں کہ اکابروں اور رذیلوں میں سے جو کوئی اس حجرہ میں قدم رکھے اس کی کمر پر وار کر کے اسے پارہ پارہ کر دو اور اسے زندہ نہ نکلنے دو۔ اس کے نتیجہ میں میں تمہیں امراء کے عالی درجہ پر پہنچا دوں گا۔ مذکور جماعت کے ساتھ یہ قرار کر کے اس نے ایک آدمی کو وزیر اعظم آصف خان کو بلانے کے لیے بھیجا جو اصابت رائے اور دنیوی واخروی مہمات کی کفایت کرنے میں ایسا تھا کہ اگر آصف بن برخیا زندہ ہوتے تو اس بارے میں اس کی شاگردی کرتے۔ اور کہا کہ خانجیو سے کہنا کہ دیوانجیو فرماتے ہیں کہ مدت سے میں تمہیں قلعۂ چانپانیر کی فتح کے بارے میں کہتا ہوں کہ مشورہ کرو لیکن تم نے نہ کیا۔ آج رات میں نے امیروں اور وزیروں کو جمع کیا ہے۔ وہ

تمہاری تشریف آوری کے منتظر ہیں۔ جلد آ کر اس مہم کو تشکیل دو۔ جب آصف خان نے جانی ہوئی بات سنی تو بے تحاشا اٹھا اور آ گیا۔ جب دربار میں حاضر ہوا تو وہ متنفی لعین خوشامدانہ دوڑ کر سامنے آ گیا، سلام کیا اور کہا کہ دیوانجیو نے ارکان سلطنت کو جمع کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس مہم کی پوری تشکیل کب تک نہ کرو گے؟ یہ کہہ کر اسے اکیلا لے کر اس حجرہ کی طرف لے گیا۔ آصف خان نے جب اس جماعت کو دیکھا تو اس کی بات کو سچا مان کر حجرہ میں چلا گیا۔ ان لعینوں میں سے دو تین آدمی اٹھے اور خان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ علیٰ ہٰذا القیاس ان وزرائے کبار اور امرائے نامدار میں سے بارہ آدمی کہ اگر ان میں سے ایک بھی زندہ رہتا تو گجرات کا ملک گجراتیوں کے ہاتھ سے نکل نہ جاتا، ایک مجلس، ایک رات اور ایک گھنٹے میں نیست و نابود کر دیے گئے۔

جس وقت ایک آدمی افضل خان کو بلانے جاتا ہے تو خان کہتے ہیں کہ تو جو کچھ کہتا ہے یہ سلطان کی زبانی نہیں اور اس وقت کہ سونے کا وقت ہے سلطان نے ہرگز کسی کو طلب نہیں کیا ہے۔ تو نامعقول بات کرتا ہے۔ اس آدمی نے جو کچھ سنا تھا دوبارہ کہا۔ دوسری بار اس نے دوسرا آدمی بھیجا اور کہا کہ خان سے کہنا کہ دیوان فرماتے ہیں کہ تمہاری یہ روش خوب نہیں۔ ہر چند میں تمہاری طرف آتا ہوں تم مجھ سے کنارہ کرتے ہو۔ بہر حال وزیروں اور امیروں کی جماعت حاضر ہو گئی ہے اور تمہارے آنے کی منتظر ہے۔ جلد آؤ اور چانپانیر کی مہم کا فیصلہ کرو۔ خان مذکور نے جب دوبار عذر کیا تو اس کی زوجہ نے مبالغہ کیا کہ ہر چند دیوان چاہتے ہیں کہ تمہیں آگے لائیں اور تم پیچھے ہٹتے ہو۔ تمہیں جانا چاہیے۔ خان نے کہا "اے نادان، بے عقل! اس آدمی کی باتوں سے خون کی بو آتی ہے۔ جو کچھ دیوان کی زبان سے کہتا ہے ان کی زبان سے نہیں نکلا ہے۔ اگر تو میری زندگی سے تنگ آ گئی ہے تو میرے جانے کی سعی کر ورنہ جو کچھ یہ آدمی کہتا ہے وہ مکر و غدر سے خالی نہیں۔ اس کی بیوی نے دوبارہ جانے پر زور دیا لیکن خان نہیں گیا۔ اس غدار نابکار نے دوبارہ ایک آدمی بھیجا کہ دیوان جیو فرماتے ہیں کہ اگر تم نہیں آتے تو میں تمہارے گھر آتا ہوں۔ بہر حال تمہیں

آنا چاہیے کہ ایک جماعت تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے۔ خان نے چاہا کہ عذر کردے اور نہ جائے۔ اس کی بیوی اور شروان خان بھٹی جسے افضل خان نے بیٹے کی طرح پالا تھا اور پورے جاہ وجلال کو پہنچایا تھا مُصر ہوئے کہ البتہ جانا چاہیے تاکہ سلطان دلگیر نہ ہو۔ خان نے کہا کہ میں نے ہر چند تم سے کہا ہے کہ طلب مکر سے خالی نہیں ہے اور تم مُصر ہو کہ جاؤ۔ تو تمام بچوں اور لواحقین کو بلایا اور آخری وداع لی، معافی مانگی اور باہر نکل کر پالکی میں سوار ہوگیا۔ جب وہ دربار میں پہنچا تو وہ بدبخت سامنے آیا۔ چونکہ اس سے قبل سلطان اور افضل خان کے درمیان کچھ کدورت واقع ہوگئی تھی اور سلطان نے افضل خان کی جگہ ملک شرق کو نصب کردیا تھا لیکن ہر مہم افضل خان کی صلاح کے بغیر فیصل نہ ہوتی تھی تو وہ (ملعون) سمجھا کہ شاید خان سلطان کے فنا ہونے پر راضی ہوگا لہٰذا سامنے آکر اس سے استمالت اور سیاست کی باتیں کیں اور کہا ''خان جیو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمنوں کو ختم کردیا اگر اس وقت آپ میری دستگیری کریں تو گجرات کے ممالک محروسہ اغیار کے نزاع کے بغیر آپ کے ہاتھ میں آجائیں گے۔''

افضل خان نے جب یہ پاگل پن کی باتیں سنیں تو کہا اے بدبخت، ولدُ الزّنا! تیرا کیا ارادہ ہے کہ ان الفاظ سے خون کی بو آتی ہے! اے ملعون! میرے آقا کو جلد دکھلا۔'' اس نے عرض کیا کہ خانجیو آپ ہمیشہ مجھ سے بدگمان رہے ہیں۔ میں نے آپ کے آقا کو کیا کیا ہے؟ جایئے اُس گھر میں امراء کی ایک جماعت کے ساتھ مشورہ کے لیے بیٹھے ہیں۔ خان کہ انہی صفات کے ساتھ روح مجسم تھا اس گھر کی طرف رہبری کی۔ ان ملعونوں نے خان کو بھی درجۂ شہادت کو پہنچادیا۔ اس کے بعد وہ بدبخت آیا اور فارغ البال ہوکر سلطان کا لباس پہنا۔ ان قاتلوں کی جماعت کو بلایا۔ جواہر خانہ جو نزدیک تھا اس کا قفل توڑ کر پلّو بھر بھر کر جواہرات ان کو عطا کیے۔ عربی گھوڑے جو سلطان کے خاصہ کے گھوڑے تھے اسی جماعت کو دے دیے اور کہا کہ میں تمہیں امراء کے منصب پر پہنچاؤں گا۔ جب تین گھڑی رات باقی رہی تو کھڑکی کے راستہ اس ذلیل جماعت اور محمودی سامان کے

ساتھ باہر نکلا کہ جو کوئی ہمارے ساتھ متفق نہ ہوگا میں اس کا گھر لٹوا دوں گا۔ بعد ازاں آکر سادات، قاضیوں، عالموں اور امیروں کو طلب کر کے اپنا خطبہ پڑھواؤں گا۔ وہ تخت و تاج کی فکر کر رہا تھا اور اس کی اجل اس کے لیے تختہ مضبوط تیار کر کے کہہ رہی تھی کہ جلدی مت کر کہ میں یہ آئی۔

نقل ہے کہ وہ ایک گلی سے گذرا تھا کہ اس اثنا میں شروان کان بھٹی جس نے افضل خان کو زور دے کر بھیجا تھا گھر سے نکلا کہ کیا حالت پیدا ہوئی ہے کہ پوری رات گذر گئی اور خان گھر نہیں آئے۔ وہ اس گلی کے نکڑ پر جو بازار سے ملحق تھا پہنچا تھا کہ محمودی دبدبہ اور کوکبہ پیدا ہوا۔ وہ سمجھا کہ سلطان آرہا ہے۔ اس نے چاہا کہ پیادہ ہو جاؤں اور سلام کروں کہ اس بدبخت اجل گرفتہ نے باآواز بلند کہا "شروان خان! پیادہ مت ہو! لیکن افضل خان کا منصب اور افضل خان کا خطاب تجھے مبارک ہو!" شروان سمجھ گیا کہ کیا حال ہے۔ اس نے آگے جانا چاہا تو جماعت آگے تھی اس نے اسے نہیں آنے دیا۔ وہ پھر بولا "شروان خان ہمارا ہے۔ اسے آنے دو کہ آکر ہماری قدم بوسی کرے۔" یہ بات گویا خود اس نے ملک الموت سے کہی کہ آئے اور اس کی جان لے لے۔ اس بدانجام کے یہ کلمات سنتے ہی شروان خان کی جان میں ایسی آگ لگی کہ اس کا دھواں اس کے دماغ سے باہر نکل گیا۔ جب قریب پہنچا تو گھوڑے کو دوڑا کر تلوار اس بدبخت کی کمر پر ایسی لگائی کہ دو ٹکڑے کر دیے اور وہ سلطانی گھوڑے پر سے گر پڑا۔ شاباش ہے کہنے والے کو.... ع

بزرگوں کی جگہ پر تکیہ شیخی سے نہیں لگایا جاسکتا

سرکش جماعت جو اس کے ساتھ تھی آخر بھاگ کھڑی ہوئی اور اپنے بال بچوں کو لے کر نکل گئے اور محفوظ جگہوں پر پہنچ گئے۔ کچھ آدمیوں کو ان لعینوں کے تعاقب میں بھیجا۔ شہر میں کہرام مچ گیا لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ رات جو حاملہ تھی اس نے کیا جنا؟ جب صبح ہوئی تو شروان اور چھوٹے بڑے امیروں کی ایک جماعت اعتماد خان کے گھر جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے اتفاق کر کے دربار شاہی کی طرف چلے۔ پہلے آکر خزانوں کو محکم

کر کے معتمد افراد کے سپرد کیا۔ اس کے بعد سلطان کے خلوت خانہ کی طرف گئے۔ دیکھا کہ سلطان مقتول پڑا ہے۔ حاضرین پر گریہ وزاری طاری ہوگئی۔ بعد ازاں اس حجرہ کی طرف آئے۔ دیکھا کہ وہاں تمام نعشیں امیروں اور وزیروں کی پڑی ہیں[1]۔

[ابیات]

وہ بت جو سب کے لیے آسیب تھا، افسوس
دیکھو! آسمان نے اس پر کیسی تلوار چلائی
سورج اپنے جسم کو ڈھال بنا رہا تھا
لیکن تقدیر نے اسے سامنے سے الگ کر دیا
جب قضا کی تلوار امید کو قطع کرتی ہے
تو نہ چاند ڈھال بنتا جانتا ہے نہ سورج
جب وہ اونچا سر تلوار سے قلم ہوگیا
تو اس کا خط مشکیں خونیں رقم بن گیا
رضوان نے فردوس کا دروازہ کھول دیا
اور تمام حوریں وہاں ظاہر ہوگئیں

اس کے بعد سلطان کی نعش پاک (اللہ اس کی برہان کو روشن کرے!) کو سلطان محمود بیگڑہ کے حظیرہ میں جو حضرت قطب المحققین شیخ احمد کھٹو کے مقدس گنبد کی پائینتی میں ہے سپرد خاک کر دیا گیا۔[2] راقم الحروف کا شعر ہے۔

---

[1] یہاں نسخۂ حیدرآباد کا ضمیمہ پورا ہوگیا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ نسخۂ ج نے یہ واقعہ دوسری طرح بیان کیا ہے۔

[2] ج: اور وزیروں اور امیروں کی لاشیں بھی ان کے مقبروں میں لے جا کر دفن کی گئیں۔ یہ بیت راقم کی طرف سے مناسب محل تھی۔

[نظم]

زمین مرغ ہے اور انسان اس کا دانہ
کہ جس کے کھانے میں دیر نہیں لگتی
لیکن یہ دانہ بہشت کے کھیت کا ہے
کہ جتنا بھی کھائے سیری نہیں ہوتی!

مختصر[1][2] یہ کہ یہ واقعہ مقام محمود آباد میں شب جمعہ تیرہویں ربیع الآخر[3] ۹۶۱ھ میں رونما ہوا۔ سلطان کی عمر کے دس سال گذرے تھے کہ وہ تخت نشین ہوا اور اٹھارہ سال جلوس کیا اور ۲۸ ویں سال شہادت پائی۔ اس کی شہادت کا سال ''حقیق بالشہادہ'' کی عبارت سے نکلتا ہے۔ جو شیخ یحیٰ مفتی نے نظم میں ادا کیا ہے۔

[ابیات]

سلطان محمود نے جب اپنا منہ اس دنیا سے موڑا
وہ جنت الماویٰ میں پہنچا اور وہاں اپنا علم بلند کیا۔
اپنے وزیروں کے مجمع اور شہدائے حق کے زمرہ میں
چتر شاہی بلند کر کے اچھی بادشاہت کر رہا ہے
میں نے اس کی تاریخ رحلت عقل سے پوچھی کہ مجھے بتلا
تو اس نے کہا اے یحیٰ سن سلطان نے شہادت پائی۔

---

[1] ج: کہتے ہیں کہ اس رات اعتماد خان پر ہر چند اصرار کیا گیا لیکن وزیر وجیہ الملک نے اسے جانے دیا اور فراست سے سمجھ گیا کہ سلطان کا ایسے وقت طلب کرنا علت سے خالی نہیں اور اسی وجہ سے حبشیوں کی جماعت نے یہ گمان کیا کہ شاید اعتماد خان اس مفسد کے ساتھ اس برے فعل میں متفق تھا کہ نہ گیا۔

[2] ج: ''مختصر یہ کہ.... قتل کر ڈالا'' نہیں ہے۔

[3] ب: ربیع الاوّل

اس ع واقعہ کے پورا ہونے کے بعد شقاوت نشان برہان نے بے باکوں اور ناپاکوں کی ایک جماعت کے ساتھ جنہوں نے اس باب میں اُس سے اتفاق کیا تھا مل کر بدبختی کی کمر باندھی اور اس خیال سے فاسد کے پورا کرنے کے لیے جو وہ اپنے کھوٹے سروں میں رکھتے تھے کوشش کی۔ ان میں سے چند کو اس نے پوری طرح مسلح کر کے ان حجروں میں جو سلطان کے دربار کے باہر تھے چھپا دیا اور کہا کہ جو کوئی تمہارے سامنے آئے اور اس حجرہ میں قدم رکھے اسے بے محابا مار ڈالو اور بات نہ کرو۔ یہ قرار دے کر ایک آدمی کو سب سے بڑے وزیر جس کا نام آصف خان تھا کے بلانے کو بھیجا کہ سلطان آپ کو طلب کرتا ہے۔ خان مذکور بغیر دیر لگائے روانہ ہوا۔ برہان اس کی تعظیم وتکریم کے لیے اٹھا اور بولا آیئے اور اس کمرہ میں جس میں ایک جماعت چھپی ہوئی تھی بیٹھیے۔ خان کو آگے کر کے خود پیچھے گیا۔ خان کے وہاں پہنچتے ہی اسے قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح سے خداوند خان کو کہ جس کا نام پہلے وزیروں کے ناموں کی تعداد کے ساتھ مذکور ہوا طلب کیا اور قتل کر ڈالا۔ کہتے ہیں کہ اعتماد خان کو بھی طلب کیا تھا لیکن وہ اپنی فراست سے تاڑ گیا کہ ایسے بے وقت کی طلب علت سے خالی نہیں ہونی چاہیے۔ اسی ڈھنگ سے افضل خان کو طلب کیا۔ جب برہان کی نظر افضل خان پر پڑی خوش ہو کر زبان کھولی کہ اگر آپ میرا ہاتھ پکڑ لیں تو میں آپ کو نہال کر دوں گا۔ خان نے کہا کہ اے بدبخت تیرا کیا ارادہ ہے کہ ایسا فضول کلام زبان پر لاتا ہے؟ جب وہ خان کی موافقت سے ناامید ہو گیا تو اسے بھی قتل کر ڈالا۔ پردۂ

ع الف : اور تین بادشاہوں کی تاریخ جن کی وفات ایک ہی سال میں ہوئی یہ ہے۔

[قطعہ]

تین بادشاہوں کو ایک سال میں زوال آیا کہ جنکے عدل سے ہند دار الامان تھا ایک محمود شہنشاہ گجرات جو اپنی دولت کی طرح نوجوان تھا، دوسرا اسلام شہ سلطان دہلی جو صاحبقران تھا، تیسرا تھا نظام الملک بحری جو ملک دکن میں خسرو نشان تھا۔ مجھ سے ان تین بادشاہوں کے فوت ہونے کی تاریخ کیا پوچھتا ہے کہ یہ زوال خسروان تھا۔

غیب[1] کے پیچھے سے عجیب حال ظہور میں آیا کہ ایک گھنٹہ میں ایک رات میں ایک ذات جو حافظ ملک تھی کہ ایک مخلوق جس کی عصمت کی پناہ میں محفوظ و مامون تھی دیانت دار وزیروں کے ساتھ ایسے حال میں تخت اقبال سے خاک مذلت میں پامال ہوگئی۔ اس دہر ستمگار اور چرخ مکار سے بہبودی کی کیا امید رکھی جا سکتی ہے؟ لہٰذا ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

[بیت]

لوگوں کو مار ڈالنے والا آسمان اگر روز دو آدمیوں کو لے جائے

یہ شفقت نہیں مگر اس کی پرواہ کمزور ہوگئی ہے

اہل کمال کا وظیفہ یہ ہے کہ دنیاوی مال و منال پر وہ اپنی آنکھیں نہیں جماتے اور دنیا کو دیکھنے والی آنکھ جمالِ جاہ کی شمع سے روشن نہیں کرتے۔ وہ جنہوں نے دنیا کے مال و منال پر نگاہیں گاڑی ہیں انہوں نے سوائے حسرت و ندامت کے کچھ جمع نہیں کیا ہے۔

مختصر[2] یہ کہ جب اس بدبخت شقاوت نشان یعنی برہان نے اس شہریار بلند مقدار کے قتل سے اپنی زبون طبیعت کو تسلی دے لی تو وہ فارغ البال اور خوش حال ہوگیا اور اس نے اپنے مقصد کی امیدوں کو اپنی مراد کے مطابق پایا۔ اس کے برد اس نے اپنا دستِ تصرف مال اور چیزوں کے لوٹنے کی طرف بڑھایا۔ ہر سلطانی لباس فاخرہ اپنے منحوس جسم پر پہن لیا۔ جواہرات کا قیمتی گلوبند جو سلطان کے نازنین گلے میں تھا کھول کر اپنے نامبارک گلے میں ڈال لیا اور مکلل کرسی پر کہ خاصۂ شاہی تھی اس طرح بیٹھ گیا جیسے کتا منبر پر۔ اور طشت مرصع سامنے کھینچ کر مسواک کا شغل کرنے لگا۔ حکمرانی کی بنیاد کا آغاز کیا

---

[1] ج: مختصر یہ کہ غیب کے پردہ کے پیچھے سے عجیب حال ظہور میں آیا اور حاملہ رات نے عجیب حادثہ کو جنم دیا کہ ایک رات میں ایسی مملکت جس کی حفاظت کی پناہ محفوظ تھی، اصابت رائے رکھنے والے اور کفایت نما وزیروں اور شجاعت شعار عالی قدر امیروں کی جماعت کے ساتھ خاک مذلت و ادبار میں مل گئی۔ اس دنیا سے

[2] ج: اور سوائے افسوس و حیرت کے دانہ کے اپنے مقصود کی زمین میں نہیں بوتے اور دوسری روایت کے مطابق بعض اہل تجربہ یہ کہتے ہیں۔

اور جہانبانی کی تقلید کی شروعات کی۔ سلطانی خاصہ کے گھوڑوں کو سونے چاندی کی زین اور لگاموں کے ساتھ اپنے سے اتفاق کرنے والے ساتھیوں کو بخش دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ قیدیوں کو جیل کی قید سے باہر لے آئیں اور خلاصی بخشیں۔

مختصر یہ کہ بعض بھوکے آدمیوں نے جنہوں نے بھوک کی نحوست کی وجہ سے اس کی طرف رجوع ہو کر اس سے اتفاق کیا تھا جب دیکھا کہ ع

کہ یہ معاملہ صبح تک باقی نہ رہے گا

تو گھوڑے اور روپے لے کر فرار ہو گئے۔ وہ بدبخت چند آدمیوں کے ساتھ رہ گیا۔ اس اثنا میں یہ خبر خرابی اثر منتشر ہوئی اور محرمان سلطانی جیسے کہ عمادالملک جو ردم[1] کا سرخیل تھا اور الغ خان جو حبش[2] کا سردار تھا کے کانوں میں پہنچی تو وہ آگ پر بل کھاتے ہوئے بالوں کی طرح پابہ رکاب ہو کر دربار سلطان کی طرف روانہ ہوئے۔ شہر میں زبردست کہرام مچ گیا گویا قیامت قائم ہو گئی۔ مذکور امیر جب دربار میں آئے تو انہوں نے خزانوں کے قفل مضبوط لگا کر معتمد عرب جماعت کے سپرد کر کے برہان لعین کے دفع کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس اثنا میں وہ بدبخت چند آدمیوں کے ساتھ جو اس سے متفق تھے باہر آیا۔ شروان خان بھٹی[3] نے جو کمترین خادموں سے تھا اس کا مقابلہ کیا اور اسے قتل کر دیا اور اس کے ہمراہیوں کو بھی اس[4] بدبخت کے پیچھے تیغ بیدریغ سے[5] ختم کر دیا۔

کہتے ہیں[6] کہ چونکہ یہ بدبخت ظاہری طور پر خود کو پرہیزگار آدمی دکھلاتا تھا

---

1. الف : رومیوں   2. الف : حبشیوں
3. ج : کہ جو سلطان کے امیروں میں سے تھا سامنے سے پیدا ہوا۔ وہ بولا آ! شروان خان: بڑے وقت پر آیا۔ میں تجھے نہال کروں گا۔ اس نے کہا میں یہ آیا۔ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس کے کندھے پر تلوار ایسی ماری کہ دو پارہ کر دیا۔
4. ج : "وہ بدبخت... بیدریغ" نہیں ہے۔
5. ج : اور یہ واقعہ ۱۲/ ربیع الاول ۹۶۱ھ کو ہوا۔
6. ج : "کہتے ہیں کہ چونکہ... بہتر جانتا ہے" نہیں ہے۔

سلطان کبھی کبھی اس کے پیچھے نماز پڑھ لیتا تھا۔ ایک دن محمود آباد سے اسے شکار کے پیشرو کی طرح بارعہ کے موضعوں کی طرف جو کھمبایت اور دھولقہ کے مابین واقع ہیں بھیجا تھا اور بادشاہ کے چند مقرب خدمتگار بھی اس کے ہمراہ تھے۔ واپسی پر وہ دھولقہ آیا اور وہاں ایک رات نشہ آور تاڑی پی اور ڈومنیوں کے ساتھ صحبت کی۔ جب سلطان کی خدمت میں پہنچے تو ان مذکور خدمتگاروں میں سے ایک نے اس مجلس کا ذکر سلطان سے کیا۔ سلطان برہم ہوا اور کہا اے بدبخت! میں تجھے پرہیزگار سمجھتا تھا۔ تیری اقتداء میں نماز پڑھتا تھا اور تو خود ایسا گندم نما جوفروش تھا! تو اس کا سزاوار ہے کہ تجھے پھر دیوار میں چنوا دیا جائے۔ اس سے پہلے ایک دوبار کسی تقصیر میں اسے دیوار میں چن دیا گیا تھا۔ حالت نزع میں پہنچ گیا تھا اس وقت بعض لوگوں کی شفاعت سے اسے چھٹکارا ملا تھا۔ وہ بدبخت ڈرا کہ اگر سلطان نے مجھے دیوار میں چنوادیا تو میں زندہ نہ بچ سکوں گا تو کیوں نہ اس سے پہلے کہ سلطان مجھے مار ڈالے میں سلطان کو مار ڈالوں۔ اس وجہ سے اُس بدبخت نے گلشن خوبی کے اُس نہال کو آب شمشیر سے برباد کردیا۔ بعضے کہتے ہیں کہ کسی قلندر نے ناس سے کہہ دیا تھا کہ گجرات کی سلطنت کا چتر تیرے سر پر اپنا سایہ ڈالے گا۔ اس وقت سے یہ خیال فاسد اس کے سراپا میں تھا اور اس وجہ سے اُس نے یہ سنگدلی دکھلائی۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

ا۔ الف : نامبارک۔

چونتیسواں باب

ان[1] امیروں کے ناموں کا بیان جو سلطان عاقبت محمود کی شہادت کے بعد تخت خلافت مصیر کے نزدیک حاضر رہتے تھے اور جن کی سعی و تردّد سے ملک کا انتظام برقرار رہا

نقل ہے کہ جب سلطان درجۂ شہادت کو پہنچا اور وزیروں کو بھی اسی درجہ کا شرف اختصاص نصیب ہوا بڑے امیروں میں سے کوئی جو ملک و رعایا اور تمام عوام کے امن وامان کا باعث بنا وہ سیادت پناہ، نقابت دستگاہ سید مبارک (اللہ ان کی برہان کو روشن کرے!) کی ذات عالی درجات تھی۔ ان کی جماعت[2] بڑی نادر اور آنکھ عجیب تھی کہ چشم نظارہ ان جنگی شیروں اور میدان یکرنگی کے دلیروں کی جمعیت دیکھ کر حیران تھی۔ حضرت سید کا اکثر لشکر سادات بخاری پر مشتمل تھا جنہیں ان سے رشتہ داری کا تعلق بھی تھا۔ سادات کے علاوہ ایک فولادی جماعت تھی جس کے سردار موسیٰ خان اور شیر خان تھے۔ دلاوری اور مردانگی میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے اور حضرت سید کی خاطر مبارک کی توجہ ان کی طرف اتنی تھی کہ شرح میں نہیں آسکتی اور وہ دونوں مرید ان بااخلاص اور خاص الخاص لوگوں میں سے تھے۔ آخرکار حضرت کی توجہ سے مرتبۂ کمال کو پہنچے۔ چنانچہ اس حال کی تفصیل اس کے بعد مذکور ہوگی۔ انشاءاللہ تعالیٰ!

افغانوں کی دوسری جماعت لودی اور شروانی قوم وغیرہ کی بھی زور مردانگی میں

---

[1] ج: "ان امیروں کے ناموں..... برقرار رہا" نہیں ہے۔

[2] ج: لشکر عجیب

[3] الف: شہباز خان شروانی کے مثل

شیر تھی۔ لڑائی کے وقت وہ ایسے دلیر کہ مقابل کو اپنا شکار تصور کرتے تھے۔ اور شیخ زادوں میں سے حضرت سید کے مخصوص ومقبول اس فقیر کے والد تھے شیخ محمد نام جو شیخ منجھو کے نام سے مشہور تھے دنیاوی مہمات میں صاحب اختیار وکیل اور امور دینی میں بڑے خلفاء میں سے۔ حضرت سید کی ولایت وکرامت کا اگر پورا احوال لکھوں تو اس کے لیے ایک الگ دفتر چاہیے۔ اُس میں سے کچھ مناسب موقعوں پر بعد میں تحریر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ کہ حضرت سید کی ملازمت میں ہر قسم اور ہر قوم کے لوگ تھے۔ تقریباً دس ہزار سوار اس زمانہ میں اس قسم کے تھے کہ بروز معرکہ اگر دشمن کوہ آتش فشاں ہو تو تلوار کے پانی سے بجھا دیں اور اگر ایک گہرا سمندر ہو تو پانی کے پیالے کی طرح پی جائیں۔

ان میں سے دوسرے، امیروں کی جائے پناہ اور وزیروں کے خلاصہ مسند عالی اعتماد خان تھے کہ سلطان کی شہادت کے بعد امر وزارت اور حکم وکالت نے ان کی عقدہ کشائی پر قرار پایا۔ ان میں سے دوسرے دولت مآب، شوکت ایاب عماد الملک رومی تھے جن کے ساتھ اہل روم کی ایک پُر سامان[1] جماعت تھی۔ دوسرے سلطنت قاہرہ کے سب سے عمدہ الوغ خان حبشی اہل حبش کی ایک جماعت کے ساتھ اور ملک الشرق گجراتی اور خاصۂ خیل سلطانی کے اختیار الملک۔ ان سب کو حضرت سید نے جمع کیا۔ پہلے خوف کی کدورت جو ایک دوسرے سے رکھتے تھے صلح وصلاح سے دور کی اور پھر ان سے سلطنت کے معاملہ میں بحکم آیہ کریمہ "اور ان کو اپنا مشیر بناؤ" (آل عمران ۳:۱۵۹) مشورہ کیا۔

اور مسند عالی اعتماد خان سے جو اسرار سلطانی کا محرم تھا پوچھا کہ اگر سلطان سے کوئی بیٹا ہوا ہو تو ظاہر کرے تاکہ وہ تخت سلطنت پر جلوس کر کے اپنے موروثی ملک کو بچائے اور بالفعل کوئی بیٹا موجود نہ ہو اور حرم سلطانی میں سے کوئی حرم حاملہ ہو تو ہم وضع حمل کے زمانہ تک امر سلطنت موقوف رکھیں۔ شاید حق تعالیٰ ایک بیٹا وجود میں لے آئے تاکہ یہ امر بزرگ سلطان عاقبت محمود کے سلسلہ سے باہر نہ جائے۔ اعتماد خان نے کہا کہ سلطان کا

---

[1] ب: ترسایان (یعنی عیسائی۔ مترجم)

کوئی بیٹا نہیں اور نہ ہی کوئی حرم محترم حاملہ ہے۔ تو فرمایا کہ سلطان کے قریبی عزیزوں میں سے جسے تم اس دولت کے قابل سمجھتے ہو اختیار کرلو۔ لوگوں نے کہا کہ اس وقت احمد آباد میں سلطان مرحوم کے قریبی عزیزوں میں سے احمد خان نامی اس دولت کا سزاوار ہے۔ فرمایا طلب کیا جائے۔ رضی الملک کو بھیجا کہ جلدی جائے اور تاج بادشاہی کے اس گوہر اور افسر شہنشاہی کے زیور کو پوری عجلت سے لے آئے۔ رضی الملک تیز رفتار گھوڑے کہور بہل پر سوار ہوا اور بجلی کی طرح دوڑا۔ کہتے ہیں کہ چار گھڑی میں احمد آباد پہنچ گیا اور احمد خان کے گھر کے قریب آیا۔ دیکھا کہ احمد خان ایک بنیے کی دوکان پر کہ اس کے گھر کے نزدیک تھی کھڑا ہے اور باجری اپنے دامن میں لے کر کبوتروں کے لیے لے جانا چاہتا ہے۔ رضی الملک نے پہچان لیا۔ فوراً گھوڑے سے اترا اور اٹھا کر کہور بہل پر بٹھا دیا اور کہور بہل کو لوٹا کر ہانکا۔ خان کی دایہ روتے اور شور مچانے لگی کہ یہ کون ہے اور اسے کہاں لے جاتا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ وہاں لے جاتا ہے کہ کل لوگوں کے جھنڈ کے جھنڈ تیرے گھر کے دروازہ پر جمع ہوں گے اور بار نہ پائیں گے۔ مختصر یہ کہ احمد خان کو محمود آباد لے آئے۔

پینتیسواں باب

سلطان[1] احمد شاہ بن لطیف خان کے جو شہر معظم احمد آباد کے بانی سلطان احمد کے بیٹے لشکر خان کا نواسہ[2] تھا گجرات کے تخت پر پُر شوکت امیروں کے اتفاق سے جلوس کرنے کا ذکر

خبروں کے راستوں اور آثار کی راہوں پر چلنے والوں نے ایسی روایت کی ہے کہ ماہ ربیع الاول کی چودھویں تاریخ ۹۶۱ھ کو دو نمازوں کے درمیان مقام محمود آباد میں صاحب تمکین خانوں کے اتفاق سے سید مبارک نے سلطان عالی شان کے نہال قامت کو اپنے دست مبارک سے گلشن تخت میں نصب کیا اور احمد شاہ کے لقب سے ملقب کیا۔ کسی فاضل نے کہا ہے۔

[بیت]

نو سو سے ساٹھ اور ایک زیادہ ہوئے تھے
قضا نے بادشاہ سے کہا کہ "ملک تمہارا ہے"
سبحان اللہ! زہے خداوند ودود
جو فضل و کرم اور دانش وجود کا مجموعہ ہے
ہر نفس[3] ایک دنیا کو عدم میں لے جاتا ہے
اور اسی دم ایک دوسری دنیا وجود میں لے آتا ہے

---

[1] ج: "سلطان احمد شاہ... جلوس کرنے کا ذکر" نہیں ہے۔
[2] الف: پوتا
[3] ج: "ہر نفس ایک... لڑی میں جڑ گیا" نہیں ہے۔

اور اسی روز حضرت سید مبارک کے مریدوں کی لڑی میں جڑ گیا۔

مختصر یہ کہ جب گجرات کے تخت نے احمد شاہ کے جلوس سے زینت پائی تو یہ قرار پایا کہ سلطان فی الحال کم عمر ہے لہذا اس کے وقت کامرانی کے پہنچنے تک ملک وخزانہ آپس میں تقسیم کر کے ہر کوئی اپنی سرحد میں بیٹھے اور فتنوں کا لحاظ کر کے فساد سے حفاظت کرے کہ اس وقت بادشاہ دہلی اسلام شہ فوت ہو چکا ہے اس کی جگہ مبریز خان اس کے بیٹے خسرو کو جسے اس کا جانشین بنایا گیا تھا قتل کر کے خود تخت سلطنت پر بیٹھ گیا ہے، اور اپنا لقب محمد عادل شاہ رکھا ہے۔ وہ ایک جوان اور نودولت بادشاہ ہے۔ مبادا تسخیر گجرات کا خیال اس کے دل میں راہ پائے لہذا امیروں میں سے ہر کوئی اپنی جمعیت اور استعداد سپاہ کے درپے رہ کر اپنی جگہ اور مقام پر حاضر رہے اور اعتماد خان وزارت ونیابت سلطان پر قیام کرے۔

جب امرائے سلطانی ولایت، خزانہ اور ہاتھی گھوڑوں کو تقسیم کر کے ان پر متصرف ہوئے تو ان میں سے بائیس کروڑ[1] گجرات کا رائج الوقت سکہ نقد اور جواہر وزیورات حضرت سید کے حصہ میں مقرر ہوئے۔ خزانچی کے گماشتے سیجوالی صندوقوں میں رکھ کر ان کے گھر لائے اور عرض کیا کہ کل ہمارا تسیم خدمت میں آ کر گن کر سپرد کر دے گا۔ سید نے اٹھ کر صندوقوں کا معائنہ کیا تو دیکھا کہ سب مقفل اور مُہر لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ کسی کے پاس کلہاڑی ہے؟ ایک آدمی نے اسی وقت حاضر کر دی۔ فرمایا کہ ان تالوں کو توڑ ڈالیں۔ اس اثنا میں[2] خزانچی نے عرض کیا کہ انہیں ہنوز گنا نہیں ہے۔ فرمایا کہ عجیب بے عقل تھا کہ گننے کا وعدہ وہ کل پر ٹالتا ہے۔ رات بیچ میں ہے اگر اس رات مبارک فوت ہو جائے تو انہیں کون تقسیم کرے گا۔ لوگوں کو حکم دیا کہ ان تالوں کو جلد توڑ ڈالو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جو کچھ زر وجواہر اور زیورات تھے سب کے سب نکال کر ڈھیر لگا

---

[1] الف: گجرات کے رائج الوقت ایک کروڑ تنکہ بائیس لاکھ اکبری روپے کے برابر ہوتے ہیں۔

[2] الف: محمود زین الدین

دیے۔ حضرت سید نماز ظہر میں مشغول ہو گئے۔ نماز سے فارغ ہونے پر کرسی پر بیٹھ گئے۔ کمان اور تکیہ ہاتھ میں رکھا۔ تکہ کے اشارہ سے نماز عصر تک تمام زر و جواہر بانٹ دیے اور اٹھ کر نماز شام میں مشغول ہو گئے۔ اگر کوئی حضرت سید کے آثار سخاوت جمع کرے تو اس کے لیے ایک علیحدہ دفتر چاہیے۔ یہاں ایک تقریب سے اس میں کچھ بیان کیا گیا۔

مختصر یہ کہ جب یہ خبر ولایت آسیر اور برہانپور کے بادشاہ مبارک شاہ کو پہنچی کہ امرائے گجرات نے سلطان احمد کو بادشاہ بنایا اور اسے نظر بند رکھ کر ملک و خزانہ تقسیم کر کے کامرانی کر رہے ہیں تو وہ لشکر جمع کر کے اپنے مرکز سلطنت سے گجرات کی سمت روانہ ہوا۔ یہ خبر سن کر امرائے گجرات بھی سلطان احمد کو ساتھ لے کر مبارک شاہ کو دفع کرنے کے لیے کوچ کا نقارہ بجا کر روانہ ہوئے۔ قرار یہ پایا کہ عماد الملک رومی اور الوغ خان حبشی اپنی افواج کے ساتھ سلطان کی رکاب ظفر ایاب کے ہمراہ رہیں اور دوسرے امراء میں سے بعض داہنے طرف کی فوج اور بائیں طرف کی فوج کے ساتھ چلیں۔ حضرت سید مبارک ہراول میں رہیں۔ اس طریقہ سے وہ روانہ ہوئے۔ مختصر یہ کہ وہاں سے متواتر کوچ کرتے ہوئے موضع رانپور کوتبہ جو بھروچ کے مضافات میں شہر مذکور سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر نربدا ندی کے کنارے واقع ہے پہنچ کر کیمپ لگایا۔ اس طرف سے مبارک شاہ بھی مذکور ندی کی دوسری طرف آ کر مقابل ہوا۔ ناصر الملک نے اپنے ساتھ امراء سے کہا کہ جنگ کا مدار سید مبارک پر ہے۔ ہم تماشائیوں سے زیادہ نہ ہوں گے۔ یہ بات دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو فتح سید کی جانب سے ہوگی یا مبارک شاہ کی جانب سے، جو جانب شکست کھائے گی یا ماری جائے گی یا فرار ہو جائے گی وہ بھی نیم کشتہ کے حکم میں ہوگی۔ جو بھی فتح کرے گا وہ پروبال سے عاری ہوگا۔ ہم اسے دفع کر دیں گے۔ اور ولایت گجرات اغیار کے خوف کے بغیر ہمارے تصرف میں آجائے گی۔

یہ مشورہ خود قرار دے کر مبارک شاہ کو پیغام بھیجا کہ گجرات کے تمام امراء آپ کی رائے عالم آرا کے موافق ہیں سوائے اکیلے سید مبارک کے۔ جب آپ سید کے دفع کر دیں

گے مدعا حاصل ہو جائے گا۔ ہم سب آ کر ملازمت کریں گے اور موافقت کے طریق پر چلیں گے۔ جب حضرت سید پر یہ حال مکشوف ہوا تو صلح کا قاصد بن کر مبارک شاہ کو پیغام بھیجا کہ ہم حضرت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرزند ہیں اور آپ حضرت عمر فاروق کی اولاد ہیں ہمارے اور آپ کے بیچ قتال طرفین کے لائق نہیں۔ ہم اس کے روادار نہیں۔ آپ بھی اس پر راضی نہ ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ مصالحت کے دروازے کھول کر ہم ایک دوسرے کے ممد و معاون بنیں۔ اب ہر چند حضرت سید کی طرف سے صلح کا پیغام پہنچتا ہے لیکن مبارک شاہ ناصر الملک کے بہکانے کی وجہ سے صلح پر راضی نہیں ہوتا۔

حضرت سید نے مولینا روح الدین کو جو مبارک شاہ کے استاد تھے اور اس کے نزدیک اعتبار تمام رکھتے تھے بلا کر طرح طرح کی نصیحتیں اور مصلحتیں بتلا کر صلح کی بات چھیڑی۔ مولینا نے کہا کہ ہم بھی اس پر راضی ہیں جو آپ کہتے ہیں لیکن ہر چند ہم اس بارے میں عرض کرتے ہیں قبول نہیں ہوتا۔ اب آپ اپنے کسی معتبر آدمی کو ہمارے ساتھ بھیجیں تاکہ ہم مل کر آپ کا پیام پہنچا دیں۔ جو جواب ہم سنیں گے واپس آ کر آپ کو بتلا دیں گے۔ حضرت سید نے میرے والد سے کہا ”میاں منجھو! تم جاؤ اور ہمارا پیام انہیں پہنچا دو“۔ میرے والد نے عرض کیا کہ ملاّ روح الدین کہ جنہیں مبارک شاہ سے نسبت استادی ہے اور ان کے عمدہ ارباب مشورت و مصلحت سے ہیں جب ملاّ کی بات مبارک شاہ پر اثر انداز نہیں ہوتی تو میری عرض کس طرح سنی جائے گی؟ حضرت سید نے فرمایا کہ میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ تمہاری یہی بات اس پر اثر انداز ہوگی۔ فاتحہ پڑھ کر وداع کیا۔ میرے والد ملاّ روح الدین کے ہمراہ مبارک شاہ کے گھر کے دروازہ پر گئے۔ ملاّ نے مبارک شاہ کو خبر کی۔ پوچھا کہ کس قسم کا آدمی ہے۔ کہا کہ آدمی فضیلت شعار اور عزت دار ہے۔ حضرت سید کی وکالت پر مامور ہے اور اہل گجرات کے حلقہ میں مشہور و معروف۔ کہا کہ ان سے کہو کہ ہمارے تمام وزیر اور امیر ہمارے سامنے کھڑے رہیں گے تم ہمارے سامنے کس طرح کی بات کرو گے؟ ملاّ نے آ کر یہ بات میرے والد سے کہی۔ میرے والد

نے کہا کہ وہ سب آپ کے محتاج ہیں اگر وہ کھڑے رہیں تو اس کا موقع ہے اور میں حضرت سید کا قاصد ہوں۔ اگر مجھے بلایا تو میں بیٹھوں گا اور جو کچھ حضرت سید نے کہا ہے کہوں گا۔ ورنہ اپنے بھروسہ کے لائق آدمیوں میں سے ایک کو بھیجیں کہ میں اس سے بات کروں، وہ آپ کو عرض کردے گا اور جو کچھ سنے گا وہ ہم سے کہہ دے گا۔

ملّا نے جا کر کہا کہ اس قسم کا کوئی نہیں کہ اسے اس بات کی تکلیف دی جائے۔ مبارک شاہ نے کہا ''بلاؤ''۔ میرے والد گئے اور طریق تواضع بجالائے۔ فرمایا ''بیٹھو''۔ بیٹھ گئے اور سید کی دعا اور سلام پہنچایا۔ اس کے بعد مبارک شاہ نے کہا ''دیکھو سید نے کیا کہا ہے؟'' میرے والد نے کہا کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ طریق مصالحت کا لحاظ کیا جائے تاکہ مسلمانوں کے درمیان جھگڑا اور خونریزی واقع نہ ہو۔ مبارک شاہ بولا کہ ہم تم سے کچھ باتیں پوچھتے ہیں ان کا جواب دو۔ اس کے بعد ہم تمہاری بات کا جواب دیں گے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ علیؓ کہ فضیلت سادات بر سایر مردم از جہت حضرت رسالت پناہی ہے صلی اللہ علیہ وسلم یا بواسطہ مواصلت کرم اللہ وجہہ؟ میرے والد نے کہا کہ میں بھی بادشاہان گجرات کا نواسا ہوں۔ جب کوئی ان کے بیٹوں میں سے نہیں ہوتا تو گجرات کی بادشاہت بطریق وراثت ہم تک پہنچتی ہے۔ پھر جبکہ ہماری طرح کے عاقل، بالغ اور وارث کو اس نے چھوڑا ہو تو تم ایک کم عمر بچے کو اٹھا کر بادشاہ بنا دیتے ہو تو تم نے ہم میں کیا نقصان دیکھا کہ ہمارے باوجود اس کو چن لیا۔

میرے والد نے کہا کہ بندگان بادشاہ کا یہ مقدمہ بعینہٖ سلطان ناصر الدین کے مقدمہ سے ملتا جلتا ہے۔ کہا ''کس طرح؟'' کہا کہ جب بادشاہ دہلی غیاث الدین بلبن کا اخیر وقت آیا تو اس وقت بنگالہ کی سلطنت سلطان ناصر الدین بن غیاث الدین کے پاس تھی اور وہ وہاں تھا۔ سلطان ناصر الدین کا بیٹا معز الدین[1] جو سلطان غیاث الدین کا پوتا تھا وہ اپنے دادا کی خدمت میں حاضر تھا۔ سلطان غیاث الدین نے اپنے وزیروں اور امیروں

---

[1] ج: معزالدین

کو وصیت کی کہ ہندوستان وسیع ملک ہے مبادا سلطان ناصر الدین کے آنے تک کسی جگہ سے فتنہ سر اٹھائے۔ ہم نے دہلی کی بادشاہت ہمارے پوتے کو تفویض کی اور بنگالہ کی حکومت اپنے بیٹے کو کہ بدستور سابق وہ اپنے حال پر قائم رہے۔ تم لوگ اس طریقہ پر جو بتلایا گیا عمل کر کے ہمارے حکم سے نہ پھرنا اور مہمات سلطنت کے انتظام میں اس کے ہواخواہ رہنا۔ سب نے خوشی ورغبت کے ساتھ قبول کیا۔ سلطان غیاث الدین کی وفات کے بعد سلطان کیقباد کو تخت پر بٹھایا۔ جب یہ خبر سلطان ناصر الدین کو پہنچی باوجود اس کے کہ اس کا بیٹا تخت نشین ہوا تھا اسے اچھا نہیں لگا کیونکہ بنگالہ دہلی کے تابع ہے جس طرح برہانپور گجرات کے۔ اگر اس باب میں بندگان بادشاہ بھی ناخوشی کا اظہار کریں تو اس کا موقع ہے۔ آخرکار سلطان ناصر الدین بنگالہ سے لشکر لے کر دہلی کی طرف متوجہ ہوا۔ جب سلطان معز الدین کو اپنے والد کے قصد کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی دہلی سے مقابلہ کے لیے نکل کر سروندی کے کنارے آیا۔ اُس طرف سے سلطان ناصر الدین آ کر خیمہ زن ہوا اور اس طرف سے سلطان معز الدین نے پہنچ کر مقام کیا۔ سلطان ناصر الدین نے اپنے بیٹے کو پیغام بھیجا۔ خواجہ خسرو علیہ الرحمہ والغفران اس یورش میں سلطان معز الدین کے ہمراہ تھے۔ جو کچھ باپ بیٹے کے درمیان گذرا انہوں نے وہ تمام باتیں نظم میں کہی ہیں۔ اس مجموعہ کا نام قرآن السعدین ہے۔ ان میں سے بعض مقدمات سلطان ناصر الدین کے پہلے پیغام کے لیے تھے۔

[نظم]

اے بیٹے! مخالفت کی راہ سے ہٹ جا

تلوار پھینک دے کہ میں آفتاب ہوں

ہمارا قدیم منصب غصب مت کر

ہمارا آئین میں غضب روا نہیں ہے

میرے باپ سے یہ فن تجھے کس طرح پہنچا ہے؟

میرے باپ سے مجھے مجھ سے تجھے

اگر تو نے خود یہ نقش اپنے ہاتھ میں لیا ہے

تو خدا کی طرف دیکھ اور خود پرست مت بن

اور اگر کسی برا سکھانے والی کی طرف سے یہ راہ پیدا ہوئی

تو اس برا سکھانے والی کی بات مت مان!

تو کم عمر ہے اور عقل کے معاملہ میں ناپختہ

مخلوق کا دردِ سر تو برداشت نہ کر سکے گا

بچہ اگرچہ کتنا ہی ہنر پرور ہو

پھر بھی بچہ ہے اگرچہ پیغمبر کی اولاد ہو

قاصد گیا اور ندی کو پار کیا

اس نہر کی طرف سے دریا کی طرف جلدی کی

چھپے ہوئے راز سے اس نے پردہ اٹھایا

جو کچھ شاہ نے کہا تھا اسے دہرایا

سلطان معز الدین کا جواب[1]

[اشعار]

اس کڑوی اور تیز چاشنی سے

شاہ لڑائی کے واسطے تیز اور کڑوا ہو گیا

پیام کی قسم کا ایک جواب تیار کیا

تلوار کی قوت اور جام کی خاطر تواضع سے ملا جلا

اس نے حاجب سے کہا کہ شاہ کو کہہ دینا

پہلے میرا سلام کہنا اور پھر کہنا

---

[1] ح: سلطان معز الدین کے جواب کے شعر نہیں ہیں۔

تخت[1] بزرگوں کی طرف سے مجھے نہیں ملا بلکہ میرا ہے

آسمان کا بانجھ ملک حاملہ ہے

ملک اگر وراثتاً ہوتا نہ کہ بخت سے

تو میں تجھ سے پیشتر کس طرح تخت پر بیٹھ جاتا

ملک کوئی میراث میں نہیں پاتا

جب تک دونوں ہاتھ سے خوب تلوار نہ چلائے

میں وہ بچہ نہیں ہوں جو تو نے پہلے دیکھا

میں ملک کا بالغ ہوں اور بلاغت میں درست

مجھے بچہ نہ کہہ کہ زمانہ کے دور سے

خدا نے مجھے بزرگی کا دور عطا فرمایا

مجھے بچہ کہنا ادب کی شرط نہیں

میرے جواں بخت نے مجھے بزرگی کی جگہ پر بٹھایا

ہم ہر دو جوان ہیں، میں اور میرا بخت

دو جوانوں کے ساتھ پنجہ مت لڑا

جب جوانی اور ملک دونوں روشن ہوئے

تو کون ہے جو ان دو آگوں سے نہ جلا ہو؟

میرے رتبہ کو کون ہے جو دلیری سے ڈھونڈے

شکار کو قوت سے کون شیر سے چھین سکتا ہے؟

اگر تو حجت کے لیے ابر سیاہ کی طرح اٹھتا ہے

تو میرے پاس بھی تلوار کی طرح کاٹنے والی حجت ہے

---

[1] ج: کہ اے تو جس کا سر دولت کے تاج سے بلند ہے

اور اقبال کا پایہ تجھ سے بہرہ مند ہے۔

خورشید کے جیسے ضمیر پر مخفی نہ رہے کہ سلطنت اور بادشاہی میراث سے نہیں ملتی۔ یہ بخت وطالع پر موقوف ہے۔ حق تعالیٰ نے یہ دولت احمد شاہ کو نصیب کی۔ اس باب میں انکار کرنا آنحضرت کی دولت کے لائق نہیں۔ مبارک شاہ نے کہا کہ ہرگاہ کہ دولت احمد شاہ کی ہے ٹھیک ہے لیکن تم لوگوں نے سلطان کے ہاتھی اور خزانے آپس میں بانٹ کر کیوں لے لیے؟ میرے والد نے کہا کہ دولت اور سلطنت لشکر کے تابع ہوتی ہے۔ جب لشکر بجمعیت اور ساز وسامان سے لیس ہوتا ہے تو تابع اپنے سردار سے خود جدا نہیں ہوتا۔ ہم نے یہ فکر کی ہے کہ بادشاہ دہلی اسلام شاہ فوت ہو گیا ہے اور اس کے بیٹے کو جسے اس کا جانشین بنایا گیا تھا سلطان محمد قتل کر کے اس کی جگہ بیٹھ گیا ہے۔ وہ ایک جوان بادشاہ ہے اور اس وقت ہم کسی کو جسے ہم از روئے لشکر خود پر غالب سمجھتے ہیں وہ ہے۔ مبادا ملک گجرات کی تسخیر کا خیال اس کے دل میں پیدا ہو۔ لہٰذا ہمارا لشکر کی استعداد کے لیے ہم نے ایسا کیا کہ اگر سلطان محمد اس طرف توجہ کرے تو یہ لشکر اس سے عہدہ برآ ہو سکے۔ ہمارے دل میں ہرگز نہیں تھا کہ اس طرف کے عزم کا باعث ظاہر ہوگا۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو مبارک شاہ نے اپنے وزیر کامل الملک سے کہا کہ تم نے حاجب کی بات سے مقصود جان لیا یعنی ہم نے بادشاہ دہلی سے جنگ کا سامان کیا ہے۔ تمہیں یہ قدرت کہاں کہ ہم سے جنگ کرسکو اور وہ یہ نہیں جانتے کہ میران سید مبارک کے سوا تمام امرائے گجرات ہم سے اتفاق رکھتے ہیں[1] اور ہمارے پاس آتے ہیں۔ میرے والد نے کہا کہ لشکر اس وقت اپنے بادشاہ سے مخالفت کرتا ہے جب وہ بیدل اور بے سامان ہو حضرت خبر رکھیں کہ سلطان مظفر کلاں کے زمانہ سے سلطان محمود شہید کے زمانہ تک، کسی بھی بادشاہ کے عہد میں لشکر ایسا باجمعیت اور باسامان نہیں تھا کہ جیسا اس وقت ہے۔ لہٰذا اپنے ولی نعمت سے مخالفت کا تصور اس قسم کے لشکر سے باطل ہے۔ مبارک شاہ نے کہا کہ اگر میں ان سب کے عریضے تمہیں دکھلاؤں تو کیسا؟ انہوں نے کہ یہ عریضے میں ان کی طرف سے نہ ہوں گے۔ بعض شیطنت پیشہ اور

1۔ ج: "اور ہمارے پاس آتے ہیں" نہیں ہے۔

خباثت اندیشہ مقربوں کا یہ طریقہ ہے کہ جب دو لشکر بہم مقابلہ میں آتے ہیں تو ایسے مکتوب اپنی طرف سے لکھ کر ارسال کرتے ہیں تاکہ ان کے مضمون کے اظہار سے طرفین میں فتنہ کھڑا ہوجائے۔ انہیں سچ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ اگر واقعی یہ مطلب ہوتا تو اب تک ان میں سے ایک دو آپ کی خدمت میں آتے۔ وہ وقت ہوگیا ہے کہ کل جنگ کا دن ہے۔ اس وقت تک کوئی حضرت کے پاس نہیں آیا ہے تو پھر کب آئیں گے؟ یہ کام افترا پردازوں کا ہے لہٰذا اعتبار کے لائق نہیں۔ خدمت سید محض مسلمانوں کی خیر خواہی کی وجہ سے صلح کا باعث بنے ہیں۔ ورنہ امرائے گجرات میں سے کوئی بھی صلح پر راضی نہیں ہے۔ جب بات یہاں تک پہنچی تو وہ خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر بعد وزیر کامل الملک کو آہستہ سے کہا کہ ایلچی سے کہہ دو کہ تم نے ہمارے بادشاہ سے بہت تلخ و تیز باتیں کیں لیکن چونکہ تمہاری بات میں فضلائے کلاں کی روشنی تھی اور فصحاء کی طرح ادا کی گئی تھی بادشاہ کو پسند آئی اور صلح قبول کی۔ آؤ اور خلعت پہن کر وداع ہوجاؤ اور کل پھر آنا تاکہ ہم یہاں سے واپسی کے لیے کوچ کریں۔

کامل الملک آکر والد کو مجلس کے کنارے لے گیا اور جو کچھ مبارک شاہ نے کہا تھا بیان کردیا اور خلعت[1] بارہ ہزار مظفری نقد کے ساتھ لاکر حاضر کی۔ میرے والد نے کہا کہ خلعت میں پہن لیتا ہوں لیکن نقد کے قبول کرنے سے مجھے معذور رکھیں۔ کامل الملک نے جاکر مبارک شاہ سے کہا۔ مبارک شاہ نے کہا کہ ان سے کہو کہ اہل گجرات انعام کی تعظیم سلطان بہادر اور میرے بھائی محمد شاہ کو لکھ کر[2] بجالاتے تھے۔ تم کیوں اس کے خلاف کرتے ہو؟ میرے والد نے کہا کہ ہم اپنے صاحب کے مزاج کے مطابق عمل کرتے ہیں کہ اگر کوئی مہمان ان کے وقت کے قریب پہنچتا ہے اور کھانا اس کے لیے بھیجتے ہیں تو خادموں کو حکم کردیتے ہیں کہ جو کچھ چیزیں چینی کے برتن، طبق دسترخوان کھانے کے ہمراہ

---

[1] الف : چالیس ہزار۔

[2] ز : بطریق سویہ

لے جاتے ہو وہ سب مہمان کے پاس چھوڑ دینا اور انہیں واپس لینے مت جانا کیونکہ مبادا طلب کے وقت مہمان انعام دینے کی تکلیف کرے۔ جب انہوں نے اپنے ادنیٰ آدمیوں کو اس احتیاط کا حکم دیا ہو تو ہمیں کہ وہ اپنا مقرب جانتے ہیں جان بوجھ کر ہم کس طرح اغماض کریں۔ مبارک شاہ کو یہ عمل بہت پسند آیا۔ وداع کیا۔ میرے والد نے حضرت سید کی خدمت میں پہنچ کر حقیقت بتلائی۔ حضرت سید بہت خوش ہوئے اور اس کے صلہ میں ایک عربی گھوڑا جس کا نام "طاؤس خورد" (چھوٹا طاؤس) تھا اور جو سلطان محمود مرحوم کے خاصہ کے مشہور ترین گھوڑوں میں سے تھا اور سلطان کی شہادت کے بعد حضرت سید نے اسے خاص طور پر طلب کر کے لیا تھا میرے والد کو پچیس لاکھ گجراتی تنکہ کی جاگیر کے ساتھ بخش دیا اور فرمایا کہ اس اضافہ کی آمدنی اپنے فرزندوں کی شادی کے علاوہ کسی اور کام میں خرچ نہ کریں گے۔

مختصر یہ کہ حضرت سید نے اعتماد خان اور تمام امیروں کو صلح کی اطلاع دی اور دوسرے دن صبح بندگی سید ہاشم اور سید مبارک ابو الخیر بخاری اور میرے والد کو مبارک شاہ کے پاس بھیجا تاکہ وعدہ کے مطابق کوچ کر کے خود کی ولایت کی طرف متوجہ ہوں۔ لشکر گجرات نے احمد آباد کی طرف کوچ کیا۔ لیکن دو فرقے ہو گئے۔ ایک فرقہ نے اعتماد خان کی سرداری قبول کر کے خود کو اس سے مربوط کر لیا اور ایک فرقہ ناصر الملک سے ارتباط پیدا کر کے اس کی طرف ہو گیا۔ حضرت سید مبارک جو لشکر گجرات کے امیر الامراء تھے انہوں نے اعتماد خان کے ساتھ[1] موافقت کی۔ لیکن حسن خان دکھنی کہ جو نامی امراء میں سے تھا وہ کسی کے موافق نہ ہوا۔ جب وہ ایسی منزل پر پہنچے کہ وہاں سے وہ دوسرے دن صبح شہر بڑودہ پہنچیں گے اعتماد خان نے اپنے وکیلوں کو حسن خان کے پاس بھیج کر تسلی دی اور طلب کیا۔ حسن خان کو سید صاحب کی منزل پر لائے۔ ناصر الملک نے بھی اجل خان[2] کو کہ اس

---

[1] الف : اتفاق کرلیا۔

[2] ز : اجمک خان

کا وزیر تھا حسن خان کے پاس بھیجا تھا کہ اسے خود کے ساتھ مربوط کر لے۔ وہ خود اچل خان کے پہنچنے سے قبل حضرت سید کی منزل پر آ گیا تھا، اچل خان بھی وہیں آیا اور حضرت سید کو کہا کہ آپ مرد آفاقی ہیں۔ آپ کو یہ زیب نہیں دیتا کہ امراء کو بہکا کر اپنی منزل پر لائیں اور اہل گجرات کی عداوت دعناد[1] کا منشا بنیں۔ ناصر الملک کے سوائے امر وزارت کسی دوسرے کے شایان شان نہیں، آپ کیوں خود کو معرض تلف میں ڈالتے ہیں؟ یہ کہا اور ایک ہاتھ سیّد کی کمر پر مارا اور دوسرا ہاتھ جمدھر[2] پر رکھا۔ دوسرے[3] قرابتداروں نے جب یہ حال دیکھا تو انہوں نے ہجوم کر کے چاہا کہ اسے قتل کر دیں لیکن سید مانع ہوئے اور کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم اسے معرکہ میں نہ ماریں گے۔ صحبت مکدر ہو گئی۔ ہر کوئی اٹھ کر اپنی اپنی منزل کو چلے گئے۔

یہ خبر سن کر ناصر الملک غصہ ہو گیا اور بولا "اگر سید اعتماد خان کے ممد و معاون ہوں گے تو حکومت ہمارے مطلب کی نہ رہے گی۔ لہٰذا ہمیں شہ کاری کرنا چاہیے تا کہ فرزین اعتماد خان کا بند توڑ دے اور وہ یہ ہے کہ پہلے دغا کا گھوڑا سیّد کی جنگ پر ڈالنا چاہیے۔ جب یہ مہرہ مفت میں ہاتھ آ جائے گا تو اعتماد خان خود پیادہ سے مات کھا جائے گا۔

ایسا ہوا کہ جس روز قصبہ بڑودہ کے قریب پہنچ رہے تھے ناصر الملک نے اپنے لشکر سے کہا کہ آج سب مسلح ہو جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ سیّد اس حال سے بے خبر تھے۔ ان کے آدمی چار سلاح سے فوج بنا کر راستے کے ایک طرف چل رہے تھے اور پیچھے سے ایک کوس کے فاصلہ پر اعتماد خان اپنی فوج کے ساتھ آ رہا تھا اور دوسری طرف ناصر الملک اپنی افواج کے ساتھ چل رہا تھا۔ ٹھہرنے کی منزل کے قریب ناصر الملک نے اپنے تمام یگانہ امراء کے ساتھ آ کر حضرت سیّد کا راستہ روک لیا۔ اس طرف سے حضرت سیّد بھی

---

[1] ت: مخاصمت

[2]

[3]

پہنچے۔ بے سعادت افضل خان جس کا ذکر اوپر ہوا ناصر الملک کی فوج کا مقدمہ تھا اس۔ اس نے حضرت کی فوج پر حملہ کیا۔ بہادران سادات نے ہاتھ شمشیر پر ڈال کر اس یزید صفت کو قتل کر دیا اور اس کے لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ اس اثنا میں ناصر الملک قریب تیس ہزار مسلح و مکمل سواروں کے ساتھ آن پہنچا۔ جنگ عظیم واقع ہوئی۔ حضرت سید کے رشتہ داروں میں سے اچھے اچھے آدمی شہید ہو گئے۔ ان کے نام یہ ہیں: سید ہاشم کے چھوٹے بھائی سید مزمل، حضرت سید کا بھتیجہ سید محمد، سید محمد ابن سید فدا وغیرہم۔ اس وقت حضرت سید کے ہمراہ کل دو ہزار سوار تھے باقی[1] لشکر متفرق تھا۔ کسی کے وہم و فہم میں بھی اس قسم کا معرکہ نہ تھا۔ اعتماد خان نے کوتاہی کی۔ وہ کمک کے لیے نہیں پہنچ سکا۔ دو ہزار سوار چار سلاح کے ساتھ تیس ہزار مسلح و مکمل سواروں کے ساتھ کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں؟

آخر کار حضرت سید کے خیر اندیشوں نے ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر انہیں معرکہ سے باہر نکالا اور خانپور[2] ویانکانیر کے راستہ پر ڈالا اور وہاں سے مہندری ندی پار کر کے کبیر بج کی طرف جو حضرت سید کی جاگیر کے مضافات سے تھا روانہ ہوئے۔ اعتماد خان بھی جنگ کیے بغیر ہزیمت اٹھا کر پیچھے سے کبیر بج آ کر حضرت سید سے ملحق ہو گیا۔ اعتماد خان کے اکثر امراء ناصر الملک کے پاس آ گئے۔ خود سلطان احمد بھی اسی کے ہاتھ میں تھا۔ ناصر الملک بڑے پُر زور دبدبہ اور بڑی جماعت کے ساتھ متواتر کوچ کرتا ہوا احمد آباد آیا اور خود کو مستقل حاکم سمجھ لیا۔ تکبر کی مستی نے اسے ایسا مدہوش کر دیا کہ امراء میں سے کسی کو بھی نظر میں نہ لاتا تھا اور افضل خان وزیر کے چھوٹے بھائی ملک زین الدین کو پکڑوا کر ان سے تاوان لیا اور صدر خان کو جو سلطان محمود کے پیر میاں عبد الصمد کے بھائی تھے اور جنہیں ان دنوں سلطان احمد کی وزارت سے منسوب کیا گیا تھا پکڑوا کر قید کر دیا اور ان سے روپیہ طلب کیا۔

---

[1] ج: "باقی لشکر...... معرکہ نہ تھا" نہیں ہے۔

[2] ج: کمید

مختصر یہ کہ دو مہینوں کے بعد حضرت سید اور اعتماد خان کے اخراج کے قصد سے سلطان احمد اور پورے لشکر گجرات نے کبیر پنج کی طرف لشکر کشی کی۔ موضع کمند کے مقام پر جو حویلی پرگنوں کا ایک گاؤں ہے احمد آباد سے دس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے آکر منزل کی۔ جب یہ خبر حضرت سید اور اعتماد خان کو پہنچی تو اپنے اولیاے دولت کو بلا کر مشورہ کرنے بیٹھے کہ کیا کرنا چاہیے۔ اعتماد خان نے کہا کہ فی الحال ہمارا لشکر چار ہزار سوار سے زیادہ نہیں اور وہ پچاس ساٹھ ہزار سواروں کے ساتھ آتا ہے۔ اس کے ساتھ ہماری جنگ کا کوئی تناسب نہیں۔ اس سے احتراز کرکے بادشاہ دہلی کے پاس کہ سلطان[1] محمد عادل ہے جانا چاہیے۔ چنانچہ یہ قرار پایا کہ یہاں سے ڈونگر پور کی طرف کہ جس کی سرحد ولایت گجرات کی سرحد سے جڑی ہوئی ہے کوچ کرنا چاہیے اور وہاں سے دہلی کی طرف روانہ ہونا چاہیے۔ تمام مشورہ کرنے والوں نے مشورہ سے اتفاق کیا لیکن حضرت سیدؒ نہیں یا ہاں[2] کہے بغیر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس معاملہ میں عصمت پناہ بی بی عالم خاتون سے جو حضرت سید کے بیٹے سید میران کی منکوحہ تھیں مشورہ طلب کیا اور جو کچھ اعتماد خان امیروں نے قرار دیا وہ بھی ان کو کہلا دیا۔ بی بی نے کہا کہ میری کیا بساط کہ میں اس معاملہ میں حضرت کو مشورہ دوں لیکن حکم عالی کی بنا پر جو میرے دل میں آتا ہے عرض کرتی ہوں۔ ایک بار یہ فرمایئے کہ آپ کا سن شریف کس عدد تک پہنچا ہے۔ فرمایا کہ اٹھاون تک۔ انہوں نے کہا کہ آج سرور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اکثر امت[3] ساٹھ ستر کی ہے۔ معلوم ہے کہ اس کے بعد زندگی کب تک رہے گی کہ اتنے سالوں کے ناموس کو برباد کرکے بادشاہ دہلی کے پاس جاتے ہیں۔ کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ ایک غلہ فروش بقال سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں؟ ناصر الملک بقا قوم سے تھا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مرنے کی ٹھان کر ایک جنگ کریں اگر

---

[1] ج: "کہ سلطان محمد... کی طرف" نہیں ہے۔

[2] الف: اس معاملہ میں

[3]

آپ کی اجل آ گئی ہے تو آپ شہید ہو جائیں گے اور اگر نہیں آئی ہے تو اس وقت اختیار باقی ہے۔

یہ بات سن کر دریائے غیرت جوش میں آیا۔ اسی وقت حضرت سید اعتماد خان کے پاس گئے اور اہل مشورہ کو جمع کر کے فرمایا کہ میں نے مرنے کی ٹھان لی ہے اور خدا سے عہد کیا ہے کہ ناصر الملک سے منہ نہ پھیروں گا۔ اعتماد خان بولا کہ ناصر الملک سے ہماری جنگ کا کوئی حساب ہی نہیں ہے۔ حضرت سید نے فرمایا کہ خان جیو! تم ہمارے عقب میں کھڑے رہنا اور تماشہ کرنا۔ اس کے بعد کہ میں مارا جاؤں تمہیں اختیار باقی ہے۔ اعتماد خان خاموش رہا۔ حضرت سید نے کھڑے ہو کر اپنے بھائیوں کو بلا کر کہا کہ مسلح ہو جاؤ۔ چونکہ حضرت سید کے چند برادران نامی بڑودہ کی جنگ میں جس کا ذکر اوپر گذرا مارے گئے تھے اور بہت سے زخمی ہو گئے تھے انہوں نے اپنے لشکر سے پانچ سو آدمی منتخب کیے اور یہ قرار دیا کہ کل رات ہم یلغار کریں گے۔ ہر ایک شخص اپنی تیاری میں لگ گیا۔ اس اثنا میں حضرت سید حسین بخاری جو اس وقت حضرت قطب المحققین سید برہان الدین کے سجادہ نشین تھے کا مکتوب میرے والد کے ہمراہ بٹوہ سے پہنچا۔ مضمون اس کا یہ تھا کہ خاطر جمعی کے ساتھ ناصر الملک سے جنگ کا اقدام کرو کہ بمقتضائے "اکثر چھوٹی جماعت والے بڑی جماعت والوں پر غالب آئے ہیں" (سورۂ بقرہ ۲: ۲۴۹) اللہ کے حکم سے فتح کا دروازہ تمہاری دولت کی پیشانی پر کھلے گا یہ معنی حضرت قطب المحققین برہان الصدیقین کی بشارت کے اشارہ پر تحریر ہوا لہٰذا نتیجہ کی تصدیق کے بارے میں یقین رکھیں۔ اس کی تفصیل [1] محبّ صالحین شیخ منجھو کی زبان سے زیادہ واضح ہو جائے گی: اور وہ یہ ہے کہ جب ناصر الملک حضرت سید اور اعتماد خان کے اخراج کے قصد سے چلا تو سید حسین اس کے پاس گئے اور اس خروج سے اسے منع کیا۔ اس نے کہا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں مجھے قبول ہے لیکن سید سے صلح کی تجویز مجھے نہ کریں کہ ان کے اخراج کے لیے میں عزم جزم کر چکا ہوں۔ یہ کلام

---

[1] ز: محبّ صادقین

سن کر خدمت سید حسین ناراض ہو گئے اور بولے کہ ہم سب سادات سید مبارک کی طرف جاتے ہیں۔ گجرات کا پورا لشکر اس سلسلہ کا مرید ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ کون بے پیر ہم سے جنگ کرنے کا اقدام کرے گا۔ وہ اٹھ کر اپنے گھر آئے تمام سادات بخاری[1]، کیا تو بٹوہ کے متوطن اور کیا تو اساول کے ساکن، ان کی مدد کے لیے قریب[2] سات سو آٹھ سو نفر لشکر کا سامان کر کے چاہتے تھے کہ کل روانہ ہوں۔ اسی رات خواب میں حضرت قطب المحققین نے فرمایا "سید حسین! تمہارے جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے سید مبارک کو بلایا ہے۔ دوسرے دن حضرت سید مبارک کی طلب پر میرے والد حاضر ہونے کے لیے دھولقہ روانہ ہو چکے تھے۔ جب بٹوہ پہنچے تو بندگی سید حسین سے وداع ہونے کے لیے آئے۔ انہوں نے مذکور کیفیت بیان کر کے وہ مکتوب اور ایک بکتر[3] (جبہ) سلاح حضرت سید کے واسطے اور ایک[4] میرے والد کو دے کر وداع کیا۔ جب میرے والد خدمت میں پہنچے تو جو کچھ انہوں نے بندگی سید حسین سے سُنا تھا بیان کر دیا اور بکتر سلاح اس خط کے ہمراہ پیش کیا۔ حضرت نے اس مقولہ کو بمنزلہ وحی تصور کیا اور کہا کہ وہ حصول مقصد کے لیے متعین ہو گئے۔

اور اسی دن نتیجہ کا اثر ظاہر ہوا۔ ناصر الملک کے لشکر میں عماد الملک رومی اور الغخان حبشی نے کہ سلطان انہی کی قید میں تھا ایک دوسرے سے کہا کہ جب ناصر الملک سید مبارک اور اعتماد خان کی طرف سے مطمئن ہو جائے گا تو پھر وہ ہم پر دست تصرف دراز کرے گا۔ لہٰذا مصلحت یہ ہے کہ سید مبارک کے ساتھ موافقت کر کے ہم ناصر الملک کے آزار کے خوف کا کانٹا اپنے دل کے پاؤں سے نکال دیں۔ اُسی وقت انہوں نے ایک

---

[1] ج: "بخاری.... ان کی مدد کے لیے" نہیں ہے۔

[2] ج: جو جمع کیا چنانچہ سادات عظام

[3] ز: جبہ وسلاح، ج: جبہ خاصہ وسلاح

[4] ج: "اور ایک میرے والد.... حضرت" نہیں ہے۔

معتمد کے ساتھ حضرت سید کو پیغام ارسال کیا اس مضمون کا کہ ناصر الملک کثرت لشکر کے غرور اور تکبر جمعیت کی وجہ سے ایسا غافل ہے کہ رات شراب پی کر سوتا ہے۔ چند سرداروں کو جنہیں محافظان لشکر کے طور پر بھیجتے ہیں وہ بھی غفلت برتتے ہیں۔ اگر آپ جرأت سے کام لیں تو راتوں رات یلغار کر کے صبح کے قریب ناصر الملک کے کیمپ میں آئیں۔ ہم سلطان احمد کو بطور استقبال لاکر آپ سے ملحق ہو جائیں گے اور پھر ناصر الملک پر حملہ کریں گے۔ انشاء اللہ کام دوستوں کی مراد کے مطابق صورت پذیر ہوگا۔ حضرت سید نے یہ پیغام اعتماد خان کو بتلایا۔ اعتماد خان نے کہا کہ جب تک اچھے آدمی درمیان میں پڑ کر پکے عہد کے باب میں ایمان سے مؤکد نہ کریں اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت سید نے فرمایا کہ بغیر اس کے کہ عماد الملک اور الغ خان سے ایسا ظاہر ہو ہم نے جنگ کی ٹھان ہی لی تھی۔ عنایت الٰہی پر بھروسہ کر کے ہم آج رات جاتے ہیں۔ اعتماد خان نے کہا کہ میں ساتھ نہیں جاسکتا۔ تتارخان غوری کو آپ کے ساتھ کر دیتا ہوں۔ اور یہ تتارخان غوری ایک امیر آدمی تھا اعتماد خان کے مخصوصی آدمیوں میں سے اور شجاعت سے خالی نہ تھا۔ حضرت سید نے فرمایا کہ تتارخان بھی تمہارے ہی ساتھ رہے۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے یہ کہ فاتحہ پڑھی اور پانچ سو جوان سوار ہو کر روانہ ہوگئے۔

راہ کا فاصلہ پندرہ کوس تھا۔ صبح کے وقت ناصر الملک کی چھاؤنی نمایاں ہوئی۔ دیکھا کہ چھاؤنی کے کنارے چوکی[1] کی فوج جس کا سردار شمشیر الملک دولا جیو تھا مسلح کھڑا پہرہ دے رہا تھا۔ حضرت نے پہلے اس پر حملہ کیا۔ اس کے ساتھ چپقلش خوب زوردار ہوئی لیکن جب اس کے آدمیوں نے سنا کہ سید مبارک خود اس جنگ کے متصدی ہیں وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ شمشیر الملک زخمی ہوگیا۔ ناصر الملک کی چھاؤنی میں شور مچ گیا۔ ہر طرف سے سید مبارک آگئے کی آواز اٹھنے لگی۔ اس اثنا میں عماد الملک اور الغ خان نے سلطان احمد کے ساتھ حضرت سید سے ملاقات کی۔ سید نے کہا کہ تم پیچھے آؤ۔ ہم ناصر الملک کے

---

[1] ج: چوکی کے لیے

ڈیرے کی طرف جاتے ہیں۔ لوگوں نے ناصر الملک[1] سے کہا کہ کیا بیٹھے ہو؟ سید مبارک چھاؤنی میں آگئے۔ ناصر الملک نوبتی گھوڑے پر بیٹھ کر فرار ہوگیا۔ حق تعالیٰ نے فتح کا دروازہ سید مبارک کی ہمت کی پیشانی پر کھولا۔ ہاں![2] [بیت]

کام یہ پھرتا ہوا آسمان نہیں کرتا

جو کچھ ہوتا ہے مردوں کی ہمت سے ہوتا ہے

مختصر یہ کہ سوائے ناصر الملک کے تمام لشکر نے آ کر حضرت سید کی ملازمت کی اور اعتماد خان کے پاس تیز رو سوار بھیجے کہ جلدی آؤ۔ اعتماد خان بھی آیا۔ دوسرے دن حضرت سید وہاں سے احمد آباد روانہ ہوئے۔ جب شہر میں آئے تو ترپولیہ دروازے پر جو شہر احمد آباد کی مشہور جگہ ہے ایک سوداگر آیا۔ اس نے حضرت سید کے زانو پکڑ لیے اور کہا "شریف آدمی جب کوئی وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے۔" حضرت سید نے تبسم فرمایا۔ اعتماد خان حاضر تھا۔ اس نے پوچھا تو سید نے فرمایا کہ شہر کے[3] صرّافوں میں سے کسی ایک کو حکم دو کہ بارہ لاکھ تنکہ اس سوداگر کو دے دے کہ اس کے حال کی حقیقت بیان کی

---

[1] ج: اس اثنا میں وہ خواب مستی سے بیدار ہوا۔ پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ عماد الملک اور الغ خان سلطان احمد کو لے کر اپنے لشکروں کے ساتھ تمہاری چھاؤنی سے نکل کر سید سے مل گئے ہیں اور لو یہ سید مبارک چھاؤنی میں آ کر تمہارے ڈیرے کے نزدیک آگئے۔ ان کلمات کے سنتے ہی سلطنت کا کوا جس نے اس کے دماغ میں انڈا دیا تھا اس کے وجود سے اڑ گیا اور دشمن دنیا اس کے لیے تاریک ہوگئی۔ حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اپنے نوبتی گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ چونکہ اس نے حضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فرزندوں کے ساتھ کر عداوت باندھی تھی اس کا نتیجہ کہ جو کوئی آل علی کے ساتھ لڑا وہ گرا ظاہر ہوا اور حضرت قطب المتقین کی بشارت بعینہٖ ظاہر ہوئی۔ ناصر الملک دنیا و آخرت میں پورے پورے خسارہ میں رہا۔

[2] ج: "کہ شہر کے صرّافوں..... حکم دو" نہیں ہے۔

[3] یعنی قالکو

جائے گی جو عجیب باتوں سے خالی نہیں۔ اعتماد خان نے اتنی رقم ایک صرّاف کے حوالہ کی اور اس معاملہ کی صورت حال اس طرح کی ہے کہ فتح سے قبل چند افغان سوداگر ولایت دہلی سے عراقی گھوڑے کپڑ و نج لائے تھے۔ حضرت سید نے ان کے گھوڑے ادھار قیمت پر طلب کیے۔ انہوں نے نہیں دیے۔ فرمایا کہ دس بیس (دہ بیست) کی قیمت پر دے دو پھر بھی وہ راضی نہ ہوئے کہ اس وقت کا یہ اقتضا نہ تھا۔ ایک دن مذکور سوداگر حضرت سید کی ضیافت میں آئے۔ ان میں ایک افغانی شانہ بین؟ تھا۔ شانہ پکڑ کر اس نے دیکھا اور اپنے یاروں سے کہا کہ میں آئینہ میں سید کی فتح دیکھتا ہوں۔ تم گھوڑے دس پندرہ (دہ پانزدہ) کی قیمت میں دے دو۔ ان لوگوں کو اس کے قول پر اعتماد تھا۔ دوسرے دن گھوڑے لا کر دس پندرہ کی قیمت پر راضی ہوگئے۔ حضرت سید نے فرمایا کہ تم دس بیس کی قیمت پر راضی نہ تھے اب دس پندرہ کی قیمت میں کیسے بیچتے ہو؟ انہوں نے فالگو کا مقولہ بیان کیا اور شرط کی کہ جس دن آپ فتح و نصرت کے ساتھ احمد آباد آئیں گے مقام کرنے سے پہلے روپیہ ادا کردیں گے۔ سید نے قبول کیا اور گھوڑوں کو بارہ لاکھ تنکہ کی قیمت میں خرید لیا۔ اس وجہ سے اس وقت اس سوداگر نے اپنی قیمت کا مطالبہ کیا اور حضرت نے اپنے وعدہ کے مطابق ادا فرمایا۔ سبحان اللہ! آتش مجازی میں جلنے کی گرمی سے بکری کا شانہ غیب نما آئینہ بن جب محبت الٰہی شانہٗ کی آگ سے انسان کی اشرف المخلوقات ہے گوشت سے خالی ہوجاتا ہے تو پھر کیا ہے جو اس میں نہ دکھائی دے اور امکان غیب سے معرض وجود میں نہ آئے!

اسی معنی میں خسرو علیہ الرحمۃ والغفران فرماتے ہیں ۔

محنت سے شانہ کو گوشت سے خالی کرتا کہ تو دیکھے

ایک غیب کا آئینہ اور مجنوں وحیران بن جائے

انسان بکری سے کمتر نہیں ہے اور نہ کوئی عارف کسی افغان سے

دیکھو کہ بکری کے شانہ میں افغان کیا کیا دیکھتا ہیں!

مختصر یہ کہ ہزیمت کے بعد ناصر الملک چانپانیر کی طرف چلا گیا۔ حضرت سید نے

میرے والد کو نیزہ ونقارہ عنایت کر کے اپنی جاگیر کی نگہبانی کے لیے دھولقہ میں چھوڑا اور خود احمد آباد سے سلطان احمد اور اعتماد خان کے ساتھ ناصر الملک کا تعاقب کیا۔ وہ پال کے کوہستان میں گھس گیا۔ وہاں بیمار پڑا اور اسی بیماری میں دنیا سے چل بسا۔

اسی اثنا میں اختیار الملک نے جو اعتماد خان کی طرف سے احمد آباد کا حاکم تھا حسن خان دکھنی اور فتح خان بلوچ کے اتفاق سے سلطان احمد کے چچا کو جس کا نام شاہ جیو تھا بادشاہ بنا کر فتنہ کا بازار گرم کیا۔ جب یہ خبر حضرت سید کو پہنچی تو وہ بھروچ سے لوٹے اور احمد آباد کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب وہ محمود آباد جو احمد آباد سے بارہ کوس پر واقع ہے پہنچے تو باغی امراء شاہ جیو کو لے کر نکلے اور احمد آباد سے چار کوس کے فاصلہ پر دروپرہ نام کے موضع پہنچ کر منزل کی۔ اس وت حضرت سید نے میرے والد کو دھولقہ سے طلب کیا۔ ان دنوں ایک درویش قصبہ کے باہر رہتا تھا۔ اسے لوگ شیخ احمد مجذوب کہتے تھے۔ میرے والد رخصت کے لیے اس کے پاس گئے اور فاتحہ کی درخواست کی۔ وہ بولا "جاؤ! فتح کی دلھن سید کے آغوش میں قرار پکڑے گی لیکن جنگ لیس پہلے اعتماد خان غنیم کے ساتھ موافقت کا قرار کر کے ان کے ساتھ جڑنے کے ارادہ سے تمہارے لشکر سے نکل کر اس جانب چلا جائے گا۔ اس وقت تمہارے لشکر میں بڑا زلزلہ آجائے گا لیکن اس کے بعد خوشی میں گذر ہوگی۔" میرے والد کو تعجب ہوا کہ اعتماد خان اس لشکر کا سردار ہے اور حضرت سید یہ تمام جنگ اس کی خیر خواہی میں کر رہے ہیں۔ پھر وہ کاہے کے لیے بھاگے گا اور جب وہ لشکر سے باہر جائے گا لشکر کس طرح قرار پکڑے گا؟ یہ تشویش ان کے دل میں تھی کہ وہ حضرت سید کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ اثنائے راہ میں خبر پہنچی کہ اعتماد خان لشکر سے نکل گیا۔ یہ معنی فتح کی خبر کا مصداق بن گیا اور وہ خوش خوش سید کی خدمت میں پہنچے اور جو کچھ شیخ سے سنا تھا عرض کر دیا۔ حضرت سید نے فرمایا کہ جب تمہارے نقارہ کی آواز ہمارے کانوں میں پہنچی لوگ خبر لائے کہ فلاں آتا ہے۔ میں نے کہا کہ اس وقت فلاں کا آنا فتح پر استدلال ہے۔ تم خود اس معنی کی تائید میں ایک درویش کی بشارت بھی لے آئے۔

مختصر یہ کہ جس دن لشکر ظفر اثر محمود آباد کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوا حسن خان[1] دکھنی کا ایک مکتوب اعتماد خان کو پہنچا کہ سلطان احمد سید مبارک کا مرید ہے۔ اس کی بادشاہت میں جو نفع سید مبارک کے لیے ہے وہ ہمارے تمہارے لیے نہیں۔ اب ہم نے اس کے چچا کو بادشاہ بنا دیا ہے۔ آؤ کہ یہ دولت تم سے[2] خصوصیت رکھتی ہے۔ اعتماد خان[3] اسی وقت اٹھ کر روانہ ہوگیا۔ یہ خبر حضرت سید کو پہنچی۔ سید نے اسی وقت اپنے بیٹے سید میران اور مشیخت پناہ شیخ ماہ کو بھیجا کہ اعتماد خان کو واپس لے آئیں۔ وہ لشکر کے دو کوس کے فاصلہ پر اعتماد خانکے پاس پہنچے اور اس کی مخالفت کا سبب دریافت کیا۔ اعتماد خان بولا کہ امراء میں سے ہر ایک فتنہ انگیزی کا خیال رکھتا ہے۔ ہم کس کس کے دفع کرنے پر متوجہ ہوں لہٰذا ہم خود ایک گوشہ میں چلے جاتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ لشکر حضرت سید کے وقت ہی میں پہنچ گیا تھا۔ وہ بولے کہ آپ کے ناموس کے لیے ہم خود مرنے کے لیے تیار ہیں اور ہم ٹھہریں گے آپ اس طرح دل میں لاتے ہیں؟ آخر بہر صورت اعتماد خان کو لوٹا کر لے آئے۔ اعتماد خان[4] بلوچ اور حسن خان دکھنی نے لکھا کہ تمہارا اختیار الملک کے ساتھ ہونا لائق نہیں۔ آجاؤ۔ فتح خان بلوچ آگیا لیکن حسن خان بولا کہ بادشاہ میں نے بنایا ہے۔ اس معاملہ کی شمر مجھ پر ہے۔

دوسرے دن دونوں لشکروں نے جنگ کا نقارہ بجا کر مقابلہ کیا۔ آخر کار تھوڑی جنگ کے بعد اختیار الملک شاہو جیو کے ساتھ فرار ہوگیا اور حسن خان دکھنی کہ جس نے کبھی دشمن کو پیٹھ نہ دکھائی تھی کھیت رہا۔ حضرت سید مظفر و منصور سلطان احمد اور جمہور امراء کے ساتھ احمد آباد تشریف لائے۔

---

[1] الف : اختیار الملک

[2] الف : تمہاری ہے۔

[3] الف : اعتماد خان ان کے شور کی وجہ سے کسی بھی امیر سے مشورہ کیے بغیر احمد آباد روانہ ہوگیا۔

[4] الف : اعتماد خان اور فتح خان بلوچ۔ (یہ جملہ غلط چھپا ہے۔ یہاں دراصل یہ ہونا ایسے جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے کہ اعتماد خان نے فتح خان بلوچ اور حسن خان دکھنی کو لکھا کہ۔ مترجم)

اس کے بعد ولایت گجرات کو آپس میں تقسیم کرلیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ شہر احمد آباد حویلی کے ساتھ سلطان احمد کے خرچ کے لیے دے دیا۔ پرگنہ کڑی، جھالاواڑ، پرگنہ پٹلاد، پرگنہ نڑیاد، پرگنہ بھیل، پرگنہ رادھن پور، سمی، پرگنہ مونجپور[1] اور ولایت سورٹھ اعتماد خان کو ملے اور ان کے توابع اہل گجرات کے لیے مقرر ہوئے۔ اعتماد خان نے تتار خان غوری کو نوازا اور سورٹھ کی ولایت اسے دے دی۔ پرگنہ رادھن پور، پرگنہ سمی اور پرگنہ مونجپور[2] فتح خان بلوچ کو دے دیا۔ پرگنہ نڑیاد ملک شرق کے لیے تجویز کیا[3] اور ولایت پٹن، بندر کھمبایت مع چوراسی اور پرگنہ دھولقہ، پرگنہ گھوگھہ، پرگنہ ڈھنڈوکہ، پرگنہ چانپانیر[4] اور پرگنہ کپڑبن، پرگنہ سرمال[5] اور پرگنہ باراسینول حضرت سید کے حصہ میں مقرر ہوئے۔ حضرت سید نے موسیٰ خان اور شیر خان فولادی کو نوازا اور سرکار پٹن ان کو دے دی اور ولایت بھروچ اور بڑودہ اور سورٹھ[6] سلطان پور کی سرحد تک اور نندربار عماد الملک رومی کے لیے مقرر ہوئے۔ عماد الملک نے اپنی طرف سے سرکار بڑودہ[7] بابو خان حبشی کو دی اور سورت خداوند خان رومی کو جو اس کے بیٹے کا خسر تھا۔ باقی پرگنے مثل موڈاسہ وغیرہ گجراتی امراء کو دیے گئے جو اعتماد خانکے تابع تھے۔ ہر کوئی اپنے حصہ پر راضی ہو کر اپنی اپنی ولایت چلا گیا۔ سلطان احمد کی وکالت و وزارت کا کام اعتماد خان کے سپرد ہوا۔ شہر میں سلطان اور

---

1. الف : مونجپو اور پرگنہ تروارہ، ج : مونجپو
2. الف : پرگنہ مونجپو اور تروارہ
3. الف : تفویض کیا اور پرگنہ جھالاواڑ کے بعض مضافات الغخان حبشی کو دیے۔
4. ب : سرنال ، ز : سرنال
5. ب : سرنال ، ز : سرنال
6. الف : "اور سورٹھ" نہیں ہے۔ (ہونا بھی نہیں چاہیے کیونکہ سلطانپور تو ایک گاؤں ضلع بلساڑ میں ہے یا اس کے قریب۔ مترجم۔)
7. الف : الغ خان حبشی کو دی۔ الغ خان نے بندر سورت خداوند خان رومی کو کہ اس کے بیٹے کا سرتھا دیا۔ ز : الغخان۔

اعتماد خان رہ گئے۔ حضرت سید مبارک نے سید پورہ میں جو انہوں نے محمود آباد کے قریب آباد کیا تھا سکونت[1] اختیار کی۔

مختصر یہ کہ جب کچھ دن اس حال میں گذرے عالم خان لودی جو شیر شاہ بادشاہ کے زمانہ میں دریا خان کے ساتھ دہلی چلا گیا تھا جیسا کہ اس کا ذکر اوپر گذرا اور شیر شاہ نے انہیں سرکار مالوہ میں جاگیر دی تھی جہاں دریا خان فوت ہوگیا اور عالم خان سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہوئی کہ اس کا ان حدود میں رہنا مشکل ہوگیا تو وہ دوبارہ گجرات آیا اور حضرت سید کو خبر کی کہ آنحضرت کی عنایت واعانت کی امید پر میں پھر اس دیار میں آیا ہوں۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونا آپ کی طلبی پر موقوف ہے۔ جو حکم ہوگا بجالایا جائے گا۔ حضرت سید نے اسے لکھا کہ خوش آمدید چند دن وہیں ٹھہرو تاکہ میں بڑے امراء کے ساتھ اتفاق کر کے تمہیں بلاؤں۔ عالم خان جو بہت زیادہ پریشان تھا ٹھہرے بغیر آگیا اور حضرت سید سے ملاقات کی۔ اپنے بڑے بیٹے قطب خان کو حضرت سید کا مرید بنوادیا۔ حضرت سید عالم خان کو لے کر احمد آباد آئے اور اعتماد خان سے کہا کہ چونکہ عالم خان تمہیں اور ہمیں یاد کر کے آیا ہے اس کی رعایت کرنا واجبات سے ہے۔ اعتماد خان نے خاموشی اختیار کی لیکن عالم خان کا آنا اعتماد خان اور عماد الملک کو بہت برا لگا۔ تہ دل سے حضرت سید سے رنجیدہ ہوکر اعتماد خان نے حضرت سید سے کہا کہ عالم خان تشویشناک آدمی ہے۔ وہ ہماری اصلاح دید پر قناعت نہ کرے گا۔ یہ مصلحت نہیں کہ ہم پھر اس طرح کسی کو گجرات میں داخل کریں اور امن کی زمین میں خوف وتشویش کا بیج بودیں۔ حضرت سید نے فرمایا کہ اسی شیوہ کی وجہ سے جو تم کہتے ہو تکلیف اٹھا کر اور نادم ہو کر اس وقت وہ اپنے تمام دعووں کو ترک کر کے تمہاری طرف رجوع ہوا ہے۔ اس میں اعراض کی گنجائش نہیں کہ یہ بات مردی اور مروت سے دور ہے۔ چونکہ اعتماد خان کو ان کی بات سے چارہ نہ تھا اس نے کہا کہ فی الحال جو کچھ آپ فرماتے ہیں ہم کریں گے لیکن بعد میں اس سے پشیمانی پیدا ہوگی۔ سید نے فرمایا کہ

---

[1] ب : اور محمود آباد و احمد نگر اور زراتی وغیرہ۔

عالم خان سلطان محمود کا وزیر صاحب اختیار تھا۔ اس وقت وہ تمہاری نوکری قبول کرتا ہے۔ ایسا شخص جو تمہاری طرف ہو جائے اس میں بہت مصلحتیں ہیں۔ اعتماد خان نے کہا کہ عماد الملک کو بھی بھروچ سے طلب فرمالیں کہ اتفاق کر کے عالم خان کی جاگیر کے لیے فکر کریں۔ انہوں نے عماد الملک کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا۔ وہ آیا۔ جاگیر کی بات چیت ہوئی۔ عماد الملک نے کہا کہ جو جاگیر میرے پاس ہے وہ میرے آدمیوں کے لیے کفایت نہیں کرتی تو پھر اس سے کسی اور کو کفایت ہو مشکل ہے۔ بڑی ردوقدح کے بعد یہ طے ہوا کہ حضرت سید نے پرگنہ[1] بڑودہ اور چانپانیر سے جدا کر کے عالم خان اور اعظم خان ہمایوں کو دے دیا اور اعتماد خان نے گودھرا الپ خان کھتری کو جو عالم خان کا مصاحب وموافق تھا دیا۔

عالم خان نے اپنے فخر وغرور کو الگ کر کے اعتماد خان کی خدمت پر کمر باندھی اور ایسا آنا جانا اختیار کیا کہ ان کے درمیان صحبت گرم ہوگئی (یعنی گہری چھننے لگی، گہری دوستی ہو گئی)۔ اعتماد خان نے اپنے بیٹے شیر خان کا گھر جو مشارٌ الیہ کے گھر سے متصل تھا عالم خان کو دے دیا۔ عماد الملک پھر اپنی جاگیر پر چلا گیا اور حضرت سیدؒ سید پور[2] چلے گئے اور الوغ خان حبشی کو ولایت جھالاواڑ کا ایک[3] ٹکڑا دے دیا۔ جب وہ جھالاواڑ گیا تو اس ولایت کے تمام جاگیرداروں کو باہر نکال کر پورا جھالاواڑ اپنے قبضہ اور تصرف میں لے لیا۔ اور ہر چند اعتماد خان نے اسے مخالفت[4] اور خود غرضی کے بارے میں لکھا وہ نہیں مانا آخر کار اعتماد خان اور عالم خان نے سلطان کو ہمراہ لے کر لشکر تیار کیا اور الوغ خان پر چڑھائی کرنے کے لیے گئے لیکن اس لشکر کی روانگی کی حضرت سید کو خبر نہ دی اور لاپرواہی برتی۔ انہوں

---

[1] ب: "بڑودہ" نہیں ہے۔
[2] ج: سید پورہ چلے گئے۔
[3] الف: چند روز اس ڈھنگ سے گذرے ناگاہ الغخان نے فتنہ انگیزی شروع کی چنانچہ۔
[4] الف: عدم خلاف کے بارے میں۔

نے بھی تغافل سے کام لیا۔ الوغ خان نے قصبہ برم گام[1] کے قریب لڑائی کی اور شکست کھائی اور وہاں سے روانہ ہو کر حضرت سید کی خدمت میں پناہ لی۔ اعتماد خان لوٹ کر احمد آباد آیا۔ حضرت سید[2] اور عماد الملک نے شفاعت کی اور پرگنہ بھیل اعتماد خان سے لے کر الوغ خان کو دیا۔ کچھ عرصہ تک ہر کوئی اپنی اپنی جگہ اور مقام پر بسط کامرانی پر بیٹھا۔

اس اثنا میں عالم خان کے دل میں آیا کہ اعتماد خان کو قتل کر کے میں اس کی جگہ بیٹھ جاؤں۔ عالم خان نے یہ مشورہ اپنے خاص آدمیوں سے کیا۔ ان میں سے ایک نے جو اعتماد خان کا طرفدار تھا اسے اس بات سے آگاہ کر دیا۔ اعتماد خان نے عالم خان کو شیر خان کے گھر سے باہر نکال دیا عالم خان اپنے گھروں کی طرف چلا گیا اور گھر کے گرد مستحکم قلعہ بنالیا۔ اس نے عماد الملک کے ساتھ سازش کی طرح ڈالی۔ عماد الملک نے عالم خان کی طرفداری اختیار کر لی۔ ایک دن عالم خان نے عماد الملک سے کہا کہ اعتماد خان کے حرف وجود کو حذف کر دینے ہی میں پوری مصلحت ہے۔ عماد الملک نے جواب میں بظاہر اتفاق ظاہر کیا لیکن تہہ دل سے اس کا مزاج عالم خان سے منحرف ہو گیا۔ عالم خان اصرار کرتا تھا اور وہ آج کل کہہ کر ٹالتا رہتا تھا۔ عالم خان نے دیکھا کہ عماد الملک سے اس مراد کا حاصل ہونا بعید معلوم ہوتا ہے۔ اس نے اعتماد خان کو اپنے حال پر چھوڑا اور اپنا دست تصرف سید مبارک کی طرف دراز کیا اور عماد الملک سے کہا کہ جب تک سید مبارک کو اپنے بیچ سے دور نہ کرو گے تمہاری حکومت استقلال پیدا نہ کر سکے گی۔ عماد الملک نے اعتماد خان کو بھی یہ ترغیب دی کہ لشکر تیار کر کے سید مبارک پر چڑھائی کرنا چاہیے۔ چنانچہ اعتماد خان، عماد الملک، عالم خان اور تمام امرائے گجرات حضرت سید کی دولت کے زوال کے قصد سے احمد آباد سے نکل کر کانکریہ تالاب کے کنارے جو شہر سے متصل ہے آ کر قیام پذیر ہوئے۔ یہ خبر حضرت سید کو پہنچی۔ انہوں نے میرے والد سے کہا کہ آپ جائیے۔ پہلے

---

[1] ج : بیرم کاتون

[2] الف : یہ خبر سن کر عماد الملک بھروچ سے احمد آباد آیا۔

عالم خان سے ملاقات کیجیے اور بعد میں اعتماد خان سے۔ ہر ایک کو دعا وسلام کے بعد کہیے کہ جب کبھی آپ کسی طرف جاتے تھے تو ہمیں خبر کرتے تھے۔ اس بار ہمیں اس روانگی کی خبر نہ کی؟ فرمایئے کہ آپ کا قصد کیا ہے اور یہ لشکر کس پر حملہ کرے گا؟ دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہم مناسب فکر کریں گے۔ میرے والد نے جا کر پہلے عالم خان سے ملاقات کی اور جو کچھ حضرت سید نے کہا تھا بیان کر دیا۔ عالم خان نے اپنا سر جھکا لیا۔ کہا کہ ہم سے آپ کیا پوچھتے ہیں؟ ان کے قصد وعزیمت کی آپ کو بھی خبر ہوگی۔ میرے والد نے کہا کہ ہمیں کس سے خبر ملتی؟ حضرت سید کا دوست اور خیر خواہ آپ سے زیادہ کوئی اور نہیں اور آپ نے خود ابھی تک ہمیں اس حال کی خبر نہیں دی ہے تو پھر دوسرا کون خبر کرے گا؟ اس نے کہا میاں منجھو تمام امرائے گجرات نے اتفاق کر کے یہ طے کیا ہے کہ جب تک ہم سید مبارک کو بیچ سے دور نہ کر دیں گے گجرات سے خلل دور نہ ہوگا۔ میرے والد نے کہا کہ خدا آسان کرے! لیکن اس معرکہ میں آپ کس جانب ہوں گے؟ کہا کہ جس جانب تمام لوگ ہوں گے۔ میرے والد نے کہا کہ "خانجیو! اگر محسن کے حق میں احسان کا یہ نتیجہ ہوتا ہے تو پھر حق آپ کی جانب ہے۔" پھر وہ اٹھے اور اعتماد خان کے ڈیرہ کی طرف گئے۔ راستے میں دیکھا کہ عماد الملک بڑے دبدبہ سے اعتماد خان کی منزل کی طرف سے خود کی منزل کی طرف جا رہا ہے جیسا کہ اتفاق پڑا، ملاقات ہوگئی۔ دیکھتے ہی کہا میاں منجھو میں ہمیشہ ایک تلوار باندھتا تھا۔ اس بار سید مبارک کی جنگ میں جا رہا ہوں اور دو تلواریں باندھ کر آیا ہوں۔ آئینہ دیکھو۔ ہاتھ کمر پر لا کر دونوں تلواریں دکھائیں۔ میرے والد نے کہا کہ آپ نے فرزند رسول سے لڑنے کے لیے تلوار باندھی ہے اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ وہ پھر بولا کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ عالم خان اور اعتماد خان کے پاس آئے ہیں۔ ان سے ملاقات کیجیے۔ ان سے رخصت ہو کر ہم سے بھی ملاقات کر کے جایئے گا۔ میرے والد اعتماد خان کے ڈیرے گئے اور اس سے ملاقات کی جو کچھ حضرت سید نے کہا تھا بیان کر دیا۔ اعتماد خان عالم خان کا گلہ کرنے لگا اور بولا کہ جو کچھ کیا اور کرتا ہے وہ کرتا ہے۔ ہم

نے ہر چند سید صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ عالم خان اس قسم کا آدمی ہے کہ فتنہ انگیزی کا خوف پیدا کیے بغیر نہ رہے گا لیکن سید نے ہماری بات نہ مانی۔ میں کیا کروں وہ مجھے میرے طریقے پر نہیں رہنے دیتے۔ ہم تو خود ہمیشہ حضرت سید کے دوست رہے ہیں اور اب بھی وہی نسبت رکھتے ہیں۔ حضرت سید کو ہماری دعا پہنچانا اور کہنا کہ جو کچھ کرتا ہے عالم خان کرتا ہے ہم میں سے کوئی اس پر راضی نہیں ہے۔ آپ جایئے، عماد الملک سے بھی ملاقات کیجیے اس کے بعد ہم سے وداع ہونا۔ میرے والد عماد الملک کے مقام پر گئے۔ عماد الملک نے بظاہر باتوں میں تندی کا اظہار کیا۔ پھر اٹھا اور تنہائی میں بیٹھ گیا اور میرے والد کو وہاں بلایا اور کہا کہ جسے آپ اپنا دوست جانتے اور اپنا خیر خواہ خیال کرتے تھے وہی اس وقت آپ کے اخراج وقتل کا باعث ہے۔ ہم کیا کریں کہ سید ہمارے کہنے پر عمل نہیں کرتے۔ جایئے اور ہماری دعا انہیں پہنچایئے۔ کل ہم یہاں سے کوچ کر کے کہاری ندی کے کنارے منزل کریں گے اور وہاں سے ہم اپنے کسی معتبر آدمی کو سید کی خدمت میں بھیجیں گے۔ جو کچھ وہ کہے گا وہی بات ہوگی۔ میرے والد اس سے رخصت ہو کر اعتماد خان کے پاس آئے اور عماد الملک کی کہی ہوئی بات دہرائی۔ اعتماد خان بولا کہ بات وہی ہے جو عماد الملک نے کہی۔ ہم نے آپ کو خدا کو سونپا۔ تشریف لے جایئے۔

میرے والد حضرت سید کی خدمت میں آئے اور ہر ایک بات بیان کی۔ حضرت سید نے کہا کہ عماد الملک کی باتوں سے تم نے کیا سمجھا؟ میرے والد نے عرض کیا کہ جو کچھ فقیر سمجھا ہے یہ ہے کہ اس طلسم سے وہ یہ چاہتا ہے کہ عالم خان کو فریب دے۔ حضرت سید نے کہا کہ اس کا احتمال ہے۔ ہمیں عماد الملک کے قول پر اتنا اعتماد نہیں کہ وہ ایک حیلہ جو اور مکار آدمی ہے۔ حضرت سید جنگ کی فکر کرنے لگے۔ چار پانچ ہزار سوار کہ بالفعل حضرت سید کی خدمت میں حاضر تھے وہ سب عنایت الٰہی پر بھروسہ کر کے مارنا مرنا طے کر کے جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ دوسرے دن خبر لگی کہ احمد آباد کا لشکر کہاری ندی کے کنارے آ کر خیمہ زن ہو گیا۔ پانچ[1] چھ گھڑی گذری تھیں کہ پانچ حبشی سوار میرے والد کے گھر کا پتہ پوچھتے

---

[1] الف: گھڑی رات گزری تھیں۔

ہوئے آئے۔ ایک نے پتہ دیا۔ آ کر وہ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور میرے والد کے بارے میں پوچھنے لگے۔ دربان نے کہا کہ حضرت سید کی خدمت میں گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جلدی جاؤ اور چپکے سے ان سے کہنا کہ آنکس خان حبشی آیا ہے اور آپ کو بلاتا ہے۔ دربان نے آ کر میرے والد سے کہا۔ میرے والد نے حضرت سید سے کہا۔ حضرت سید نے کہا کہ میاں منجھو مجھے باور نہیں ہوتا کہ عماد الملک ہمارا نیک خواہ ہو۔ مبادا اس پیغام ورسالت میں کوئی حیلہ انگیزی اور مکاری کی آمیزش ہو جو اس خیال خام کی موجب ہو۔ میرے والد نے کہا کہ آنکس خان عماد الملک کا وکیل ہے۔ اِس وقت اِس اخفا کے ساتھ اسے بھیجنا حکمت سے خالی نہیں۔ اسے بلانا چاہیے کہ کیا کہتا ہے، فرمایا کہ جاؤ اگر آتا ہے تو لے آؤ۔ میرے والد گئے۔ اس سے ملے۔ آنکس خان نے کہا کہ میاں منجھو رات کم رہ گئی ہے۔ ہمیں اسی وقت عماد الملک کی خدمت میں جانا چاہیے اس طرح کہ کوئی اس حال سے واقف نہ ہو۔ ہمیں حضرت سید کی خدمت میں لے چلیے تاکہ جو بات کہنے کی ہے وہ ایک مرتبہ ہی کہہ دوں۔ میرے والد اسے حضرت سید کی خدمت میں لائے۔ آنکس خان نے اپنی بغل سے قرآن مجید نکالا اور کہا کہ عماد الملک نے دعا عرض کی ہے اور کہا ہے کہ مقصود اس لشکر کشی کا یہ تھا کہ حضرت دوست دشمن کو پہچانیں۔ یہ آپ نے جان لیا ہوگا۔ اس وقت آپ تنہا سوار ہوں اور ہمارے لشکر کی طرف چلیں۔ ہم راستے میں سلطان احمد کو اعتماد خان کے ساتھ لا کر آپ سے ملاقات کریں گے اور وہیں سے عالم خان پر چڑھائی کریں گے اور یا تو اسے زندہ پکڑیں گے یا مار ڈالیں گے۔ یہ ہے کلام مجید ہمارے درمیان کہ اس میں شک شائبہ نہیں ہے۔

حضرت سید نے اس قرار پر آنکس خان کو وداع کیا۔ صبح ہتھیار باندھ کر روانہ ہوئے۔ موضع کھنج کے قریب جو سید پور سے تین کوس کے فاصلہ پر واقع ہے قرارداد کے مطابق عماد الملک اور اعتماد خان سلطان احمد کو لے کر حضرت سید سے ملاقاتی ہوئے اور سینہ صاف کر کے وہاں سے اتفاق کے ساتھ عالم خان پر چڑھائی کرنے کے لیے روانہ

ہوئے۔ حضرت سید نے اسی وقت شیخ احمد[1] دلوالی کو عالم خان کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ اس سے کہیے کہ برے کام کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ [بیت]

جو[2] کوئی نیک کام کرتا ہے یا برا

نیک و بد جو کچھ کرتا ہے اس کا پھل پاتا ہے

جو باتیں تم نے دوسروں کے لیے روا رکھی تھیں وہی اب تمہارے طرف راجع ہوئی ہیں۔ اب تم نکل کر اپنی جاگیر پر جاؤ۔ کچھ عرصہ کے بعد امرائے مذکور کے ساتھ تمہاری صلح کروا کے تمہیں بلاؤں گا۔ عالم خان نے کہا کہ اب کہ آپ مجھ پر چڑھائی کرنے آرہے ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم جنگ کیے بغیر چلے جائیں؟ حضرت سید نے پھر نصیحت کی لیکن اس نے قبول نہ کی۔ اس نے لڑائی کی۔ اعظم ہمایوں جو اس کا ماموں زاد بھائی تھا اور عالم خان کا بڑا بیٹا قطب خان اچھے اچھے افغانوں کے ساتھ مارے گئے۔ عالم خان ہزیمت اٹھا کر چانپانیر کی طرف چلا گیا۔ امراء نے اس کا پیچھا کیا تو کوہستان پال میں گھس گیا۔ چنانچہ امراء لوٹے اور احمد آباد آگئے۔

جب گجرات میں اس قسم کے خلفشار کی خبریں مبارک شاہ (آسیری) کے کانوں میں پہنچیں تو اس نے سال خان براری کو اپنا ساتھی بنا کر اس کے اتفاق سے گجرات پر لشکر کشی کی۔ یہ خبر سن کر امراء نے سلطان کو اپنے ساتھ لیا اور مبارک شاہ کے لشکر کو دفع کرنے کے لیے کوچ پر کوچ کرتے ہوئے روانہ ہوگئے۔ گجرات کا لشکر چونکہ برہانپور، برار اور دکھن کے لشکروں پر ہمیشہ غالب رہا تھا جیسے ہی لشکر موضع راناپور کو تہہ جو نربدا ندی کے کنارے واقع ہے پہنچا مبارک شاہ تاب نہ لاسکا اور موضع بیلوکام[4] جو نربدا ندی سے تین کوس کے

---

[1] ج، ز: دیوانی
[2] ج: "جو کوئی نیک کام.... پھل پاتا ہے" نہیں ہے۔
[3] ب، ج: تپال خان
[4] ج: بیلوکانو

فاصلہ پر ہے واپس ہو گیا۔ بعض امراء نے عماد الملک کے بیٹے چنگیز خان اور سرانداز خان مانڈو والی وغیرہ نے زبدا پار کر کے اس کا تعاقب کیا اور اس کے بنگاہ کا کچھ حصہ لوٹ کر واپس ہوئے۔ گجرات کا لشکر بھی زبدا پار کر کے قصبہ جنبو گام اور جنگل تک گیا اور چند روز وہاں مقام کیا۔ اس اثنا میں عالم خان کوہستان پال سے نکل کر پہاڑ کے کنارے کنارے شیر خان فولادی کے بلانے پر پٹن آ گیا۔ شیر خان اور عالم خان نے موافقت کا عہد کر کے پرگنہ کڑی پر جس کا تعلق اعتماد خان کی جاگیر سے تھا قبضہ کر کے اپنے تصرف میں لے لیا۔ واپسی کے وقت یہ خبر اعتماد خان کو پہنچی۔ اعتماد خان نے اختیار الملک اور دریا خان حبشی وغیرہ کو جو احمد نگر اور اس کے نواح میں تھے لکھا کہ عالم خان کو کڑی سے نکال باہر کریں۔ اختیار الملک نے لشکر تیار کر کے عالم خان پر چڑھائی کی۔ جنگ ہوئی۔ عالم خان مارا گیا اور شیر خان فرار ہو کر پٹن چلا گیا۔

چند روز کے بعد جو لشکر مبارک شاہ پر چڑھائی کرنے گیا تھا احمد آباد واپس آ گیا۔ اس آنے جانے کے دوران سلطان احمد نے کچھ آدمیوں کو اپنا خاص نوکر بنایا۔ بعض کو نوازا اور خطاب سے سرفراز کیا۔ چنانچہ شیخ یوسف حبشی کو اعظم ہمایوں کا خطاب دیا اور شیخ الاسلام بخاری کے لیے بھی خطاب تجویز کیا لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو جن کا نام سید عبدالرحمٰن تھا اپنا نائب بنایا۔ انہیں سادات خان کے خطاب سے مخاطب کیا گیا۔ لیکن ممالک کا پورا اختیار اعتماد خان کے ہاتھ میں ہے اور عماد الملک بھی اعتماد خان کے ساتھ برابری کا دم بھرتا ہے۔ وہ دونوں سلطان احمد کے حکم کو نفاذ کی کرسی پر نہیں بیٹھنے دیتے۔ ان کے بھروسہ کے تین چار ہزار آدمی رات دن سلطان احمد کی پاسبانی کرتے ہیں۔ کبھی عماد الملک سلطان کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اور کبھی اعتماد خان اپنے آدمیوں کے سپرد کر دیتا ہے۔ چونکہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے مذکور امراء کی دولت کا زوال اور ان کی نسل کا منقطع ہونا چاہتا تھا اس لیے پہلے انہیں نفاق وحسد کی بلا میں مبتلا کر دیا کہ عہد وپیمان اور سوگند وایمان کے باوجود وہ ایک دوسرے کے بدخواہ ہو گئے اور اپنے تھوڑے نفع کے تصور

سے پیمان وایمان کو بھول جاتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے درمیان جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور وہ اسی کو اپنے فائدہ کی بات سمجھتے تھے۔

حضرت سید مبارک حتی المقدور ان کے بیچ صلح صفائی کی کوشش کرتے اور مظلوم کی رعایت کرتے تھے لیکن ان کے بارے میں چونکہ تقدیر الٰہی ایسی ہی تھی وہ اپنی بات سے باز نہ آتے تھے۔ وہ دولت کی جڑ اور اپنی بقا پر نفاق کا آرہ چلانے میں سرگرم تھے۔ تھوڑی ہی مدت میں کا نام باقی رہا نہ نشان اور آیت کریمہ [1] لمن الیوم (آج کے دن اس ملک کا مالک کون ہے۔ سورۂ مومن ۴۰:۱۶) کے آثار ظاہر ہو گئے۔

مختصر یہ کہ کچھ دن اس ڈھنگ سے گذرے۔ پھر عماد الملک اور اعتماد خان کے بیچ حسد کی آگ اور نفاق کا شعلہ دونوں بھڑکے۔ اس وجہ سے کہ جب سلطان احمد نے دیکھا کہ ہم اعتماد خان کے ہاتھ سے خلاصی نہیں پاتے تو اس نے عماد الملک کے ساتھ موافقت کر لی۔ اعتماد خان کو برا لگا۔ اس اثنا میں بعض حبشیوں نے عماد الملک کے اشارہ پر تغلق خان کو جو اعتماد خان کی جمعیت کے امیروں میں سے تھا دغا سے مار ڈالا۔ اعتماد خان رنجیدہ ہو کر شہر سے نکلا۔ ہر چند عماد الملک خود آیا اور بڑی ملائمت برتی لیکن وہ نہ ٹھہرا۔ وہ اس ارادے سے محمود آباد آیا کہ مبارک شاہ کے پاس چلا جائے۔ ہر چند حضرت سید نے بھی منع کیا لیکن وہ نہ مانا۔ وہ مبارک شاہ کے پاس گیا اور عماد الملک کے خلاف مبارک شاہ کو لے کر گجرات کی طرف لشکر کشی کی۔ عماد الملک، الوغ خان حبشی اور دوسرے امراء جو مشارٌ الیہ کے ساتھ اتفاق رکھتے تھے سلطان احمد کو لے کر محمود آباد آئے اور حضرت سید سے عرض کیا کہ ملک گجرات اِن سلطانوں کو آپ کے بزرگوں کے عطیات میں سے ہے۔ بالخصوص سلطان احمد کو آپ نے تخت پر بٹھایا ہے۔ اب سلطان احمد کے ناموس کے کام کی رعایت آپ کے کرم کے ذمہ لازم ہے۔

حضرت سید بھی ہمراہ ہو کر متواتر کوچ کرتے ہوئے موضع رانا پور کوتھہ کے قریب

---

[1] ج: وہ اللہ جو واحد القہار ہے (پوری آیت۔ مترجم)

تشریف لائے اور وہاں سے اعتماد خان کو لکھا کہ یہ دولت جو تمہیں سلطان احمد کے زمانہ میں حاصل ہے، بالفرض اور تقدیر سے اگر ملک گجرات مبارک شاہ کے تصرف میں آجائے تو وہ یہ تمہارے لیے تجویز نہ کرے گا۔ پھر اتنے سالوں کے حقوق کو نافرمانی سے تبدیل کرنا کاہے کے لیے ہے؟ لہٰذا واپس آجاؤ کہ تمہاری جگہ اور مقام بدستور سابق تم سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ اعتماد خان اپنے جانے سے خود بھی پشیمان تھا اس وجہ سے کہ مبارک شاہ تنگدل آدمی تھا جب کہ اعتماد خان بادشاہ خریدار[1]۔ اعتماد خان کا ایک دن کا خرچ شاید مبارک شاہ کے ایک ماہ کے خرچ کے برابر رہا ہوگا۔ اس کے ارکان دولت نے اس سے کہا کہ گجرات کی حکومت ہاتھ سے دے کر خود کو ایسے آدمی کا محکوم قرار دینا عقل سے دور ہے۔ اعتماد خان نے جواب میں لکھا کہ چونکہ مبارک شاہ نے ہم پر چڑھائی کے ارادہ سے لشکر جمع کیا تھا تو ایسا کام کرنا چاہیے کہ ہمارا ناموس بھی برقرار رہے اور اس کی سعی بھی باطل نہ ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ سلطان پور نندر بار کی ولایت مبارک شاہ کو موافقت اور خیر خواہی کی شرط پر دے دینی چاہیے۔ بہت بحث مباحثہ کے بعد بات اسی پر طے ہوئی۔ مذکور ولایت مبارک شاہ کو دے دی گئی۔ مبارک شاہ نے قصبہ[2] دھرن گاؤں اور بتاور اعتماد خان کو دے دیے کہ وہاں سریاف[3] کے کپڑے، بھیرون اور کمربند خوب بنتے تھے۔ اعتماد خان مبارک شاہ سے وداع ہو کر سلطان احمد کے پاس آیا اور اپنی اصلی حالت پر پہنچ گیا۔ لشکر بھی لوٹ کر احمد آباد آیا۔ ہر کوئی اپنی جگہ پر چلا گیا اور بیٹھ گیا۔

جب کچھ عرصہ اس طرح سے گذرا تو سلطان احمد نے دیکھا کہ عماد الملک سے بھی اس کا ارادہ جو امر سلطنت کے نفوذ کے بارے میں تھا میسر نہ ہوا تو اس نے شیخ

1۔ متن میں لفظ خریدار (مشتری) کے آگے سوالیہ نشان لگا ہوا ہے یعنی اڈیٹروں پر مفہوم واضح نہیں تھا۔ ممکن ہے مفہوم وہی ہو جو میں نے بیان کیا ہے۔ نسخۂ الف اور ذ کے لفظ مشروتی اور مشتری خرچ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتے۔ مترجم۔

2۔ یہ گاؤں تاپتی ویلی ریلوے لائن پر امل نیر کے قریب ہے۔ مترجم۔

3۔ یہ کوئی خاص قسم کے کپڑے ہوں گے۔ مترجم۔

یوسف[1] چشتی جس[2] کا خطاب اعظم ہمایوں تھا اور شیخ سلیم بخاری سے جو سلطان کی مشورت کے محرم تھے مشورہ طلب کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہاں سے نکل کر سید مبارک کے پاس جانا چاہیے۔ اس وقت آپ کی حمایت ان کے ذمہ لازم ہوگی۔ سلطان احمد آباد سے نکل کر حضرت سید کے پاس سید پور آیا۔ حضرت سید سے شیخ سلیم سے کہا کہ سلطان کا اس طرح سے آنا مناسب نہیں تھا۔ اگر تمہارا یہی خیال تھا تو تم چند روز پیشتر ہمیں خبر دیتے تو ہم اس کی فکر کرتے۔ انہوں نے کہا کہ سلطان اپنی جان کے خوف سے بھاگ کر آپ کی پناہ میں آیا ہے۔ اس کی فرصت نہ تھی کہ وہ وہاں توقف کرے۔

اس اثنا میں حاجی خان جو دہلی کے بادشاہ اسلام شاہ کے نامی امراء میں سے تھا پانچ ہزار سواروں اور ڈیڑھ سو نامی ہاتھیوں کو لے کر حضرت جنت آشیانی ہمایون بادشاہ کے لشکر کے غلبہ کی وجہ سے ملک دہلی سے اپنے بال بچوں سمیت گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ چیتوڑ کے راجا رانا نے چالیس ہزار سواروں کے ساتھ اس کا راستہ روکا اور چالیس من سونا اور ہاتھی بھیجیہ جو اس کے بہترین ہاتھیوں میں سے تھا اور[3] رنگ راؤ رقاصہ جو اس کی حرم محترم تھی طلب کی۔ چونکہ[4] اس کے بال بچے ساتھ تھے اس لیے حاجی خان سونا اور ہاتھی دینے پر راضی ہوگیا لیکن جب حرم کا نام درمیان آیا تو وہ بگڑ بیٹھا اور مرنے کی ٹھان کر رستمانہ جنگ کی۔ حق تعالیٰ نے رانا کو اس کی کثرت جمعیت کے باوجود مقہور کیا۔ حاجی خان مظفر و منصور گجرات آیا۔ اعتماد خان اور عماد الملک سمجھے کہ حاجی خان کے آنے کی وجہ سے سید مبارک نے سلطان کو بلایا اس لیے جب تک سید مبارک سے نہ ملے اور ان کا لشکر

---

[1] الف : اگر پھر اعتماد خان کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا تو وہ مجھ سے انتقام لے گا۔

[2] متن میں ص ۴۱۵ پر اس شخص کو حبشی لکھا ہے۔ مترجم۔

[3] الف : ''اور رنگ راؤ رقاصہ... تھی'' نہیں ہے۔

[4] مظفر خان شروانی نے جو حاجی خان کا با اختیار وزیر تھا قبول کیا اور پھر رانا نے کاہ کہ رنگ راؤ بھی دیں اور وہ حاجی خان کی محبوبہ تھی۔ یہ سن کر مظفر خان برہم ہوگیا اور مرنے کی ٹھان لی۔ (یہ جملے کون سے نسخے سے لیے گئے ہیں متن میں درج نہیں۔ مترجم)۔

جمع نہ ہو جائے ہم کوئی کام کریں اور وہ یہ تھا کہ احمد آباد سے رات کو نکل کر سید پور سے ایک میدان جنگ کے فاصلہ پر آ کر ٹھہر گئے۔

اس وقت حضرت سید نے فرمایا کہ میاں منجھو فی الواقع آپ کی رائے صحیح تھی اور وہ اس طرح تھی کہ جب گجرات کے شہر تقسیم ہوئے چنانچہ ذکر اس کا اوپر گذرا تو شہر پٹن اور شہر چاناپانیر حضرت سید کے لیے مقرر ہوئے۔ میرے والد نے عرض کیا کہ حضرت اپنی سکونت کے لیے ان دو شہروں میں سے کوئی ایک اختیار کیجیے۔ فرمایا کیوں؟ عرض کیا کہ اگر شہر احمد آباد کا حاکم کبھی ہمارا مخالف ہو جائے اور بد خواہی کا طریقہ اختیار کرے تو ہم بھی اپنا لشکر جمع کر سکتے ہیں اور اس سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ سید پورہ احمد آباد سے بارہ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ جب کبھی احمد آباد کا حاکم ہم سے بدی کرنا چاہے گا صرف رات درمیان میں ہوگی بلکہ ایک ہی دن میں وہ راہ طے کرلے گا جبکہ ہمارے لشکر کے بعض امراء پٹن میں ہوں گے اور بعض چاناپانیر میں۔ ان کے جمع ہونے میں کافی وقت لگے گا۔ حضرت سید نے کہا کہ ہم کسی کے ساتھ برے نہیں ہیں تو کوئی ہم سے برا کیوں ہوگا؟ میرے والد نے عرض کیا کہ اس عالم کون وفساد میں ناگہاں ایسی بات رونما ہوتی ہے کہ اس سے پہلے وہم کبھی ادھر گیا بھی نہ ہو۔ لیکن چونکہ سید پور کی آب وہوا انہیں بہت پسند آ گئی تھی وہاں سے منتقل ہونا انہیں اچھا نہ لگتا تھا۔ پٹن انہوں نے موسیٰ خان اور شیر خان فولادی کو دے دیا اور چاناپانیر عالم خان لودی کو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

مختصر یہ کہ جب اعتماد خان اور عماد الملک گجرات کا اکثر لشکر جو لگ بھگ تیس ہزار سوار تھا اور بہت سا گولہ بارود لے کر محمود آباد کے قریب اترے تو حضرت سید نے انہیں پیغام بھیجا کہ سلطان کا یہاں آنا اس شخص (یعنی میری) کی خواہش کے مطابق واقع نہیں ہوا۔ تم خود سلطان کے پاس جاؤ اور جس بات سے اس کے دل میں تشویش پیدا ہوئی ہے اسے دور کر کے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ ہمیں اس میں مضائقہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کی خواہش کے مطابق نہیں آیا تو سلطان کو ہمارے پاس بھیج دیجیے۔ پھر ہم جانیں اور

ہمارا بادشاہ! آپ آفاقی لوگوں میں سے ہیں۔ آپ کو ہمارے بادشاہ سے کیا کام؟ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں سلطان کی نیابت کرنے کی ہوس[1] وآرزو[2] نہیں کہ ہم اس باب میں تم سے جھگڑیں لیکن وہ بادشاہ جس سے ہم نے اور تم نے بیعت کی ہو اور وہ اپنی جان کا خطرہ دیکھ کر منتقل ہوکر ہمارے پاس آیا ہو اسے خواہی نخواہی تمہارے پاس نہیں بھیجا جاسکتا۔ تم خود آؤ اور تسلی کر کے لے جاؤ۔ ان لوگوں کے دل میں یہ خدشہ تھا کہ مبادا حاجی خان اور شیر خان فولادی مل کر آئیں اور سید سے ملحق ہو جائیں[3]۔ چنانچہ انہوں نے توپوں کو جو مقابلہ میں رکھی تھیں سر کیا۔ اس وقت حضرت سید میدان جنگ کی طرف متوجہ ہوئے۔

اتفاق سے ندی کے کنارے راستے میں ایک جری[4] پیش آگئی۔ حضرت سید نے اپنے گھوڑے کی باگ نیچے سے اس کے اوپر کی طرف چلائی۔ وہ بیچ (قلب) کی جگہ تھی۔ حضرت سید کا گھوڑا خود دشواری سے اوپر چڑھا۔ ان کے پیچھے ان کے پوتے سید حامد تھے جو کم عمر تھے، بارہ تیرہ سال کے، ان کے جسم پر بھاری ہتھیار تھے اور گھوڑے پر پاکھر بھی ڈالا تھا وہ اوپر نہ جاسکے۔ وہ بلندی کے قریب پہنچے ہی تھے کہ پاؤں پھسلا اور گر پڑے۔ اور وہ بھی گھوڑے سے الگ گرے۔ پیچھے کے آدمی اتر کر ان کی سواری میں مدد دینے لگے۔ شور وغوغا ہونے لگا۔ راہ تنگ تھی۔ وہ بند ہوگئی۔ کسی کو حضرت سید کے پیچھے راہ نہ ملی۔ انہوں نے سمجھا کہ لوگ پیچھے سے آتے ہیں۔ چند قدم ہی چلے تھے کہ وہاں اعتماد خان کے ملازموں میں سے حبشیوں کی ایک جماعت قراولی کے طور پر کھڑی تھی۔ اس نے پہچان لیا اور ان پر ہر طرف سے نیزوں سے حملہ کر کے شہید کر دیا۔ سید حامد کو سوار کرنے کے بعد جب فوج اوپر آئی تو سید کو نہ دیکھا۔ انہیں تلاش کیا لیکن نہ پایا تو پریشان ہوگئی۔ بغیر سر کے

---

[1] نیابت

[2] وزارت

[3] اس زمانہ میں کام دور دراز ہو جائے گا۔

[4] بلندی۔

جسم سے کیا ہو سکتا ہے اور بغیر ہاتھ کی آستین سے کیا کھلتا ہے؟ لوگ منتشر ہو گئے اور حضرت سید کے بیٹے خدمت سید میران نے جو ہراول تھے مقابل فوج پر حملہ کر کے اسے اکھاڑ دیا اور آگے ڈال کر شہر سے گذر کر دوبارہ جنگاہ میں آ گئے۔ وہاں اپنے لشکر کو شکست یافتہ پایا۔ وہاں سے وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ اتفاق سے جہاں حضرت سید کی نعش پاک پڑی تھی وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ حضرت سید کا غلام سیدی سعد سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھے بیٹھا ہے۔ حضرت سید کی نعش پاک کو اٹھا کر بانات میں لپیٹ کر اسی جگہ کہ فی الحال ان کی قبر ہے دفن کر دیا اور اپنے بسی لے کر قصبہ کریج کی طرف روانہ ہو گئے۔

سلطان احمد نکل کر احمد آباد گیا لیکن سلطان کی فوج کے مقدمہ نے کہ اعظم ہمایوں تھا غنیم سے خوب جنگ کی اور کھیت رہا۔ سید پورہ لوٹ لیا گیا لیکن گجرات کے لوگوں کا قاعدہ یہ تھا کہ آپس کے عناد و بدخواہی کے باوجود اس قسم کے حادثات میں کوئی کسی کے بسائی پر حعرض نہیں ہوتا تھا۔ سردار لشکر ہزیمت اٹھا کر دس بارہ کوس جا کر ٹھہر جاتا تھا۔ فتح کرنے والا لشکر اور ہزیمت خوردہ لشکر دونوں احمد آباد آتے تھے۔ چند روز کے بعد لوگ بیچ میں پڑتے اور ایک دوسرے سے صلح کروا دیتے تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد پھر وہی پیالہ میں شوربہ تھا اور جنگ وجدل کی روٹی موجود تھی۔

مخفی نہ رہے کہ حضرت سید کی شہادت کے وقوع سے آنحضرت کی تین کرامتیں خاص و عام نے دیکھیں۔ ایک یہ کہ جب کبھی حضرت سید کو تشویش بدنی عارض ہوتی اور غلبہ پاتی مثلاً بخار یا اسہال تو ان کے دوست رونے اور بے چینی ظاہر کرنے لگتے تھے تو وہ منع فرماتے اور کہتے کہ مجھے میرے بزرگوں سے بشارت ملی ہے کہ میری موت شہادت سے موصوف ہوگی۔ حاضرین مجلس کے دل میں یہ خیال آتا کہ اہل گجرات کے درمیان ہمیشہ مسلمانوں میں حصول جاہ اور نفس شوم کی مرادوں کے لیے جنگ ہوتی رہتی ہے تو پھر حضرت سید کو شہادت کس طرح میسر ہوگی؟ تو ایسا ہوا کہ حق تعالیٰ رتبۂ سیادت و شہادت کو جمع کرنے کے لیے سلطان احمد کو کہ بادشاہ وقت تھا ظالموں کے ہاتھ سے حضرت سید کی

خدمت میں داد پانے کے لیے آیا اور ظالم از راہ ظلم سلطان کے پیچھے آئے اور تلواروں کے ردو بدل کے وقت تک حضرت سید کے ذریعہ صلح کا پیغام درمیان رہا لیکن ظالم لشکر اور آلات جنگ مثلاً توپ وتفنگ کی کثرت کے غرور کی وجہ سے نہ مانے اور جنگ پر اقدام کر کے حضرت سید کو شہید کر دیا۔ حضرت سید کی دوسری[1] کرامت یہ ہے کہ جب وہ جنگ کے ارادہ سے سوار ہوئے تو اپنی پگڑی اپنے سر سے اتار کر اپنے پوتے سید حامد کے سر پر رکھ دی اور فرمایا کہ آج ہماری شہادت کا دن ہے۔ یہ پگڑی تم کو مبارک ہو! تیسری یہ کہ انہیں اس وقت جیسا کہ اتفاق پڑا ایسی جگہ دفن کیا گیا جیسی ان کی وصیت تھی اور ان کے عظیم الشان خوارق اور عالی درجہ کرامات بہت ہیں۔ اس مختصر میں ان تمام کو شامل کرنے کی گنجائش نہیں۔ مخفی نہ رہے کہ انہیں دین کی دولت اور یقین کی نعمت محققوں کے چاند اور عارفوں کے سورج اور حرمین شریفین کے حاجی سید[2] عبدالوہاب سے ملی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک مدت تک حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں رہے اور ان سے فیض حاصل کرتے تھے۔ ایک بار ایک بڑی جماعت حضرت حاجی کی خدمت میں آئی۔ ماحضر اس قدر نہ تھا کہ سب کے لیے کافی ہوتا۔ خدمت سید نے اسی وقت اپنے گھر اور بازار سے بہت سا کھانا ہر قسم کا منگوایا اور باورچیوں کے سپرد کر دیا۔ حضرت حاجی نے اس مقتضا سے کہ گھر میں جو کچھ تھا اور مہمان جو طلب کرتے تھے اتنا کھانا تیار کیا گیا جو کافی ثابت ہوا۔ مجلس سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے باورچی خانہ کے داروغہ سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ جب بہت سے مہمان آگئے تو سید مبارک بہت سا کھانا لائے اور ہمارے سپرد کیا اور جب ہم نے مقررہ خوراک تیار کی تو وہ کھانا بھی ہمراہ کر دیا۔ حضرت حاجی بہت خوش ہوئے اور فرمایا

---

[1] ج : اہل دانش کی عقل پر یہ بات ظاہر و روشن ہے کہ حضرت سید بادشاہ کی جانب تھے۔ غنیم کا لشکر پورا باغی تھا لہٰذا جو کوئی بادشاہ کی دولت خواہی اور ہواداری میں باغی لشکر کے ہاتھوں مارا جائے وہ پاک شہید ہے۔

[2] ب : بخاری

کہ ''سید مبارک! رحمت حق کا دروازہ کھلا ہے۔ مانگو جو کچھ مانگنا ہے۔'' سید نے عرض کیا کہ مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ حجرہ میں بیٹھوں اور خدا کو حاصل کروں۔ بندہ کی خواہش یہ ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر حق سے واصل ہو جاؤں۔ حضرت حاجی نے فرمایا کہ سید تم نے دونوں چیزیں مانگ لیں!۔[بیت]

تمہیں کلاہ ترکی رکھنے کی ضرورت نہیں

درویش صفت رہو اور کلاہ ترکی رکھو

اس سچے مرشد کی باطنی عنایت سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے سید کو روز بروز ترقی دارین نصیب فرما کر بڑا عبادت گذار بنا دیا۔ ہمیشہ وضو کا ہتھیار بدن پر رکھتے تھے۔ بعض اوقات عارضۂ اسہال میں سردیوں کی راتوں میں ایک رات میں بیس اور تیس مرتبہ قضائے حاجت واقع ہوتی تھی اور جب فارغ ہوتے تو وضو مسواک کے ساتھ کرتے اور دو رکعت شکرانۂ وضو ادا کرتے اور پھر لیٹتے تھے اور دنیاداری کے تجمل سے گھر جانے کے باوجود مثلاً گھوڑا ہاتھی اونٹ نوکر چاکر، نقدی میں سے ایک پیسہ بھی باقی نہ رہتا تھا۔ تمام نقد خرچ کر دیتے تھے۔ میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ ایک رات انہیں بہت بیقراری ہوئی۔ ہر چند پہلو بدلتے تھے نیند خلاف عادت چشم مبارک میں نہ آتی تھی۔ کہا کہ کیا سبب ہے آج رات مجھے نیند نہیں آرہی؟ حاضرین میں سے ہر کسی نے کچھ کہا۔ فرمایا کہ دل[1] میں جمی نہیں۔ محمود خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ نقدی میں سے کوئی چیز خزانہ میں ہے؟ وہ بولا آج رات چند ہزار تنکہ فلاں موضع سے آئے لیکن چونکہ بے وقت تھا میں نے عرض نہیں کیا۔ فرمایا کہ مجھے نیند نہ آنے کی وجہ یہی ہے۔ جلد لے آ۔ اس نے نقدی حاضر کر دی۔ اسی وقت بانٹ کر آرام سے سو گئے۔

شہادت کے بعد ایک رات خواب میں میرے والد سے کہا کہ میاں منجھو! حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے چار سبب سے ولایت کا درجۂ اعلیٰ مجھے کرامت فرمایا۔ ایک سبب میری

---

[1] ج: سید کے دل میں نہیں جمی۔

سادت، دوسرا سبب شہادت، تیسرا سبب مسواک کے ساتھ ہمیشہ باوضو رہنا اور چوتھا سبب خدائے پاک کی راہ میں خیرات کرنا۔ جب فرمان رب العزت کے مطابق شہداء دوسرے شہروں کو فتح کرنے کے لیے جاتے ہیں تو ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں لیکن گجرات کی فتح کے لیے میں اکیلا مامور ہوں۔ جس طرف بھی فتح مقدر ہے اس طرف میں امداد ہوتا ہوں۔

مختصر یہ کہ حضرت سید کی شہادت کے بعد اعتماد خان، عماد الملک اور سارا لشکر احمد آباد آ گیا۔ موسیٰ خان فولادی نکل کر پٹن گیا۔ چند روز کے بعد عماد الملک نے خدمت سید میران کو بلایا اور جاگیر کی مہم سازی کی بات کی۔ آج کل کہ کسر دو تین ماہ تک معاملہ ٹالتا رہا۔ اسی فرصت میں پٹن اور اس کے مضافات کے سوا جو موسیٰ خان اور شیر خان کی جاگیر میں مقرر تھے دوسرے تمام پرگنے جو حضرت سید کی جاگیر میں تھے ان پر عماد الملک اور اعتماد خان کے آدمی قابض ہو گئے۔ حضرت میران کے وکیل مستقل عماد الملک کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک دن خدمت سید میران نے میرے والد سے کہا کہ میاں منجھو! ہمارے وکیل ہمیشہ عماد الملک کے پاس جاتے ہیں اور وہ آج کل کے وعدہ پر فریفتہ رکھتا ہے۔ آج آپ عماد الملک کے پاس جائیے اور اس کا دل ٹٹولیے کہ وہ ہمارے ساتھ کس مقام پر ہے (یعنی ہم سے کیا تعلق رکھتا ہے)۔

میرے والد گئے۔ ملک سے ملاقات کی۔ اس نے اتنی تعظیم وتکریم کی کہ اس سے یہ سمجھ میں آیا کہ کثرت تواضع نفاق سے پیدا ہوتی ہے۔ وداع کے وقت کہا ''خاطر جمع رکھیے میں آج اعتماد خان کے اتفاق سے آپ کی جاگیر مقرر کر دیتا ہوں۔'' میرے والد کو وداع کیا۔ وہ اٹھے۔ بہرام خان حبشی جو عماد الملک کا وکیل تھا میرے والد سے خصوصیت رکھتا تھا۔ وہ عماد الملک کے پیچھے بیٹھا تھا۔ رخصت ہوتے وقت اس نے ہاتھ کے اشارہ سے بلایا۔ میرے والد اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ چونکہ لوگوں کا ہجوم تھا عماد لا ملک اس

حال سے مطلع[1] ہوگیا اور منہ اہل مجلس کی جانب کر کے کہا کہ میاں میران مجھ سے جاگیر طلب کرتے ہیں۔ میں نے جو انہیں بلایا ہے اس لیے نہیں کہ انہیں میاں بناؤں بلکہ اس لیے بلایا ہے کہ انہیں بابو بنادوں یعنی فقیر۔[2] یہ بات عماد الملک کی زبان سے نکلی اور میرے والد کے کانوں تک پہنچی۔ خدمت میران میں آ کر جو کچھ ہوا تھا اول سے آخر تک بیان کردیا۔ خدمت میران کو پوری ناامیدی ہوئی۔ لشکر بے طاقت ہوگیا۔ میرے والد سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے۔[3] (انہوں نے کہا) ''چونکہ میں اعتماد خان سے نہیں ملا ہوں، ایک بار اس سے بھی مل لوں کہ وہ اس باب میں کیا کرتا ہے۔

میرے والد نے اعتماد خان کے پاس آ کر حقیقت معلوم کی۔ اعتماد خان تہہ دل سے حضرت سید مبارک کا مخلص تھا لیکن چونکہ سلطان احمد بھاگ کر حضرت سید کے پاس گیا تو وہ ڈرا کہ مبادا حضرت سید کی حمایت سے سلطان احمد قوت پکڑے اور یہ میری عمر و دولت کے فنا ہونے کا موجب بن جائے۔ اور عماد الملک بھی اسی ڈر سے اس سلسلہ کا متحرک ہوا کہ سید پر چڑھائی کر کے انہیں شہید کردیا لیکن اعتماد خان اس واقعہ کے ہونے کے بعد بہت زیادہ متحیر اور پریشان ہوگیا کیونکہ جب کبھی ناصر الملک یا عماد الملک کے ساتھ اس کا جھگڑا ہوتا تھا اور مشکل پیش آتی تھی تو حضرت سید کی حمایت سے اس کے مقصود کا پلہ وہ رجحان پیدا کرتا تھا کہ کسی جھگڑے سے اسے ضرر نہ پہنچتا تھا۔ اب وہ یہ امید خدمت میران سے رکھتا تھا۔ میرے والد سے اس نے کہا کہ عماد الملک کی نیت خود آپ کو معلوم ہوگئی۔ خاطر جمع رکھیے کہ اگر عبد الکریم اپنے قالب میں جان رکھتا ہے تو ایک ہفتہ میں خدمت میاں[4] کی مہم سازی تفصیل سے دوں گا۔ اعتماد خان کا نام عبد الکریم تھا۔ جب کبھی وہ خود کا

---

[1] ج: نہ ہوا۔

[2] ج: غلام۔

[3] یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ چھپنے سے رہ گیا ہے۔ مترجم۔

[4] ج: سید میران

ذکر کرتا تھا تو اپنا نام لیتا تھا۔ میرے والد نے آکر حقیقت میاں کی خدمت میں عرض کردی اور شروع مہم سازی کے حصول سے کیا۔ اعتماد خان نے وعدے کے مطابق پانچ پرگنے خدمت میاں میران کی جاگیر میں بطور تنخواہ مقرر کر دیے۔ ایک دھولقہ اور کرنج اور بہیول[1] اور سرنال اور باراسینول۔

عماد الملک[2] کو برا لگا۔ اس نے اختیار الملک سے کہا کہ کرنج اور سرنال اور باراسینول میں نے تمہیں دیے اور بہیول جھوجھار خان حبشی کو دیا۔ یہ لوگ خدمت سید میران کے آدمیوں کو آنے سے پہلے جاکر ان پرگنوں کو خود کے تصرف میں لے آئے۔ دھولقہ میاں کے تصرف میں رہا۔ اس اثنا میں عماد الملک اور اعتماد خان کے درمیان جھگڑے کا بیج اس تقریب سے پھر اگا کہ سلطان احمد نے مخفی طور پر عماد الملک کے ساتھ سازش کی۔ عماد الملک نے اپنے بیٹے چنگیز خان کو بھروچ سے لشکر کے ساتھ طلب کیا اور اعتماد خان نے تتار خان کو جوناگڈھ سے بلایا۔ چنگیز خان نے آکر مقام محمود آباد میں قیام کیا اور تتار خان نے موضع سانند میں جو احمد آباد سے سات کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عماد الملک نے اعتماد خان کو اطلاع دی کہ تمہارا بھتیجہ چنگیز خان آگیا۔ ہم اس کے استقبال کو جاتے ہیں۔ اگر آپ بھی اسے سرفراز کریں تو پھر ہم ساتھ جائیں۔ اعتماد خان نے کہا کہ تم چلو ہم بھی آتے ہیں۔ عماد الملک گیا۔ اعتماد خان نے ملک شرق کو بھیجا کہ اس سے پہلے کہ چنگیز خان شہر میں آئے تو تتار خان کو لے آؤ۔ ملک شرق تیز رفتار کھور بہل پر سوار ہو کر موضع سانند پہنچا اور تتار خان کو چنگیز خان سے پہلے شہر لے آیا۔ اس کے بعد عماد الملک بھی چنگیز خان کو شہر لے آیا۔ جھگڑے کا بیج جو سبز ہو چکا تھا اس نے ڈالیاں اور پتے پیدا کیے۔ دھیرے دھیرے نوبت یہاں تک پہنچی کہ عماد الملک نے توپیں بھدر کے اوپر جو بادشاہ کا دربار ہے چڑھادیں اور اعتماد خان کی حویلی پر داغ دیں۔ اعتماد خان نکل کر شہر سے باہر آگیا اور وہاں

---

[1] ج: بہیل

[2] ج: "عماد الملک.... باراسینول" نہیں ہے۔

سے سرخیز چلا گیا۔ وہاں سے تھل جہالورہ[1] جو کڑی پرگنہ کے گانووں میں سے ہے اور احمد آباد سے دس کوس کے فاصلہ پر ہے منزل کی۔ اس نے موسیٰ خان، شیر خان اور حاجی خان کو پٹن سے طلب کیا اور فتح خان بلوچ کو رادھن پور سے اور اپنے لشکر جو تمام پرگنوں میں تھا جمع کر کے پھر باری نرسنگھ پور[2] آکر مقام کیا۔

اور عماد الملک کو پیغام بھیجا کہ جلدی اپنی جاگیر پر چلا جائے ورنہ دشمنی کا نتیجہ بھی بھی مل جائے گا اور وہ بھی میسر نہ ہوگا۔ عماد الملک نے دیکھا کہ فی الحال اعتماد خان کا مقابلہ کرنا فائدہ نہ دے گا تو وہ نکل کر بھروچ چلا گیا۔ سلطان احمد شہر میں رہ گیا۔ اعتماد خان بھی شہر میں آیا اور اپنی چوکی کے آدمیوں کو سلطان احمد کی حفاظت کے لیے بھیجا اور اغیار کے خوف کے بغیر حکومت کرنے لگا۔ سوائے عماد الملک کے گجرات کے تمام امراء نے اس سے بیعت کر لی۔ حاجی خان کو کڑی کا نصف پرگنہ دے کر اپنا نوکر بنالیا۔ موسیٰ خان کو پٹن کی اجازت دی اور فتح خان بلوچ کو رادھن پور بھیجا۔ عماد الملک نے چند ماہ بھروچ میں رہ کر خداوند خان پر جو اس کے بیٹے کا خسر تھا اور سورت کا قلعہ اور اس کے مضافات اس کے تصرف میں تھے چڑھائی کی اور خداوند خان سے سورت کا قلعہ طلب کیا۔ خداوند خان قلعہ بند ہو گیا۔ کچھ عرصہ اس طرح سے گذرا۔ آخر کار جب دیکھا کہ امرائے گجرات میں سے کوئی اس کی مدد نہیں کرتا تو اس نے عماد الملک سے اس قرار پر صلح کی طرح ڈالی کہ سورت کا قلعہ اسے دے دے۔ عماد الملک کو مہمان بلایا۔ وہ رشتہ داری کے بھروسہ پر قلعہ میں گیا

---

[1] ب : بھیل جہالورہ، ج : تھل جاپورہ

[2] الف : اس نے سنا کہ خداوند خان کے بھتیجے کو جو بندر سورت کا حاکم تھا خبط دماغ پیدا ہو گیا ہے اور اس نے ظلم و تعدی حد سے آگے بڑھا دی ہے۔ سورت کے لوگوں نے عماد الملک کو لکھا کہ ہم اس کے ظلم سے تنگ آگئے ہیں۔ ہماری فریاد کو پہنچ۔ تو عماد الملک نے اس پر چڑھائی کی۔ وہ قلعہ بند ہو گیا۔ چند ماہ جنگ و جدل میں گذرے۔ امرائے گجرات میں سے کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ آخر کار خداوند کان نے عماد الملک کے ساتھ طرح آشتی ڈالی۔

اور مہمان بنا۔ اس نے عماد الملک کو غدر سے [1] مار ڈالا۔ لشکر برگشتہ ہو کر بھروچ آیا۔ تین چار ماہ کے بعد عماد الملک کے بیٹے چنگیز خان نے لشکر لے کر سورت پر چڑھائی کی۔ خداوند خان قلعہ بند ہو گیا۔ آخر کار چنگیز خان ولایت دَمَن اور سجان [2] جو گجرات کے مضافات میں تھے فرنگیوں کو دے دیے اور انہیں اپنی مدد کے لیے بلایا۔ فرنگی بہت سی کشتیاں لائے اور دریا کے راستے کو جس سے اشیائے خورد و نوش لاتے تھے بند کر دیا۔ خداوند خان عاجز ہو گیا۔ آخر چنگیز خان سے ملا۔ چنگیز خان نے اسے اپنے باپ کے قصاص میں قتل کر دیا اور سورت کے قلعہ پر قبضہ کر لیا

اس [3] کے بعد الوغ خان اور جھو جھار خان حبشی پر جو بزودہ میں تھے لشکر کشی کی۔ حبشیوں نے جنگ کر کے شکست کھائی۔ اودے منگل نامی ہاتھی کہ مشہور تھا وہ الوغ خان سے مع جھنڈے اور نقارے کے چنگیز خان کے ہاتھ آئے۔ وہ بزودہ کو اس کے مضافات کے ساتھ اپنے تصرف میں لے آیا۔ کتوں کو الوغ خان اور جھو جھار خان کے نام دے کر ان کے جھنڈوں کے پرچم ان کتوں کے گلے میں باندھے۔ حبشی لوگ اعتماد خان کے پاس آئے۔ اعتماد خان نے اپنی کل ولایت میں سے انہیں جاگیریں دیں۔ کچھ عرصہ بعد اس نے چنگیز خان پر فوج کشی کی۔ چنگیز خان بھروچ میں قلعہ بند ہو گیا۔ آخر کار تتار خان غوری نے بیچ میں پڑ کر التماس کیا کہ ولایت بزودہ چنگیز خان کے لیے چھوڑ کر اور صلح طے کر کے واپس لوٹ جائیں۔ ہر چند تتار خان نے مبالغہ کیا لیکن اعتماد خان نے قبول نہ کیا۔ تتار خان

---

[1] ب : ماہ رمضان کی ۲۷ تاریخ ۹۶۶ھ۔ اس کے بعد اس کا لشکر واپس ہو گیا۔

[2] ز : سمان (ممکن ہے یہ لفظ سنجان ہو۔ سنجان سمندر کے کنارے ہے۔ اور دَمَن موجودہ زمانہ کا ڈمن ہو۔ مترجم)

[3] الف : اس اثنا میں الوغ خان فوت ہو گیا۔ حبشیوں نے کہ ان میں سب سے بہتر جھو جھار خان تھا، الغ خان کا بیٹا، اسے الغ خان کا خطاب دے کر اس کا حکم ماننے لگے۔ چونکہ اس باب میں انہوں نے چنگیز خان سے مشورہ نہیں کیا تھا اور اس کے بیٹے کو اس کا خطاب دے دیا تو چنگیز خان کو برا لگا۔

اعتماد خان سے رنجیدہ ہوگیا اور مخفی طور پر اس نے موسیٰ خان اور شیر خان کو لکھا کہ اگر اعتماد خان نے بھروچ چنگیز خان سے لے لیا تو وہ نہ تمہیں گجرات میں باقی چھوڑے گا اور نہ کسی اور کو۔ اگر تم کر سکتے ہو تو فتح خان بلوچ کو شکست دینے میں تقصیر نہ کرو کیونکہ اعتماد خان فتح خان کے بھروسہ پر احمد آباد کی طرف سے خاطر ہو کر چنگیز خان پر ظلم کر رہا ہے۔ جیسے ہی وہ چنگیز خان کو پامال کر دے گا وہ اپنا دست تغلب تمہاری طرف دراز کرے گا۔

[بیت]

کسی واقعہ کا علاج اس کے وقوع سے پہلے کرنا چاہیے

جب کام ہاتھ سے نکل گیا تو پھر افسوس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا

جب انہوں نے تتار خان اور اکثر امراء سے اشارہ پایا تو فتح خان بلوچ پر چڑھائی کر کے رادھن پور کے قریب جنگ کی۔ فتح خان شکست کھا کر دھول کوٹ کے قلعہ میں جو رادھن پور کے قریب واقع ہے داخل ہوگیا۔ یہ خبر سن کر اعتماد خان بھروچ کو اپنے حال پر چھوڑ کر احمد آباد آیا اور سلطان احمد کی کارسازی کی فکر میں لگ گیا۔ اس نے دیکھا کہ آفاقی لوگ گجرات میں بہت جمع ہوگئے ہیں سلطان احمد کا ان کی طرف میلان ہے۔ اگر باہر نکل کر وہ ان سے ربط پیدا کرلے گا تو اس وقت علاج مشکل ہو جائے گا۔ حالانکہ سلطان احمد کم ظرف تھا۔ جب بھی شراب پیتا تو نشہ کی وجہ سے تلوار کھینچتا اور پنہاں طور پر کیلہ کے درخت پر مارتا اور کہتا کہ اس ضرب سے میں نے اعتماد خان کا سر اڑا دیا اور پھر دوبارہ کیلہ کے درخت کو کاٹتا اور کہتا کہ اس چوٹ سے عماد الملک کا سر جدا کر دیا۔ اسی طرح ہم نے وجیہ الملک اور رضی الملک کو قتل کر دیا۔ ایک ایک کا نام لیتا اور کیلہ کے درختوں کا کاٹتا تھا۔

مختصر یہ کہ وجیہ الملک اور رضی الملک کہ دونوں اعتماد خان کے صاحب مشورت وزیر تھے اس کا باعث ہوئے کہ اس سے پہلے کہ سلطان احمد ہمیں قتل کر دے ہم سلطان احمد کو قتل کر دیں۔ کہتے ہیں کہ ان دنوں سلطان احمد کو اتنی قدرت حاصل ہوگئی تھی کہ وہ شہر سے دو کوس اور تین کوس تک بطور خود شکار کے لیے جاتا تھا اور کبھی سوار ہو کر اعتماد خان کے گھر

وقتاً فوقتاً آتا رہتا تھا۔ اعتماد خان ڈرتے کانپتے اس کا استقبال کرتا اور اس کے ساتھ نرمی برتتا تھا۔

مختصر یہ کہ ہر چند وجیہ الملک اور رضی الملک سلطان کے قتل کر دینے میں مبالغہ کرتے تھے اعتماد خان ٹالتا رہتا تھا۔ ایک دن انہوں نے خفیہ طور پر سلطان احمد کو پیغام بھیجا کہ اگر سلطان ہمیں وزارت کا وعدہ دے کر امیدوار بنائے تو ہم اعتماد خان کو قتل کرنے کا انتظام کریں گے اور امر سلطانی کے نفوذ کی راہ سے یہ کانٹا اکھاڑ کر عدم کی آگ میں ڈال دیں گے۔ سلطان نے اپنی نادانی کی وجہ سے باور کرلیا اور وزارت و وکالت کے وعدہ سے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ انہوں نے یہ بات اعتماد خان کے سامنے بیان کی۔ اعتماد خان نے کہا کہ جب تک میں اپنے کانوں سے نہ سن لوں میں باور نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا کہ رات ہمارے گھر آیئے۔ ہم سلطان احمد کو بھی بلاتے ہیں۔ جس کا ذکر ہو خود سن لینا۔ اعتماد خان نے قبول کیا۔ انہوں نے سلطان کو کہلوایا کہ اگر ہم سلطان کے دربار میں آتے ہیں تو جاسوس اعتماد خان کو خبر پہنچادیں گے۔ چنانچہ سلطان اکیلے بندہ وجیہ الملک کے گھر کہ بادشاہی محلات سے متصل ہے تشریف لائیں تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ پکا وعدہ ایمان کے ساتھ مضبوط کر کے مقررہ امر شروع کر دیں۔ پہلے انہوں نے اعتماد خان کو ایک کمرہ میں بٹھا کر دروازہ بند کر دیا اور اس کے سامنے سلطان کے بیٹھنے کے لیے تخت رکھ دیا۔ اس کے بعد سلطان کو بلایا۔ سلطان اکیلا آکر تخت پر بیٹھ گیا۔ انہوں نے پھر وہی بات چھیڑی۔ سلطان نے اپنی سادہ دلی سے وہی بات دہرائی جو کہی تھی۔ اعتماد خان فوراً دروازہ کھول کر باہر آگیا اور کہا کہ میں نے تیرے حق میں کیا بدی کی ہے کہ تو میرے قتل کی سوچتا ہے۔ اعتماد خان کو دیکھتے ہی سلطان کی جان نکل گئی۔

اعتماد خان نے اپنے غلاموں کو اشارہ کیا کہ اسے پیٹیں اور بعد میں مار ڈالیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ سابھرندی اور محلات شاہی کے بیچ میں جو ریت ہے وہاں لے جا کر دفن کر دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور یہ ہوا پیر کی رات ۱۵ ماہ

شعبان ۹۶۸ھ کو اور عبارت مقتول[1] شد بیگناہ" سے بھی یہ تاریخ نکلتی ہے۔ ایک ہندی شاعر جس نے گجراتی زبان میں اس کی تاریخ کہی یہ ہے۔

احمد چالی کس برہ کس نس جھو داساتھیہ
بابو پوچھیں جی تیجی کہیں دوشنبہ رات

(اس شعر میں) تاریخ کا مخرج "دوشنبہ رات" ہے۔ مختصر یہ کہ صبح یہ خبر اڑائی کہ سلطان بھاگ گیا۔ اسے ڈھونڈو۔ کچھ عرصہ کے بعد کہا کہ سلطان احمد کو فدائیوں نے مار کر سابھر ندی کی ریت میں دفن کردیا۔ آخر کار وہاں سے نکال کر احمد آباد کے بانی سلطان احمد کے حظیرہ میں جو مانک چوک میں واقع ہے دفن کردیا۔ کیا اچھا کہا ہے کسی نے۔

[بیت]

تاج سلطان کا شکوہ جس میں جان کا ڈر درج ہے
ٹوپی تو دلکش ہے لیکن سر ترک کردینے کے لائق نہیں

1 ج: "اور عبارت... مختصر یہ کہ" نہیں ہے۔

چھتیسواں باب

اعتماد خان[1] کے سلطان احمد ثانی کے قتل کے بعد سلطان مظفر کو تخت پر بٹھانے موسیٰ خان اور شیر خان فولادی پر لشکر کشی کرنے اور دیسی اور پردیسی امراء کا نفاق برتنے کا ذکر

اخبار کے بیان کرنے والے اور احوال آثار کی تلاش کرنے والے یوں روایت کرتے ہیں کہ ماہ شعبان ۹۶۸ھ میں سلطان احمد کے قتل کے بعد اعتماد خان نے سلطان مظفر کو تخت پر بٹھایا۔ چند ماہ کے بعد فتح بلوچ جس کا ذکر اوپر گذرا کا انتقام لینے کے لیے اس نے موسیٰ خان اور شیر خان پر چڑھائی کی لیکن اعتماد خان سے اس بُرے فعل (قتل سلطان) کے وقوع کے بعد تمام امراء اس سے ناراض ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ جس نے سلطان احمد کو مار ڈالا اسے کسی دوسرے کے قتل کرنے میں کیا دریغ ہوگا۔ اگر اس نے موسیٰ خان اور شیر خان کو عاجز کر دیا تو پھر وہ ہمارا اخراج اور قتل شروع کرے گا لہٰذا کوشش کرنی چاہیے کہ وہ لوگ اپنے حال میں رہیں کہ بندگان خدا کی خیریت اسی میں ہے۔ تمام امراء سوائے الغ خان اور جھو جھار خان حبشی کے کہ وہ اعتماد خان سے ملے ہوئے تھے یہ طے کر کے اعتماد خان کے ساتھ روانہ ہوئے۔

جب وہ شہر پٹن کے حوالی میں پہنچے تو موسیٰ خان اور شیر خان پٹن میں قلعہ بند ہو گئے۔ اعتماد خان نے محاصرہ کر کے حکم دیا کہ پٹن کے قلعہ کو توپ کی ضربوں سے منہدم کر دیں۔ حضرت سید میران اور حاجی خان اور اختیار الملک صلح کی بات درمیان لائے لیکن اعتماد خان نے قبول نہ کی۔ انہوں نے ہر چند سعی کی لیکن کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ آخر کار

---

[1] ج: ”اعتماد خان کے... کا ذکر“ نہیں ہے۔

موسیٰ خان اور شیر خان کو خبر کی کہ فی الحال جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ اب تم جانو اور اعتماد خان جانے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس معرکہ میں اُس کے ساتھ شریک نہ ہوگا بلکہ عین جنگ کے وقت لگام موڑ کر جس راستے سے آئے ہیں ادھر ہی چلے جائیں گے۔ موسیٰ خان اور شیر خان کی جمعیت ہزار پانچ سو سواروں سے متجاوز نہ تھی جبکہ اعتماد خان کا لشکر بیس ہزار سوار سے زیادہ تھا۔ لیکن چونکہ سب بیدل اور خوار تھے اعتماد خان کی مہم برہم ہوگئی۔ جس وقت موسیٰ خان اور شیر خان جنگ کے لیے نکلے اعتماد خان کی فوج کا مقدمہ اہل حبش پر مشتمل تھا۔ انہوں نے جنگ مردانہ کی لیکن شکست کھائی۔ حبشیوں کے شکست کھانے سے جو فوج جہاں تھی وہیں سے اس نے لگام موڑی اور روانہ ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ حاجی خان نے جمل کرکے کھڑا رہا کہ میں نے تمام عمر پیٹھ دشمن کو نہیں دکھائی ہے اِس وقت یہ کام کیسے کروں۔ مظفر خان شروانی نے جو اس کا وکیل تھا اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر لوٹایا اور کہا کیا تم افغان عورتوں کی چادر گجراتی پاجیوں کے ہاتھ دو گے؟ حاجی خان لاچار ہوکر روانہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ چیتوڑ کا راجہ ہمیشہ دعا کیا کرتا تھا کہ الٰہی جب تو نے مجھے حاجی خان کی جنگ میں شکست دی ایسی شکست حاجی خان کو کسی دوسری جنگ میں مت دینا۔ جب اس نے یہ واقعہ سنا دو دن تک کھانا نہ کھایا۔ آخر جب تحقیق ہوا کہ حاجی خان جنگ کیے بغیر مصلحتاً واپس ہوگیا اس وقت وہ بحال ہوا۔

مختصر یہ کہ اعتماد خان نے دیکھا کہ امراء میں سے ہر کسی نے بغیر جنگ کے دشمن کی طرف پیٹھ پھیر لی۔ یہ بات غدر سے خالی نہیں تو بھی ہزیمت اٹھا کر احمد آباد آ گیا۔ بیس ہزار سواروں کا ساز وسامان ہزار پانچ سو سواروں کے ہاتھ لگا انہیں قوت حاصل ہوئی اور اعتماد خان نے شکست کھائی۔[1] یہ واقعہ ماہ ذوالقعد ۹۶۸ھ کا ہے۔ اس کے بعد اس نے حاجی خان کی جاگیر میں پھیری پھار کردیا۔[2] تو وہ موسیٰ خان کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے

---

[1] ج: اعتماد خان نے یہاں آکر حاجی خانکو نوکری سے الگ کردیا۔
[2] ج: ''اعتماد خان نے.... پھیر پھار کردیا'' نہیں ہے۔

کہا کہ ہم دو بھائی تھے اب تین بھائی ہو گئے۔ انہوں نے اپنی ولایت کے تین حصے کر کے ایک حصہ حاجی خان کو دے دیا۔ حاجی خان کے آنے سے انہیں پوری قوت حاصل ہو گئی۔ اعتماد خان نے تتار خان کو پھر جونا گڈھ سے طلب کیا۔ اپنے دبیر حبیب خان کو نوازا اور اسے اعتبار الملک کا خطاب دیا۔ اسے دو ہزار سوار کا درجہ عنایت کیا لیکن وہ زیادہ حوصلہ مند تھا۔ وہ ہزار سوار سے زیادہ سنبھالتا تھا اور اچھے مردانہ آدمیوں کو نوکر رکھتا تھا۔ اعتماد خان کی پیشوائی کا تعلق اس سے ہو گیا۔ آخرکار اس نے تتار خان کی طرفداری اختیار کی اور اعتماد خان سے منحرف ہو گیا۔

مختصر یہ کہ اعتماد خان نے اس ارادہ سے پھر جمعیت پیدا کرنی شروع کی کہ موسیٰ خان اور شیر خان سے انتقام لے لیکن امراء میں سے کوئی بھی اس کے اِس ارادہ سے اتفاق نہیں رکھتا تھا حتیٰ کہ تتار خان بھی جسے اس نے خاک سے اٹھا کر بلند کیا تھا اس سے راضی نہ ہوتا تھا اور منع کرتا تھا۔ اس وجہ سے اعتماد خان کو تتار خان سے عداوت پیدا ہو گئی۔ تتار خان نے اس بہانہ سے کہ میں سورت جا کر اپنا لشکر لاتا ہوں رخصت طلب کی۔ اعتماد خان اس بات سے بہت زیادہ ناخوش ہوا۔ اعتبار الملک نے اصرار کیا کہ تتار خان کو رخصت دینی چاہیے۔ اس کی وجہ سے اعتماد خان کے دل میں اس کی بدخواہی پکی ہو گئی۔ ایک دن اس نے اعتبار الملک کو اپنے بالاخانہ پر بلایا اور پکڑ کر ہلاک کر دیا اور تتار خان کے گھر کو لٹوا دیا۔ اور آرائش خان کے گھر کو بھی کہ اعتبار الملک کا پوتا تھا لوٹ لینے کا حکم دیا۔ تتار خان آگاہ ہو گیا۔ اتنی فرصت اسے مل گئی کہ گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر شہر سے نکل آیا اور سرکھیج کی طرف بھاگ گیا اور آرائش خان اپنے گھر سے نکل کر دھولقہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حبشی ان کے پیچھے پڑے۔ تاتار خان جب موضع سانند پہنچا تو دیکھا کہ حبشی اس کے پیچھے پہنچ گئے۔ اس کے وکیل سید کبیر تیس چالیس سواروں کے ساتھ جو تاتار خان کے ہمراہ تھے موضع سانند کے قلعہ میں آئے اور شہرت کی کہ تاتار خان اس قلعہ میں آ گیا اور تاتار خان کو چند سواروں کے ساتھ کہا کہ حبشی اس قلعہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ تو جا اور خود

کو کہیں اور پہنچادے۔ ایسا ہی ہوا۔ جب حبشی آن پہنچے تو انہوں نے پوچھا تاتارخان کہاں گیا۔ گاؤں کے لوگوں نے کہا کہ اس قلعہ میں گھس گیا تو وہ قلعہ کو گھیر کر کھڑے ہو گئے اور اعتماد خان کے پاس آدمی بھیجا کہ ہم تاتارخان کو موضع سانتند کے قلعہ میں لے آئے ہیں۔ اسے پکڑ کر تمہارے پاس لاتے ہیں۔ قلعہ کا محاصرہ کر کے جنگ وجدل کا آغاز کیا۔ سید کبیر نے مغرب کی نماز تک جنگ کی۔ جب دیکھا کہ بہت لشکر آ گیا اور تاتارخان بھی کہیں پہنچ گیا ہوگا تو کہلا بھیجا کہ تم نے تاتارخان کے قصد سے حملہ کیا ہے لیکن تاتارخان یہاں نہیں ہے۔ میں کہ سید کبیر ہوں یہاں موجود ہوں۔ اگر تم کہو تو تم سے آ کر ملوں۔ انہوں نے کہا آؤ۔ سید کبیر آ کر ان سے ملے۔ وہ سید کبیر کو ہمراہ لے کر اعتماد خان کے پاس لے گئے اور صورت واقعہ بیان کی۔ اعتماد خان نے کہا کہ نوکر ایسا ہونا چاہیے کہ اپنے مالک کے کام آئے۔ انہیں سروپا (خلعت) دے کر چھوڑ دیا۔

مختصر یہ کہ اسی اثناء میں حضرت سید میران بھی احمد آباد سے نکل کر دھولقہ چلے گئے اور دھولقہ سے ڈھنڈوکہ تشریف لے گئے۔ تتارخان نے موضع رانپور پہنچ کر قیام کیا تھا۔ حضرت سید میران بھی وہاں پہنچ کر تتارخان سے مل گئے اور وہاں سے اتفاق کر کے موسیٰ خان کے پاس گئے۔ اس اثنا میں اعتماد خان نے پھر موسیٰ خان پر لشکر کشی کی۔ اس مرتبہ موسیٰ خان نے بھی شہر پٹن سے نکل کر قصبہ تانہ کے قریب جو شہر پٹن سے انیس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے جنگ کی۔ اعتماد خان دوبارہ ہزیمت اٹھا کر احمد آباد آ گیا اور یہ واقعہ[1] ۲۱ رماہ ذی الحجہ ۹۶۷ھ کا ہے۔ موسیٰ خان آ کر قصبہ جھوٹانہ میں جو پرگنہ کڑی کے دیہاتوں میں سے ہے بیٹھ گیا۔ سید میران پھر بیچ میں پڑے اور پرگنہ کڑی کا نصف حصہ جسکا تعلق حاجی خان

---

[1] ج: ''اور یہ واقعہ... ۹۶۷ھ کا ہے'' نہیں ہے۔

(یہ جملہ دوسرے نسخوں میں ہو تو بھی سنہ غلط درج ہے۔ یہ ۹۶۷ھ نہیں بلکہ ۹۶۹ھ ہونا چاہیے کیونکہ سلطان احمد کا قتل ۹۶۸ھ میں ہوا اور یہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ دراصل تسع وستین وتسعمایہ میں تسع کے بجائے سبع چھپ گیا ہے۔ مترجم)

سے تھا اعتماد خان سے لے کر حاجی کو دے دیا۔ موسیٰ خان کو جھوٹانہ سے واپس پھیر دیا۔ تاتار خان سورٹھ چلا گیا اور اعتماد خان نے حضرت سید میران کو تسلی دے کر بلایا۔ وہ آ کر دھولقہ میں قیام پذیر ہو گئے۔

پھر ایک مدت کے بعد اعتماد خان نے چنگیز خان کو بلایا اور اس کے ساتھ بہت نرمی برتی اور اسے ہمراہ لے کر موسیٰ خان اور شیر خان پر لشکر کشی کی۔ اس اثنا میں چنگیز خان اور الغ خان حبشی کے بیچ جھگڑا ہو گیا، اس درجہ کا کہ قتال تک نوبت پہنچی۔ چنگیز خان نے دیکھا کہ موسیٰ خان اور شیر خان ہنوز اپنی اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ اعتماد خان کا لشکر ہمارے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے جب موسیٰ خان اور شیر خان برطرف ہو جائیں گے تو یہ ہمیں اپنے حال پر کب چھوڑے گا؟ لہٰذا چنگیز خان نے موسیٰ خان اور شیر خان کے ساتھ سازش کی۔ اس اثنا میں موسیٰ خان بیمار ہو گیا۔ اعتماد خان جس دن موضع دھینوج کہ پٹن سے دس کوس پر ہے پہنچا موسیٰ خان فوت ہو گیا۔ چنگیز خان نے کہا کہ موسیٰ خان فوت ہو گیا اب یہ مناسب نہیں کہ ہم ایک مصیبت زدہ جماعت پر حملہ کریں۔ اعتماد خان چنگیز خان کے بل پر گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ چنگیز خان اور شیر خان نے باہم سازش کی ہے تو وہ مجبوراً واپس ہوا اور احمد آباد آ گیا۔ چنگیز خان اپنی ولایت پر چلا گیا اور حضرت سید میران اپنی جاگیر پر تشریف لے گئے۔

کچھ وقت اس طرح گذرا کہ مرزا ابراہیم حسین اور مرزا محمد حسین جو بادشاہ خراسان سلطان حسین بایقرہ کے پوتوں میں سے تھے اور بادشاہ جم جاہ کیوان رفعت، مشتری بہجت جلال الدین اکبر کی خدمت میں تھے وہ بغاوت کا راستہ اختیار کر کے وہاں سے نکلے اور چنگیز خان کے پاس آ گئے اور مرزا شرف الدین حسین جو حضرت خواجہ اصرار کے پوتوں میں سے تھے اس سے کچھ پہلے بادشاہ جم جاہ کی خدمت سے نکل کر گجرات میں موسیٰ خان اور شیر خان کے پاس آ گئے تھے۔ چونکہ اِن کا لشکر تمام افغانوں پر مشتمل تھا ان کا طریقہ مرزا کی طبیعت کے موافق نہ نکلا۔ وہاں سے نقل مکان کر کے کچھ عرصہ دھولقہ میں

سید میران کی صحبت میں مصاحب رہے۔ آخرکار چنگیز خان نے بلایا تو مرزا بھی چنگیز خان کے پاس چلے گئے۔ جب اس قسم کے لوگ چنگیز خان کے پاس جمع ہو گئے تو چنگیز خان اور شیر خان نے اتفاق کر کے یہ طے کیا کہ اعتماد خان کو بیچ میں سے نکال دیں۔ سابھر سے اِس طرف کی ولایت چنگیز خان سے تعلق رکھے گی اور اُس طرف کی شیر خان سے۔ اس قرار کے بموجب وہ پٹن سے احمد آباد کی طرف روانہ ہوا اور چنگیز خان بھروچ سے۔ حضرت سید میران شیر خان کے پاس گئے اور ان کے عزیز بیٹے بندگی سید حامد چنگیز خان کے پاس تاکہ انہیں اِس خروج سے منع کریں۔ شیر خان خود حضرت سید میران کے کہنے کے مطابق قصبہ کڑی کے نواح میں کہ احمد آباد ہے بیس کوس پر واقع ہے ٹھہر گیا لیکن چنگیز خان بے محابا بڑھتا ہوا آگیا۔ اعتماد خان نے حضرت سید میران اور سید حامد کے ساتھ کھاری ندی کے قریب جو احمد آباد سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ہے جنگ کی۔ چونکہ اس مقام پر تھوہڑ (زقوم) کا جنگل بہت گھنا تھا ہر فوج مقابل کی فوج سے لڑنے لگی کیونکہ دوسری فوج کو اس کی فتح یا شکست کی اطلاع نہ ہوتی تھی۔ چنگیز خان کی طرف سے ایک فوج اعتماد خان کے مقابل تھی۔ اس نے اعتماد خان کو شکست دی اور بندگی سید حامد سے جن کا مقابلہ چنگیز خان سے ہوا چنگیز خان نے ہزیمت اٹھائی چنانچہ فرار ہو کر محمود آباد جو میدان جنگ سے سات کوس کے فاصلہ پر تھا چلا گیا۔ چنگیز خان کا لشکر بھی چنگیز خان کے ہمراہ فرار ہو گیا اور اعتماد خان کا لشکر اعتماد خان کے ساتھ۔ میدان جنگ میں اعتماد خان کے لشکر میں سے سوائے سید میران اور سید حامد اور جنید کرمانی کے جو ولایت بنگالہ کے حاکم سلیمان افغان کا بھتیجہ تھا کوئی باقی نہ رہا۔

اور ان کے پیچھے میدان جنگ کے ایک کونہ میں اختیار الملک دو ہزار سواروں کے ساتھ جنگ کیے بغیر کھڑا تھا۔ جب بندگی سید حامد فتح کر کے چند گنے چنے سواروں کے ساتھ ایک ٹیکرے پر جو میدان کے بیچ واقع تھا کھڑے ہوئے تو ان کا لشکر بھی مال غنیمت کے لیے منتشر ہو گیا۔ اس اثنا میں اہل حبش کی ایک فوج تقریباً پانچ سو سواروں اور

ایک ہاتھی پر مشتمل سامنے نکلی اور آہستہ آہستہ سید کی طرف متوجہ ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ فوج کس کی ہے؟ بعض نے کہا کہ الوغ خان حبشی نے جو چنگیز خان کے پیچھے گیا تھا وہی پاس آرہا ہے۔ چونکہ رات قریب آچکی تھی پراگندہ لشکر بھی ہر طرف سے آکر اس فوج سے جڑ رہا تھا۔ ایک وقت میں قریب دو ہزار سوار اس فوج میں جمع ہوگئے۔ بندگی سید حامد نے میرے والد سے کہا کہ میاں مجھو اور الغ خان سے فتح کی مبارکباد کے بعد کہو کہ تم بھی اس میدان میں آکر کھڑے ہوجاؤ تاکہ پراگندہ لشکر جمع ہوجائے۔ میرے والد گھوڑا دوڑا کر اس فوج کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ یہ فوج کس کی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ الغ خان کی۔ انہوں نے مہاوت سے کہا کہ ہمیں راستہ دو کہ ہم خان کو فتح کی مبارکباد دیں۔ مہاوت نے ہاتھی کو اشارہ کیا۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ والد کی طرف ڈالی۔ میرے والد نے چاہا کہ اس سے جھگڑا کریں اس اثنا میں سید مبارک کے غلام حمزہ رومی کے بیٹے نے جوان کی شہادت کے بعد چنگیز خان کے پاس جاکر ملازم ہوگیا تھا میرے والد کو پہچان لیا اور اپنا ہاتھ میرے عالد کے زانو پر مار کر کہا کہ آپ کا اس فوج میں کیا کام؟ یہ فوج[1] بجلی[2] خان کی ہے اور بجلی خان چنگیز خان کا آدمی تھا۔ اس نے اپنے آدمیوں سے کہہ رکھا ہے کہ تم سے کوئی پوچھے کہ یہ فوج کس کی ہے تو اس سے کہہ دو کہ الغ خان کی ہے تاکہ لوگ ہر طرف سے آکر اس سے جڑ جائیں اور اس فوج میں عظمت پیدا ہوجائے۔ تم خود کو ایک کونہ میں لے جاؤ۔ میرے والد گھوڑے کی باگ پکڑ کر اس فوج سے نکل آئے اور حقیقت سید حامد کو بتلا دی۔ حضرت سید نے اختیار الملک کو کہلوایا کہ یہ فوج جو آتی ہے اگر آپ اتفاق کر کے قدم اٹھائیں گے تو انشاء اللہ فتح کرلوں گا۔ یہ منافق زبان سے اعتماد خان کے ساتھ تھا اور دل میں چنگیز خان کا دوست تھا اور حضرت سادات مذکور کو اہل عناد[3] کی طرح جواب دیا کہ یہ فوج بجلی خان کی

---

[1] ح: میرے والد نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ سید حامد کی طرف سے خان کو فتح کی مبارکباد دوں۔ یہ فوج الغ خان کی نہیں ہے۔

[2] ز: بجلی خان۔

[3] ح: دشمن جانی نے جواب دیا۔

نہیں ہے۔ چنگیز خان بذات خود اس فوج میں موجود ہے اور ہمارا پورا لشکر شکست کھا چکا ہے۔ اب ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ ہم چنگیز خان سے جنگ کر سکیں۔ سید حامد نے ہر چند مبالغہ کیا لیکن فائدہ نہ ہوا۔ ان کے دوستوں نے جب دیکھا کہ کام ہاتھ سے نکل گیا تو ان کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر واپس کر کے چل پڑے۔ فتح کا مقصد الٹا ہو گیا۔ اعتماد خان سلطان مظفر کے ہمراہ بھاگ کر قصبہ موڑاسہ چلا گیا اور چنگیز خان صبح احمد آباد آ گیا۔[1] اور سابھرندی کے اِس طرف کی پوری ولایت پر متصرف ہو گیا۔

باز بہادر[2] افغان جو کچھ عرصہ تک ولایت مالوہ کا بادشاہ تھا اور اسے اکبر شاہی افواج نے شکست دے کر اس دیار سے نکال دیا تھا بھی آ کر چنگیز خان کا نوکر ہو گیا۔ اور جنید کررانی[3] بھی چنگیز خان کا ملازم ہو گیا۔ چنگیز خان سلطان محمود کی مسند پر بیٹھ کر داد عیش دینے اور داد و دہش کرنے لگا۔ اگرچہ وہ سلطان کا غلام زادہ تھا لیکن شان بادشاہی اور دل دریا صفت رکھتا تھا جو اہل گجرات کو سلطان بہادر کے عہد کی یاد دلاتا تھا۔ جس دن بادشاہ جم جاہ اکبر شاہ کی لشکر کشی سے گھبرا کر عبداللہ ازبک ولایت مالوہ سے بھاگ کر اس کے پاس

---

1. الف : اس اثنا میں شیر خان کرٰی نے احمد آباد کے حوالی میں سابھرندی کے اُس طرف اترا۔ چنگیز خان نے جا کر ملاقات کی اور دونوں نے یہ طے کیا کہ سابھرندی کے اُس طرف کی ولایت پچھلی قرارداد کے مطابق شیر خان کی رہے گی اور ندی کے اِس طرف کی ولایت چنگیز خان کی۔ اس کے بعد شیر خان لوٹ کر کڑی پہنچ کر مقیم ہو گیا اور چنگیز خان احمد آباد میں متمکن ہو گیا۔

ج : اور چند افغان کرانی تھی۔

2. ج باز بہادر اور اس کی محبوبہ روپ متی کے متعلق جتنے بھی مضامین نظر سے گذرے ان میں یہی لکھا دیکھا کہ منڈو سے نکلنے کے بعد وہ کہاں چلے گئے کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ایک مضمون نگار نے البتہ سارنگ پور کی طرف جانے کا لکھا تھا۔ یہ قصبہ بھوپال کے جنوب مغرب میں ایک سو تیس کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ لیکن اب مراۃ سکندری سے پتہ چلا کہ باز بہادر منڈو سے نکل کر گجرات آ گیا تھا اور چنگیز خان کا ملازم ہو گیا۔ (غالباً روپ متی بھی ساتھ ہی آئی ہو گی۔ مترجم)

3. ج : جنید کررانی نے بھی جو حاکم بنگالہ سلیما کررانی کا بھتیجہ تھا چنگیز خان کی ملازمت کر لی تھی۔

آیا اسی دن دو جہاز بندر جدّہ کے سفر سے آئے تھے۔ وہ دونوں جہاز چنگیز خان نے عبداللہ خان کی مہمانی کے لیے دے دیے۔ اس کا وزیر سوجہ نامی بقال تھا۔ اس نے عرض کیا کہ میرے[1] خان! ایک مرتبہ آپ ان جہازوں کے اموال واشیاء کو ملاحظہ کرلیں تاکہ میرا فرض ادا ہوجائے۔ چنگیز خان بولا ہم نے فرض کیا کہ یہ دونوں جہاز اشرفیوں کی جنس سے بھرے آئے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہ ہوگا۔ جیسے ہی وہ وقت پر پہنچے تمہاری خدمت ادا ہوگئی۔ (چنگیز خان) خوش کلام جوان تھا اور عجب شوکت وصلابت کا مالک تھا۔ عدل وداد کو اُس نے اس طرح اپنا شعار بنایا تھا کہ اس کے عہد حکومت میں کسی کو ظلم کرنے کی مجال نہ تھی۔

ایک دن مرزا شرف الدین کے مقربوں میں سے ایک مغل نے رذیلوں سے ایک آدمی کی بیٹی کو پکڑ لیا تھا۔ اس نے آکر فریاد کی۔ خان نے چاؤشوں کو بھیجا تو وہ اسے پکڑ لائے۔ اس نے کہا کہ لے جاؤ اور دار پر کھینچ دو۔ مرزا شرف الدین کھڑے ہوئے اور شفاعت کی تو اُس نے کہا مرزا! آپ کے ہمنشیوں میں سے چند آدمی یہاں ہیں اور ہر ایک کے پاس مغل لشکر ہے۔ آج آپ کے سپاہی نے یہ کام کیا اور میں آپ کی خاطر معاف کردوں تو کل کوئی دوسرا سپاہی یہ کام کرے گا تو مجھے آپ کی خاطر اسے بھی معاف کرنا چاہیے۔ پھر تو بندگان خدا کے لیے مشکل ہوجائے گی۔ اس کے سوائے آپ جو فرمائیں مجھے دل سے قبول ہے لیکن اس بارے میں مجھے معذور رکھیں۔ اسی وقت اس مغل کو لے جاکر دار پر کھینچ دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے کسی لشکری نے بیداد کرنے کے لیے قدم نہیں اٹھایا اور اِس فقیر نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ چنگیز خان کا لشکر کانکریہ تالاب کے قریب بلندی پر آکر ٹھہرا تھا۔ اس بلندی کے اطراف میں کاشت کی ہوئی زمین تھی۔ بعض جگہوں پر سپاہیوں نے اپنے گھوڑے باندھ دیے تھے۔ گیارہ دن لشکر وہاں رہا لیکن کسی کی مجال نہ تھی کہ کھیتوں میں سے جو کا ایک پتہ لے لے اور اپنے گھوڑے کے

---

[1] ز: خان جیو

سامنے ڈال دے۔ تھوڑی ہی مدت میں اس نے جمعیت بہم پہنچائی اور قوت پیدا کرلی۔
شیر خان اعتماد خان کو ہٹانے سے پشیمان ہوگیا۔

مختصر یہ کہ جب احمد آباد کی حکومت نے چنگیز خان پر قرار پکڑا تو خود دھولقہ گیا اور
حضرت سید میران اور سید حامد کو پوری تعظیم وتکریم کے ساتھ احمد آباد لایا اور اس وقت
حضرت سید مبارک کے کچھ مقربین نے جو سید میران کی خدمت میں تھے خان سے
ملاقات کی لیکن میرے والد نے اس خصوصیت کی وجہ سے جو انہیں اعتماد خان سے تھی
ملاقات نہ کی اور میرے والد کا اعتماد خان کے ساتھ یہ اختصاص تمام امرائے گجرات کو معلوم
تھا۔ اس وجہ سے وہ حضرت سید میران کے ہمراہ احمد آباد بھی نہیں گئے۔ جب کچھ عرصہ اس
طرح گذرا تو ایک دن اس فقیر کے بڑے بھائی شیخ یوسف جو ایک فضیلت شعار اور
فصاحت آثار بزرگ تھے چنگیز خان سے ملنے کے لیے سید حامد کی خدمت میں پہنچے اور
ملاقات کی۔ خان خوش ہوگیا اس کے بعد پوچھا کہ میں میاں منجھو کو نہیں دیکھتا۔ میرے
بھائی نے کہا کہ بیمار ہیں۔ تو اس نے مذاقاً کہا کہ شاید پال کی آب وہوا نے اثر کیا ہوگا
یعنی تمہارے والد کے دل میں جو عزت اعتماد خان کی ہے ظاہر ہے کہ وہ اعتماد خان کے
ساتھ کوہستان پال میں گئے ہوں گے کیوں کہ اعتماد خان اُدھر گیا تھا اور یہ بات گجرات میں
مشہور ہے کہ پال کی آب وہوا مضر ہے بلکہ یہ ضرب المثل بن گئی ہے کہ جس کسی کو زرد
ولاغر پاتے ہیں کہتے ہیں کہ اس نے شاید پال کا پانی پیا ہے۔ میرے بھائی نے کہا کہ وہ
اسی تشویش کی وجہ سے اعتماد خان کے ہمراہ نہیں گئے تھے اس وجہ سے میں گیا تھا۔ اجب
اس قسم کی باتیں ہوئیں تو حضرت سید میران نے فرمایا کہ میاں منجھو! وقت کا اقتضا ہے کہ
چنگیز خان سے ملاقات کرنا چاہیے۔ ایک دن میرے والد حضرت سید میران کے ساتھ گئے
اور ملاقات کی۔ اس نے بہت تعظیم وتکریم کی اور اپنے پہلو میں جگہ دی اور حال چال پوچھنے
میں بڑی گرمجوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد جب کھانا کھانے لگے اور ہر قسم کے اچار سامنے
رکھے گئے تو رضی الملک نے جس کا ذکر اوپر گذرا اور جو چنگیز خان کے قریب بیٹھا تھا آہستہ

سے چنگیز خان سے کہا کہ خان جیو! میاں منجھو کو اچار بہت پسند ہیں حالانکہ میرے والد ترشی سے پورا پرہیز رکھتے تھے اس درجہ کہ جس دیگ میں ترشی دار کھانا پکتا اور پھر اس دیگ میں بغیر ترشی کا کھانا پکایا جاتا وہ بھی وہ ترشی کے خلاف طبیعت ہونے کی وجہ سے نہ کھاتے تھے۔

مختصر یہ کہ رضی الملک کے کہنے پر چنگیز خان عمدہ اچار خود اپنے ہاتھ سے انتخاب کر کے میرے والد کو دیتا تھا اور کہتا تھا کہ اس میں بڑی لذت ہے اور میرے والد چنگیز خان کے ہاتھ سے لے کر کھاتے تھے۔ جب یہ واقعہ چند مرتبہ ہوا تو رضی الملک نے کہا ''خان جیو! میاں منجھو نے یہ پرہیز شاید تیس چالیس برس کے بعد توڑا ہوگا۔'' چنگیز خان نے میرے والد سے معذرت کی رضی الملک نے کہا کہ ملک! جب ایسا تھا تو تم نے اس کے برعکس کیوں کہا؟ میرے والد نے کہا کہ خان جیو! ملک کا کام اور پیشہ یہی ہے۔ لیکن یہ ترشی ہمیں نہ نفع کرے گی نہ ضرر اس وجہ سے کہ

[بیت]

ہر آگ جو وہ بت سیم بدن بھڑکاتا ہے

وہ خلیلوں کے لیے باغ ابراہیم بن جاتی ہے

چنگیز خان میں اہلیت تھی۔ اس نقل سے بہت محظوظ ہوا اور بار بار یہ شعر دہراتا تھا۔ خوب اچھی صحبت رہی۔

مختصر یہ کہ انہی دنوں میں میران محمد شاہ ابن مبارک شاہ آسیری نے جمعیت بہم پہنچا کر احمد آباد پر چڑھائی کردی۔ چنگیز خان نے دیکھا کہ جمعیت زوردار ہے۔ اس نے بندگی سید حامد ابن سید میران کو اعتماد خان کے پاس بھیجا اور کہا کہ گذشتہ گستاخی معاف فرما کر قدم رنجہ فرمائیں کہ آپ کی جگہ اور آپ کا مقام آپ ہی سے متعلق ہیں۔ اب ایک پردیسی غنیم ہماری ولایت پر چڑھ آیا ہے۔ ایک دوسرے سے اتفاق کر کے اس کا دفع کرنا لازم ہے۔ اس اثنا میں میران محمد شاہ نے بھی اپنے وزیر سید زین الدین کو اعتماد خان کے پاس بھیج کر طلب کیا اور کہا کہ میں اس دیار میں تمہاری مدد کے لیے آیا ہوں۔ آؤ کہ اتفاق

کر کے چنگیز خان کو دفع کر کے تمہیں نصب کروں گا اور لوٹ جاؤں گا۔ اعتماد خان متردد ہوگیا کہ کس جانب جاؤں۔ وہ موڑاسہ سے کوچ کر کے محمود آباد آیا اور سید زین الدین سے کہتا تھا کہ میں تمہاری طلب پر جارہا ہوں اور سید حامد سے کہتا تھا کہ تمہاری بات پر روانہ[1] ہوا ہوں یہاں تک کہ محمود آباد جس کا راستہ مشترک تھا آکر ٹھہر گیا۔ اس اثنا میں محمد شاہ بڑودہ سے کوچ کر کے مہندری ندی پار کر کے متواتر کوچ کرتا ہوا موضع جیتل پور کے نواح میں جو احمد آباد سے چھ کوس کے فاصلہ پر ہے آکر خیمہ زن ہوگیا۔ ان دنوں شیر خان کا اکثر لشکر اس کے بیٹے محمد خان کے ہمراہ پرگنہ[2] بیرم گام اور کڑی میں تھا۔ شیر خان نے اپنے مذکور بیٹے کو بلانے کے لیے تیز رفتار شتر سوار بھیجے اور[3] از روے فریب میران محمد شاہ کو پیغام بھیجا کہ آپ کا تشریف لانا مبارک ہے۔ ہم سب آپ کی تشریف آوری کے خواہاں تھے لیکن دو دن تک آپ جہاں ہیں وہیں تشریف رکھیں تاکہ اچھی ساعت اختیار کر کے ہم آپ کی خدمت میں پہنچ جائیں۔ محمد شاہ شیر خان کی خوشامدانہ باتوں سے فریب کھا کر ٹھہر گیا۔ دوسرے دن محمد خان ایک کثیر لشکر کے ساتھ آکر شیر خان سے جڑ گیا۔ چنگیز خان احمد آباد سے نکل کر محمد شاہ پر چڑھائی کرنے نکلا خود محمد شاہ کے کیمپ سے دو کوس کے فاصلہ پر ٹھہرا اور مغلوں کی ایک جماعت کو مرزا شرف الدین حسین کے ہمراہ متعین کیا کہ محمد شاہ کے لشکر کو تیروں کی جنگ سے آزمائیں۔ مرزا نے جا کر تیروں کی جنگ شروع کر دی۔ صبح سے مغرب کی نماز تک میران محمد شاہ کا پورا لشکر گھوڑوں سے نیچے اتر نہ سکا۔ اس کا حال مشاہدہ کر کے میران محمد شاہ اپنے لشکر کو خبر کیے بغیر چند خاص آدمیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ دوسرے دن صبح یہ خبر مشتہر ہوئی۔ مغلوں کی جماعت نے تعاقب کیا۔ چنگیز خان کے لشکریوں میں سے جو ولایت بھروچ اور بڑودہ میں تھے جس کسی کو جہاں بھی جب بھی خبر ملی

---

[1] الف : راضی

[2] ج : بیرم گانوں

[3] ج : اور اپنا کیمپ میران محمد شاہ کے قریب لگایا تاکہ میران کو مذکور پیغام

انھوں نے بھی پیچھا کیا۔ ہاتھی، اونٹ، زخمی گھوڑے اور خزانہ جو محمد شاہ اور اس کے لشکریوں کے ہمراہ تھے سب چنگیز خان کے لشکر اور راجپوتوں اور کولیوں کے ہاتھ لگے اور محمد شاہ کے بعض آدمی مارے گئے اور بعض گرفتار ہوئے۔

یہ خبر اعتماد خان کو محمود آباد کے مقام پر پہنچی۔ اعتماد خان سلطان مظفر کے ساتھ وہیں سے لوٹ کر موڑاسہ چلا گیا اور وہاں بھی نہ رہ سکا۔ گجرات کی سرحد سے نکل کر ڈونگر پور گیا۔ چنگیز خان مظفر و منصور احمد آباد میں مقیم ہوا۔ شیر خان قصبہ کڑی جا کر رہنے لگا۔ اختیار الملک جو محمود آباد میں تھا اس کی ولایت کو مسلّم رکھ کر چنگیز خان نے اسے اپنے پاس بلالیا۔ الغ خان اور جھو جھار خان حبشی جو اعتماد خان کے ساتھ تھے اپنی اپنی ولایتیں سونپ کر چنگیز خان کے پاس آگئے۔ چنگیز خان ہر ایک کے استقبال کے لیے گیا اور پورے اعزاز کے ساتھ لا کر انہیں دلاسا دیا۔ اعتماد خان کے سوا تمام نامور امراء نے آ کر چنگیز خان سے ملاقات کی۔ چنگیز خان کا کام بلند ہو گیا۔ مرزا ابراہیم حسین، محمد حسین مرزا، باز بہادر سُور اور جنید کررانی جیسے امراء کہ جن میں سے ہر ایک کے سر میں بادشاہت کا دغدغہ تھا اس کی نوکری سے منسوب ہو گئے اور اعتماد خانی امراء بھی آ کر اس سے مل گئے۔ ملک گجرات سابھرمتی سے ولایت سلطان پور اور نندربار کی سرحد تک اس کے دائرہ تصرف میں آ گیا۔ اب شیر خان کے استیصال کا خیال اس کے دل میں آیا۔ کیا خوب کہا گیا ہے۔

[منظومہ]

جنگی درندے اور چرندے جب اپنی طاقت کا اندازہ کر لیتے ہیں
تو وہ اپنے اپنے کام میں لگ جاتے ہیں
تمام جانور جب بے فکر ہو جاتے ہیں
تو فتنہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے، سوائے آدمی کے
کہ جب وہ اس کا توشہ کم ہو جاتا ہے تو ملول ہو جاتا ہے
اور اگر ضرورت سے زیادہ ہو تو پھر بیہودگی کرتا ہے

مختصر یہ کہ شیر خان بھی یہ بات جان کر متفکر و متامل ہو گیا۔ اس اثنا میں بجلی خان حبشی خواجہ سرا نے جو چنگیز خان کی والدہ کا غلام تھا، چنگیز خان کے والد نے اس کی تربیت کر کے اسے امراء کی قطار میں داخل کر دیا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔ نمک حرامی پر اقدام کیا۔ تقریب یہ تھی کہ فتح کے دن چنگیز خان نے بندر کھمبایت اسے دے دیا تھا۔ جب چنگیز خان کی والدہ بھروچ سے آئیں تو کھمبایت اس سے لے کر اپنی والدہ کو دے دیا۔ اس وجہ سے وہ ناخوش ہو گیا۔ یہ بات تحقیق شدہ ہے کہ جب کسی حیوان کو خصی کر دیا جاتا ہے اس کی طبعی شرارت اور سرکشی دور ہو جاتی ہے برخلاف آدمی کے جب اسے خصی کر دیتے ہیں تو جو شرارت اور سرکشی اس کی طبیعت میں موجود ہے وہ اور زیادہ ہو جاتی ہے بلکہ صفر سے سو گنا بڑھ جاتی ہے۔

مختصر یہ کہ بجلی خان نے الغ خان اور جھو جھار خان سے کہا ''میں تم میں غیرت بالکل نہیں دیکھتا! چنگیز خان نے کتوں کو تمہارے نام سے موسوم کیا اور تمہارے علَم ان کے گلوں میں باندھے اور اب اس سے بڑھ کر وہ تمہیں مار ڈالنے کے درپے ہے۔ اگر اس[1] سے پہلے تم نے اسے مار دیا تو چھٹکارا پا گئے ورنہ عنقریب تم نے اپنا سامان اس دنیا سے باندھ لیا۔ خبر شرط ہے۔ یہ خبر سن کر الغ خان اور جھو جھار خان نے عزم جزم کیا کہ اس سے پہلے کہ وہ ہمیں مار ڈالے ہم اسے مار ڈالیں حالانکہ بجلی خان کی کہی ہوئی بات چنگیز خان کے خیال میں بھی نہ تھی بلکہ وہ اس درجہ خصوصیت اور محبت کا اظہار کرتا ہے کہ اس سے زیادہ متصور نہ ہو۔ الغ خان کا ہاتھی اودے منگل نام جو اس نے بڑودہ کی جنگ میں اس سے چھینا تھا وہ اس نے الغ خان کو دے دیا اور جو کچھ ان کی جاگیر تھی وہ پوری ان کے لیے مسلّم رکھی اور کوئی دن نہ جاتا تھا کہ وہ کوئی قیمتی چیز خواہ گھوڑا، خواہ تلوار، خواہ کمر انہیں نہ دیتا ہو اور انہیں بھائی برادر کہہ کر بات کرتا تھا جب کہ یہ اسے مار ڈالنے کا موقع ڈھونڈ

---

[1] ج: اگر تم نے واقعہ کے ہونے سے پہلے علاج کر لیا تو جان سلامت لے گئے اور اگر اسے تم پر فرصت مل گئی تو وہ تمہارا نام ونشان دنیا میں نہ چھوڑے گا۔ خبر شرط ہے۔ یہ سن کر

رہے تھے۔

اتفاق سے ایک دن صبح دونوں امیر اپنے لشکروں کے ساتھ چنگیز خان کے گھر آئے اور کہا کہ خان جیو! آج چوگان بازی کا موسم ہے۔ اس نے کہا کیا مانع ہے؟ گھوڑا منگوایا اور بے تکلف سوار ہوگیا۔ اس وقت سپاہی کی قسم کے لوگ حاضر نہ تھے۔ سب کے سب رات کی چوکی بھر کے صبح قضائے حاجت اور نماز کی تیاری کے لیے اپنے اپنے گھر چلے گئے تھے۔ سیدھے ہاتھ پر الغ خان چل رہا تھا اور بائیں ہاتھ پر جھو جھار خان اور درمیان میں چنگیز خان تھا۔ اس طرح وہ روانہ ہوئے۔ اور چالیس پچاس چاؤش چنگیز خان کے آگے آگے تھے اور حبشیوں کا لشکر بجائے فور[1] فوج کے پیچھے لگا لگا آتا تھا۔ مسجد فرحت الملک سے کہ جو[2] ترپولیہ اور بھدر کے درمیان واقع ہے چند قدم راستہ چلے ہوں گے کہ الغ خان اور جھو جھار خان نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔ الغ خان نے کہا کہ خان جیو! یہ ہے عربی[3] گھوڑا جس پر میں سوار ہوں۔ ابھی ابھی جہاز سے آیا ہے۔ بہت پائیدار ہے۔ دیکھیے الغ خان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ چنگیز خان گھوڑے کی طرف متوجہ ہوا۔ اس اثنا میں جھو جھار خان نے تلوار کھینچ کر چنگیز خان پر ایسی ماری کہ تمام پرتلہ نیچے آگیا۔ وہ گھوڑے سے گر پڑا اور اسی وقت جان دے دی۔ یہ[4] واقعہ ۹۷۶ھ میں ہوا۔ حبشی واپس ہوکر چنگیز خان کے ڈیرہ پر گئے اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ جو کچھ اس کی بساط پر بالفعل حاضر تھے سب اپنے قبضے میں کرلیا۔ چنگیز خان کے لشکری مرزاؤں وغیرہ میں سے جو کوئی جہاں تھا وہیں سے سوار ہوکر بڑودہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ سبحان اللہ! دولت چنگیز خانی کا وہ آفتاب ایک لمحہ میں غروب ہوگیا اور اس کے مرکب سلطنت نے اپنی لگام عدم کی طرف موڑ دی!

---

1. ز: بجائے فور (یعنی تیزی سے۔ مترجم)
2. ج: "جو ترپولیہ اور بھدر.....واقع ہے" نہیں ہے۔
3. ز: عراقی۔
4. ج: "یہ واقعہ ۹۷۶ھ کا ہے" نہیں ہے۔ (دراصل یہ سنہ ہی غلط ہے کیونکہ یہ واقعات سلطان احمد کے قتل کے بعد کے ہیں۔ مترجم)۔

[بیت]

اس چرخ کھاتے ہوئے رہٹ میں مَیں نے بہت دیکھا
لیکن اس کا کوئی دَور ایک پانی پر نہیں دیکھا
اگر سورج ایک ساعت بلند ہے
تو دوسرے وقت پستی سے اوندھا ہے
دوسرے سیارے بھی اسی شمار میں ہیں
کہ کبھی نیچے، کبھی اوپر، اپنے کام میں ہیں
چونکہ یہ گردش تمام اوپر نیچے کی ہے
تو نیچے کی چیز کو اوپر آتے دیر نہیں لگتی
امیری، مسجد اور بخت پر بھروسہ نہ کر
کہ یہ سب تنکے ہیں جب تیز آندھی چلتی ہے

مختصر یہ کہ اس واقعہ کے بعد الغ خان اور جھو جہار خان احمد آباد پر قابض ہو گئے اور شیر خان فولادی جو کڑی میں تھا آ کر سابرندی کے اُس طرف مقیم ہوا اور الغ خان اور جھو جہار خان کو پیغام بھیجا کہ شہر احمد آباد تم ہمیں دے دو۔ میں ولایت تمہیں سونپ دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں منظور ہے۔ انہوں نے قلعہ اور محلات شاہی جنہیں بھدر کہتے ہیں اسی وقت شیر خان کے آدمیوں کے سپرد کر دیے اور اقرار کیا کہ شہر کا قلعہ بھی دیتے ہیں۔ لیکن جب بعض افغان آدمی شہر میں آئے اور ظلم و تعدی کرنے لگے۔ حبشیوں نے کہا کہ ہم ان آدمیوں کے ساتھ گذر نہیں کر سکتے۔ انہوں نے اعتماد خان کو لکھا کہ جلد آؤ۔ اعتماد خان اور سلطان مظفر یلغار کر کے ڈونگر پور سے شہر میں آئے۔ اس وقت دروازوں کو بند کر کے توپ و تفنگ کی جنگ شروع کر دی۔ شیر خان کے آدمیوں کو جو بادشاہی قلعہ بھدر میں تھے انہیں باہر نکالا۔ آخرکار خدمت میران نے ان کے بیچ صلح کروائی اس طرح پر حبشی کہ ولایت کی تقسیم چنگیز خان اور شیر خان میں قرار پا چکی تھی کہ ندی کا اُس طرف کا حصہ

شیر خان سے تعلق رکھے اور اِس طرف کا حصہ چنگیز خان سے۔ اُسی قرار پر صلح کا اتفاق ہوا۔ شیر خان لوٹ کر کڑی چلا گیا اور خدمت سید میران دھولقہ۔ اعتماد خان حبشیوں اور اختیار الملک کے ساتھ شہر میں رہا۔

لیکن حبشی سرزوری کرنے لگے۔ شہر احمد آباد کے محلوں میں سے جس محلہ کو آمدنی والا دیکھا اس پر قبضہ کرلیا اور اعتماد خان کے پرگنوں میں سے ہر دیہات کو جسے اپنے پرگنوں کے قریب پایا اپنے تصرف میں لے آئے۔ وہ اعتماد خان کو حقیر سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تجھے احمد آباد میں دوبارہ لائے ہیں ورنہ احمد آباد تجھے خواب میں بھی نظر نہ آتا۔ اعتماد خان نے جب دیکھا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل گیا اور صحبت ایسوں کی ہے تو وہ اپنے بالاخانہ پر خلوت گزیں ہوگیا اور امراء اور سپاہیوں سے ملاقات ترک کردی۔ الغ خان، جھوجھار خان اور اختیار الملک چند مرتبہ اس کے دربار میں گئے اور ملاقات کے خواہاں ہوئے تو انہیں کہلا بھیجا کہ ہم دنیاداری سے عزلت اختیار کرکے اپنے بالاخانہ میں گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ احمد آباد کی حکومت کا تعلق تم سے ہے، تم جانو اور ملک[1]۔ اگر تم رہنے دو تو ہم اپنے بالاخانہ میں رہیں ورنہ پھر اسی جگہ چلے جائیں جہاں سے آئے تھے۔

اعتماد خان نے خود کو اس وضع پر رکھا۔ شیر خان جا کر کڑی میں مقیم ہوگیا۔ مرزا ابراہیم حسین، محمد حسین اور شاہ مرزا احمد آباد سے نکل کر گئے اور چنگیز خان کی پوری ولایت پر قبضہ کرلیا۔ پھر بھروچ کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ رستم خان رومی قلعہ بند ہوگیا اور رستمانہ جنگ کرتا تھا۔ ایک سال تک اس نے اِسی ڈھنگ سے قلعہ داری کی اور اعتماد خان اور شیر خان سے کمک طلب کی۔ انہیں ہر چند لکھا لیکن کسی نے مدد نہ کی۔ جب ان کی مدد سے مایوس ہوگیا تو مرزاؤں کے ساتھ صلح کرلی۔ بھروچ کا قلعہ انہیں دے دیا اور خود ان کا تابع ہوگیا۔ سورت کا قلعہ بھی ان کے ہاتھ آگیا۔ ابراہیم مرزا بھروچ میں مقیم ہوگیا، محمد حسین مرزا بڑودہ میں اور شاہ میرزا چانپانیر میں۔ مہندری ندی کے اُس طرف کی پوری ولایت

---

[1] الف: ملک وولایت

سلطان پور اور نندربار کی ولایت کی سرحد تک میرزاؤں نے آپس میں بانٹ لی اور قابض ہو گئے اور یہ پوری ولایت انہیں پانچ سو مغل سواروں کی جاگیر بنادی۔ ہر ایک کو تیس ہزار یا چالیس ہزار محمودی چنگیزی کی جاگیر دی اور چند ایسے تھے کہ ان میں سے ایک فرد کے لیے ایک لاکھ چنگیزی خوراک تھی اور ستر ہزار اور ساٹھ ہزار چنگیزی ایک ذات کے لیے[1] دیتے تھے۔ اس قسم کی خوراکی پانے والے بہت تھے۔

قریب چار سال اس طرز سے گذرے۔ پھر شیر خان کی طبیعت سے فتنہ کی آگ دوبارہ بھڑکی۔ شہر احمد آباد کی تسخیر کی لالچ میں وہ مقام کڑی سے لشکر جمع کر کے باری[2] زسنگپور کے قریب جو شہر احمد آباد سے متصل ہے خیمہ زن ہوا۔ جنگ وجدل کا بازار پھر گرم ہوا۔ یہ واقعہ ۹۸۰ھ کا ہے۔ اسی سال سادات کی برکات کے منبع خدمت سید میران نے اس جہان فانی سے مقام جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ جب تک ان کی ذات خجستہ صفات جین حیات تھی امراء میں سے جو کوئی ظلم کرتا تو وہ مانع آتے تھے اور اگر زبانی منع کرنا کام میں نہ آتا تو مظلوم کی طرفداری کر کے ظالم سے جنگ وجدل کرتے تھے اور بہر حال شرارت رفع کرتے تھے۔ جب وہ پردۂ اجل کے پیچھے جا بیٹھے تو کام منع سے گذر گیا اور امرائے گجرات کی شرارت کی آگ ایسی بھڑکی کہ وہ سب اس میں جل مرے۔

اور وہ یوں ہوا کہ جب شیر خان نے تقریباً بیس ہزار افغانی سواروں کے ساتھ آ کر احمد آباد کا محاصرہ کیا اور اس کے درپے ہوا کہ اعتماد خان کو شہر سے باہر نکال دے اور خود قابض ہو جائے اور الغ خان حبشی ایک جھگڑے کی وجہ سے جو جھار خان حبشی کے ان اموال واشیاء کی تقسیم کے بارے میں ہو گیا تھا جو جھو جھار خان کے ہاتھ میں پڑی تھیں اس سے رنجیدہ ہو کر شہر سے نکل کر شیر خان سے جڑ گیا۔ خدمت سید حامد بھی شیر خان سے مل گئے۔ سلطان مظفر نے دیکھا کہ شیر خان کا پلہ بھاری ہے تو وہ بھی شہر سے نکل کر شیر خان

---

[1] ج: "ایک ذات کے لیے... خوراکی پانے والے" نہیں ہے۔

[2] ج: برسنگپور، ز: زسنگ پور

کے پاس چلا گیا۔ شیر خان نے اسے تخت پر بٹھایا، خود عصا ہاتھ میں پکڑ کر کھڑا ہوا اور تمام امراء کو طلب کیا اور کورنش ادا کی۔ سلطان سمجھا کہ حال ایسا ہی رہے گا لیکن متغلب افغانی امراء جاہ وجلال کی ہوس میں اس درجہ مبتلا تھے کہ اطاعت بادشاہی ان سے بعید تھی۔ ایک دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ دوسرے دن سلطان مظفر پھر سراپردہ کے پیچھے اہل اعتکاف کی طرح بیٹھ گیا۔

مختصر یہ کہ اعتماد خان نے دیکھا کہ سلطان مظفر بھی نکل کر شیر خان کے پاس چلا گیا تو اس نے وجیہ الملک کو مرزا محمد حسین کی طلب میں جو بڑودہ میں تھا بھیجا اور یہ قرار دیا کہ جس دن مرزا بڑودہ سے احمد آباد کی طرف روانہ ہوگا پانچ سو اشرفی ہر روز پہنچائی جائیں گی اور افغانوں کا لشکر دفع کرنے کے بعد وہ احمد آباد کی حکومت کی باگ ڈور مرزا کو سونپ دے گا۔ انہی دنوں مرزا ابراہیم حسین کو بھی جو بھروچ میں تھا لکھا کہ افغانوں نے سر اٹھایا ہے۔ وہ احمد آباد مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ سلطان مظفر بھی ان کے پاس چلا گیا ہے۔ تم بھی بادشاہ زادہ ہو، آؤ اور لشکر کو دفع کرو تاکہ احمد آباد کی حکومت کا کام تمہیں سونپ دوں۔ اس وقت پانچ سو اشرفی ہر روز تمہارے لشکر کے خرچ کے لیے بھیجتا رہوں گا اور چند جواہرات بھی گویا سوغات کے طور پر وجیہ الملک کے ہمراہ مرزا کو بھیجے۔

اس بارے میں ایک عریضہ حضرت بادشاہ جمجاہ اکبر شاہ کو ارسال کیا کہ افغانوں نے احمد آباد کا محاصرہ کر کے ایسا تنگ کیا ہے کہ عنقریب مجھ سے چھین لیں گے۔ اکبر بادشاہ سرعت سے تشریف لائیں تو احمد آباد بادشاہ اکبر کا سمجھو ورنہ افغانوں کے برغم احمد آباد میں میرزاؤں کو دے دوں گا۔

مختصر یہ کہ مرزا محمد حسین نے آنے میں تاخیر کی۔ اعتماد خان کے طلب کرنے پر مرزا ابراہیم تین چار ہزار جرار سوار، مثل بہمن واسفندیار، لے کر احمد آباد اور کمندلور کے محلوں میں جو حصار احمد آباد کے باہر تھے مقام کیا اور یہ قرار دیا کہ ہر صبح سو مغل سوار نکل کر میدان میں افغانوں کی چوکی کے مقابل کھڑے ہوں اور پچاس سوار نوبت بہ نوبت نکل کر

اس چوکی کے ساتھ تیروں کی جنگ کریں۔ چنانچہ ہر صبح ایک سو سوار اپنی نوبت پر نکل کر میدان میں کھڑے ہوجاتے اور افغانوں کی طرف سے قریب دو تین ہزار سوار فوج بنا کر مقابلہ کرتے تھے۔ اور قرارداد کے مطابق مغل لڑتے تھے۔ جب افغان حملہ کرتے تو یہ بھاگتے ہوئے درمیان نماز شام تک اس قسم کی لڑائی رہتی تھی۔ رات کے وقت جب طرفین کی چوکی اپنی اپنی منزل کی طرف رجوع ہوتی تو تیس چالیس سوار عمدہ گھوڑوں پر مغلوں کی چوکی کی بائیں طرف سے غل کرتے ہوئے شیر خان کے کیمپ میں پہنچتے اور تیروں کی بارش کر کے کیمپ میں زبردست شور وغوغا پیدا کر کے اپنے ڈیرہ پر پلٹ آتے تھے۔ کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ افغانوں میں سے دس بیس آدمی مارے نہ جاتے ہوں اور زخمی نہ ہوتے ہوں جب کہ مغلوں کے آدمیوں میں سے بہت کم زخمی ہوتے یا مارے جاتے تھے۔ اور دوسرے دن صبح نہ ہوئی ہوتی کہ جا کر میدان میں کھڑے ہوجاتے اور مردانگی کی داد دیتے تھے۔ پورے دن دو تین ہزار افغان بکتر پہنے ہوئے اور گھوڑوں پر سوار اتنی فرصت نہ پاتے کہ خاطر جمعی سے پانی پی لیں۔

چند روز جب اس ڈھنگ سے گذرے تو افغان عاجز آگئے۔ ایک دن مرزا ابراہیم حسین کو خبر پہنچی کہ کیکا بقال، شیر خان کا وزیر جسے اس نے موافر الملک کا خطاب دے رکھا تھا تین ہزار سواروں کے ساتھ پٹن سے خزانہ لے کر آرہا ہے۔ آج جاج پور[1] میں جو احمد آباد سے دس کوس کے فاصلہ پر ہے منزل کرے گا۔ ان کا مدار غفلت پر ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ لشکر احمد آباد کا محاصرہ کیے ہوئے ہے۔ کون ہے جو شہر سے باہر آئے؟ مرزا نے کہا کہ دشمن کے تھپٹر کھانے کا وقت یہی ہے۔ اس بات پر اعتماد خان کے ساتھ اتفاق کر کے اختیار الملک کے بیٹے زین خان کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ اور خود کے تین سو مغلوں کو لے کر آدھی رات گذری تھی کہ دروازہ سے باہر نکلا اور اس پر یلغار کی۔ صبح کے وقت وہ ایسی جگہ پہنچا کہ غنیم وہاں سے کوچ کر چکا تھا اور اس کا لشکری ساز وسامان روانہ ہو چکا تھا۔

---

[1] الف، ج: حاجی پور

اگر آدمیوں نے لشکری سازوسامان کے ہمراہ ہو کر راہ پکڑی اور چلے کہ اتنے میں مرزا ابراہیم کے آنے کی خبر اس کے اہل لشکر کے کانوں میں پہنچی۔ جنگ کے لیے ٹھہرنے کے بجائے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابراہیم خان نامی افغان کہ باغیرت آدمی تھا وہ اپنی جماعت کے ساتھ ستون کی طرح پاؤں جما کر کھڑا ہو گیا، جنگ کی اور مارا گیا۔ مرزا خزانہ اور ہاتھی وغیرہ جو کچھ ہاتھ میں آیا لے کر جس راستے سے آیا تھا اسے چھوڑ کر دو کوس دور کا راستہ پکڑ کر احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ صبح چار گھڑی دن نکل آنے کے بعد شیر خان کو خبر پہنچی کہ رات مرزا ابراہیم نے موافر الملک پر چڑھائی کی ہے۔ شیر خان خود نکل کر دوڑا۔ جب تک کہ شیر خان اس کی قیامگاہ پر پہنچے مرزا صحیح سلامت مال غنیمت لے کر اپنی منزل پر آ کر بیٹھ گیا اور وہ سو سوار اپنی نوبت پر نکل کر اپنی پرانی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ اس حال کا مشاہدہ کر کے شیر خان اور اس کے لشکر کا حال متغیر ہو گیا۔[1] اگرچہ مرزا اس طرح جانبازی کر رہا اور دلاوری دکھلا رہا تھا لیکن اس کا سارا مقصد یہ تھا کہ ایک بار ایسا کام کرے کہ جو سید حامد کی شکست کا موجب ہو کیونکہ اس سے پہلے دو مرتبہ مرزا سید کے ساتھ لڑنے میں شکست کھا چکا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

لہٰذا اس کی ساری کوشش یہ تھی کہ اس کے انتقام کو انجام تک پہنچائے۔ اس وقت جو مقابلہ شیر خان سے ہوا اس میں خدمت سید بھی شیر خان کے جملہ ممد و معاون میں سے تھے اور بذات خود لشکر میں قیام رکھتے تھے۔ ان کے بال بچے دھولقہ میں تھے اور اگرچہ دھولقہ شیر خان کے کیمپ کے پیچھے کی جانب تھا اور دھولقہ سے کیمپ تک جنوب کی طرف دس کوس کی مسافت تھی۔ لیکن ایک دوسرا راستہ بھی احمد آباد سے دھولقہ کی جانب جاتا تھا جس کے گذرنے کی راہ کیمپ کے پہلو میں دو کوس سے زیادہ نہ تھی اور ہر رات مرزا کا یہ قصد ہوتا تھا کہ اس راستہ سے دھولقہ جائے اور جاتا تھا۔ جاسوس یہ خبر خدمت سید کے پاس لائے تھے تو وہ حضرت سوار ہو کر سابرمتی کے پاٹ میں کہ دوراہوں کے سرے پر تھا اور کیمپ

---

[1] ج: "اگرچہ مرزا... گھوڑا گرا اور جان دے دی" نہیں ہے۔

سے پانچ کوس اور احمد آباد سے سات کوس پر، مسلح و مکمل ہو کر کھڑے ہو جاتے۔ جب یہ خبر مرزا تک لے جاتے تو مرزا راستے سے لوٹ کر احمد آباد کی طرف چل پڑتا۔ سید صبح تک وہاں منتظر و متوقع کھڑے رہتے۔ جب آفتاب طلوع ہوتا تو وہ لوٹ کر کیمپ میں آتے۔ چند روز کے تغافل کے بعد مرزا دوبارہ ایک رات دھولقہ کے قصد سے اسی طرح روانہ ہوتا۔ جاسوس دوبارہ بطریق مذکور خبر پہنچاتے۔ سید اپنے پرانے طریقے کے مطابق پھر آمادۂ جنگ ہو کر مذکور ندی کے کنارے کہ جیسا اوپر ذکر ہوا کھڑے ہو جاتے۔ مرزا یہ خبر سن کر لوٹ جاتا اور اپنی منزل کی طرف چل دیتا تھا۔ جب چند مرتبہ یہ نکلنا اور پلٹنا واقع ہوا تو سید کے نکلنے کے وقت تیاری میں ان کے لشکریوں سے کچھ بے توجہی اور سستی ہونے لگی۔ بعضے ہتھیار لگاتے اور بعض اپنے کوتل گھوڑوں پر سوار ہو کر ہمراہ ہو جاتے۔ بعض روانگی کے وقت سید کے مصاحب ہوتے اور بعض سرپلہ پہنچنے کے بعد سے پہنچ جاتے۔

اتفاقاً ایک رات خبر پہنچی کہ مرزا دھولقہ کی طرف روانہ ہوا ہے۔ سید بسرعت تمام سوار ہو کر اس جگہ جو مذکور ہوئی روانہ ہو گئے۔ اس رات سید نے خود زانو بند باندھا تھا اور جبہ بدن پر نہیں تھا۔ آدمیوں میں سے بھی بعض مسلح مکمل تھے اور بعض غیر مکمل۔ بعض مصاحب اور بعض متعاقب۔ سید نے الغ خان حبشی اور سادات خان بخاری کو کہلوایا کہ خبر ایسی ہے کہ مرزا نے دھولقہ کا قصد کیا ہے۔ میں خوش چلا ہوں، تم بھی خبردار رہنا۔ چونکہ ان کے سپاہی بھی دھولقہ میں تھے وہ بھی تیاری کر کے پیچھے چل پڑے۔ جب سرپلہ کے نصف راستے پر پہنچے تو ابوالفتح کے بیٹے ادو اور احمد ادو کو کہ دونوں جنگ دیدہ اور کارآزمودہ جوان تھے ستر اسی جوانوں کے ہمراہ متعین کیا کہ تیزی سے راستہ طے کر کے خود کو سرپلہ تک پہنچائیں۔ خود آہستہ آہستہ راہ چلتے تھے۔ ادو اور احمد یہ راستہ تیزی سے طے کر کے اپنی منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ اس اثنا میں ایک تیز رفتار شتر سوار پیچھے سے آن پہنچا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آتا ہے تو وہ بولا میں الغ خان کا ریباری ہوں خان پیچھے آتا ہے۔ مجھے بھیجا ہے کہ میں سید کی خبر لاؤں کہ کہاں تک پہنچے ہیں۔ ابھی میں واپس جاتا

ہوں اور خبر خان کو پہنچاتا ہوں۔ یہ ریباری خود مرزا کا جاسوس تھا۔ اس وقت سید کے ہمراہ تقریباً دو سو یا ڈھائی سو سوار تھے لیکن یہ لوگ سب بھائی اور بہادر ہیں کہ رزم جن کے آگے بزم ہے اور معرکہ جشن۔ ایک ہاتھی منجھولہ پاک بچہ نام ابھی مستی کی سرحد تک نہ پہنچا تھا اسے اپنے سامنے رکھا ہے اور مشعلچی کو ہاتھی پر بٹھایا ہے تاکہ پیچھے کے آدمی مشعل کی روشنی دیکھ کر جلدی سے پہنچیں۔

اتفاق سے یہ مشعل دور سے غنیم کو نظر پڑی۔ اس اثنا میں ریباری بھی خبر لے جا رہا تھا کہ سید کم آدمیوں کے ساتھ جا رہے ہیں۔ اور مرزا اور رستم خان رومی جسے رستم ثانی کہتے تھے کیا تو قوت میں اور کیا تو شجاعت میں، اور اختیار الملک کا بیٹا عماد الملک جو کار طلب خانوں میں سے تھا سات سو آٹھ سو مغل تیر انداز جوانوں اور رومی آتشبازوں اور گجراتی کلابازوں[1] کے ساتھ آن پہنچے۔ جس وقت سید نے موضع پالڑی سے گذر کر ایک تھوہڑ کے میدان میں جو پالڑی اور موضع میرولی کے درمیان میں واقع ہے کیمپ سے چار کوس پر قدم رکھا تو مغلوں نے پیچھے سے آ کر تیروں کی ایک باڑھ سر کی۔ رومیوں نے بندوقوں پر آگ رکھی اور گجراتیوں نے گھوڑے دوڑائے اور شور ہوا کہ غنیم آ گیا اتفاق سے سید کے سامنے سیدھے ہاتھ کی طرف اس تھوہڑ کے میدان سے تھوڑا فاصلہ تھا اور اس زمین سے اوپر زمین فی الجملہ ہموار تھی۔ وہاں کھڑے ہو کر انہوں نے جبہ طلب کیا۔ جب انہوں نے ہاتھ آستین میں ڈالا تو ایک تیر آ کر تراش کی طرح لگا اور کانٹے کی طرح گل پر بیٹھ گیا اور ایک تیر سید کے زانو بند پر پہنچا جو زانو بند سے گذر کر سید کے آئینہ زانو میں چبھ گیا۔ سید نے تیر اپنے ہاتھ سے نکالا اور اس حال کی کسی کو اطلاع نہ دی۔ آخر سید نے جبہ پہن لیا اور تیر پر ہاتھ ڈالا۔ بھائیوں اور بہادروں نے بھی کمان کے قبضہ پر ہاتھ رکھا اور تیر اندازی کی داد دینے لگے۔ تھوہڑ کے جھاڑوں کے اس طرف سید کھڑے تھے اور اُس طرف غنیم کا قیام تھا۔ شبہائے تیر طرفین کی طرف سے ہوا میں بلند ہوئیں۔ نہیں نہیں! اجل

---

[1] ج: کلہ تازوں

کے پرندے اڑنے لگے اور جان جوئی کو اپنی چونچ کے پیکان سے بُو کی طرح اٹھاتے اور فنا کے منہ میں ڈال دیتے تھے۔ سید کے بھائی اس تنگ جگہ میں شعلوں کی طرح ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے اور ہلاک کرنے والے بہادر ایک دوسرے کی امداد کے لیے سانسوں کی طرح ٹوٹے بغیر راہ طے کرتے تھے۔

اس اثنا میں سادات خان بخاری ستر اسی ہزار سواروں کے ساتھ پیچھے سے کمک کے لیے آکر اس جنگ میں مردانہ وار شریک ہو گئے۔ راقم الحروف کے بڑے بھائی شیخ یوسف اس جنگ میں حضرت سید کے یار شاطر تھے اور دو زخم ان کے ہاتھ کے بالائی جوڑوں پر ایک ساتھ لگے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ معرکہ دو گھڑی گرم رہا اور آسمان خونخواری کے درپے تھا کہ اتنے میں حق تعالیٰ نے ایک فوج ظاہر کی کہ جس کی ایک جانب سے ایک ہاتھی اس خاردار تھوہڑ کے حایل جھنڈ کو توڑ کر در آیا۔ سید کے بھائی اور بہادر ہاتھی کے پیچھے سے اللہ اللہ کہتے ہوئے اور تلواروں کے قبضے پر ہاتھ رکھے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ کافی لڑائی کے بعد دشمن کو اکھاڑ دیا۔ دشمن پیٹھ پھیر کر گیا اور ایک تھوہڑ کے جھنڈ کے پیچھے پناہ لے کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں بھی طرفین کی طرف سے ایک مدت تک تیروں کی بارش ہوتی رہی۔ پھر ہاتھی راستہ نکال کر در آیا۔ جوان پیچھے سے حملہ آور ہوئے اور ایک نعرہ میں اسے ہٹا دیا۔ پھر غنیم جا کر ایک دوسرے تھوہر کے جھنڈ کو آگے کر کے کھڑا ہو گیا اور جنگ قائم کر دی۔ اس حملہ اور جنگ میں بہت زیادہ شور و غوغا بلند ہوا۔ بندوق اور جنگ کا شور ادو اور احمد ادو جو آگے تھے کے کانوں میں پہنچا۔ وہ دونوں ایک جلیوا میں وہاں سے دوڑ کر آئے اور اس معرکہ میں شریک ہو گئے۔ سید نے فرمایا کہ اس وقت تمہاری مہارت کی نوبت ہے۔ ہاں! اے شیر مردو! تقصیر نہ کرنا۔ وہ جوان بے تامل حملہ آور ہوئے اور بھگائے۔ ع

مغلوب صف کے لیے ایک ہی کافی ہے

غنیم نے راہ فرار اختیار کی اور فتح کی مبارکبادی سید کے ہاتھوں آئی۔ اس جنگ میں سید

کے اچھے اچھے آدمیوں نے شہادت پائی۔ ان میں سے تین آدمی بہترین تھے۔ سید کے بھائیوں میں سے سید عبد السلام رسول داد کہ بہتر سے بہتر تھے اور بہادروں میں سے یوسف شامی اور سید ریحان جو سید صاحب کے ہمدمی ہوتے تھے۔

غنیم کی طرف سے بھی اچھے اچھے آدمی جنگاہ میں کھیت رہے ان میں سے دیو سلطان نامی جوان تھا۔ سید کا تیر اس کے سینہ کے چار آئینہ پر ایسا لگا تھا کہ بکتر سے گذر کر چار آئینہ کے قطعہ سے پیٹھ کی طرف نکل آیا تھا۔ جب فتح کی ہوا سید کے پرچم پر چلی اور ترددکا غبار بیٹھ گیا تو تیر کے زخم نے جو جنگ کے شروع میں سید کے آئینۂ زانو پر لگا تھا اور اس سے بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا اپنا کام کیا۔ فرمایا کہ ہمیں گھوڑے سے اتاردو اور جنگاہ سے صحیح باہرمت لے جانا۔ سہارے کے ذریعے انہیں زمین پر اتارا۔ سید بیہوش ہوگئے۔ صبح تک یہی حال رہا۔ جب دن نکلا تو شیر خان اور پورا لشکر آن پہنچا۔ سید کو پالکی میں ڈال کر ان کی تعریفیں کرتے اور آفرین کرتے کیمپ میں لے گئے۔ سید کا گھوڑا ڈلڈل نام عراقی الاصل تھا۔ بندوق کی گولی اس کے سینہ پر لگی تھی اور پیٹ کی طرف سے نکل گئی تھی۔ جب تک سید گھوڑے سے نہ اترے گھوڑے نے اپنا پہلو زمین پر نہ رکھا لیکن ان کے اترتے ہی گھوڑا گرا اور جان دے دی۔

اور ان ہی دنوں ناگاہ خبر پہنچی کہ اکبری رایت فتح آیت نے مقام ڈیسہ پر جو شہر پٹن سے بیس کوس کے فاصلہ پر ہے اپنا پرتو ڈال ہے۔ پہلے یہ خبر ابراہیم مرزا کے ساتھ اعتماد خان کو کہلوائی کہ یہ جنگ جو تم نے اپنے درمیان کی اس قسم کی تھی کہ اگر ایک غالب اور دوسرا مغلوب ہوتا تو باک نہ تھا۔ پھر طرح آشتی اور طریق صلح درمیان لاکر ہر ایک اپنے اپنے مقام اور جگہ کی طرف واپس چلا جاتا۔ اب کہ ملک بندگان اکبر شاہی کے دائرۂ تصرف میں جاتا ہے تمہاری بیخ و بنیاد منقطع ہوجائے گی۔ ہمیں خبر ملی کہ بادشاہ کم آدمیوں کے ساتھ آتا ہے۔ اگر تم اور شیر خان اتفاق کرکے مجھے ہراول بناؤ تو ہم ایک جنگ کریں تاکہ دیکھ لیں کہ فتح آسمانی کے نصیب ہوتی ہے اور تائید سبحانی کے تقویت دیتی ہے۔

اعتماد خان اس پر راضی نہ ہوا۔ ابراہیم مرزا اٹھ کر اپنی ولایت کی طرف چلا گیا۔
جب خبر مذکور کی اطلاع شیر خان اور افغانوں کو ہوئی ان کے خاندان (جیسی) پٹن میں تھے اس لیے شیر خان سے رخصت لیے بغیر جو جہاں کہیں تھا پٹن کی طرف روانہ ہو گیا۔ شیر خان کے بیٹے محمد خان اور بدر خان بھی پٹن کی طرف روانہ ہو گئے۔ شیر خان ایک کم تعداد جماعت کے ساتھ جس کا عدد چالیس سے زیادہ نہ تھا رہ گیا۔ دھولقہ سے یہاں تک سلطان مظفر بھی ہمراہ تھا۔ جب شیر خان دھولقہ سے صوبہ سورٹھ کی طرف روانہ ہوا، سلطان مظفر شیر خان سے جدا ہو کر بندگان بادشاہی کی خدمت میں چلا اور تمام امرائے گجرات سے پہلے جا کر بادشاہ جم جاہ کے ساتھ ہو گیا۔
مختصر یہ کہ جب بادشاہ نے شہر پٹن میں نزول اجلال کیا وہاں سے عین الملک حکیم کو اعتماد خان اور ان امراء کے پاس جو اس سے تعلق رکھتے تھے بھیجا کہ ان کی تسلی کر کے انہیں استقبال کے لیے لائے اور سید محمد ابن سید عبد الرحیم بخاری کو سیادت پناہ سید حامد بخاری کو بلانے کے لیے متعین کیا تا کہ انہیں مراحل خسروانہ کا امیدوار بنا کر درگاہ میں لائیں۔ اعتماد خان، اختیار الملک، الغ خان، جھو جھار خان وغیرہ گجراتی امراء نے قصبہ کڑی کے نزدیک بادشاہ عالم پناہ کی درگاہ میں شرف حضوری پایا۔ سید حامد کو بھی دوسرے روز قصبہ کڑی سے موضع حاجی پور کے قریب ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ بندگان بادشاہی نے الغ خان اور جھو جھار خان کو قید کر دیا۔ کیمپ والے سمجھ گئے کہ اس غضب کا احتمال تمام امرائے گجراتی کے حال سے نسبت رکھتا ہے تو انہوں نے ان کا لشکر لوٹنا شروع کر دیا۔ ان کی فوج کا اکثر ساز و سامان لٹ گیا۔ جب اس حال کی خبر بندگان بادشاہی کے کانوں میں پہنچی انہوں نے حکم دیا تو لوٹنے والوں کو سخت سزا کی تنبیہ کی اور اعتماد خان کو تسلی دی۔ یہ واقعہ ۱۳ رجب ۹۸۰ھ کا ہے کہ الفاظ نہصد و ہشتاد سے بھی بحساب ابجد سال مذکور نکلتا ہے۔
مختصر یہ کہ پھر بندگان شاہی احمد آباد تشریف لائے۔ چند[1] دنوں کے بعد دولت

---

[1] ج: جھو جھار خان کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈلوا کر اس کی زندگی باد فنا کے سپرد کر دی۔

قاہرہ کے بازو اور سلطنت ظاہر کے رکن، اسلام اور مسلمانوں کے مؤید خان اعظم کو جو مرزا کوکہ کے نام سے مشہور تھے احمد آباد میں چھوڑ کر کھمبایت کی سیر کے لیے روانہ ہوئے۔ اعتماد خان نے ایک ہفتہ کی رخصت مانگی کہ وہ اپنی تیاری کر کے پیچھے سے آئے گا۔ بندگان بادشاہی نے کوچ کر دیا اور وہ رخصت پر احمد آباد میں رہ گیا۔ اختیار الملک نے کہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا دغاباز تھا اعتماد خان سے کہا "میں اس سلطنت کی تاب نہیں لا سکتا۔ میں باہر جاتا ہوں اگر تو بھی آتا ہو تو آ۔" اعتماد خان بولا کہ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ اختیار الملک نکل کر لوناواڑا آ گیا۔ اعتماد خان حسب وعدہ جا کر بندگاہ بادشاہی کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بعض عرض کرنے والوں نے عرض کیا کہ اگر ابھی یہ نہیں بھاگا ہے تو آخر بھاگ جائے گا۔ اس لیے اعتماد خان کو بھی اس کے تابعدار امراء کے ساتھ قید کر کے وہاں سے سورٹھ[1] کے قلعہ کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئے۔

جب مہندری ندی پار کر کے بڑودہ تشریف لے گئے تو رستم خان کی طلبی کے لیے جو ابراہیم مرزا کے ساتھ بھروچ میں تھا فرمان صادر ہوا۔ جب ابراہیم مرزا کو فرمان کے مضمون کی اطلاع ہوئی تو باوجود اس کے کہ کلام مجید کی سوگند درمیان تھی رستم خان کو قتل کر کے ہندوستان کی طرف جانے کے ارادہ سے چانپانیر کے پہاڑ کا کنارہ پکڑ کر روانہ ہوا۔ جب یہ خبر بڑودہ کے قریب بندگان بادشاہی کو پہنچی تو اس پر ایک جماعت کو متعین کیا۔ پیچھے سے خود یلغار کر کے قصبہ سرنال کی سرگذر پر کہ جس کا راستہ صاف اور بیچ میں ٹیڑھا ہے[2] تیس سواروں کے ساتھ مرزا تک پہنچ گئے۔ مرزا باوجود اس کے کہ تین سو چار سو سوار ہمراہ رکھتا تھا تھوڑی سی لڑائی کے بعد ٹھہرنے کے بجائے فرار ہو گیا۔ چونکہ یہ یلغار دور کے راستے سے ہوئی تھی مرزا حسین نکل گیا۔ بندگان[3] بادشاہی لوٹ آئے۔ کیمپ میں تشریف

---

[1] یہ لفظ جیسا کہ سیاق کلام سے ظاہر ہے سورت ہونا چاہیے۔ سورٹھ غلط ہے۔ مترجم۔

[2] الف: اس جماعت سے پیشتر۔

[3] الف: بندگان بادشاہی نے قصبہ مذکور کے قلعہ میں نزول اجلال فرمایا اور وہاں سے لوٹ کر۔

لاکر پھر بھروچ کی طرف متوجہ ہوئے۔ بھروچ کے قلعہ کو اپنے تصرف میں لاکر سورت تشریف لے گئے۔ مرزا ابراہیم حسین کا گماشتہ ہم زمان[1] نامی وہاں تھا وہ قلعہ بند ہوگیا۔ تغلب وسبات کی ضرورت پڑی اور جنگ وجدل کا آغاز ہوگیا۔

اس فرصت میں محمد خان ابن شیر خان فولادی اپنے بسی کو لے کر ایڈر کے کوہستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں ایک جمعیت فراہم کر کے پٹن پر حملہ آور ہوا۔ سید احمد خان بارھہ جو بادشاہی امراء میں سے پٹن میں تھا وہ قلعہ جہاں پناہ کی گڑھی میں کہ اسے پرانا قلعہ کہتے تھے قلعہ بند ہوگیا اور محمد خان قلعۂ جہاں پناہ میں داخل ہوگیا۔

شیر خان بھی سورٹھ کی طرف سے آکر مرزا محمد حسین سے ملحق ہوگیا۔ قریب دس بارہ ہزار سوار جمع ہوگئے۔ بندگان بادشاہی کے حکم کے مطابق احمد آباد سے نواب مستطاب مرزا کوکہ اور دوسرے امرائے بادشاہی مثلاً نواب قطب الدین محمد خان، بندگی شیخ محمد بخاری جو حضرت حاجی عبد الوہاب کے پوتے تھے اور[2] شاہ بوداغ خان اور تولک خان وغیرہ روانہ ہوئے اور متواتر کوچ کرتے ہوئے شہر پٹن کے قریب شیر خان سے لڑنے لگے۔ بڑی زبردست جنگ واقع ہوئی۔ سیادت پناہ سید جعفر بخاری نے جو نواب کامیاب، دولت باہرہ کے بازو اور سلطنت قاہرہ کے رکن شیخ فرید جن کا خطاب[3] مرتضٰی خان تھا کے بڑے بھائی تھے، دلاوری کی داد دیتے ہوئے شربت شہادت نوش کیا۔ بہت سے افغان قتل ہوئے۔ آخر کار فتح کی ہوا ان دو بزرگ کو شہادت کے سپرد کرنے پر میسر اور ان دو عزیزوں کی فکر سے حاصل ہوئی۔

لیکن اگر ان کے وجود تشریف کا فقدان تمام اقلیموں کی فتح کا معاوضہ ہوتا تب بھی جواہر امتیاز کے صرافوں کی نظر میں یہ معاملہ گھاٹے کا معاملہ (سودا) تھا۔ گذرا جو کچھ کہ گذرا۔

---

[1] ج: سلطان کہ گماشتہ

[2] ز: بداغ

[3] ج: مرتضٰی خان

شیر خان ہزیمت اٹھا کر سورٹھ کی طرف چلا گیا۔ اس کا بیٹا محمد خان افغانوں کے ساتھ کوہستان ایڈر میں گھس گیا اور محمد حسین مرزا خود کو ولایت سلطان پور اور نندر بار کی سرحد کی طرف لے گیا۔ نواب مستطاب مظفر و منصور ہو کر لوٹے اور احمد آباد تشریف لے آئے۔

اس اثنا میں ہم زمان مرزا سورت کے قلعہ سے نکل کر بندگان بادشاہی کی پابوسی سے مشرف ہوا اور آنحضرت نے سورت کا قلعہ اس کے مضافات کے ساتھ نواب[1] خلیج خان کو عطا کر کے مراجعت کی۔[2] جب قصبہ بڑودہ پہنچے تو چنگیز خان کی والدہ نے بھروچ سے آ کر استغاثہ کیا کہ جھو جھار خان حبشی نے میرے بیٹے کو ناحق مار ڈالا، جس کا ذکر اوپر گذرا۔ بادشاہ عادل میری داد کو پہنچیں۔ چونکہ واقعہ ایسا ہی تھا جیسا کہ اس نے کہا حکم فرمایا تو جھو جھار خان کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے ڈال کر مدفن فنا کے سپرد کر دیا گیا۔ وہاں سے ملک گجرات کی حکومت نواب مستطاب خان اعظم کو سونپ کر خود بدولت و اقبال نے اپنے ارادہ کی لگام اپنے دار السلطنت آگرہ کی طرف موڑی اور تمام امیروں اور ان کی اتا کے شوہر کے لیے گجرات میں جاگیریں مقرر ہو گئیں۔

اس[3] تفصیل سے احمد آباد مع حویلی اور پرگنہ پٹلاد مع چند پرگنوں کے خان اعظم کی جاگیر بنے۔ سرکار پٹن نواب میر محمد خان کو جو خان کلان کے نام سے مشہور تھے ملی۔ سرکار بھروچ نواب قطب الدین محمد خان کی جاگیر میں آئی پرگنہ دھولقہ اور خط خانپور بسی سیادت مآب سید حامد اور سید محمود کی جاگیر میں حسب سابق بطور تنخواہ مقرر ہوئے۔ اور بعض دوسرے پرگنے بعض امراء کے لیے۔ کچھ عرصے تک ہر کوئی اپنی جگہ اور مقام پر متصرف تھے کہ اتنے میں کہ پھر اختیار الملک اور شیر خان فولادی کے بیٹے محمد خان نے جو

---

[1] الف: قلیچ خان

[2] ج: "مراجعت کی... وہاں سے گجرات کی حکومت" نہیں ہے۔

[3] الف: اتکھای نام پونہ یکھار کھتا ہے۔ (؟ مترجم)

افغانوں کے ساتھ ایڈر کے کونے کنارے میں تھے ایک دوسرے کے ساتھ اتفاق کر کے خروج کیا۔ ان کے دفع کرنے کے لیے نواب مستطاب احمد نگر کی طرف جو ایڈر سے دس کوس کے فاصلہ پر ہے روانہ ہوئے۔ اس اثنا میں محمد حسین مرزا نے نندربار کے قریب سے یلغار کر کے بھروچ کا قلعہ لے لیا اور اس وقت قطب الدین محمد خان بڑودہ سے احمد آباد کی طرف چلے۔ یہ خبر سننے کے بعد نواب مستطاب نے سید حامد بخاری، نواب نورنگ خان، باز بہادر خان اور شیخ محمد خان غزنوی کو اپنے نامی الکاؤں[1] کی ایک جماعت کے ساتھ متعین کیا کہ نواب قطب الدین کے ساتھ مل کر مرزا محمد حسین کو دفع کریں۔ یہ پورا لشکر مقام موضع اسالی پر جو دھولقہ سے پانچ کوس کے فاصلہ پر ہے نواب قطب الدین خان سے مل گیا اور مرزا محمد حسین پر جو تین سو سواروں کے ساتھ کھمبایت میں تھا چڑھائی کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔

ان سطور کا راقم بھی اس لشکر میں سیادت پناہ سید حامد کے ہمراہ تھا۔ مختصر یہ کہ جب کھمبایت کے نواح میں پہنچے تو یہ قرار پایا کہ بھروچ کے دروازہ کے راستے سے نواب قطب الدین خان داخل ہوں، احمد آباد کے دروازہ کے راستے کی طرف سے نواب نورنگ خان، باز بہادر خان اور شیخ محمد خان غزنوی اور دریا کے طرف کے راستہ سے کہ بندرگاہ کی کشادگی (فرجہ) اس طرف واقع ہے سید حامد آئیں۔ ہر کوئی اس قرارداد کے مطابق اپنے مقصد کی طرف متوجہ ہوئے۔ مرزا ہر دو دروازوں پر جماعت متعین کر کے خود فرجہ کے دروازہ کی طرف قید ہو گیا۔ جب سیادت پناہ اس جانب پہنچے تو مرزا نے نکل کر جنگ کی۔ اگرچہ مرزا جنگ میں[1] باز بن گیا۔ غنیم کو اچک لینے والی تیز آندھی تھی لیکن آندھی کا زور پہاڑ پر اثر انداز نہیں ہوتا اور سوائے پلٹ آنے کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ملتا۔ دروازہ سے تین مرتبہ نکل کر اس نے سادات کی فوج پر حملہ کیا اور چقولش کی لیکن ہر مرتبہ شکست کھا کر دروازہ میں گھس گیا۔ صبح سے وقت ظہر تک مذکورہ اطراف میں حسب قرارداد لڑائی جاری

---

[1] الف: "باز بن گیا" نہیں ہے۔

رہی۔ آخرکار فتح کیے بغیر ہر ایک مراجعت کر کے محمد خان اور اختیار الملک سے جنہوں نے ایڈر کی طرف خروج کیا تھا مل گئے۔

نواب مستطاب جوان کے مقابلہ میں تھے واپس ہو کر شہر احمد آباد آ گئے۔ غنیم کے لشکر نے آ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ نواب قطب الدین محمد خان اور مریان[1] سید حامد بھی وہاں سے یلغار کر کے شہر میں آ گئے۔ یہ محاصرہ دو ماہ تک قائم رہا۔ آخرکار بادشاہ جم جاہ نے آگرہ سے یلغار کی۔ چنانچہ نویں روز چند آدمیوں کے ساتھ احمد آباد پہنچے اور غنیم جو ستاروں کی طرح چمکتا تھا اس آفتاب ظفر ایام کے پرتو سے محجوب و مغلوب ہو گیا۔ ان میں سے چند نے راہ عدم لی اور بعض نے راہِ گریز اختیار کی۔ جملہ مسافران عدم میں سے ایک مرزا محمد حسین تھا۔ اور دوسرا اختیار الملک اور ان میں دریا خان جیسے عمدہ اور چیدہ آدمی اس قافلہ کے ہمراہ ہو گئے۔ بندگان بادشاہی مظفر و منصور شہر احمد آباد تشریف لائے۔ چار پانچ دن مقیم رہ کر حکومت گجرات[2] کا کام بدستور سابق نواب مستطاب اعظم خان کو سونپ کر خود دار السلطنت آگرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور یہ واقعہ[3] بدھ کے دن ۴/ماہ جمادی الاول ۹۸۱ھ کو واقع ہوا۔

فتح خان شروانی جو امین خان غوری، حاکم ولایت سورٹھ کے لشکر میں بہترین تھا۔ بہادری میں بے نظیر زمانہ، وہ امین خان سے ناراض ہو کر شہاب الدین احمد خان کے پاس آ گیا اور اس کا باعث ہوا کہ اگر نواب لشکر میرے ہمراہ کر دیں تو میں جونا گڈھ اور ولایت سورٹھ امین خان سے لے لوں۔ نواب نے اپنے بھتیجے مرزا خان کو چار ہزار سواروں کے ساتھ متعین کیا۔ فتح خان لشکر کو لے کر چلا۔ جب وہ سورٹھ کی سرحد میں پہنچا، امین خان نے اپنے وکیلوں کو بھیج کر عرض کیا کہ میں پیشکش دیتا ہوں اور وداع کرتا ہوں۔ بادشاہی دستور

---

[1] الف: ''اور میران'' نہیں ہے۔

[2] الف: ''گجرات'' نہیں ہے۔

[3] ج: ''اور یہ واقعہ... واقع ہوا'' نہیں ہے۔

کے مطابق مجھے جاگیر دے دیں۔ باقی ولایت آپ سے تعلق رکھے گی۔ اس کی حد قلعۂ جوناگڈھ کہ میرا گھر ہے میرے بال بچوں کے لیے چھوڑ دیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ جوناگڈھ تجھ سے چھین لیں۔ چنانچہ صلح کی کوئی صورت نہ نکلی۔ متواتر کوچ کر کے فتح خان نے پہلے دن شہر جوناگڈھ کہ جس کا نام مصطفےٰ آباد ہے فتح کر لیا۔ قضارا فتح خان بیمار ہوگیا اور اسی بیماری میں چند ہی دنوں میں اس دنیا سے چلا گیا۔ مرزا خان جوناگڈھ کو چھوڑ کر قصبہ منگلور جو جوناگڈھ سے بیس کوس کے فاصلہ پر ہے گیا اور مذکور قصبہ کا محاصرہ کر لیا۔ امین خان نے جام سے کمک طلب کی۔ جام کا وزیر چار ہزار سواروں کے ساتھ امین خان کی کمک پر آیا۔ امین خان قلعہ سے نکل کر منگلور کی طرف متوجہ ہوا۔ مرزا خان کورنیال[1] گیا۔ امین خان بھی اس کا پیچھا کرتے ہوئے قصبہ کورنیال کے نواح میں پہنچ گیا۔ مرزا خان نے لڑائی چھیڑی اور شکست اٹھائی۔ اس کے لشکر کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ تمام ساز و سامان غنیم کے ہاتھوں میں پڑا۔ مرزا خان زخمی ہو کر چند آدمیوں کے ساتھ احمد آباد آ گیا۔

اس اثنا میں سلطان مظفر بندگان بادشاہی کی ہمراہی سے فرار ہو کر گجرات آ گیا۔ کچھ دنوں تراوری امیں کہ راج پیپلہ کا صدر مقام تھا ٹھہرا۔ نواب قطب الدین کے ملاحظہ کی وجہ سے وہاں سے نقل مکان کر کے لوہبا کاٹھی کے پاس موضع کہری میں جو پرگنہ سوردھار کے دیہاتوں میں سے ملک سورٹھ کے مضافات میں ہے آ کر مقیم ہوگیا۔

جب ولایت گجرات کی حکومت نواب شہاب الدین احمد خان کی طرف سے تبدیل ہوئی اور اعتماد خان گجرات کے نام مقرر ہوئی تو شہاب الدین احمد خان درگا (بادشاہی) کی طرف روانہ ہوگیا۔ مغلوں کی ایک جماعت جسے وزیر خانی کہا جاتا تھا تقریباً سات سو آٹھ سو سواروں پر مشتمل شہاب الدین احمد خان سے جدا ہو کر شہر احمد آباد میں رہ گئی۔ ان کے سرداروں کے نام لکھے جاتے ہیں: خلیل بیگ، میر یوسف محمد بدخشی، امام بیگ اوزبک، میر عابد، میر کی خان، مغل بیگ، وفادار بیگ، خواجہ عبداللہ، ترکون بیگ، غضنفر

---

[1] کوڈی نار

خان، قربان علی بہادر، مرزا عبد اللہ اور تیمور حسین۔ ایک دوسرے کے اتفاق سے مذکورہ جماعت نے اعتماد خان سے التماس کیا کہ ہم آپ کی امید پر شہاب الدین احمد خان سے جدا ہو کر شہر میں رہے ہیں۔ اگر آپ ہماری گذر اوقات کی فکر فرمائیں تو ہم خدمت میں قیامت کریں۔ اعتماد خان نے کہا کہ مجھے حکم ایسا ہے کہ ایسے سواروں کو ملازمت میں رکھوں جن کی خوراکی ماہانہ دس روپے سے زیادہ نہ ہو۔ آپ خود مغل لوگ ہیں۔ اس ماہانہ تنخواہ پر آپ کی گذر نہ ہوگی لہٰذا اپنے روزگار کی خود فکر کریں۔ انہوں نے دیکھا کہ شہاب الدین احمد خان سے ہم بچھڑ گئے اور اعتماد خان نے ہمیں ہانک دیا۔ اب ہم کہاں جائیں۔ آؤ سلطان مظفر کے پاس جا کر اسے لائیں اور زرد و گیر کریں۔ ع

دیکھیں یار کسے چاہتا اور میل کس کی طرف کرتا ہے

وہ سب احمد آباد سے نکل کر دھولقہ گئے اور دھولقہ سے کھرری لوہیا کاٹھی کے پاس اور وہاں سلطان مظفر سے اتفاق اور پکا عہد کر کے مع لوہیا کاٹھی تین چار ہزار کاٹھی سواروں کی جماعت لے کر احمد آباد کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ خبر اعتماد خان کو پہنچی۔ پیر کی رات، ۲۵ رماہ شعبان کو اعتماد خان نے اپنے بیٹے شیر خان کو احمد آباد میں چھوڑ کر خود یلغار کی شہاب الدین احمد خان کو لوٹا کر لائے۔ راتوں رات وہ شہاب الدین احمد خان کے پاس جنہوں نے قصبہ کڑی کے نواح میں قیام کیا تھا پہنچ گیا اور شہاب الدین خان کو مراجعت کی تجویز کی۔ شہاب الدین احمد خان نے کہا کہ ملک آپ کو سونپا ہے۔ اب ہمارا یہاں کوئی کام نہیں رہا۔ طلبی پر ہم درگاہ جا رہے ہیں۔ جب اعتماد خان نے بہت زیادہ اصرار کیا تو کہا بس لکھ دو کہ غنیم نے ملک میرے ہاتھ سے لے لیا ہے۔ مجھے اس کے مقابلہ کی تاب نہیں تھی۔ میں نے شہاب الدین احمد خان کو سپرد کر دیا کہ بدستور سابق ان سے متعلق رہے تو ہم واپس لوٹتے ہیں ورنہ تم جانو اور تمہارا دشمن!

پیر اور منگل کا دن اس رد و بدل میں گذرا۔ سلطان مظفر بدھ کے دن ۲۷ ر تاریخ کو ظہر کی نماز کے وقت احمد آباد کے نواح میں پہنچا۔ رائے کھڑ کے دروازہ کے قریب ایک

جگہ قلعہ کی دیوار گر گئی تھی اور وہ چنتے تھے اور مجاہد خان گجراتی اس کا اہتمام کرتا تھا اور چوکی بھرتا تھا۔ مغلوں کی جماعت سلطان کے ہمراہیوں کے ساتھ گھوڑوں سے اتری اور اسی دیوار پر دوڑ پڑی۔ تھوڑی جنگ کے بعد ہی مجاہد خان بھاگ گیا۔ سلطان قلعہ کے اندر آ گیا۔ شیر خان جو چوکنڈی بہدر میں بیٹھا تھا سوار ہو کر ایک مختصری جماعت کے ساتھ شیخ ہشیری[1] کے گھر تک سلطان کے مقابلہ کے لیے آیا۔ دیکھا کہ سلطان اندر آ گئے ہیں تو بھاگ کھڑا ہوا۔ سلطان مظفر جا کر اس کی جگہ بیٹھ گیا اور شہر پر قابض ہو گیا۔ یہ واقعہ ۹۹۱ھ کا ہے۔

مختصر یہ کہ شیر خان کے ہمراہیوں میں سے بھاگے ہوئے چند آدمی رات کا ایک پہر گذرا تھا کہ اعتماد خان کے پاس پہنچے اور گذشتہ واقعہ کی خبریں سنائیں۔ اس کے بعد شہاب الدین احمد خان نے جس قسم کی بھی تحریر مانگی اعتماد خان نے لکھ دی۔ شہاب الدین احمد خان نے سوچا کہ اس امر کے درپے اور اس کام کا باعث وہ جماعت ہے جو مجھ سے نوکری کی نسبت رکھتے تھے اور آج تک مجھ سے کوئی امر ان کے ساتھ نیکی کے سوا نہیں ہوا۔ اب وہ بھی ہم سے مخالفت نہ[2] کریں گے۔ خبر سنتے ہی وہ واپس ہو کر ہم سے ملیں گے اور فتنہ برطرف ہو جائے گا اور بدستور سابق حکومت کا کام پھر میرے قبضۂ اقتدار سے تعلق رکھے گا۔ تو راتوں رات وہ احمد آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ ماہ مذکور کی ۲۸ تاریخ کو بروز جمعرات صبح صادق کے وقت وہ ندی[3] کے کنارے سے گذر کر موضع باریج[4] کے راستہ پر آ کر کھڑا ہو گیا[5] اور لشکر وز مین تھی۔ اکثر لوگوں کے اہل وعیال ساتھ تھے۔ ہر ایک اپنا ڈیرہ کھڑا کرنے اور بساہی (بال بچوں) کو اتارنے میں مصروف ہو گیا۔ ان سب کو

---

[1] ز: ہجری، ب: شبری

[2] متن میں لکھا ہے مخالفت کریں گے جو صریحاً غلط ہے۔ مترجم۔

[3] ج: سابھر ندی

[4] ز: باریجہ

[5] الف: ''اور لشکر وز مین تھی'' نہیں ہے۔

اطمینان ہے اور اکثر نے ہتھیار بھی نہیں باندھے ہیں اور شہاب الدین احمد خان منتظر ہے
کہ اسی وقت خبر آتی ہے کہ سلطان مظفر باہر نکل گیا اور مغلوں کی جماعت آ کر میری
ملازمت کرے گی لیکن چونکہ وہ جماعت احمد آباد پر قابض ہوگئی ہے اس لیے ہر ایک اپنے
سر میں امیری کا دغدغہ رکھتا ہے اور "مجھ جیسا کوئی دوسرا نہیں" کا دم بھرتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جب شہاب الدین احمد خان کے نقارہ کی آواز سلطان مظفر کے کانوں
میں پہنچی تو اس نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ شہاب خانی آدمی ہمیں پکڑ کر شہاب خان کو دے
دیں۔ چنانچہ اس نے چاہا کہ بیچ میں سے نکل جائے۔ اس اثنا میں وہ جماعت پھر آئی اور
کلام مجید پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ہم ایسے نہیں۔ ایک مرتبہ شہر سے باہر آئیں تو ہم جنگ کریں
گے۔ اگر ہم نے فتح کر لیا تو آپ کی دولت کے اقبال کا نتیجہ ہوگا اور اگر ہم مارے گئے تو
آپ کو اختیار باقی ہے۔ سلطان مظفر خانپور کے دروازہ سے باہر نکل کر سابھر ندی کے ریتیلے
پاٹ میں کھڑا ہوگیا۔ احمد آباد کے لوگ تماشہ دیکھنے نکل آئے۔ شہاب خان اور اعتماد خان کو
بیشمار مخلوق نظر آئی۔ ان سب کو سپاہی خیال کر کے اپنے گرد حصار کر لیا۔ اس اثنا میں مغلوں
کی پوری جماعت نکلی اور جنگ کرنے لگی۔ تھوڑے تردد کے بعد شہاب خان اور اعتماد خان
نے شکست کھائی۔ چند آدمیوں کے ساتھ شہر پٹن پہنچے۔ ان کے لشکر کا تمام سامان لٹ گیا۔
ان کے لشکری آ کر سلطان مظفر سے مل گئے۔ سلطان مظفر احمد آباد میں متمکن ہوگیا اور
مغلوں کی جماعت میں سے ہر ایک کو جو اس امر کے باعث تھے خطابات سے نوازا اور اس
کے مناسب جاگیر مقرر کی۔ چنانچہ میر عابد کو خان خانان کا خطاب دیا، خلیل بیگ کو خان
زمان کا، میر یوسف بدخشی کو بہادر خان کا، مغل بیگ کو خان دوران کا، وفادار بیگ[1] کو خان
اعظم کا، خواجہ عبد اللہ کو خان جہاں کا، ترسون بیگ کو ادہم خان کا، میرم بیگ کو افضل خان
کا، قربان علی بہادر کو قلیج خان کا، مرزا عبد اللہ کو آصف خان کا، تیمور حسن کو بہائی خان کا اور

---

[1] ج: اسی طرح اس خطاب پائی ہوئی جماعت کو خطاب کے مناسب جاگیر دی۔ جب بدکیش اور کمینہ آدمی خطاب سے نوازے گئے۔

میر کی خان اور غضنفر خان اپنے پہلے خطاب پر قانع رہے لیکن امان بیگ بہادر خطاب پر راضی نہ ہوا۔ بہت سے لوگ خطاب سے مخاطب ہوئے اور خود کو امراء ماننے لگے اور اسی خیال سے ٹیڑھے ٹیڑھے پھرتے تھے۔

[ابیات]

خواب میں مگر ایک چوہا اونٹ بن گیا

...

خواب سے اٹھنے کے بعد وہ خوش ہوگیا
اس لیے ہر طرف پھولا پھرنے لگا
کہ ناگاہ ایک اونٹ نے اپنا بوجھ اس پر ڈال دیا
سو من میں سے ایک جو برابر تکلیف اس پر ڈالی
اس بوجھ کے نیچے وہ بیچارہ چوہا عاجز ہوگیا
اس لاچاری میں اپنا اونٹ عدم کی طرف ہانک دیا
یہ اچھے خواب تعبیر میں اچھے ہیں
اگر اس کے برعکس تاثیر نہ دکھلائیں
چونکہ ڈھیلی بنیاد ملک ایک کھلونا ہے
تو اس کھلونے پر بچوں کی طرح خوش نہ ہو

اور سید دولت نے جو کلیان راؤ کھمباتی کا نوکر تھا لشکر جمع کر کے کھمبایت پر قبضہ کر لیا۔ کھمبایت سے بہت سا مال اس کے ہاتھ لگا۔ قریب چار ہزار سوار جمع کر کے اس نے سلطان مظفر سے عرضداشت کی۔ سلطان نے اسے خطاب رستم خانی مع گھوڑے اور خلعت کے بھیجا اور لکھا کہ اپنے حال پر رہے۔ جب بلایا جائے تو آئے۔

مختصر یہ کہ چند روز اسی ڈھنگ سے گذرے۔ نواب قطب الدین محمد خان ان دنوں سلطان پور اور نندربار میں تھا۔ یہ خبر سن کر متواتر کوچ کرتا ہوا بمقام شہر بڑودہ آیا۔

سلطان مظفر میر عابد کو احمد آباد چھوڑ کر ۱۷ ماہ ذی القعدہ سنہ مذکور کو بڑودہ روانہ ہوا۔ سید دولت چار ہزار سواروں کے ساتھ قصبہ نڑیاد کے نواح میں آ کر سلطان سے ملحق ہو گیا۔ یہ خبر سن کر نواب قطب الدین محمد خان نے محمد افضل اور محمد میرک کو تین ہزار سواروں کے ساتھ متعین کیا کہ جا کر مانپور یا نکانیر کے راستہ پر قبضہ کر لیں تا کہ غنیم اسے پار نہ کر سکے۔ وہ آ کر اس راستہ پر اترے لیکن خفیہ طور پر وہ سلطان مظفر سے موافقانہ مراسلت رکھتے تھے۔ جس دن سلطان مظفر خانپور کے راستہ پر آیا تو یہ تھوڑی جنگ کے بعد فرار ہو گئے۔

جب سلطان مظفر شہر بڑودہ کے نواح میں پہنچا تو نواب قطب الدین خان بڑودہ سے نکل کر مقابل ہوا۔ نواب کے لشکر کے امراء زبان سے نواب کے غم خوار تھے لیکن دل سے سلطان مظفر کے یار تھے۔ جب نواب کو اپنے لشکر کی نیت کی حقیقت کا علم ہوا تو واپس لوٹ کر شہر کے قلعہ میں آ گیا۔ سلطان مظفر نے بیس ہزار سوار اور بہت سے پیادوں، کولیوں اور راجپوتوں کے ساتھ آ کر محاصرہ کر لیا۔ اپنے لشکر کی پوری مخالفت کے باوجود (نواب نے) قلعہ کو سنبھال لیا۔ اپنی ذات سے اتنا تردد کیا کہ جسے طاقت بشری سے باہر کہا جا سکتا ہے لیکن تنہا آدمی سے کیا ہوتا ہے اور ایک ذات سے کیا کام بنتا ہے۔ محاصرہ کی ابتدا سے اکیسویں دن محمد میرک اور چرکس خان رومی نے اپنے مورچوں سے سلطان کو پیغام بھیجا کہ ہم جب تک اپنے مورچوں پر قائم ہیں لوگ ہمیں دیکھتے ہوئے اپنے مورچوں کی نگہبانی کر رہے ہیں۔ صلح کے پیغام کے بہانہ آپ ہمیں اور زین الدین کنبو کو جو نواب شہباز خان کنبو کا رشتہ دار تھا،...اسے اعتماد خان کے ہمراہ بھیج دیا تھا۔ نواب شہاب الدین احمد خان اور اعتماد خان کی شکست کے بعد وہ نواب قطب الدین محمد خان کے پاس چلا گیا تھا کہ انہیں جتنی جلدی ہو سکے غنیم کے سر پر لانے کا باعث ہو۔ وہ مورچوں کی نگہبانی میں بے نفاق تھا اور دل و جان سے کوشش کر رہا تھا...اور سیادت مآب سید جلال بھکری کو جو قطب الدین خان کے جملہ موافقین میں ہیں اور تورنگ خان کے وکیل خواجہ یحیٰ کو اپنے پاس بلائیے۔ اس کے بعد ہمیں اور خواجہ یحیٰ کو قید کر دیجیے۔ زین الدین کنبو اور

سید جلال بھکری کو قتل کر دیجیے اور دوسرے دن قلعہ کو گھیر لیجیے تو قطب الدین محمد خان کے لشکر میں سے کوئی ہاتھ اونچا نہ کرے گا اور مدعا حاصل ہو جائے گا۔

سلطان نے ایسا ہی کیا اور نواب قطب الدین محمد خان نے پانچوں آدمیوں کو رسالت پر بھیجا۔ ان کے آتے ہی انہیں قید کر لیا گیا۔ دوسرے دن صبح زین الدین کنبو کو ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کچلوا دیا گیا اور میران سید جلال کو سید احمد بخاری نے جو سلطان کے ہمراہ تھے شفاعت کر کے چھڑوا دیا اور اپنی منزل پر لے گئے۔ سلطان نے سوار ہو کر حکم دیا تو اس کے لشکر کے ان تمام امراء نے جو قلعہ کو گھیرے ہوئے تھے ان توپوں کو جو وہ احمد آباد سے لائے تھے داغا۔ خان کے لشکر کی حقیقت وہی تھی جو مذکور ہوئی۔ نواب خود اکیلا کتنے دنوں تک تردد کرے۔ قلعہ کو توپوں نے منہدم کر دیا، غنیم کے آدمی اندر گھس گئے۔ نواب جا کر ارک (گڑھی) میں متحصن ہو گیا۔ دوسرے دن صبح سلطان نے کلام مجید پر سوگند کھائی کہ نواب کو ضرر نہ پہنچائے گا اور قول بھیج کر نواب کو طلب کیا۔ نواب آکر سلطان سے ملا۔ اسی ساعت بعض غرضمند کہنے والوں کو بہکانے سے نواب مذکور اور اس کے ہمشیر زادہ جلال الدین محمود کو قید کر دیا اور دو پہر[1] گذرنے کے بعد دونوں کو شہید کر دیا۔ دو دن تک اس نے بڑودہ میں قیام کیا۔ تیسرے دن بھروچ کی طرف کوچ کر کے بھروچ کے نواح میں جا کر اترا۔ نواب نورنگ خان کی والدہ چند غلاموں کے ساتھ بھروچ کے قلعہ میں تھی۔ تیسرے دن غلاموں نے نمک حرامی کی۔ آکر سلطان سے ملے اور قلعہ کی کنجی سلطان کو دے دی۔ نواب کا سارا خزانہ سلطان کے ہاتھ آیا۔ پندرہ دن تک اس مقام پر اقامت کی۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ سورج کی طرح مشہور اور آسمان کی طرح باوقار سپہ سالار مرزا خان ابن نواب خانخانان جن کا نام بیرم خان تھا بندگان بادشاہی کے حکم کے مطابق قلعہ جالور سے گذر کر متواتر کوچ کرتے ہوئے آ رہے ہیں۔ سلطان احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ ۶ ر ماہ محرم الحرام ۹۹۲ھ[2] کو وہ احمد آباد آیا اور بروز پیر ۹ ر ماہ مذکور شہر سے نکل کر

---

[1] ج: تراودی کہ عبارت راج پیلہ سے ہے وہاں کے راجہ کی کوشش سے

[2] ج: "۹۹۲ھ" نہیں ہے۔

موضع محمد نگر میں جو شہر احمد آباد سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے جا کر خیمہ زن ہو گیا۔ منگل کے دن وہاں قیام کیا۔ بدھ کے دن نواب مرزا خان نے آ کر سرکھیج کو بائیں جانب رکھ کر سابھر ندی کے نزدیک شان و شوکت سے قیام کیا۔ سلطان بھی محمد نگر سے کوچ کر کے ندی پار کر کے حضرت منور شاہ بھیکن ابن حضرت شاہ عالم کے روضہ کے نزدیک اترا۔ جمعرات کے دن طرفین نے قیام کیا۔ جمعہ کے دن ۱۳ محرم الحرام سنہ مذکور کو دونوں لشکروں نے صفیں بنا کر جنگ کی۔ حق تعالیٰ نے فتح کا دروازہ نواب مرزا خان کی دولت کی پیشانی پر کھولا۔ سلطان ہزیمت اٹھا کر کھمبایت چلا گیا۔ گیارہ بارہ ہزار سوار سلطان کے پاس جمع ہو گئے۔

نواب مرزا خان ۲ ماہ صفر کو احمد آباد سے کھمبایت روانہ ہوئے اور بادشاہی لشکر جو مالوہ کی طرف سے آیا تھا اس کے سردار نواب شریف خان اتکہ، نواب قلیج خان اور نواب نورنگ خان تھے۔ جس دن سلطان کو ہزیمت ہوئی یہ لوگ بڑودہ پہنچے۔ بندۂ درگاہ، اِن سطور کا راقم بھی اِس لشکر کے ہمراہ تھا اور جب فتح کی خبر اس مقام پر ان لوگوں کو پہنچی تو انہوں نے بڑودہ میں مقام کیا اور نواب نورنگ خان نے بھروچ پر یلغار کی تا کہ قلعہ حاصل کریں۔ حاجی ہمک خان، چرکس خان اور نصیر خان کہ قلعہ کی حفاظت کا تعلق ان سے تھا نواب پر دروازہ بند کر کے توپ و بندوق کی لڑائی سے پیش آئے۔ نورنگ خان بھروچ کے نواح میں اتر کر روزانہ تلاش کرتے تھے۔ جب مرزا خان کھمبایت کی طرف متوجہ ہوئے تو انہیں لکھا کہ آپ بھی یہاں آئیے کیونکہ غنیم نے پھر کھمبایت میں جمعیت تیار کی ہے۔ اسے دفع کر کے کسی دوسرے کام میں لگیں گے۔ وہ وہاں سے گیارہ دن کے بعد مرزا خان کے کیمپ کی طرف روانہ ہوئے اور مقام باریچہ پر جو احمد آباد سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے آ کر ملحق ہو گئے۔

سلطان مظفر کو جب خبر ملی کہ وہ لشکر بھی اِس لشکر سے مل گیا تو وہ کھمبات سے بڑودہ کی طرف روانہ ہوا اور بڑودہ سے کوہستان جھانپہ کی طرف جو ولایت ترواری میں

داخل ہو گیا۔ لشکر بھی تعاقب کرتا ہوا جھاپہ پہنچا۔ سلطان مظفر نے جھاپہ کے دروازہ پر رک کر مقابلہ کیا۔ چونکہ صوبہ مالوہ کا لشکر پہلے جنگ میں شریک نہ ہوا تھا اِس مرتبہ اس نے پہل کی اور تھوڑی سی جنگ سے ظفر مند ہو گیا۔ سلطان مظفر کو شکست ہوئی۔ اس کا لشکر بکھر گیا۔ ان میں سے اکثر آ کر نواب مرزا خان کے ملازم ہو گئے۔ اس گناہ عظیم کے باوجود نواب نے ان کا جرم معاف کر دیا۔ بعض دکھن چلے گئے۔ لشکری ساز و سامان تاراج ہو گیا۔ ہر ایک نے اپنا راستہ لیا۔ پھر لشکر سلطان مظفر کے پاس جمع نہ ہوا۔ سلطان چند آدمیوں کے ساتھ لوبھا کانٹھی کے پاس موضع کہری گیا۔ نواب مرزا خان مظفر و منصور لوٹ کر احمد آباد گئے۔

جب قصبہ سنور[1] پہنچے تو سنا کہ حاجی ہمک اور چرکس خان اور نصیر خان ہنوز قلعہ بھروچ میں ہیں تو نواب شہاب الدین احمد خان، نواب قلیج خان، نواب شریف خان اور نواب نورنگ خان کو صوبہ مالوہ کے پورے لشکر کے ساتھ قلعہ بھروچ پر متعین کیا اور خود احمد آباد تشریف لائے۔ بندگان بادشاہی نے مذکورہ دو فتوحات کے بعد مرزا خان کو خطاب خانخانان سے سرفراز فرمایا۔ نواب کامیاب کا پایۂ دولت بلند ہو گیا۔ اُس روز سے پھر آج تک ان کی دولت ترقی پذیر ہے۔ اے اللہ! ان کی عمر کی حفاظت فرما اور ان کی دولت کو قیامت تک ہمیشگی عطا فرما! آمین!

مختصر یہ کہ مذکور امراء نے جا کر بھروچ کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار جب اہل قلعہ کا معاملہ تنگ ہوا تو نیر خان نے حاجی ہمک کو دغا سے مار ڈالا اس گمان پر کہ وہ کہیں بادشاہی امراء سے نہ مل جائے۔ چند روز کے بعد ایک رات نصیر خان اور چرکس خان نکل کر بھاگ گئے۔ چرکس خان کا گھوڑا نربدا ندی کے دلدل میں پھنس گیا۔ چرکس خان ہاتھ لگ گیا۔ اس کی گردن اڑا دی گئی۔ نصیر خان باہر چلا گیا۔ قلعہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد شہاب الدین احمد خان اسی دن ولایت مالوہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ درگاہ سے وہ ولایت ان

---

[1] ز: سن پور

کی جاگیر کے لیے بطور تنخواہ مقرر ہوگئی۔ دوسرے امراء احمد آباد آگئے۔

مختصر یہ کہ جب سلطان مظفر نے مقام جھانپہ پر شکست کھائی تو وہ وہاں سے امین خان غوری ابن تاتار خان غوری جس کا ذکر اوپر گذرا کے پاس آیا۔ امین خان نے اس کے قیام کے لیے گونڈل کا قصبہ جو ویران تھا متعین کیا۔ سلطان مذکور قصبہ میں اقامت گزین ہوا اور امین خان سے موافقت وامداد کی توقع کرنے لگا۔ امین خان نے کہا کہ میرے پاس مال نہیں ہے کہ لشکر کا سامان کروں۔ اگر دو لاکھ محمودی سے مدد کریں تو اپنا لشکر تیار کر کے خدمت میں آؤں اور پھر جو کچھ حکم ہو اس پر اقدام کروں۔ سلطان نے دو لاکھ محمودی امین خان کو بھیج دی۔ امین خان نے لے لی اور پھر وعدہ خلافی کی اور اپنے قول سے پھر گیا۔

جب یہ خبر نواب خانخانان کو پہنچی کہ سلطان مظفر جمعیت کا خیال رکھتا ہے تو انہوں نے سورٹھ کی طرف لشکر کشی کی۔ جام اور امین خان کے وکیلوں نے آکر عرض کیا کہ ہم نے سلطان مظفر کو اپنی ولایت میں جگہ نہیں دی ہے۔ وہ ویرانوں میں قزاق بن کر گھوم رہا ہے۔ نواب خود اس کے پیچھے تشریف لائیں خواہ لشکر بھیجیں۔ ہمیں اس سے کوئی کام نہیں۔ نواب نے فرمایا تم میں سے ہر ایک اپنی جگہ اور مقام پر رہے۔ ہم بھی تمہیں نہیں چھیڑیں کے بشرطیکہ تم اسے اپنی والیت میں جگہ نہ دو۔ ہر ایک نے یہ بات قبول کر لی اور پکا عہد کیا۔

نواب خود اس طرف متوجہ ہوئے جب وہ قصبہ اوپلوٹہ[1] جو قلعہ جوناگڈھ سے دس کوس کے فاصلہ پر واقع ہے پہنچے تو خبر ملی کہ سلطان مظفر بررہ پہاڑ میں آیا ہے۔ کیمپ[2] کو وہیں چھوڑ کر خود یلغار کی۔ جب کوہ کے درّہ پر پہنچے تو خود توقف کیا اور ایک جماعت کو متعین کیا کہ درّہ میں گھس کر اطراف وجوانب میں تلاش کرے۔ سلطان مظفر خود اس سے پہلے وہاں سے نکل کر اور ولایت جام کے بیچ سے گذر کر اور تہیہ کی طرف جو سرکش کولیوں کا

---

[1] ز: اوپلوٹہ، ج: لوہٹہ

[2] ج: بھیہ منڈان

ماویٰ ومسکن ہے آگیا۔ بھیہ مندن[1] راجپوت چوہان اور بعض سادات بارھہ مثلاً سید لاڈ خان اور سید بہادر جو شہر احمد آباد اور اس کے مضافات کی نگہبانی پر متعین تھے نے جا کر سلطان مظفر سے جنگ کی۔ سلطان کو شکست ہوئی۔ وہ پھر راج پیلہ کی طرف کہ اسے ولایت ترواری کہتے ہیں گیا۔ نواب خانخانان نے کوہ برو سے پلٹ کر جام پر اس واسطے لشکر کشی کی کہ اس کی امان کی شرط یہ تھی کہ سلطان مظفر کو اپنی ولایت میں جگہ نہ دے گا اور اسے اپنی ولایت سے گذر کر کہیں جانے نہ دے گا حالانکہ سلطان اس کی ولایت سے گذر کر اوجھیلیہ گیا۔ نواب کی عزیمت سے جام لرز گیا۔ اس نے مرنے کی ٹھان کر لادہ[2] کیا اور چندرہ سولہ ہزار سوار اور بہت سے پیادے لے کر اپنے شہر تو انگر سے نکل کر باہر بیٹھ گیا۔ ولایت جام کے لوگوں کی زبان میں لادہ اسے کہتے ہیں کہ ایک جماعت مرنے کی ٹھان کر بال بچوں سمیت نکل کر غنیم کا مقابلہ کرتی ہے۔ آخر کار مرزا خان وہ ہاتھی جو شہاب الدین احمد خان کے بھتیجہ کی امین خان سے جنگ کی شکست کے موقع پر جام کے لشکر کے ہاتھ آئے تھے جس کا ذکر اوپر گذرا جام سے تاوان کے طور پر چند گھوڑوں کے ساتھ لے کر مراجعت کی اور احمد آباد تشریف لائے۔

اس[3] کے بعد کہ ۹۹۹ھ میں نواب خانخانان کو درگاہ میں بلایا گیا ولایت گجرات کی حکومت نواب مستطاب اعظم خان کے لیے مقرر ہوئی۔ سلطان مظفر دوبارہ جام اور سورٹھ کی طرف گیا۔ نواب مذکور نے ایک سال تک توقف کر کے اس قصد سے جام پر لشکر کشی کی کہ سلطان مظفر کو اس سرحد سے نکالیں یا پکڑ لیں۔ نواب نورنگ خان اور نواب میران سید قاسم[4] بارھہ کو پہلے سے متعین کر کے خود ان کے پیچھے کوچ کیا۔ راقم سطور بھی

---

[1] ج: بھیہ مندن

[2] ز: لادہ

[3] ج: "اس کے بعد ۹۹۹ھ" نہیں ہے۔

[4] الف، ب: آدمی کو

اس لشکر میں تعینات تھا۔ نواب نورنگ خان اور میران سید قاسم جا کر قصبہ موربی کے نواح میں مقیم ہو گئے۔ نواب خود بیرم گام میں خیمہ زن ہوئے۔ چونکہ امین خان اس سے فوت ہو چکا تھا امین خان کا بیٹا دولت خان جا کر جام سے ملحق ہو گیا۔ سلطان مظفر بھی کاٹھیوں کے لشکر کے ساتھ اور بہارہ کا لشکر بھی اس کی کمک کے لیے آ گیا اس طرح جام کے ساتھ ایک بڑی جمعیت ہمراہ ہو گئی۔ کچھ دنوں تک نواب نورنگ خان اور جام کے درمیان مراسلت کی رسم اس مدعا سے قائم رہی کہ سلطان مظفر کو اپنی ولایت کی سرحد سے نکال دے اور اس کے بعد اپنی ولایت کے قریب نہ آنے دے اور چند اچھے گھوڑے بطور نذرانہ دیے۔ لیکن جام نے کثرت جمعیت کے غرور سے یہ بات قبول نہ کی تو نواب نورنگ خان اور میران سید قاسم نے اس حقیقت سے نواب مستطاب اعظم خان کو آگاہ کیا۔ نواب کے غضب کی آگ بھڑکی۔ کمال غیرت کی وجہ سے غنیم کی اس جمعیت کو بنجاروں کی جمعیت خیال کرتے ہوئے متواتر کوچ کرتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوا۔ جس دن جام کے لشکر سے تین کوس کے فاصلہ پر کہ نام اس مقام کا پتھر ہے بصد شان قیام کیا اتفاق سے اسی دن بارش کا موسم شروع ہو گیا۔ پانچ رات دن اس قدر بارش ہوئی کہ کسی وقت نہ رکی۔ سیاہ مٹی اور کیچڑ نے اس درجہ جوش کھایا کہ ایک ڈیرہ سے دوسرے ڈیرہ جانا سخت مشکل تھا اور دونوں لشکر کے بیچ اتنا دلدل پیدا ہو گیا کہ مچھر بھی پاؤں نہیں رکھ سکتا تھا تو پھر کہاں گھوڑا اور ہاتھی۔

ان پانچ راتوں میں جام کے چور ہر رات لشکر میں آ کر کبھی گھوڑے اور کبھی ہاتھی کے پاؤں کے گٹے کے پاس کی رگ اور پٹھا کاٹ دیتے تھے اور کبھی کبھی زخمی کر کے بھاگ جاتے تھے۔ غلہ مہنگا ہو گیا۔ باجرہ ایک روپیہ میں نہیں ملتا تھا۔ نواب مستطاب نے اس باب میں ان اولیائے دولت سے جو اس یورش میں ہمراہ تھے مشورہ کیا۔ بعض نے کہا کہ اس مٹی اور کیچڑ کے رہنے تک غنیم سے توپ کی جنگ کریں۔ جب ہوا صاف اور زمین خشک ہو جائے تو صفوں کی جنگ کا اقدام کریں گے۔ سیادت پناہ سید قاسم نے کہا کہ

ہمارے کیمپ میں غلہ کمیاب ہوگیا ہے اور غنیم کے کیمپ میں اس جنس کی کمی نہیں۔ ہوا کے صاف اور زمین کے خشک ہونے میں مدت چاہیے۔ اس وقت تک لشکر غلہ کی کمیابی کی تاب نہیں لاسکتا۔ دولت (حکومت) کی بہتری اس میں ہے کہ غنیم کا مقابلہ ترک کر کے ہم اس کے شہر کی طرف کہ نوانگر ہے جائیں۔ اس کے اہل وعیال ہیں۔ ناچار وہ بھی وہ جگہ چھوڑ کر راستے پر آئے گا۔ پھر جہاں کہیں مقابلہ کرے ہم جنگ کریں گے۔ ہر کسی کو حضرت میران کی رائے پسند آئی۔ دوسرے دن صبح انہوں نے نوانگر کی طرف کوچ کیا۔ جام پورے اضطراب کے ساتھ وہاں سے کوچ کر کے آیا۔ قصبہ دھول[1] کے نواح میں کہ ظفر مآثر کیمپ سے پانچ چھ کوس کے فاصلہ پر نوانگر کے راستہ پر اترا۔ جب یہ خبر نواب مستطاب کو پہنچی تو یہ قرار پایا کہ چونکہ راستے میں مٹی اور کیچڑ بہت ہے کل کوچ کر کے دو کوس پر منزل کرنا چاہیے تاکہ پرسوں جنگ واقع ہو۔

جب مقررہ منزل پر پہنچے وہاں ایک ٹیکرہ تھا جہاں سے غنیم اور اس کی فوجیں دکھائی دیتی تھیں۔ حضرت میران سید قاسم ہراول تھے۔ نواب نورنگ خان دائیں طرف کی فوج میں اور ان کے سامنے کنارے پر گوجر خان اور خواجہ محمد رفیع کہ دونوں اپنے زمانے کے بہادروں میں سے تھے کئی امرائے شاہی اور زمینداروں کے ساتھ بائیں جانب کی فوج کے سردار تھے۔ نواب مستطاب کے بیٹے نواب مرزا خرم انبوہ فوج کے سردار، فوج ہراول (التمش) کے سردار مرزا انور اور نواب مستطاب انبوہ لشکر (غول) کے سامنے طرح تھے۔

مختصر یہ کہ جب غنیم کی فوجیں نمودار ہوئیں تو نواب مستطاب نے میران سید قاسم سے پوچھا کہ قرارداد یہ تھی کہ جنگ کل ہو لیکن اب کہ غنیم کی فوجیں نمودار ہوگئیں کیا صلاح ہے؟ میران قاسم نے کہا کہ اگر آج ہم توقف کریں گے تو غنیم شیر ہو جائے گا۔ نواب نے کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فاتحہ پڑھ کر قدم آگے بڑھایا۔ جب جنگ ہراول

---

[1] ز: دھول کر

تک پہنچی تو خواجہ محمد رفیع نے پھرتی کر کے فوج مقابل سے جس کے سردار جام کا بڑا لڑکا اوجا[1] اور اس کا وزیر جسا تھے تلوار بازی شروع کر دی۔ ابھی یہ جنگ جاری ہی تھی کہ بہت سی توپوں کے چلنے کے بعد امین خان کا لڑکا دولت خان اور بے شمار کولی میران سید قاسم سے جنگ کرنے لگے۔ ایسا غبار اٹھا کہ اس نے رات کی طرح دنیا کو اندھیرا کر دیا تلواروں کی ردوبدل ٹوٹتے ہوئے تاروں کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ اس اثنا میں خواجہ محمد رفیع درجۂ شہادت کو پہنچے اور بائیں بازو کی فوج نے شکست کھائی۔ جام کا لڑکا اُجا اور اس کا وزیر جسا اس فوج کو زیر کر کے میران سید قاسم سے بھڑ گئے اس طرح اُس وقت اگر سید کے علاوہ کوئی اور ذی الشل کوہ بے ستون اپنے پاؤں ستون کی طرح جما دیتا تو وہ اکھاڑ دیتے اور اگر کوئی دریا ان کی فوج کے سامنے حائل ہوتا تو وہ اسے پاٹ دیتے لیکن وہ میدان شجاعت کا مرد اور بہادری کے جنگل کا شیر اپنی جگہ سے بالکل نہ ہٹا۔ تلوار کی بجلیوں اور برستے ہوئے تیروں کے بادلوں کو وہ پانی کی طرح پی جاتے تھے اور دشمنوں کا خوف سیلاب کی طرح بہا رہے تھے۔ اس اثنا میں گوجر محمد خان، داہنے طرف کی فوج کے کنارے کے سردار اور ہراول کے سردار مرزا انور اور نواب مستطاب نے جو خود ہراول کے کنارے پر خود کو پے در پے غنیم کی فوج کے سینے پر تر کی طرح مارا۔ غنیم نے پیٹھ دکھائی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ جام کا بیٹا اور اس کا بدانجام وزیر دونوں مارے گئے اور ان کے قریب ہزار پانچ سو آدمی قتل ہوئے۔ نواب کامیاب کے لشکر کے نامی لوگوں کے جنہوں نے شہادت پائی نام لکھے ہیں: خواجہ محمد رفیع، خواجہ مذکور کے رشتہ دار خواجہ شیخ، خدام شاہ ابوتراب کے بھتیجے سید شرف الدین، سید علی خان ناصر کے بیٹے سید کبیر اور کچھ سپاہی۔ قریب تیس چالیس نفر نے شربت شہادت نوش کیا۔ حق تعالیٰ نے فتح کا دروازہ نواب کی دولت کی پیشانی پر کھولا۔ غنیم کی آبرو خاک مذلت میں مل گئی۔

عزم امور میں آنجناب کے بہت سے کارنامے ہیں ان میں سے عزیمت حج ہے

---

[1] الف، ج: جسا

جو سلطان مظفر یک فنا[1] ہونے کے بعد وقوع پذیر ہوئی۔ بروز پیر، ۲ رماہ رجب ۱۰۰۱ھ۔ باوجود ملک گجرات کی حکومت کے کہ جو ہندوستان کے ممالک میں بہترین ہے اور اسباب فراوان جمع ہونے کے کہ شاید اس عصر میں اس درجہ کسی کو حاصل نہ ہوا ہوگا اور بادشاہی قربت ایسی کہ اس سے زیادہ متصور نہ ہو، ان سب چیزوں کو ایک طرف رکھ کر ہمت کا پاؤں عزیمت کی کشتی میں رکھا اور اخر موسم میں ایسے وقت کہ دریا میں ایسا جوش وخروش تھا کہ جس کے دیکھنے سے مرغ روح ساحل بدن سے پرواز کرتا ہے! اس وقت ایک آدمی نے آنجناب کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ دریا کا یہ جوش وخروش زبان حال سے کہتا ہے کہ اس وقت جو اپنا قدم کشتی میں رکھے اس کا خون اسی کی گردن پر ہے۔ آنجناب نے کہا کہ یہ خود پانی کا دریا ہے اگر آگ کا دریا بھی درپے امتناع ہو تو بھی میری کشتی عزیمت کو منع کا آسیب نہیں پہنچے گا اور اسی حال میں اہل وعیال کے ساتھ قدم کشتی میں رکھا اور علائق کا لنگر اٹھا کر باد صرصر کی طرح روانہ ہوگئے۔ حق تعالیٰ نے صدق نیت کی برکت سے صحت وعافیت کے ساتھ ساحل مراد پر پہنچایا۔ اور کعبہ معظمہ کے طواف کی ادائیگی اور مدینہ منورہ (کی زیارت) کی دولت حاصل ہوئی۔ آنجناب کا جانا سلطان ابراہیم کے سلسلۂ سلوک میں آنے کی مانند ہے اور ان کا آنا اس بزرگوار کے حمام میں جانے کی طرح۔ چنانچہ مشہور ومعروف ہے اس لیے حاجت شرح وبیان نہیں۔

مختصر یہ کہ سلطان مظفر، جام اور دولت خان فرار ہو کر قلعۂ جونا گڈھ چلے گئے۔ دوسرے دن صبح نواب مقام دھولقہ سے نوانگر تشریف لے گئے۔ جام کے بسی اور اس کے امیر لوگ نکل کر چلے گئے تھے۔ چھوٹے درجے کے بہت سے لوگ گرفتار ہوئے اور شہر لٹ گیا۔ وہاں سے دوسرے دن نواب نورنگ خان، نواب میران سید قاسم اور نواب گوجر خان کو قلعۂ جونا گڈھ پر چڑھائی کے لیے بھیجا اور نواب نے خود نوانگر میں قیام کیا۔ یہ سن کر سلطان مظفر اور جام قلعہ سے نکل کر ولایت جام کی طرف روانہ ہوگئے۔ دولت خان قلعہ

1۔ ج: "فنا ہونے کے بعد... ۱۰۰۱ھ" نہیں ہے۔

میں رہ گیا۔ اتفاق سے جس دن امراء مذکور قلعہ کے قریب پہنچے اسی دن امین خان کا بیٹا دولت خان جو قلعۂ جونا گڈھ کا حاکم تھا فوت ہوگیا۔ اس کے وکیلوں اور امیروں نے قلعہ کو مضبوط کر کے توپ و تفنگ کی جنگ شروع کی۔ چند روز تک امرائے مذکور خفیہ طور پر قلعہ کے نواح میں مقیم رہے۔ اس کے بعد نواب مستطاب بھی وہاں تشریف لے آئے اور کچھ دنوں تک قلعہ کی تسخیر میں سعی وتردد کیا۔ چونکہ ولایت ویران ہو چلی تھی غلّہ کا وجود لشکر میں کم ہوگیا یہاں تک کہ رفتہ رفتہ نایاب ہوگیا تو بالضرورت کو قلعہ کو اپنے حال پر چھوڑ کر احمد آباد تشریف لے آئے۔

سات آٹھ ماہ بعد پھر قلعۂ جونا گڈھ کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئے۔ اس اثنا میں جام کے وکیلوں نے آکر التماس کیا کہ اگر نواب ہمارے گناہ معاف فرمائیں اور ہماری ولایت ہمارے لیے مسلّم رکھیں تو ہم اطاعت کی کمر باندھ کر موافقت کے راستے پر چلیں گے اور ہر خدمت جس کے لیے مامور ہوں اس پر قائم رہیں گے۔ نواب نے فرمایا کہ تمہاری خدمت یہ ہے کہ غلّہ کی رسد کیمپ کو پہنچاؤ۔ انہوں نے عہد کیا۔ نواب نے آکر جونا گڈھ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ غلّہ کی رسد ولایت جام سے متواتر پہنچتی تھی۔ تین ماہ بعد اہل قلعہ نے آکر قلعہ کی کنجی پیش کی اور ساتھ ہوگئے۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ سلطان مظفر جگت[1] چلا گیا جہاں دریائے شور کے ساحل پر کفار کا مشہور معبد ہے۔ نواب[2] نورنگ خان، نواب[3] مرزا انور اور نواب[4] گوجر خان کو متعین کیا گیا۔ انہوں نے جونا گڈھ سے یلغار کی جب جگت پہنچے تو خبر ملی کہ وہ موضع بسیتہ جو دریائے شور کے کنارے سیوا بادھیل کا مسکن ہے چلا گیا۔ وہ لوگ بلا توقف جگت سے بسیتہ روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے کہ وہ وہاں پہنچیں لشکر کی خبر سیوا کو پہنچ چکی تھی۔ اس نے پورے گاؤں کو ویران کر کے سلطان کو مع حرم کشتی میں سوار کیا اور چاہتا تھا کہ خود بھی اپنے

---

1. جگت یعنی دوارکا۔ مترجم۔

2، 3، 4 الف: "نواب" نہیں ہے۔

بسی کے ساتھ کشتی میں بیٹھے لیکن چونکہ اس وقت دریا میں پانی کی کمی کا وقت تھا کشتی کے چلنے میں توقف ہوا اور انہیں یہ بھی خاطر جمع تھی کہ لشکر جگت سے آج وہاں نہ پہنچے گا۔ اس اثنا میں لشکر کے آنے کی علامت پیدا ہوئی۔ سلطان مظفر کو کشتی سے اتار کر گھوڑے پر سوار کیا اور اپنے راجپوتوں میں سے چند کو ہمراہ کر کے باہر لے آیا لیکن اپنے بسی کے ساتھ نہ کشتی تک پہنچ سکا اور نہ کہیں اور لے جاسکا کہ لشکر پہنچ چکا تھا۔ خود نے تیس چالیس آدمیوں کے ساتھ جو اس کے ہمراہ تھے مردانہ جنگ کی اور مارا گیا۔ اس کے بال بچے گرفتار ہو گئے۔

جب پانی بڑھا سلطان کے حرم کی کشتی رواں ہوئی۔ لشکر[1] موضع بسیہ میں رہ گیا۔ دوسرے دن صبح لشکر موضع رامرہ میں جو جگت کے راجہ سنگرام بادھیل کا وطن ہے آیا۔ اس نے آکر ملاقات کی اور کہا کہ میرے ہمراہ ایک جماعت کر دیجیے تو میں کشتی میں سوار ہو کر سلطان کے حرم کی کشتی کا پیچھا کروں۔ جہاں کہیں بھی گئی ہوگی پکڑ لوں گا کیونکہ ان حدود کے جزیرے میرے قبضہ میں ہیں۔ اس کی یہ طلب دغا پر مشتمل تھی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ وہاں سے اچھے اچھے آدمیوں کو منتخب کر کے کشتیوں میں بٹھا کر لے جائے۔ اس کے بعد ایک جزیرہ میں اتار کر کشتیاں جدا کر لے اور ایک جماعت اپنے ساتھ کر کے سیوا بادھیل کے بال بچوں کو معاوضہ کے طور پر چھٹکارا دلائے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کی نیت نواب نورنگ خان کے دل پر الہام کی۔ خان نے کہا کہ سنگرام خود ہمارے پاس رہے اور اپنے آدمیوں کو ان جہازوں کے ہمارے پاس بھیجے۔ یہ بات سن کر وہ بھاگ گیا جس سے اس کے فریب کی نیت سب پر ظاہر ہو گئی۔ نواب نورنگ خان اور مرزا انور وہاں سے لوٹ کر جوناگڈھ آگئے۔ اس کے بعد نواب مستطاب نے موربی کی طرف لشکر کشی کی۔ جب قصبہ موربی کے نواح میں خیمہ زن ہوئے جام حاضر خدمت ہوا۔

اس اثنا میں خبر پہنچی کہ سلطان مظفر بہارہ کے پاس ہے اور اس نے قصبہ بجہ کے

---

[1] ج: راجہ بچھو گیا نواب۔

نواح میں جو اس کا صدر مقام ہے اسے پناہ دی ہے۔ نواب نے اس طرف جانے کی تیاری کی۔ یہ خبر بہارہ کو پہنچی۔ اپنے وکیلوں کو بھیج کر اس نے عرضداشت کی کہ میری ولایت کی خرابی کا اقدام نہ فرمائیں کہ میں سلطان مظفر کو پکڑ کر بھیجتا ہوں۔ آخر کار جو کہا تھا اس پر عمل کیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بھچہ سے بیس کوس کے فاصلہ پر ایک کوہستان ہے۔ بہارہ نے سلطان کو اس جگہ پناہ دی تھی۔ جب اس کی نیت بدلی تو نواب کے لشکر کو بلا کر سلطان کو پکڑ لیا اور ان کے سپرد کر دیا اور وہ سلطان کو قید کر کے موربی کی طرف روانہ ہوئے۔ جب موضع[1] دھر کہ جو بھچہ سے اس طرف موربی کی جانب پندرہ کوس کے فاصلہ پر ہے پہنچے تو سلطان قضائے حاجت کا اظہار کر کے ایک کونہ میں گیا اور پاکی کا ایک استرہ جو ایام قزاقی میں وہ اپنے پاس رکھتا ہے پاجامہ کے نیچے سے نکالا اور اپنے گلے پر چلا دیا اور اس طرح دنیائے دوں کی کشاکش سے خلاصی پائی۔ یہ[2] واقعہ ۱۰۰۱ھ کا ہے۔ [بیت]

آسمان اونچا ہوگیا، پرویز نہیں ہے، قصہ نہ سنا
کہ اس کا ریزہ کسریٰ کا سر اور پرویز کا تاج ہے

جب یہ قلم پریشان رقم مذکور لوگوں کے ذکر کو کتاب میں لکھنے سے فارغ ہوا تو میری جان حزیں نے دل مسکین سے کہا کہ تو نے اتنے گذرے ہوئے لوگوں کے احوال کا کلک بیان سے رقم کیے اور قلم کی مدد سے ان رفتگان کے چہرۂ خصال سے نقاب اٹھائی تو اب اپنے احوال کا کچھ حصہ بھی دائرہ تحریر میں لا اور اپنے خیالات میں سے کچھ صفحۂ بیان پر لکھ۔ اتنی مدت تک کہ تو اس کھیت میں رہا تو نے کیا بویا اور اس کے کھلیان سے کیا اٹھایا؟ دل نے کہا کہ مدت ہوتی ہے کہ جمعیت کا بیج آرزو کے کھیت میں بوتا ہوں لیکن چونکہ توفیق کا بادل نہیں برستا تو وہ بویا ہوا اس مٹی سے نہیں پھوٹتا۔ کوئی صاحب سیاحت کہاں کے

---

[1] ج: دھر کہ

[2] ج: بیچارہ سلطان مظفر مفسدوں کی جماعت کے بہکانے سے اگرچہ دو روز گجرات کی سلطنت کے تخت پر کامرانی کے ساتھ بیٹھا لیکن آخر کار اس نے اپنی جان شیریں اس کام میں گنوائی۔

گہرے سمندر میں ڈوبے ہوئے کو ساحل توفیق پر پہنچائے اور ایسا بلند مرتبہ (شخص) کہاں کہ ایک دون فطرت کو غفلت کی پستی کی قید سے چھٹکارا دلائے! آہ صد آہ! کہ عمر گرانمایہ کا حاصل چلا گیا اور افسوس ہزار افسوس کہ نفس نفیس کا لحاظ یاد سے جاتا رہا!۔

[بیت]

الٰہی! نہ صبر رہا نہ طاقت اور نہ دین و دل!

ایسا کون کرتا ہے جو تو نے اپنے روزگار پر کیا!

آگ میرے خون سے کیا بجھے گی؟

بلکہ دوزخ بھی میرے ننگ سے جلے گی!

اب سر تسلیم قضا کی چوکھٹ پر جھکاتا اور روتی ہوئی آنکھوں سے اشک حرمان برساتا ہوں اور ہر وقت زبان پر لاتا ہوں۔

[بیت]

اے بے تاثیر آنسو اور اے بے اثر آہ

میں تم سے امید رکھتا تھا لیکن پوری نہ ہوئی

میرا سارا بدن خون ہو جائے اور آنکھوں سے ٹپکے

کہ میں جانتا ہوں کہ گریہ کا اثر ہوتا ہے

[مصرع]

سبزہ پتھر پر نہیں اگتا، پھر بارش کا کیا گناہ؟

اظہار حال کا مقصود اور اس مقال کا مدعا یہ ہے کہ۔

[بیت]

اپنے سوئے ہوئے نصیب سے ملول ہوں! کیا ایسا ہو سکتا ہے

کہ کوئی بیدار صبح کی فاتحہ کے وقت میرے لیے بھی ایک دعا کرے

اے اللہ ہمیں سچی راہ دکھادے اور اس کا اتباع نصیب فرما اور ہمیں جھوٹ

دکھادے اور اس سے بچالے۔

یا ارحم الرّاحمین۔

یہ کتاب فقیر حقیر مرتضیٰ ابن شیخ طاہر بن میاں خان نے لکھی جو بروز جمعہ، تاریخ ۳ رجمادی الآخر ۱۰۲۳ھ کو پوری ہوئی۔

الف۔ الملک الوہاب بتاریخ ۱۵ رماہ جمادی الثانی ۱۰۳۸ھ

ج۔ یہ واقعہ ہوا تو اریخ سلاطین گجرات، ۱۸ رشوال ۱۰۲۳ھ

ب۔ پوری ہوئی یہ کتاب مرآۃ سکندری جو تصنیف ہے شیخ سکندر ابن محمد عرف منجھو کی۔

الٰہی راقم کو تمام گناہوں سے آزاد فرما اور اسے بہشت جاوداں میں رکھ
اور بوقت حشر اپنی مہربانی بتلا بحرمت النبی وآلہ الامجاد اور جو کوئی اسے لکھے
اس کے ایمان کو سلامت رکھ!

گجرات اردو ساہتیہ اکادمی کی مطبوعات

(1) سابرنامہ ۲۰۰۳ء (ولی گجراتی نمبر) 100/-
(2) ولی گجراتی حیات اورفن - قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی 150/-
(3) تذکرۃ الوجیہ - حضرت سید حسینی پیرؒ 100/-
(4) میاں داد خاں سیاح (شاگرد غالب) - ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی 125/-
(5) کلیات اثر ثالیری 150/-
(6) النور السافر (مترجم: ڈاکٹر عارف الدین شاہ فاروقی) 170/-
(7) تاریخ گجرات (مترجم: میر ابو تراب ولی) 70/-
(8) آئینۂ گجرات - رضی الحق عباسی 130/-
(9) تاریخ اولیاء گجرات - مولانا ابوظفر ندوی 136/-
(10) "سابرنامہ" (جرنل) علی سردار جعفری نمبر 60/-
(11) گجرات کے مشاہیر علماء - ڈاکٹر محمد زبیر قریشی 70/-
(12) اردو غزل گجرات میں - ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی 44/-
(13) رات اِدھر اُدھر روشن - محمد علوی 150/-
(14) مرآۃ سکندری (اردو ترجمہ: مرتاض قریشی، نظر ثانی: محی الدین بمبئی والا) 288/-
(15) علی سردار جعفری ایک مطالعہ (پروفیسر وارث علوی، محی الدین بمبئی والا) 150/-
(16) سیرت احمدیہ (مترجم: مولانا ابوظفر ندوی) 80/-
(17) مضامین ڈار (مرتب: ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی) 100/-
(18) کائنات فخر - فخر گجرات فخر الدین قادری (مرتب: محی الدین بمبئی والا) 75/-
(19) قرۃ العین حیدر ایک مطالعہ - پروفیسر محی الدین بمبئی والا 200/-
(20) گجراتی کہانیاں (مترجم: مظہر الحق علوی) 46/-
(21) آزادی کے بعد گجرات میں اردو ادب کی پیش رفت (مرتب: محی الدین بمبئی والا) 115/-
(22) مکالمات ابوالکلام (مرتب: محی الدین بمبئی والا) 125/-
(23) کارنامۂ ولی (مرتب: محی الدین بمبئی والا) 100/-
(24) مضراب دکن - ڈاکٹر نور السعید اختر 200/-
(25) سابرنامہ ۲۰۰۵ء 130/-
(26) حقیقت السورت - بخشو میاں (مرتب: پروفیسر محبوب حسین عباسی) 150/-
(27) اردو گجراتی لغت 250/-
(28) سابرنامہ ۲۰۰۸-۲۰۰۹-۲۰۱۰ء 154/-
(29) بتخانۂ چین - وارث علوی 500/-
(30) کلیات رحمت امروہوی - رحمت امروہوی 185/-
(31) معین الشعراء - آفاق بنارسی (نظر ثانی: محی الدین بمبئی والا) 600/-